



فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٩﴾
لَمَّا شَفَا عِیَّ السَّوَالِیْ

اَسْنُ الْفَتَاوِی

بحذف مكررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مهمه

جلده

(۱۸)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ

(وحد تقسیم کنندگان)

الحاج اہم سعید مدنی
ادب منزل پاکستان چوک، کراچی

کتبہ دار الفاروق سکس



نام کتب ————— احسن الفتاویٰ

جلد ————— پنجم

زیر اہتمام ————— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ————— ۵۶۸ صفحات

کتابت ————— سید رشاد حسین کاظمی

تعداد ————— ایک ہزار

پریس ————— ریجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ————— سنہ ۱۴۰۷ھ

طبع یازدہم ————— ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ —————

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پارک سٹراچوک کراچی



فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد پنجم^(۵)

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸	مہر یا ہدیہ ہونے میں زوجین کا اختلاف	۱۳	کتاب النکاح
۳۰	جنسہ سے نکاح جائز نہیں	"	نکاح بالعوض کی تحقیق
"	مہر میں معجل یا مؤجل کی تصریح	۱۵	وکیل اپنے نفس سے نکاح نہیں کر سکتا،
"	نہ ہو تو عرت پر مدار ہو گا	"	مسلمان کی بیوی پر کافر نے قبضہ کر لیا اس سے
"	نکاح میں ایک ہی شخص دونوں	۱۶	چھڑا کر دوسرے مسلمان نے نکاح کر لیا،
"	طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا	"	لڑکی فلاں کو دیدی کہنے
۳۱	مہر فاطمی کی تحقیق	"	سے انعقاد نکاح کا حکم
۳۲	مہر کی کم از کم مقدار	۱۷	غیر برادری میں نکاح نہ کرنے کی پابندی
"	بلا اذن زوج والدین سے ملاقات	۱۸	معتزہ غیر سے نکاح کا حکم
۳۳	موت قبل الدخول میں کامل مہر واجب ہے	۱۹	تصادق زوجین سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے
"	گونگے کے نکاح کا طریقہ	"	جو عورت طلاق اور عدت گزرنے کا
"	مہر غیر مؤجل میں حق مطالبہ کی تفصیل	۲۰	اقرار کرے اس سے نکاح جائز ہے
۳۴	سوال مثل بالا	"	جو عورت وفات زوج اور عدت گزرنے
"	نامرد سے خلوت صحیح کے بعد	"	کا اقرار کرے اس سے نکاح جائز ہے
۳۵	مہر کامل واجب ہے	۲۱	نکاح فاسد میں متارکت کی تفصیل
"	دس درہم سے کم مہر کا حکم	۲۲	شیعہ ہو جانے سے نکاح ٹوٹ گیا
"	خطبہ نکاح سننا واجب ہے	"	زوجہ صغیر حرام ہو گئی تو متارکت
۳۶	باکرہ کا ایک لمحہ سکوت بھی اذن ہے	۲۳	کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے
"	نکاح میں قبول کی بجائے الحمد للہ کہنا	۲۵	صالحہ بنت صالح کفو فاسق نہیں
"	منکوحہ کی تعیین جس طرح	"	نوسلمہ کے نکاح کا حکم
۳۸	بھی ہو جائے کافی ہے	۲۷	سوال مثل بالا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۵	رضاعی بھائی بہن کی اولاد کا { نکاح آپس میں جائز ہے،	۴۰	ایجاب و قبول میں ایسے الفاظ ہونا { شرط ہونے سے انعقاد نکاح کا علم ہو
"	بھائی کی رضاعی بہن حلال ہے		رسائل
"	حرمت مصاہرت کے لئے شہوت کی حد	۴۱	حفظ الحیاہ بحصریم متعۃ النساء
۷۶	مس بالمشہودہ میں وجود حامل یا دم نہیں تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگی {	۵۹	القول الفاصل بین النکاح الفاسد الباطل
	زنا سے متولدہ لڑکی زانی کے { بھائی کے لئے حلال ہے	۶۵	حکمتہ الازدواج باربع ازدواج
۷۷	ربیبہ رضاعیہ کا حکم	۶۹	باب المحرمات
۷۸	رضیعہ مزنیہ زانی پر حرام ہے	"	عورت اور اس کے شوہر کی { بیٹی کو جمع کرنا جائز ہے {
۸۲	بیوی کے رضاعی اصول و فروع حرام ہیں	"	عورت اور اس کے باپ کی { بیوی کو جمع کرنا جائز ہے {
۸۳	رضاعی باپ اور بیٹی کی بیوی حرام ہے	۷۰	عورت اور اس کی بھانجی کی { لڑکی کو جمع کرنا حرام ہے {
۸۴	بیوی پر شہوت کی حالت { میں بیٹی کو ہاتھ لگ گیا {	"	دو عورتوں میں حرمت جمع کا ضابطہ
"	بیٹی کو بیوی سمجھ کر شہوت سے { چوما تو بیوی حرام ہوگئی {	۷۱	بیوی خسر سے زنا کا اقرار کرتی ہو { مگر شوہر قصداً نہ نہیں کرتا {
۸۵	باپ کی سالی حلال ہے	۷۲	چچی حلال ہے
"	سوتیلی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے	"	عمانی حلال ہے
"	عورت اور اس کے باپ کی { ربابہ کو جمع کرنا جائز ہے {	۷۳	باپ کی چچا زاد حلال ہے
"	سوتیلی ماں کو شہوت سے ہاتھ { لگایا تو وہ باپ پر حرام ہوگئی {	"	بیٹی کی مستکوحہ حرام ہے
"	بیوی کی لڑکی کو شہوت سے ہاتھ { لگایا تو بیوی حرام ہوگئی {	۷۴	دادا کی بیوی کی لڑکی حلال ہے
۸۶		"	ماں کے شوہر کی پوتی حلال ہے
		"	زانی و مزنیہ کی اولاد کا { آپس میں نکاح جائز ہو {

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۵	باکرہ بالغہ سے غیرولی نے نکاح کی { اجازت طلب کی تو سکوت کافی نہیں }	۸۶	رضاعی بھانجی حرام ہے
۹۶	عاقلہ بالغہ کا نکاح غیر کفو میں { بلا اذن ولی صحیح نہیں }	۸۷	رضاع سے علی بہن حرام ہے
۹۸	وصی کو ولایت نکاح نہیں	۸۸	رضاعی بھتیجی حرام ہے
۹۹	متعدد اولیاء میں سے ایک نے نکاح کر دیا	۸۹	رضاعی خالہ حرام ہے
۱۰۰	نکاح فضولی میں باکرہ کا سکوت کافی نہیں	۹۰	مرضعہ کی سب اولاد { رضیعہ پر حرام ہے }
۱۰۱	باپ کے کئے ہوئے نکاح { میں خیار بلوغ نہیں }	۹۱	سو تیلی نانی کی رضیعہ { خالہ زاد پر حرام ہے }
۱۰۲	ولی اقرب کی موجودگی میں ابد { کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے }	۹۲	خانہ کے ایک جزئیہ کی توضیح
۱۰۳	سوال مثل بالا	۹۳	مطلقہ بیوی کی عدت تک { اس کی بہن حرام ہے }
۱۰۴	باپ نے مراہقہ کا نکاح { کمن بچہ سے کر دیا }	۹۴	بارہ سال سے کم عمر کے لڑکے سے { صحبت موجب حرمت مصاہرت نہیں }
۱۰۵	ولی اقرب نابالغ ہو تو { ابد کو ولایت نکاح ہو }	۹۵	عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح
۱۰۶	ولی ابد بالغ کی موجودگی میں نابالغ { کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے }	۹۶	شیعہ عورت سے نکاح
۱۰۷	خیار بلوغ سکوت سے { باطل ہو جاتا ہے }	۹۷	اقرار حرمت مصاہرت سے رجوع کی تحقیق
۱۰۸	بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح میں { طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں }	۹۸	بھانجی کی لڑکی حرام ہے
۱۰۹	رسالہ	۹۹	چھوٹے سے انزال ہو گیا تو { حرمت مصاہرت ثابت نہوگی }
۱۱۰	کشف الغبار عن مسأله سور الاختیار	۱۰۰	نکاح فاسد موجب حرمت مصاہرت نہیں
		۱۰۱	زوجہ ربیب حلال ہے
		۱۰۲	باب لایۃ النکاح و المال
		۱۰۳	عاقلہ بالغہ نکاح میں خود مختار ہے
		۱۰۴	ولی نکاح و مال کی تفصیل

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۷	نکاح فاسد میں تین طلاقیں سے مغلظ نہ ہوگی	۱۲۵	باب الرضاع
"	نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی	"	ثانی کا دودھ پینے سے نواسی کے
۱۳۸	سوال مثل بالا	"	والدین کا نکاح نہیں ٹوٹتا
۱۴۰	نابالغ کی طلاق کے لئے	۱۲۶	صرف قولِ رضعہ سے رضاع ثابت نہیں ہوتا
"	امام احمد کا مذہب لینا	"	سوال مثل بالا
۱۴۱	تجھے طلاق، مجھے آئندہ کوئی حق نہیں	۱۲۷	حلق میں دودھ پہنچنے کا یقین
۱۴۲	تو میری منکوحہ نہیں	۱۲۷	نہ ہو تو رضاع ثابت نہ ہوگا
۱۴۳	یہ میری منکوحہ نہیں اس کو اس کے والدین کے	"	عورت دودھ پلانے کے بعد
"	گھر پہنچاؤ میری طرف اس کو طلاق ہو دوسرا خاوند بن جائے	"	کہتی ہے کہ دودھ نہیں تھا
۱۴۶	کوئی دوسرا خاوند بن جائے	۱۲۸	دو سال کے بعد دودھ پینے سے
"	دو بیویوں کو بدون تعیین تین طلاقیں	"	حرمتِ رضاع نہیں ہوتی
۱۴۸	صیغہ مستقبل سے طلاق نہیں ہوتی	"	آیسہ کے پستان کا سفید پانی
"	طلاق نامہ لکھنے سے طلاق ہو جاتی ہے	"	موجب حرمتِ رضاع نہیں
۱۴۹	بیوی کو "جلی جادو" کہنا	۱۲۹	کتاب الطلاق
"	سسرال میں نہ رہوں تو بیوی سے لادعویٰ ہوں	"	دفعۃً تین طلاقیں دینے سے مغلظ ہو جائے گی
۱۵۰	فاحشہ کو طلاق دینا مستحب ہے	"	غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے کا حکم
۱۵۱	مٹی کے ڈھیلے دینے سے طلاق نہیں ہوتی	۱۳۰	گوئیکے کی طلاق کا حکم
"	زانی سے معاوضہ لینا طلاق نہیں	"	مجنون کی طلاق نہیں ہوتی
۱۵۲	متعدد بار سوال کے جواب میں	"	سندھ میں "پھٹی کیم" طلاق صریح باتن ہے
"	اقرار سے ایک طلاق ہوگی	۱۳۱	حکم طلاق بلا فہم معنی
۱۵۳	"طلاق دیتا ہوں" سے طلاق ہو جاتی ہے	۱۳۲	سوال مثل بالا
"	تکرارِ تعلیق سے تکرارِ طلاق	۱۳۵	تحقیق صورتِ لحاق و عدم لحاق طلاق
۱۵۴	حلالہ کرنے کرانے والوں پر لعنت ہے	"	تعلیق طلاق اور وجود شرط
۱۵۵	"فارغ خطی" صریح طلاق ہے	"	میں گواہوں کا اختلاف

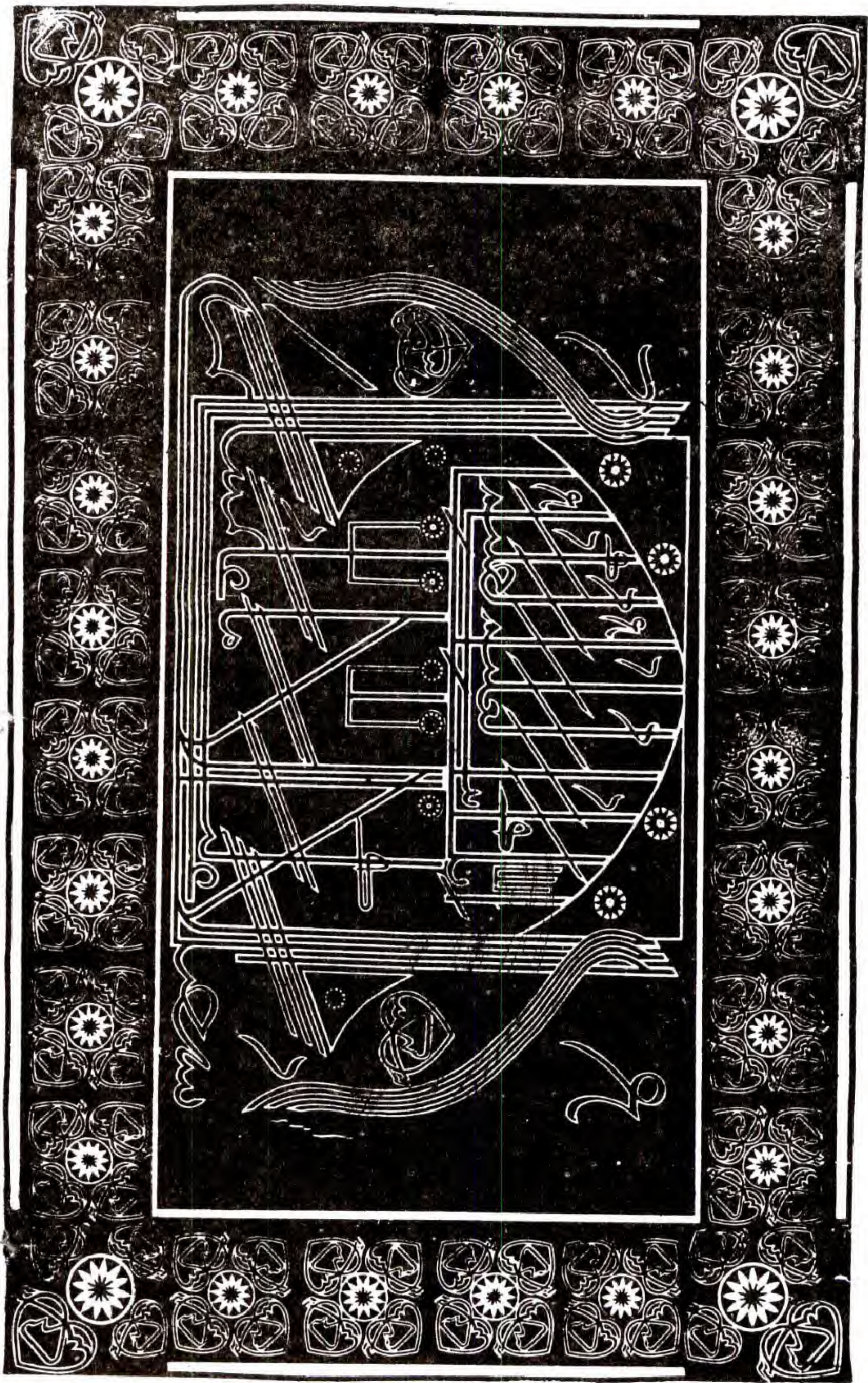
صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۰	تجھے ماں بہن بناتا ہوں	۱۵۷	تدبیر البطلان تعلیق
"	فلاں کام کیا تو طلاق پڑ جائے گی	"	صیغہ مستقبل سے وقوع
۱۸۱	جبراً ایقاع شرط سے طلاق معلق واقع ہو جاتی ہے	"	طلاق سمجھ کر اقرار طلاق
"	قبل النکاح کہا ان دخلت الدار فامرتی طالق	۱۵۸	رجوع سے طلاق باطل نہیں ہوتی
۱۸۲	حالت نشہ میں طلاق ہو جاتی ہے	۱۵۹	طلاق کی جھوٹی خبر کا حکم
"	اقرار طلاق سے طلاق ہو جاتی ہے	۱۶۲	شوہر بوقت طلاق جنون کا مدعی ہے
۱۸۳	لفظ "حرام" طلاق صریح باتن ہے	"	طلاق کے بعد زوجین کا
"	الفرق بین اکتب طلاق امرأتی	۱۶۳	بضرورت اکٹھے رہنا
"	واستکتب کتاباً بطلاقها	۱۶۴	جری طلاق واقع ہو جاتی ہے
۱۸۵	بیوی کو ماں کہنا طلاق باتن ہے	"	مجبوراً اقرار طلاق سے طلاق نہیں ہوتی
۱۸۸	تین نوٹ لے کر کہا تجھے طلاق	۱۶۵	جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق نہیں ہوتی
"	تو فارغ ہے	"	تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا،
۱۸۹	تحقیق لفظ "طلاق رن"	"	میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، چلی جا،
"	خلاص ہستی طلاق صریح ہے	۱۶۶	ایسی بیوی مجھے درکار نہیں
۱۹۰	سوال متعلق بالا	۱۶۷	خیار طلاق مجلس کے ساتھ خاص ہے
۱۹۲	"جواب دیدیا" طلاق صریح ہے	۱۶۸	طلاق بعد خلوت صحیح باتن ہے
"	رشتہ ختم ہو چکا	۱۶۹	بلا ارادہ لفظ طلاق نکلنے سے طلاق ہو گئی
۱۹۳	ابطال فیصلہ عدالت	"	نکاح پر معلق طلاق میں تدبیر اخفاء تجدید نکاح
۱۹۴	طلاق کے مردود دستور پر تعزیر واجب ہے	۱۷۱	تو طلاق ہے
۱۹۵	شرط یا استثناء میں اختلاف زوجین	"	ایک دو تین جاؤ، تو میری ماں بہن ہے
۱۹۷	لفظ "تاک" سے طلاق نہیں ہوتی	۱۷۶	طلاق "کلمہ" سے بچنے کی تدبیر
۱۹۸	طلاق مغلط میں غیر مقلد سے	۱۷۷	حکم تفویض قبل النکاح
"	فتویٰ لینا جائز نہیں،	۱۷۸	صحت تفویض کی شرائط
۱۹۹	تعلیق بنکاح فاسد صحیح ہے	۱۷۹	اپنی لڑکی لے جاؤ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	رسالہ	۲۰۰	تعلیق بعد ادا بر قرض کے بعد قرضخواہ مرگیا
۳۸۳	جہ بیری خلع	۲۰۲	جاؤ، چلی جاؤ، آزاد کر دیا
۲۰۳	باب الظہار		رسائل
"	تجھے طلاق، تو میری ماں بہن جیسی ہے	۲۰۳	ایقاع الطلقات بالقار الجرات
۲۰۴	بیوی کو ماں بہن کہنا	۲۱۱	التفریق بین التیسر و التحلیق
"	تمہیں رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں	۲۲۳	الطلاق الثلاث
۲۰۵	باب خیار الفسخ	۳۴۳	باب الایلاء
	رسالہ	"	بیوی سے چار ماہ تک بات نہ کی
"	الافصاح عن خیار فسخ النکاح	"	جب تک بیوی کے گھر الے معافی نہ مانگیں وہ حرام ہے
۲۰۷	حکم زوجہ عینین	۳۴۴	"ایلا کر تا ہوں" سے ایلاء ہو جاتا ہے
۲۰۹	زوجہ عینین کے سکوت سے	۳۴۵	باب الخلع
۲۱۰	حق فسخ باطل نہیں ہوتا	"	حکم خلع فضولی
۲۱۱	حکم زوجہ محبوب	"	حکم خلع والد
۲۱۲	حکم زوجہ متعنت	۳۴۶	حکم خلع والدہ
۲۱۳	حکم زوجہ معسر	"	خلع والد مستقط ہر نہیں
۲۱۵	حکم غائب غیر مفقود	"	خلع کے بعد طلاق
۲۱۷	سوال مثل بالا	۳۴۷	خلع میں قبول و رجوع کی تفصیل
۲۱۸	شوہر ایام انقلاب میں گم ہو گیا	۳۴۸	خلع میں عدت کے نفقہ و سکنی کا حکم
۲۲۰	حکم زوجہ مفقود	۳۴۹	حکم بدل خلع
۲۲۱	زوجہ مفقود سے متعلق ترمیم	"	خلع کے بعد دوبارہ نکاح جائز ہے
۲۲۲	شوہر بحری سفر میں گم ہو گیا	۳۸۰	لفظ خلع طلاق صریح باتن ہے
۲۲۳	مجنون نفقہ پر قادر نہ ہو تو صورت تفریق	۳۸۱	خلع کے بعد تین طلاقیں
۲۲۵	حکم زوجہ مجنون	"	خلع بلا ذکر مال
		۳۸۲	نا بالغ کا خلع صحیح نہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۱	معتدہ کا علاج کے لئے نکلنا	۴۲۷	باب العدة
"	متعدد مکانوں کے مشترک صحن میں جانا	"	زنا سے حاملہ کو طلاق دی
۴۲۲	عدت میں بضرورت کنگھی کرنا جائز ہے	"	تو عدت واجب ہے
"	نکاح باطل میں عدت نہیں	"	مطلقہ مغالطہ سے صحبت کی
۴۲۳	بحالت عدت ہسپتال میں رہنا	"	تو استناب عدت نہیں
۴۲۴	صغیرہ کو عدت میں حیض آگیا	"	طلاق بالکناہ بائن کے بعد صحبت
"	اشبار عدت میں حیض بند ہو گیا	۴۲۸	سے عدت مستأنفہ واجب ہے
۴۲۵	بعد البلوغ حیض نہ آئے تو عدت تین ماہ ہے	۴۲۹	عدت حاملہ
"	کسی سے ذہنی اذیت کی وجہ سے مکان بدلنا جائز نہیں	"	بچہ پیٹ میں مر گیا تو حکیم عدت
۴۲۶	خلوت فاسدہ میں عدت واجب ہے	۴۳۰	معتدہ کرایہ مکان پر قادر نہ ہو
"	عدت میں پان کھانا	"	تو اسے چھوڑ سکتی ہے
۴۲۷	بائنہ شوہر کے ساتھ عدت کیسے گزارے؟	"	معتدہ موت شوہر کا منہ دیکھنے
۴۲۸	عدت میں جینے شمار ہوں گے یا دن؟	۴۳۱	کے لئے گھر سے نہیں نکل سکتی
"	بوجہ اختلاف بیوی میکہ چلی	۴۳۲	سفر میں وجوب عدت
"	گئی تو عدت کہاں گزارے؟	"	سوال مثل بالا
۴۲۹	رخصتی سے پہلے شوہر مر گیا	۴۳۳	اسقاطِ حل سے عدت ختم ہو جاتی ہے
"	تو عدت میکہ میں گزارے؟	۴۳۴	عدت ختم کرنے کے لئے اسقاطِ حل
"	عدت موت میں آخری دن کا حساب	"	عدت ممتدة الطهر
۴۵۰	منح شدہ کی بیوی کی عدت	۴۳۸	نامرد سے خلوت صحیح کے بعد
"	نکاح فاسد کے بعد شوہر مر گیا	۴۳۹	عدت اور جہ کامل واجب ہے
"	تو عدت تین حیض ہے؟	"	عورت اپنے رہائشی مکان میں عدت گزارے
۴۵۱	عدت میں بلا ضرورت تیل لگانا جائز نہیں	"	عدت میں سفر جائز نہیں
"	خلوة قبل البلوغ بھی موجبہ عدت ہے	۴۴۰	معتدہ موت کو تنہائی سے سخت
"		"	وحشت ہو تو مکان بدل سکتی ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۷	ناشرہ کا نفقہ واجب نہیں	۲۵۲	فصل فی ثبوت النسب
"	غائب کے مال سے نفقہ	"	صغیر سے ثبوت نسب کی تحقیق
۲۶۹	نکاح فاسد کی عدت میں نفقہ نہیں	"	ولد منکوحہ شوہر سے ثابت النسب ہے
۲۷۰	کسبے عاجز کا نفقہ	۲۵۳	شوہر کا بچہ کے نسب سے انکار
۲۷۲	مکان نہ ملنے کی وجہ سے بیوی چلی گئی	۲۵۴	نکاح فاسد سے ثبوت نسب
۲۷۳	معتدہ موت کے لئے نفقہ و سکنی نہیں	"	سوال مثل بالا
"	نابالغ کی بیوی کا نفقہ	"	نکاح سے چھ ماہ کے اندر ولادت
۲۷۴	مطلقہ کی اجرت حضانہ	۲۵۵	سے نسب ثابت نہیں ہوتا
۲۷۶	بیوی کے لئے مکان کی تفصیل	"	نکاح سے چھ ماہ بعد کا بچہ
۲۷۷	کتاب الایمان	۲۵۶	ثابت النسب ہے
"	دامی روزہ کی نذر میں بوقت عجز فدیہ ہے	۲۵۷	باب المحضات
"	بنائے مسجد کی نذر صحیح نہیں	"	والدہ فاجرہ وابن العم کو حق حضانہ نہیں
۲۷۸	سوال متعلق بالا	۲۵۸	تفصیل حق حضانہ
۲۸۰	نذر میں زمان و مکان وغیرہ	"	والدہ علاج کا ضروری انتظام نہ کر سکے
"	کی تعیین صحیح نہیں	۲۶۰	تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے
"	قرآن خوانی کرانے کی نذر جائز نہیں	۲۶۱	باب النفقة
۲۸۱	نذر تسبیحات بعد نماز صحیح ہے	"	بالغ طالب العلم کا نفقہ والد پر ہے
۲۸۲	نذر ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے	"	ایام عدت کا نفقہ شوہر پر ہے
۲۸۳	شیرینی تقسیم کرنے کی نذر	۲۶۲	مطلقہ کی اجرت ارضاع
۲۸۴	نذر معلق میں صیغہ التزام ضروری نہیں	"	گزشتہ وقت کا نفقہ نہیں
۲۸۵	سوال مثل بالا	۲۶۳	بالغ اولاد کا نفقہ
۲۸۸	حاشیہ سے قسم	۲۶۴	عدت شوہر کے مکان میں گزار دی تو نفقہ نہیں
"	گناہ پر قسم کا توڑ نا اور کفارہ واجب ہے	۲۶۵	خلع میں نفقہ عدت واجب ہے
"	قرآن کی قسم	"	خلع میں سکنی سے ابرار

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۵	مسلمان کو ابو جہل سے تشبیہ دینا	۴۸۹	طعام نذر سید پر حرام ہے
۵۰۶	گالی پر تعزیر	"	تمازیوں کو کھلانے کی نذر
۵۰۸	بالغ اولاد کو تعزیر	۴۹۱	تبلیغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں
"	شاگرد کو تعزیر	"	منذور لغير الله سے استفادہ حرام ہے
۵۰۹	حکم افسار رزنا	۴۹۲	قسم میں اعتبار عرف کی تحقیق
"	دبر میں بد فعلی کی سزا	۴۹۳	تزمین کلام کے لئے غیر اللہ کی قسم
۵۱۲	پنچایت کی طرف سے تعزیر	۴۹۴	قرآن میں مخلوق کی قسم کیوں ہے؟
۵۱۳	حدِ قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی	"	عمرہ کی نذر صحیح ہے
۵۱۴	تعزیر غیر حاکم کی تفصیل	۴۹۵	کوئی چیز اپنے اد پر حرام کرنا قسم ہے
۵۱۷	سوال مثل بالا	"	حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے
۵۱۸	حدِ مسقطِ توبہ اور توبہ مسقطِ حد ہے یا نہیں؟	"	تعدد الکفارة لتعدد الیمن
۵۱۹	مدعی علیہ بنیت حفاظت اٹھانے کا قائل ہے تو اس پر حد نہیں	۴۹۶	صوم نذر معین سے عاجز
"	چور نے بھیسن کو گھاس کھا کر بلالیا تو حد نہیں	"	پر قضا واجب ہے
"	گیس اور بجلی چرانے پر حد نہیں	"	کفارہ میں ایک کھانا ایک دن
۵۲۰	جادو کی سزا قتل ہے	۴۹۸	اردو سردوسرے دن کھلانا
۵۲۱	نا بالغ پر حد نہیں	"	"تجھے قسم ہے" سے قسم نہیں ہوتی
۵۲۳	حالتِ مرض میں حد نہ لگائی جائے	۴۹۹	کلمہ پڑھ کر اقرار کرنا قسم ہے
"	کوڑے کی تفصیل	"	"خدا شاہد ہے" کہنا قسم ہے
۵۲۷	تہمت زنا پر حدِ قذف ہے	"	زبان سے کہے بغیر قسم نہیں ہوتی
۵۲۸	بغرض تعزیر مقاطعہ جائز ہے	۵۰۰	فلاں کام کروں تو کافر ہوں
	رسائل	۵۰۳	نذر تسبیحات، تلاوت، طواف
۵۳۱	الحکم الحقانی فی قتل الزانی	"	کتاب الحدود والتعزیر
۵۴۱	تحریر المقتال فی التعزیر بالمال	۵۰۴	حیوان سے بد فعلی کی سزا
			سوال مثل بالا



کتاب النکاح

نکاح بالعوض کی تحقیق :

سوال : الف اور ب نے عوض میں شادی کی ہے، الف نے اپنی لڑکی ب کے لڑکے کو دی ہے، اور ب نے اپنی لڑکی الف کے لڑکے کو دی ہے، نتیجہ اس منزل پر پہنچا ہے کہ ب کی لڑکی الف کے لڑکے کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتی، جس کی وجہ سے الف کا لڑکا ب کی لڑکی سے بالکل بیزار ہے، مگر ب کی طرف کے لوگ بہت شریر ہیں، اس لئے ب کے طرفداروں کا یہ ارادہ ہے کہ الف کے طرفدار تکلیف اٹھاتے رہیں مگر کچھ فیصلہ نہ ہو، ب کے طرفدار کئی دفعہ الف کے طرفداروں سے مصالحت کر کے پھر فساد کرتے رہے ہیں، اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ الف کا لڑکا ب کی لڑکی کو طلاق دینا چاہتا ہے، مگر ب کا لڑکا الف کی لڑکی کو طلاق دینا نہیں چاہتا حالانکہ مشروع سے یہ رشتے عوض کی رسم موجب ہوئے ہیں، اس حالت میں شریعت کا فیصلہ کیا ہو؟ کیونکہ اس وقت طرفین میں اتفاق کی کوئی امید نہیں، بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

شریعت مطہرہ میں عوض کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا اگر ایک جانب بد معاملگی کی وجہ سے طلاق دینا چاہتی ہے تو دوسری جانب کو طلاق وغیرہ پر مجبور کرنا سخت گناہ اور ظلم عظیم ہے، کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ اتفاق اور محبت سے زندگی بسر کرنے والے زوجین میں تفریق کرے، بلکہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر عوض کی رسم ہی ناجائز ہے :-

① عوض کی رسم کے مطابق معاملہ کرنے والوں کے معاملات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے بیع سمجھتے ہیں اور بیع الحرام ہے، ان کے معاملات کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

(۱) اگر کسی کو اپنی لڑکی کے عوض میں لڑکی کی ضرورت نہ ہو یا حسب منشاء عوض نہ مل رہا ہو تو یہ شخص اپنی لڑکی کے عوض میں بصورت نقد رقم کی وصول کرتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوا کہ

عوض کی رسم بیع ہے

(۲) عوض کا لفظ ہی دال علی البیع ہے لان البیع مبادلة المال بالمال، چنانچہ عوض

کو لفظ بدلہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے،

(۳) اگر کسی کی لڑکی بالغہ یا زیادہ حسین ہے اور دوسری جانب کی لڑکی نابالغہ ہے یا محسن

میں کم ہے تو یہ شخص اپنی ایک لڑکی کے عوض میں دوسری جانب سے دو لڑکیوں کا مطالبہ

کرتا ہے، یا ایک لڑکی کے ساتھ کچھ نقد رقم بھی لیتا ہے،

(۴) اگر کوئی شخص بلا عوض کسی کو اپنی لڑکی دے دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے خدا کے

واسطے فی سبیل اللہ اپنی لڑکی دی ہے، یہ صریح دلیل ہے کہ لڑکی کو مالِ ملوک سمجھا جاتا ہے

کہ بطور صدقہ مال فی سبیل اللہ دے کر تادم زیست اپنا احسان جتنا تارہتا ہے،

(۵) زوجین کی عدم موافقت کی صورت میں جانبین مل کر اقالہ کرتے ہیں،

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ عوض کی مردج رسم بیع الحر ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے،

اگرچہ اس صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے،

② صوبہ سندھ کی دینی، دنیوی اور معاشرتی تباہی اور سیاست البلدان، تدبیر المنزل، تہذیب الاخلاق

اور توالد و تناسل کی بربادی کا سہرا صرف عوض کی منحوس رسم کے سر پر ہے، مختصر اس کے قبائح

تحریر کئے جاتے ہیں:-

① رسم عوض میں ایک جانب میں نا اتفاقی کی وجہ سے دونوں جانب میں مخالفت کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ دوسری جانب اتفاق و محبت سے بسنے والے زوجین بھی ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے

مایوس ہو کر دین و دنیا برباد کر بیٹھتے ہیں، زنا، انقطاع نسل اور منافع عقد و شادی سے حرمان

اس کا لازمی نتیجہ ہے،

② عوض کے لالچ میں ہر شخص اپنا مقصد حاصل ہوتا ہوا دیکھ کر اپنی لڑکی کا کوئی خیال نہیں کرتا

کوئی کیسا ہنی نالائق ہو، بے دین، بد کردار، جوا باز، شرابی، چور، ڈاکو، بد معاش، دیوث اور بے غیرت

نامرد، بوڑھا، بچہ، مفلس و نادار کچھ بھی ہو، مگر لڑکی دینے والے کو اس کی منشا کے مطابق اپنی لڑکی کے

عوض میں رشتہ مل رہا ہو تو اسے اپنی لڑکی کی کوئی پرواہ نہیں، زوجین کی عمر کا عدم تناسب،

چوری وغیرہ جرائم کی وجہ سے جیل کی سزا، نامردی، زوجین میں عدم موافقت کی وجہ سے

مفارقت عارضی یا دائمی وغیرہ عوارض، انقطاع نسل اور زنا وغیرہ دین و دنیا کی بربادی کے

اسباب ہیں، اور گھر میں روز کے جھگڑے اور فسادات جدا بلکہ جان بنے رہتے ہیں، شریعت نے زوجین کی عمر میں تناسب کا بہت اہتمام سے لحاظ رکھا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رشتہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی درخواست کے باوجود ان سے نہ کیا، اس لئے کہ عمر میں کوئی تناسب نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تناسب عمر کی وجہ سے رشتہ کیا، حالانکہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما زیادہ افضل اور زیادہ مقرب تھے، مگر سندھ میں اپنا مقصد برآمد ہوتا دیکھ کر تناسب عمر سے آنکھیں بند کر کے اپنی لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے ہیں، پس یہی اسباب ہیں کہ سندھ میں تو والد و تناسل کی قلت کے باعث اہل سندھ اپنے صوبہ کو بھی آباد نہ کر سکے، بلوچ اور پنجابی وغیرہ دیگر اقوام نے اگر سندھ کو آباد کیا، سندھی افراد غیر اقوام میں آئے میں شہر کی نسبت رکھتے ہیں، غیر مالک نے افزائش نسل میں اس قدر ترقی کی ہے کہ انھیں اپنے مالک میں جگہ نہیں ملتی، اس لئے ضبط تولید کے منصوبے سوچ رہے ہیں، مگر سندھ میں اس قدر قحط الرجال ہے کہ اپنے معمولی اور چھوٹے سے صوبہ کو بھی آباد نہیں کر سکے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

وکیل نکاح اپنے نفس سے نکاح نہیں کر سکتا؛

سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح کے لئے کسی کو وکیل بنایا، وکیل نے اس لڑکی کا نکاح اپنے نفس کے ساتھ کر لیا، اب لڑکی کا باپ اس میں رضامند نہیں، پس یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الدرر والصاب

نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا، کیونکہ وکیل بالنکاح اپنے نفس اور اپنے اصول و فروع کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا، قال فی العلائق کما لوکیل الذی وکلتہ ان یزوجہا من نفسہ فان له ذلک فیکون له اصلًا من جانب وکیلہ من آخر بخلاف ما لو وکلتہ بتزوجہا من رجل فزوجہا من نفسہ لانہا نصبتہ مزوجًا لا متزوجًا، وفي الشامية رقلہ فزوجہا من نفسہ، وکذا الزوجہا من ابیہ او ابنہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کما قد مناه عن البحران الوکیل لا یعقد مع من لا تقبل شہادۃ له للہیمة (رد المحتار ص ۳۵۶ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرة ذیقعدہ ۱۴۲۸ھ

مسلمان کی بیوی پر کافر نے قبضہ کر لیا اسے چھڑا کر دوسرے مسلمان نے نکاح کر لیا :

سوال : ایک شخص اپنی عورت کو ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان چلا آیا، عورت ہندو کے قبضہ میں آگئی، اور ایک دوسرا مسلمان ہندو کو کچھ نقد دے کر چھڑا لیتا ہے اور اس عورت سے نکاح کر لیتا ہے، اور اس سے دو بچے پیدا ہو جاتے ہیں، عرصہ چار سال کے بعد یہ عورت اور مرد پاکستان آتے ہیں، اور اس عورت کا پہلا خاوند پاکستان میں اپنی عورت کو پہچان لیتا ہے اب اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس عورت کا نکاح پہلے شوہر کے ساتھ قائم ہے، لہذا ضروری ہے کہ دوسرے خاوند سے علیحدہ کر کے پہلے کے قبضہ میں دلوائی جائے، اگر دوسرے شوہر کو اس کے پہلے نکاح کا علم تھا تو دوسرے شوہر سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ بھی بحکم شریعت پہلے ہی کے کہلائیں گے، لان الاول للفرأش وللعاہر الحجر فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۶ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

لڑکی قلاں کو دیدی کہنے سے انعقاد نکاح کا حکم :

سوال : ایک شخص نے کسی کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی تم کو دیدی، اس نے قبول کیا، تو یہ نکاح ہو گیا یا نہیں؟ ہمارے اطراف میں عموماً پہلے اس قسم کے الفاظ بلا ذکر مہر وغیرہ کہے جاتے ہیں، اور بعد میں مستقلاً نکاح رسوم مروجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے، سو نکاح پہلے الفاظ سے منعقد ہو گیا یا دوسرے عقد سے؟ اگر پہلے سے نکاح نہیں ہوتا تو اس عورت کا نکاح کیا دوسری جگہ کر دینا صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

سوال میں مذکورہ الفاظ ہمہ کے ہیں، اور ہمہ سے نکاح تب منعقد ہوتا ہے کہ متکلم نکاح کی نیت کا اقرار کرے یا نیت نکاح کا قرینہ موجود ہو، مثلاً ذکر مہر و وجود شہود و تقدیم خطبہ وغیرہ بدو قرینہ کے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، قال فی شرح التنویر و انما یصح بلفظ تزویج و نکاح لانہما صریح و ماعد اہما کناية و کل لفظ وضع لتملیک عین کاملہ (الی قولہ) کہبہ و تملیک و صدقہ (الی قولہ) و کل ما تملک بہ الرقاب شرط نية او قرينة و فہم الشہود المقصود، و فی الشامیۃ (قولہ کہبہ) ای اذا

كان على وجه النكاح (الى قوله) فان قامت القرينة على عدمه لا ينعقد فلو طلب من امرأة الزنا فقالت وهبت نفسي منك فقال الرجل قبلت لا يكون نكاحا كقول ابى البنت وهبتها لك لتعدي منك فقال قبلت الا اذا اراد به النكاح كذا في المحرر المختار ج ۲ ص ۲۶۹
 رقبه بشرط نية او قرينة الخ) هذا ما حققه في الفتح رد اعلیٰ ما قد مناه عن الزيلعي (الى قوله) هذا ما في الفتح وملخصه انه لا بد في كنايات الطلاق من النية مع قرينة او تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد واعلامهم به (رد المختار ص ۲ ج ۲)
 اگر فقط نكاح بھی ایسے طریقہ پر کہا کہ محض وعدہ کا محتمل بھی ہو اور محض وعدہ پر قرائن بھی موجود ہوں تو بھی نكاح منعقد نہ ہوگا، كما في شرح التنوير والثاني المضارع المبدوع بهزة او نون او تاء كتنزوي جيني نفسك اذ المينوا الاستقبال وكذا انا متزوجك او جئت خاطبا لعدم جريان المساومة في النكاح او هل اعطيتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس الوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح اه (الى قوله) فيه علم ان المبدوع بهزة كما لا يصح فيه الاستبعاد لا يصح فيه الوعد بالتزوج في المستقبل عند قيام القرينة على قصد التحقيق والرضا كما قلناه انفا فافهم (رد المختار ج ۲ ص ۳۶۳)

بیان مذکور سے ثابت ہوا کہ صورت سوال میں قرائن نكاح رد کر ہر وغیرہ) نہ ہونے کی وجہ سے نكاح منعقد نہ ہوگا، صرف وعدة نكاح ہے، اور بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا علامت نفاق ہے، خصوصاً اگر شروع ہی سے وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو تو بہت سخت گناہ اور حرام ہے، حدیث میں ہے آية المنافق ثلاث اذا وعد اخلف الخ (مشکوٰۃ) وقيل الخلف في الوعد بغير مانع حرام وهو المراد ههنا وكان الوفاء بالوعد مأمورا به في الشرائع السابقة ايضا، (اشعة اللمعات باب الوعد) فقط والله تعالى اعلم،

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

غیر برادری میں نكاح نہ کرنے کی پابندی :

سوال : ہماری برادری میں یہ قاعدہ ہے کہ شادی بیاہ اپنی ہی برادری میں کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری برادری علماء دیوبند کے عقائد رکھتی ہے، اور تمام رسوم مروجہ در شادی دشمنی و بدعات سے مجتنب ہیں، شرعی صورت و لباس کو پسند کرتے ہیں، دوسری جگہ شادی و بیاہ کرنے میں خلط ملط ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، پھر شادی کرنے کے بعد رسوم کی

پابندیاں گھر کے قواعد پر ہوتے ہیں، اس لئے بڑی دشواری ہوتی ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً ناجائز تو نہیں ہے؟ پھر اگر کوئی دوسری برادری میں شادی کر لیتا ہے تو اس کو ہم دوسری برادری ہی شمار کرتے ہیں، اپنی برادری سے خارج کر دیتے ہیں، اگر ایسا نہ کریں تو جو چیز ہم قائم رکھنا چاہتے ہیں وہ باقی نہیں رہتی، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر دوسری برادری میں شادی نہ کرنے کی وجہ وہی ہوں جو سوال میں مذکور ہیں تو ان کی بناء پر غیر برادری میں شادی نہ کرنے کی پابندی جائز بلکہ ضروری ہے، کیونکہ بدعات اور ناجائز رسوم کا پابند فاسق ہے، اور فاسق شخص نیک آدمی کا کفو نہیں، اور شریعت نے نکاح و شادی میں کفو کی پابندی کو مستحسن قرار دیا ہے، بدعات اور رسوم قبیلہ سے اجتناب فرض ہے اور مبتدعین و فساق سے تعلقات قائم کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر یہ گمان ہو کہ قومیت کے اختلاف کی وجہ سے امور خانہ داری کا اختلاف زوجین کی نا اتفاقی اور آپس میں تنازعہ کا باعث ہوگا تو بھی قومیت کی پابندی جائز ہے، البتہ اگر غیر قوم میں شادی نہ کرنے کا باعث صرف فخر اور تکبر ہو تو یہ پابندی جائز نہ ہوگی، پس اس کا معیار یہ ہوگا کہ غیر قوم کا اگر کوئی مرد شریعت کا پورا پابند اور بدعات سے مجتنب ہو اور اس کے گھر کے قواعد وغیرہ بھی آپ کی قوم سے زیادہ مختلف نہ ہوں تو ان حالات میں ایسے شخص سے آپ رشتہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسے شخص سے بھی رشتہ کرنے کے لئے تیار نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد تین نہیں بلکہ تکبر و نخوت اس کا باعث ہے، غرضیکہ ہر معاملہ میں شرعی حیثیت کو مد نظر رکھنا لازم ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الذی یقعدہ ۳۷

معتدہ غیر سے نکاح کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دوسرے کی معتدہ عورت سے دیدہ و دانستہ باوجود علم کے نکاح کر لیا، تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، دوسرے خاوند نے اگر جماع کیا ہے تو اس پر مہر مثل اور مہر مقرر میں سے اقل واجب ہے، اور عورت پر متارکت کے بعد دوسرے خاوند کی عدت بھی ہوگی، مگر دونوں عدتوں میں داخل ہوگا، عدت اولیٰ گزرنے کے بعد اگر عورت اسی خاوند سے نکاح

کرنا چاہے جس سے نکاح فاسد ہوا ہے تو عدتِ ثانیہ گزرنے سے پہلے بھی ہو سکتا ہے، البتہ اگر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے گی تو دونوں عدتوں کا گزارنا لازم ہے، قال فی التنبیہ و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لا بغيره ولم یزدر علی المسمی، وفی الشرح ولو کان دون المسمی لزیم مہر المثل (الی قولہ) وتجب العدة بعد الوطء لا الخلوۃ، وفی الشامیۃ ومثله تزویج الاختین ونکاح الاخت ونکاح المعتدة (الی ان قال) ومقتضاہ الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح (الی ان قال) اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ فالدخول فیہ لا یوجب العدة ان علم أنها للغیر (وبعد سطر) والحاصل انه لا فرق بینہما فی غیر العدة اما فیہا فالفرق ثابت وعلیٰ ہذا فیقید قول البحر ہنا ونکاح المعتدة بما اذا لم یعلم بانہما معتدة الخ (رد المحتار ص ۲۸۲ ج ۲) وایضا فیہا اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ فالدخول فیہ لا یوجب العدة (الی ان قال) وتقدم فی باب المہر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة وثبت النسب ومثلہ فی البحر هناك بالتزویج بلا شہود وتزویج الاختین معاً والاخت فی عدة الاخت ونکاح المعتدة (رد المحتار ص ۲۸۵ ج ۲)

قلت لما اختلفت اراءهم فی وجوب العدة وعد مہ فالاحتیاط فی قول الوجوب وان اشار فی الشامیۃ الی ترجیح عدم الوجوب بقولہ وعلیٰ ہذا فیقید قول البحر الخ، وایضاً فی الشامیۃ تحت (قولہ ولو من المطلق) وفی الدرر ان المرأة اذا اوجب علیہا عدتان فاما ان یکون من رجلین او من واحد ففي الثانی لا شک ان العدتین تدخلتا وفي الاول ان کانتا من جنسین کالمتوفی عنہا زوجہا اذا وطئت بشبهة او من جنس واحد کالمطلقة اذا تزوجت فی عدتہا فوطئها الثانی وفرق بینہما عندنا (رد المحتار ص ۲۸۸ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

تصادق زوجین سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے :

سوال: ایک مولوی صاحب کے پاس یہ فیصلہ ہوا کہ ایک عورت کو ایک شخص نے طلاق دی، عدت گزرنے پر اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا، اب پہلا شوہر طلاق کا انکار کرتا ہے، مولوی صاحب نے طلاق پر شہادت لے کر طلاق ثابت کر دی، پھر

دوسرے شوہر سے نکاح کے گواہ طلب کئے، اس نے کہا مجھے مہلت دیجئے، کہ اپنے نکاح کے گواہ اپنی بستی سے لے آؤں، مگر مولوی صاحب نے اُسے مہلت نہ دی، اور اسی مجلس میں گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح غیر ثابت قرار دیدیا، حالانکہ عورت خود کہہ رہی ہے کہ میرا نکاح دوسرے شوہر سے ہوا ہے، مولوی صاحب کے فیصلہ کے بعد عورت چہچہانے لگی کہ مجھے شوہر سے جدا کر کے ظلم کیوں کرتے ہو؟ مولوی صاحب کا یہ فیصلہ شرعاً درست ہی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

مولوی صاحب کا یہ فیصلہ درست نہیں، اس لئے کہ تصادق زوجین سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے، لہذا اس پر شاہد طلب کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں، قال فی الشامیۃ (قوله ولا باقرار) لا ینافیہ ما صرحوا بہ من ان النکاح یتثبت بالتصادق لان المراد هنا ان الاقرار لا یکون من صیغ العقد والمراد من قولهم انه یتثبت بالتصادق ان العاضی یتثبت بہ ای بالتصادق ویحکم بہ (رد المحتار ص ۳۶۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ

جو عورت طلاق اور عدت گزرنے کا اقرار کرے اس سے نکاح جائز ہے:

سوال: منکوحہ عورت کسی شخص کے پاس اقرار کرتی ہے کہ اس کے زوج نے اسے طلاق دیدی ہو، اور عدت بھی گزر گئی ہے، طلاق پر گواہ کوئی نہیں، تو یہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اس عورت کے صدق پر قلب مطمئن ہو تو اس سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ زوج اول کوئی اعتراض یعنی طلاق سے انکار نہ کرے، قال فی الشامیۃ تحت (قوله ان غلب علی ظنہ صدقہا) وکذا لو قالت متکوحۃ رجل لأخر طلقنی زوجی وانقضت عدتی جاز تصدیقہا اذا وقع فی ظنہ عدلۃ کانت ام لا الخ (رد المحتار باب الرجعة ج ۲) وکذا فی باب العدة مطلب فی المنعی الیہا زوجہا، فی الخضر والاباحۃ ایضاً، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ

جو عورت وفات زوج اور عدت گزرنے کا اقرار کرے اس سے نکاح جائز ہے:

سوال: ایک عورت کہتی ہے کہ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے، اور عدت بھی گزر گئی ہے،

تو کیا اس کے قول پر اعتبار کر کے اس سے نکاح کرنا جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اس کے صدق پر قلب مطمئن ہو تو اس پر اعتماد کر کے نکاح کر لینا جائز ہے، قال فی شرح التنویر أخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه كتاباً علی يد ثقة بالطلاق ان اكبر رأيا انها حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج وكذا لو قالت امرأة لرجل طلقني زوجي وانقضت عدي لا بأس ان ينكحها، وفي الشامية ر قوله لا بأس ان ينكحها في الغائبة قالت اردت بعد النكاح ومعه ان يعتمد خبرها ويتزوجا وان اخبرت بالحرمة بامعارض بعد النكاح من رضاع طارا ونحو ذلك فان كانت ثقة او لم تكن ووقع في قلبه صدقها فلا بأس بان يتزوجها الا لو قالت كان نكاحي فاسدا او كان زوجي على غير الاسلام لانها اخبرت بامر مستنكر اراهي لان الاصل صحة النكاح سائحاني (رد المحتار باب العدة مطلب في المنع اليها زوجها) وايضا فيهما في باب الرجعة (قوله له ان يصدقها) لانه اما من المعاملات لكون البضع متقوما عند الدخول او الدايانات لتعلق الحل به وقول الواحد مقبول فيهما (رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۶ ذيقعدہ ۱۲۸۴ھ

نکاح فاسد میں متارکت کی تفصیل :

سوال؛ نکاح بالمحارم یا نکاح فاسد میں متارکت فعلیہ کافی ہے یا متارکت قولیہ ضروری؟ نیز متارکت زوجہ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے یا کہ زوج کی طرف سے لازمی ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

بعد الدخول بالاتفاق متارکت قولیہ ضروری ہے، اور قبل الدخول میں اختلاف ہے، بعض نے متارکت فعلیہ مع عدم العود کو کافی کہا ہے، عزم عدم العود کے سوا متارکت فعلیہ کا کوئی اعتبار نہیں، اور بعض نے یہ صورت متارکت قولیہ کو لازم کہا ہے، عبارت فقہ سے قول اول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر حسیا ط قول ثانی میں ہے، زوجہ کی طرف سے فسخ نکاح فاسد تو بالاتفاق صحیح ہے، البتہ متارکت میں اختلاف ہے، شامیہ نے اسے ترجیح دی ہے کہ متارکت اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، دونوں زوجہ کی طرف سے صحیح ہیں، ہذا اخلص ما هو مشروح

فی شرح التزویر وحاشیئته لابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ فی المحرمات ص ۲۸۹
ومہر النکاح الفاسد ص ۲۸۳ و ۲۸۴ والعدۃ ص ۸۴۱ و ۸۴۲، حیلۃ ناجزہ میں یوں
تطبیق دی گئی ہے کہ اگر حرمت اصلہ ہے یعنی قبل العقد حرمت موجود ہے تو متارکت
من جانب الزوج بھی صحیح ہے، اور اگر حرمت طاریہ بعد العقد ہے مثلاً ساس سے زنا کیا تو
تو متارکت من الزوج بھی صحیح نہیں، مگر شامیہ کی عبارات اس تطبیق سے ابا کرتی ہیں، فلیتأمل،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرة ربيع الاول ۱۳۵۵ھ

شیعہ ہوجانے سے نکاح ٹوٹ گیا: (من مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم)

سوال: ما قولکم یا علماء تیری وخیر فور فی خان بی بی بنت رضا محمد
المقیمۃ بمدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فانہا اخبرت بان زوجها علی بخش
ابن پیر بخش الحداد المتوطن بخیر فور قد تشیع بعد ما کان من اهل السنة
فما حقیقۃ هذا الخبر اصادق ام کاذب؟ وان کان صادقاً فهل يجوز لغان بی بی
ان تنکح بزواج غیرہ ام لا؟ بینوا بیانا شافعیاً توجروا اجراً وافیاً،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اخبرنی من اتق بہ واعتمد علیہ بعد التحقيق ان الرجل المستؤل عنه
السمیٰ بعلی بخش بن پیر بخش الحداد قد اختار مذہب الروافض فالان توقف
جواب المسألة علی تنقیح الامرین:

الامر الاول ان تشیع احد من اهل السنة فهل یحکم علیہ بالارتداد
ام لا؟ فانول ان روافض بلادنا خارجون عن دائرة الاسلام قطعاً لانہم
یعتقدون تحریف القرآن سرّاً ولا یبرزونہ تقیۃ لما ثبت فی مذہبہم
"لادین لمن لا تقیۃ لہ" کذا فی الکافی ليعقوب الكلینی، تحریف القرآن عندہم
ثابت بالتواتر ومروی باکثر من الفی رواية صرح بہ کتبہم المعتبرة کما لا یغنی
علی من طالعہا، وايضاً ہم یتفوهون علناً بالافک علی ام المؤمنین وانکار صحبة
ابیہا الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم وكفی بہما تکفیراً، قال فی الشامیۃ
لا شک فی تکفیر من قذف السيد عائشة وانکر صحبة الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہما واعتقدوا الوہیۃ

في على اوان جبريل عليه السلام غلط في الوحي اونهوذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن (رد المحتار ج ٢ ص ٢٠٦ ج ٢) فلذا انحكم بالارتداد قطعاً على من بدل دينه باختيار الرضا وان فرضنا انهم لا يعتقدون تحريف القرآن،

الامر الثاني؛ ان اخبرت امرأة بارتداد زوجها او وصلها الكتاب الكذائي فهل يجوز لها ان تعتمد على خبر الواحد او الكتاب فتتكم زوجها غيره بعد انقضاء العدة؟ فاقول ان غلب على ظنها صدق المخبر وما في الكتاب فلهما ان تعمل به و تتكم بعد مضي العدة لما في شرح التنوير اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثاً اراتها منه كتاب على يد ثقة بالطلاق ان كان اكبر رأياً منه حتى وثلاً بأس ان تعتد وقزوج وكذا لو قالت امرأة لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لا بأس ان ينكحها، وفي الشامية (قوله لا بأس ان ينكحها) في الخانية قالت ارتد زوجي بعد النكاح وسعه ان يعتمد على خبرها ويتزوجها وان اخبرت بالحرمه بامر عارض بعد النكاح من رضاع طار او نحو ذلك فان كانت ثقة او لم تكن ووقع في قلبه صدقها فلا بأس بان يتزوجها (رد المحتار ج ٢ باب العدة مطلب في المنع اليها زوجها) وايضاً في باب الرجعة (قوله له ان يصدقها) لانه لما من المعاملات تكون البضع متقوماً عند الدخول او الديانات لتعلق الحل به وقول الواحد مقبول فيهما (رد المحتار ج ٢)

قلت فان اعتبرنا كونه من المعاملات فيجوز العمل بالكتاب بدون معرفة الخط لانه لا يشترط فيها شيء من اسلام المتخبر وعد الته كما في الفصل الثاني من اول الكراهية من الهندية يقبل قول الواحد في المعاملات عدلاً كان ادفاً سقاً حراً كان او عبداً ذكر كان او انثى مسلماً كان او كافراً ادفعاً للحرج والضرورة ومن المعاملات الوكالات والمضاربات والرسالات في الهدايا والاذن في التجارات كذا في الكافي واذا صح قول الواحد في اخبار المعاملات عدلاً كان او غير عدل فلا بد في ذلك من تغليب رأيه فيه ان خبره صادق فان كان غلب على رأيه ذلك عمل عليه والا فلا كذا في السراج الوهاج (عالمگیریه ص ٣٢٢ ج ٥)

وان اعتبرناه من الديانات فيجوز العمل يكون مشروطاً باحد الامرين،

معرفۃ الخط مع عدالة الكاتب أو حصول الظن الغالب وأن لم يعرف الخط،
 أما الأول فلما في الشامية معزيا إلى العيون والفتوى على قولهما إذا اتقن أنه خط
 سواء كان في القضاء أو الرواية أو الشهادة على الصلح في يد الشاهد لأن الغلط نادر
 واثرا التغيير يمكن الاطلاع عليه وقلماء يشبه الخط من كل وجه فاذا اتقن جاز الاعتماد
 عليه توسعة على الناس (رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۰) وتفصيل حكم كتاب القاضی إلى القاضی
 بساله وعليه مصرح في العلائقية مع الشامية ص ۳۸۶ ج ۲،

وأما الثاني فلأن الكتاب في كونه دالاً لالة وضعية غير لفظية يغيبه
 الطبل والمدفع والقندیل ويجوز الاعتماد في الديانات على ضرب الطبل وما يشبهه
 إذا كان موجب غلبة الظن بالقرائن لما في الشامية يتشعر يقول عدل وكذا بضرب
 الطبول (وبعد أسطر) وقد يقال أن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه
 فاسقاً لأن العادة أن الوقت ينهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعين له وقت ضرب
 ويعينه أيضاً للوزير وغيره وإذا ضرب به يكون ذلك بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت
 المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الفساد (رد المحتار ج ۲)
 مطلب في جوار الافتار بالتحريم) وإيضاً فيها في بيان رؤية الهلال قلت والظاهر
 أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر لانه علامة
 ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرح جوابه الخ، قلت
 وكفى حجة لكون الكتاب موجب العمل عند حصول الظن الغالب بالقرائن ما تواتر
 من عمل النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه رضوان الله تعالى عليهم أجمعين
 (نکاح مرتد کے مسائل کی تفصیل جلد ۱ باب المرتد میں ہے) فقط والله تعالى اعلم
 ، ربيع الآخر ۱۳۵۵ھ

زوجہ صغیر حرام ہو گئی تو متارکت کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے:

سوال: نابالغ کی منکوحہ سے نابالغ کے باپ کا زنا شہادت سے ثابت ہو گیا تو منکوحہ
 کی تفریق نابالغ سے جائز ہے یا کہ بلوغ کا انتظار کرنا پڑے گا؟ بینوا بال دلیل اجرکم الجلیل،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں زوجہ متارکت کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے، بہتر یہ ہے زوجہ نسخ نکاح

کا زبان سے اقرار کرے، اس لئے کہ متارکت فعلیہ اور زوجہ کی طرت سے متارکت قولیہ کی صحت میں اختلاف ہے، اور فسخ نکاح من جانب زوجہ بالاتفاق صحیح ہے، انتظار بلوغ زوج کی ضرورت نہیں چنانچہ زوجہ مجبور کے مطالبہ سے قاضی فی الحال تفریق کر سکتا ہے رکن افی رد المحتار کتاب الطلاق (ص ۸۵۶ ج ۲) وفی محرمات شرح التنویر تقع مغلطة فيقال طلق امرأته تطليقتين ولها منه لبن فاعتدت فنكحت صغيرا فارضعته فحرمت عليه فنكحت اخر فدخل بها فابانها فهل تعود للأول بواحدة أم بثلاث، الجواب لا تعود اليه أبد الصيرورتها حليلة ابنه رضا عار رد المحتار (ص ۳۸۴ ج ۲) اس میں خط کشیدہ عبارت کا مقتضی ہے کہ مسئلہ صورت میں بلوغ زوج کا انتظار ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ رجب ۱۴۰۵ھ

صالحہ بنت صالح کفو فاسق نہیں:

سوال: فاسق شخص متدین عورت کا کفو ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو را،

الجواب ومنه الصدق والصواب

فاسق شخص ایسی عورت کا کفو نہیں جو خود بھی نیک ہو اور اس کا والد بھی نیک ہو، قال فی الهندیة فلا يكون الفاسق كفواً للصالحة سواء كان معلن الفسق او لم يكن عالمگیریہ (ص ۱۳ ج ۲) وفی شرح التنویر وتعتبر الكفاءة ديانة ای تقری فلیس فاسق كفواً للصالحة او فاسقة بنت صالح معلنا كان او لا على الظاهر وفي الشامية قلت والحاصل ان المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل وان من اقتصر على صلاحها او صلاح ابائها نظر اني الغالب من ان صلاح الولد والوالد متلازمان فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفواً للصالحة بنت صالح بل يكون كفواً للفاسقة بنت فاسق وكذا لفاسقة بنت صالح كما نقله في العقوبية فليس لا يباحق الاعتراض لان ما يلحقه من العار بينته اكثر من العار بصهره واما اذا كانت صالحة بنت فاسق فزوجت نفسها من فاسق فليس لا يباحق الاعتراض لانه مثله وهي متد رضىت به الخ رد المحتار (ص ۳۳۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال ۱۴۰۵ھ

نو مسلمہ کے نکاح کا حکم:

سوال: ایک منکوحہ عورت عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئی ہے، مسلمان مرد کے

ساتھ اس کا نکاح کب جائز ہوگا؟ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تین حیض گزرنے پر اس کا پہلا نکاح فسخ ہو جائے گا، اس کے بعد عدت کے مزید تین حیض گزار کر نکاح کر سکتی ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امداد الفتاویٰ میں اس عورت کا حکم مذکور ہے جو دار الحرب میں اسلام لائے اور قبول اسلام کے بعد بھی وہیں رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ قبول اسلام کے بعد تین حیض گزرنے پر زوجین میں از خود تفریق واقع ہو جائے گی، اس کے بعد تین حیض عدت کے واجب ہوں گے، اور اگر یہ عورت اسلام قبول کر کے دار الحرب سے ہجرت کر آئے تو دارالاسلام میں داخل ہونے سے اس کا نکاح ختم ہو جائے گا، اس پر وجوب عدت میں اختلاف ہے، قول وجوب ارنج و احوط ہے، تیسری صورت یہ کہ زوجین دارالاسلام میں ہوں، اور بیوی اسلام قبول کرے، اس کا حکم یہ ہے کہ بیوی حاکم کے ہاں درخواست پیش کرے، اور حاکم شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر شوہر نے اسلام قبول کر لیا تو اس کا نکاح باقی ہے، اور اگر شوہر نے اسلام سے انکار کر دیا یا خاموش رہا تو قاضی ان میں تفریق کر دے، قاضی کی یہ تفریق بحکم طلاق ہوگی، اور اس کے بعد عدت واجب ہوگی، قال فی العلانیۃ و اذا اسلم احد الزوجین المجوسیین او امرأة الکتابی عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم فیہا والا بان ابی اوسکت فرق بینہما رالی قوله، والتفریق بینہما طلاق ینقص العدد و بعد اسطر ولو اسلم احد ہما ای احد المجوسیین او امرأة الکتابی ثمة ای فی دار الحرب و ملحق بہما کالبحر الملح لم تبین حتی تحيض ثلاثا و تصفی ثلاثۃ اشہر قبل اسلام الاخر اقامة لشرط الفرقۃ مقام السبب و لیست بعدۃ لدخول غیر المدخول بہا و بعد اسطر و من ہاجرت الینا مسلمۃ او ذمیۃ حائلہ بان تبلاعداً فیحل تزوجہا و اما الحامل فحتى تصفح علی الاظهر لا للعدۃ بل لشغل الرحم بحق الغیر، و قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقوله و لیست بعدۃ ای لیست ہذہ المدۃ عدۃ لان غیر المدخول بہا و اخلۃ تحت ہذا الحکم ولو کانت عدۃ لاخص ذلك بامدخول بہا و اهل تبیب العدۃ بعد مضی ہذہ المدۃ فان کانت المرأة حربیۃ فلا، لانه لا عدۃ علی الحربیۃ وان کانت ہی المسلمۃ فخرجت الینافقت الحیض هنا فکذلک عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ خلافاً لہما لان المهاجرة لا عدۃ علیہا

عنده خلاف لهما كما سيأتي، بدائع وهداية وجزم الطحاوي بوجوبها، قال في البحر
وينبغي حمله على اختيار قولهما قوله ومن هاجرت إلينا الخ (المهاجرة التاركة
دار الحرب إلى دار الإسلام على عزم عدم العود وذلك بان تخرج مسلمة أو ذمية
أو صارت كذلك بحر و هذه المسألة داخلية فيها قبلها لكن ما مرفيها إذا خرج
أحد هما مهاجراً وقعت الفرقة بينهما والمقصود من هذه أنه إذا كانت
المهاجرة المرأة ووقعت الفرقة فلا عدة عليها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى
سواء كانت حاملاً أو حائلاً فتزوج للحال إلا الحامل فتتربص لأعلى وجه
العدة بل ليرتفع المانع بالوضع وعندهما عليها العدة فتح، وبه يظهر أن
تقييد المصنف بالحائِل أي غير الحبل لا وجه له بخلاف قول الكثر وتكتم
المهاجرة الحائِل بلا عدة فإنها للاحتراز عن الحامل كما علمت لكنه يوهم أن
الحامل لها عدة كما قوه ابن ملك وغيره وليس كذلك (رد المحتار ج ۲ ص ۲)
فقط والله تعالى أعلم

۱۶ رجب ۱۲۹۱ هـ

سوال مثل بالا :

سوال : ایک شادی شدہ کافر عورت نے اسلام قبول کیا، شریعت کے مطابق
اس کا نکاح کرانے میں پہلی وقت تو یہ ہے کہ حکومت سے یہ کوئی توقع نہیں کہ اس عورت
کے شوہر کو بلا کر اس پر عرض اسلام کرے، اور شوہر کے قبول اسلام سے انکار کی صورت
میں نکاح فسخ کرے، ثانیاً کوئی حاکم یا مجلس علماء شوہر پر عرض اسلام کرے تو شدید خطرہ ہو
کہ اس وقت وہ بیوی حاصل کرنے کی غرض سے اسلام قبول کر لے مگر بعد میں پھر مرتد ہو جائے
اور عورت کو زہر وغیرہ دے کر قتل کر دے، یا ہندوستان بھیج دے، چونکہ پاکستان میں ارتداد کی
سزا نافذ نہیں ہوتی اس لئے یہ خطرہ قومی ہے، اور ایسے واقعات پہلے ہو چکے ہیں کہ شوہر
اظہار اسلام کے ذریعہ بیوی حاصل کر کے پھر مرتد ہو گیا، اور بیوی کو زہر کا انجکشن لگا کر ہلاک
کر دیا، ان حالات میں بیوی کی خلاصی کی شرعاً کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی مجبوری کی حالت میں مذہب شافعی پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اُن کے یہاں

عورت کے قبول اسلام کے بعد اسلام زوج سے قبل مہنی عدت سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد فوراً دوسرا نکاح ہو سکتا ہے، اسلام زوج کے بعد دوسری عدت کی حاجت نہیں، قال فی الامم ولم اعلم مخالفا فی ان المتخلف عن الاسلام منهما اذا انقضت عدة المرأة قبل ان يسلم انقطعت العصمة بينهما الى قوله لا تصنع الدار فی التحريم وتحليل شيئا انما يصنعه اختلاف الدينين وبعد اسطر وان لم يسلم حتى تنقضي العدة فالعصمة منقطعة بينهما وانقطعا عنها فسخ بلا طلاق وتكح المرأة من ساعتها من شاءت الخ (الام ص ۳۵ ج ۵)

مذہب حنفی کے مطابق یہ صورت ہو سکتی ہے کہ حکومت کی طرف سے عرض اسلام نہ ہونے کی وجہ سے مجلس علماء عرض اسلام کرے، مگر اس میں شوہر کو قبول اسلام کی صورت میں رد زوجہ کی امید نہ دلائی جائے بلکہ اس کو ظاہراً مایوس کر دیا جائے اور باطناً ظہور صلاح پر معلق رکھا جائے اس صورت میں اولاً شوہر کو اظہار اسلام میں رغبت ہی نہ ہوگی، اور اگر اظہار اسلام محض فریب و طمع کے لئے کیا تو بھی اس کی حقیقت منکشف ہو جائے گی،

اگر حالات کے پیش نظر یہ صورت مناسب نظر آئے تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ بوجہ ضرورت شدیدہ مذہب شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۶ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مہر یا ہدیہ ہونے میں زوجین کا اختلاف :

سوال : شوہر بیوی کو مختلف اوقات میں مختلف چیزیں دیتا رہا، بعد میں کہتا ہے کہ مہر کے عوض میں تھیں، عورت ہدیہ یا نفقہ واجبہ کا دعویٰ کرے تو کس کا قول معتبر ہوگا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① اشیاء خوردنی اور جن اشیاء کا زوجہ کو ہدیہ دینا متعارف ہو ان میں قول زوجہ معتبر ہوگا،
- ② جو اشیاء ہدیہ دینے کا عرف نہ ہو اور بذمہ شوہر شرعاً واجب ہوں، ان میں ہدیہ کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا، البتہ اگر زوجہ نفقہ واجبہ کا دعویٰ کرے اور زوجہ ہر کا، اور یہ اختلاف ان اشیاء کی ہلاکت کے بعد ہو تو قول زوجہ معتبر ہوگا، اور حالت بقاء میں دو قول ہیں، فقیہ ابواللیث کا مختار یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قول زوجہ ہی معتبر ہے، یہی رائج ہے، ویؤیدہ ما سیأتی عن التعریر المختار من جمعی النظر فی تصدیق الزوج،

(۳) جو اشیا شرعاً شوہر پر واجب نہیں اور ان کو ہر میں محبوب کرنے کا عرف بھی ہو ان میں قول زوج معتبر ہے، مگر عورت کو اختیار ہے کہ یہ اشیا واپس کرے ہر میں قبول نہ کرے، قال الرافی رحمہ اللہ تعالیٰ (قول الشارح کتاب وشاة حیة الخ) نقل ابوالحسن السندی فی حاشیة الفتح عن ابی العز قال اذا کان المهر دراهم او دنانیر فارسل الیہا خنطة او شعیرا او ما جرت عادة الناس الیوم بارساله من ماء الورد وثوب الحریر والسكر ونحو ذلك فان فی تصدیقه فی قوله بانه من المهر نظراً لوجهین أحدهما ان الظاهر یکن به والثانی ان الصداق دراهم مثلاً والمرسل من خلاف جنسها والمعارضة محتاج الی التراضی من الجانبین ولم یوجد فقوله انه من صداقها غیر صحیح فلا یصدق، اذ صدقها غیر ما ارسله الیہا ولا ینفع التحلیل بان الظاهر انه یسعی فی اسقاط الواجب فی حقه فان الواجب فی حقه غیر ما ارسله الیہا ولا یسقط ما فی الذمة بغيره الا بطریق المعارضة وهی محتاجة الی التراضی من الجانبین ولم یوجد انتہی ام سندی، وقد یدفع هذا بان ما ذکره مبنی علی عادتهم انهم یسمون نقوداً فی المهر ثم یدفع الزوج غیرها ویحسبه عن المهر وتكون حینئذ المرأة راضیة بهذه المعارضة وهذا العرف جار فی کثیر من قرى مصر (التحریر المختار ص ۲۰۲ ج ۱)

تنبیہ :

- ① جہاں بھی زوج یا زوجہ کا قول معتبر قرار دیا گیا ہے اس میں جانبِ آخر سے فقدانِ بیئہ اور حلف شرط ہے،
- ② آجکل کے عرف میں دواہد یہ شمار ہوتی ہے،
- ③ برقع نفقہ واجبہ میں داخل نہیں، کیونکہ زوج پر اذن خروج واجب نہیں، بلکہ منع عن الخروج واجب ہے، اس کا مقتضی یہ تھا کہ اس میں قول زوج قبول کیا جائے، مگر آجکل برقع ہدیہ دینا متعارف ہے اس لئے اس میں قول زوج معتبر ہوگا،
- ④ ادوات البیت نفقہ واجبہ میں داخل ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

جنیہ سے نکاح جائز نہیں:

سوال: جنیہ کا نکاح انسان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا نوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ محرم ۱۲۸۶ھ

مہر میں معجل یا مؤجل کی تصریح نہ کی تو عرف پر مدار ہوگا:

سوال: ہندہ کا نکاح بعض ایک ہزار روپیہ کیا گیا، مگر اس وقت مؤجل و معجل کا ذکر

نہ کیا، اب ہندہ اپنا مہر کب طلب کر سکتی ہے؟ بینوا نوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ ہو تو عرف کے موافق حکم ہوگا، قال فی التنبیہ

ولہا منعه من الرطء والسفر بہا ولربعد وطء وخلوة رضیتہما لاخذ ما بین تعجیلہ

او قدر ما یعجل لملہا عرفا ان لم یؤجل، وفي الشہج بہ یفتی لان المعروف کالمشرط،

(۳۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ

نکاح میں ایک ہی شخص دونوں طرف سے ایجاب قبول کر سکتا ہے:

سوال: صغیرہ کے ولی (والد) نے عقد نکاح کا ایجاب بایں الفاظ کیا کہ میں نے اپنی فلاں

لڑکی کا نکاح فلاں کے ساتھ کیا، لڑکے کا ولی (چچا) اس مجلس میں تھا، مگر نکاح خواں نے اس سے

قبول کے الفاظ نہیں کہلائے، مجلس نکاح سے قبل لڑکے کے چچا نے لڑکی کے والد سے کہا تھا کہ

تو اپنی لڑکی میرے بھتیجے کے نکاح میں دیدے، لڑکی کا والد تیار ہو گیا، اور اسی بناء پر مجلس نکاح منعقد

ہوئی، اب سوال یہ ہے کہ لڑکے کے چچا کے قبول کئے بغیر یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ بینوا نوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ چچا نے صغیرہ کی طرف سے قبول نکاح نہیں کیا، اور نہ ہی لڑکی کے والد کو اپنی طرف سے

وکیل بنایا تھا اس لئے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، اگر چچا کی جانب سے وکیل ہوتی تو سوال میں مذکورہ الفاظ

سے نکاح منعقد ہو جاتا، چچا کا یہ کہنا کہ تو اپنی لڑکی میرے بھتیجے کے نکاح میں دیدے عرفاً وکیل نہیں ہے

بلکہ خطبہ ہے، قال فی شرح التنبیہ ویتولی طرفی النکاح واحد بايجاب یقوم مقام القبول،

(۳۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ربیع الآخر ۱۲۸۶ھ

ہر فاطمی کی تحقیق :

سوال: پاکستانی سکہ کے حساب سے ہر فاطمی کی کیا مقدار ہے؟ اور دوسری صاحبزادیوں
وازدواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا ہر کتنا تھا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فزوجہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اربع مائۃ وثمانین درہمًا (تاریخ الخلفاء)
ثم ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمة من علی وقد زوجتہ علی اربع مائۃ مثقال
فضۃ (تاریخ الخفیس ص ۳۶۲) قال صلی اللہ علیہ وسلم او عندک شیء (تصدقہا
بہ) فقلت فرسی ویدی (بفتح الباء والدال درعی) قال اما فرسک فلا بد لک منها
واما یدک فبعما فبعتهما باربع مائۃ وثمانین فجئتہ بہما فوضعتہما فی حجرۃ الخ (المواہب
اللدیۃ مع شرح الزرقانی ص ۲۶۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئاً من نساءہ ولا انکم شیئاً من
بناتہ علی اکثر من ثنتی عشرة اوقیۃ، ہذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ص ۱۷۹)
عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انه قال سألت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج
النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما کان صداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت
کان صداقہ لانی وراجہ ثنتی عشرة اوقیۃ ونشأ، قالت اتدری ما النش قال
قلت لا قالت نصف اوقیۃ فتلک خمس مائۃ درہم فہذا صداق رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لازواجہ (مسلم ص ۴۵۸ ج ۱)، ان روایات سے امور ذیل ثابت ہوئے:
① حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک ۴۸۰ درہم =
۶۳۲۹۶ راکلو چاندی، دوسری روایت ۴۰۰ مثقال = ۹۲۴ راکلو چاندی، مقدار اول متعدد
روایات حدیث و سیرت سے ثابت ہے، اور دوسری روایت صرف سیرت خمیس کی ہے، لہذا
مقدار اول راجح ہے،

② دوسری بنات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کا ہر بھی ۴۸۰ درہم = ۶۳۲۹۶ راکلو
چاندی سے زائد نہ تھا، اگرچہ روایت میں زائد کی نفی ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ سب کا ہر
اسی قدر تھا،

③ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں ۴۸۰ درہم =

۶۳۲۹۶ راکلو چاندی سے زیادتی کی نفی ہے اور دوسری میں ۵۰۰ درہم = ۷۰۱ راکلو چاندی کا اثبات ہے، دونوں روایتوں میں صورت تطبیق یہ ہے کہ دراصل ساڑھے بارہ اوقیہ ہی ہے، اسی کو پہلی روایت میں نصف اوقیہ کی کسر حذف کر کے بارہ اوقیہ کہا گیا ہے، بصورت ترجیح بھی بوجہ ذیل ساڑھے بارہ اوقیہ = ۵۰۰ درہم کی روایت رائج ہے:

① اصولاً نفی پر اثبات کو ترجیح ہے،

② نفی عدم علم پر مبنی ہے، خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ماعلمت اس پر دلیل ہے۔

③ روایت اثبات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے جو اعلم بالموالازداج ہیں،

خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہ و دیگر بنات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا ہر ۴۸۰ درہم = ۶۳۲۹۶ راکلو

گرام چاندی اور امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا ۵۰۰ درہم = ۷۰۱ راکلو گرام چاندی تھا،

درہم و مثقال کے وزن کی تحقیق میرے رسالہ بسط الباع لتحقيق الصاع مندرجہ حسن الفتاویٰ

جلد ۴ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۴ شوال ۱۴۱۹ھ

مہر کی کم از کم مقدار:

سوال: مہر کم سے کم کتنا ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دس درہم چاندی کی قیمت سے کم کرنا جائز نہیں، ایک درہم = ۴۰۲ راکلو گرام = ۱۰ × ۴۰۲ = ۴۰۲۰ راکلو

گرام چاندی یا اس کی قیمت، درہم کے وزن کی تفصیل میرے رسالہ بسط الباع لتحقيق الصاع

مندرجہ حسن الفتاویٰ جلد ۴ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

بلا اذن زوج والدین سے ملاقات:

سوال: بیوی کو اپنے والدین سے ملنے کا اختیار کتنے دن کے بعد ہے؟ اور ملنے جائے تو کتنے

دن وہاں ٹھہر سکتی ہے؟ کیا دور اور نزدیک میں کچھ فرق ہے؟ دور اور نزدیک کی تشریح بھی

تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی کو والدین سے ہفتہ میں ایک بار اور دوسرے محرم رشتہ داروں سے سال میں ایک بار

ملاقات کا حق ہے، دور اور نزدیک میں کوئی فرق نہیں، البتہ ملاقات کے لئے آمد و رفت کے

مصارف شوہر کے ذمہ واجب نہیں، نیز بیوی کو صرف ملاقات کا حق ہے، والدین کے ہاں رہنا بیڑن شوہر کی رضا کے جائز نہیں،

اگر والدین خود ملاقات کرنے پر قادر ہوں تو بیوی کے حواجز خروج میں اختلاف ہے، رائج یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۵، شوال ۱۴۱۶ھ

موت قبل الدخول میں کامل مہر واجب ہے :

سوال؛ ایک عورت کے شوہر کا انتقال رخصتی سے قبل ہی ہو گیا تو اس عورت کو مہر کتنا ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

رخصتی سے قبل میاں بیوی دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو پورا مہر واجب ہوگا، قال فی العلائقۃ ریتا کد عن وطء او خلوة صحت من الزوج او موت احدہما الخ (مراد المحتار ص ۳۵۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴، ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

گونگے کے نکاح کا طریقہ :

سوال؛ نکاح منعقد ہونے کے لئے ایجاب و قبول شرط ہے، اور گونگا آدمی اس پر تادار نہیں تو اس کا نکاح کیسے ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

گونگے کا نکاح ایسے اشارہ سے صحیح ہو جائے گا جس سے ایجاب یا قبول مفہوم ہو اور سننے والوں کو اس کی مراد معلوم ہو جائے، قال ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ تحت رد قولہ و شرط سماع کل، وفي الفتح ینعقد النکاح من الآخرس اذا كانت له اشارۃ معلومة (مراد المحتار ص ۲۹۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

مہر غیر متوجہل میں حق مطالبہ کی تفصیل :

سوال؛ زید نے مثلاً زینب سے ایک سوا شرفی طلا کے عوض عقد نکاح کیا، ان میں سے چالیس اشرفی معجلہ ادا کر دیں، بقیہ ساٹھ اشرفی کے بارے میں صرف یہ کہا کہ ان میں

سے تیس کی نقرہ اور تیس اشرفی طلا کی دوں گا، اور ادائیگی کا کوئی وقت خاص نہیں بتایا، صرف یہ کہا کہ آئندہ ادا کروں گا، اتفاقاً چند ماہ کے بعد زوجین میں ناراضگی پیدا ہو گئی، زوجہ اپنے میکہ چلی گئی، خاوند نے جب واپس بلایا تو وہ کہنے لگی کہ بقیہ ساٹھ اشرفی ابھی ادا کرو گے تو ساتھ آؤں گی، ورنہ نہیں، تو کیا شرعاً زینب کو بقیہ ہر طلب کرنے کا حق حاصل ہو گیا نہیں؟ اس سلسلہ میں امداد الفتاویٰ میں دو مقامات پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کا قول فرمایا ہے، جبکہ فتاویٰ ہندیہ اور بدائع میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر بقیہ مہر کے لئے وقت خاص برائے ادائیگی مقرر نہیں کیا، تو موت یا طلاق کی صورت میں مطالبہ کر سکتی ہے اس سے قبل نہیں، چونکہ وقت معین نہ کرنے کی صورت میں باب النکاح کے اندر وقت خود بخود ہی معلوم ہے، اور وہ تفریق الزوجین بصورت طلاق یا موت ہے، اسی قول کو صاحب محیط نے اختیار فرما کر وہو الصحیح فرمایا ہے، جواب سے تشفی فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بدائع و ہندیہ میں اختلاف لکھا ہے، اور علانیہ و شامیہ میں صرف حق مطالبہ تحریر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی رائج ہے، اس لئے امداد الفتاویٰ میں اس پر فتویٰ دیا گیا ہے عرف تأجیل الی الموت أو الطلاق کا جواب بھی امداد الفتاویٰ میں موجود ہے کہ یہ عرف حالت مرافعات میں ہے، حالت مخالفت میں موت و طلاق سے قبل ہی مطالبہ کا عرف ہے، قال فی شرح التتویر ولہا منعه من الوطء (الی قولہ) الا اذا جہل الاجل جہالة فاحشة فیجب حالاً غایۃ، وفی الشامیۃ قال فی البحر فان كانت جہالة متقاربۃ كالحصاء والد یاس ونحوہ فهو كالمعلوم علی الصحیح كما فی الظہیریۃ بخلاف البیع فانہ لا یجوز ہذا الشرط وان كانت متفاحشة كالی المیسرة او الی ہبوب الريح او الی ان تسطر السماء فالاجل لا یتثبت و یجب المہر حالاً كذا فی غایۃ البیان ام (رد المحتار، ص ۳۸۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر ۱۴۰۱ھ

سوال مثل بالا :

سوال : ایک عورت کا مہر نصف مجمل اور نصف موجل مقرر ہوا، موجل کی کوئی

مدت معین نہیں کی گئی، نصف معجل بروقت ادا کر دیا گیا، بیوی شوہر کے گھر آباد ہو گئی، کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے نصف مؤجل کا مطالبہ کیا، شوہر کے ادا نہ کرنے پر میکہ چلی گئی، کیا عورت کو اس کا اختیار ہے؟ اور اس صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہو یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں تاویل مجہول سے تاویل بالطلاق او الموت کا عرف ہو وہاں زوجہ کو منع نفس کا اختیار نہیں، اور جہاں یہ عرف نہ ہو وہاں تاویل مجہول بحکم تعیل ہے، لہذا زوجہ کو حق منع ہے، تاویل بالطلاق او الموت معروف ہونے کی صورت میں بھی غیر مؤجل میں مشاجرہ کے مواقع میں مطالبہ مہر معروف ہے، لہذا حالت مشاجرہ میں عورت کو حق منع حاصل ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

نامرد سے خلوت صحیحہ کے بعد مہر کامل واجب ہے؛

یہ مسئلہ باب العتہ میں آ رہا ہے،

دش درہم سے کم مہر کا حکم؛

سوال؛ اگر ہر دش درہم سے کم رکھا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دش درہم ۲۔۳ گرام چاندی کی قیمت واجب ہوگی، قال العلامة الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ وتجب العشرة ان سماها او دونها (رد المحتار ص ۳۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ صفر ۱۴۰۲ھ

خطبہ نکاح سننا واجب ہے؛

سوال؛ کوئی خطیب صاحب نکاح کا خطبہ پڑھ رہے ہوں، یا منبر پر تقریر کرنے کے لئے خطبہ مسنونہ پڑھ رہے ہوں اس وقت حاضرین کا آپس میں بات چیت کرنا یا کوئی دنیوی کام کرنا کرنا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، قال فی العلائقہ وکذا یجب الاستماع لساائر الخطب کخطبہ نکاح وخطبہ عید وختم علی المعتمد، فی الشامیۃ (قولہ وختم) ای ختم القرآن

کقولہم الحمد لله رب العلمین حمد الصبرین الخ (رد المحتار ص ۶۹) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۲۲ رجب ۱۴۰۲ھ

باکرہ کا ایک لمحہ سکوت بھی اذن ہے:

سوال: دلی نے لڑکی سے استیذان نکاح کیا، لڑکی نے فوراً انکار کرنے کی بجائے
پانچ منٹ بعد انکار کر دیا تو کیا یہ انکار صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر استیذان کے بعد فوراً انکار نہیں کیا بلا عذر ایک لمحہ بھی خاموش رہی تو لڑکی کی طرف
سے دلی کی توکیل ثابت ہو گئی، اس کے بعد عقد نکاح سے قبل لڑکی کو فسخ توکیل کا اختیار ہے،
مگر وکیل کو فسخ کا علم ہونا ضروری ہے، اگر لڑکی نے عقد سے پہلے توکیل فسخ کر دی مگر وکیل کو
اس کا علم نہ ہوا، اس لئے اس نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا، اسی طرح نکاح بدین
استیذان کے بعد باکرہ کو نکاح کی خبر ملی تو صحت رد کے لئے فوراً بلا تاخیر انکار
کرنا شرط ہے، اگر فوراً انکار نہیں کیا اور ذرا سی دیر بھی بلا عذر خاموش رہی تو نکاح ہو گیا،
قال فی شرح التنویر فان استأذنها هو ای الولی وهو السنة أو وکیلہ اور رسولہ اور زوجہا
ولیہا و أخبرہا رسولہ أو فضولی عدل فسکت عن ردہ مختارة أو ضحكت غیر مستهزئة
أو تسامت أو یکت بلا صوت (الی قولہ) فهو اذن ای توکیل فی الاول ان اتحد الولی فلو
تعد الزوج لم یکن سکوتہا اذناً و اجازة فی الثانی ان بقی النکاح لا یبطل بموتہ،
وقال العلامة ابن عابن رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله عن ردہ) قید به اذ لیس المراد مطلق
السکوت لانہا لو بلغها الخبر فتکلمت باجنبی فهو سکوت هنا فیکون اجازة فلو قالت
الحمد لله اخترت نفسي أو قالت هو باغ لا اریدہ فهذا کلام واحد فهو رد بحر
(قوله مختارة) اما لو اخذها عطاس أو معال حین أخبرت فلما ذهب قالت
لا ارضی أو اخذ فمها ثم ترک فقالت ذلك صح ردہا لان سکوتہا عن اضطرار
بحر (رد المحتار ص ۶۹) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۴ اربع الآخر ۱۴۰۳ھ

نکاح میں قبول کی بجائے الحمد لله کہنا:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ ایک جانب سے ایجاب کرنے کے بعد دوسری جانب سے
بجائے قبول کے الحمد لله کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟ ہمارے علاقہ کے بعض علماء

کہتے ہیں کہ لفظ الحمد لله تملیک عین پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے اس سے نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے علاقہ کے عرف میں لفظ الحمد لله کو لفظ قبول سمجھا جاتا ہے، لہذا اس سے نکاح صحیح ہو جانا چاہئے، اب آنجناب مسئلہ مذکورہ میں شریعت مطہرہ کے مطابق حکم صادر فرمائیں، عین نوازش ہوگی، بیسوا تو جروا،

اس سوال کے جواب میں بنوری طاؤن اور خیر المدارس کے متضاد فتاویٰ ارسال خدمت ہیں، ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں کہ کونسا جواب صحیح ہے؟ اپنی تحقیق عمیق تحریر و نشر باکرتشفی فرمائیں، والاجر عند الله الکریم،

جواب بنوری طاؤن کراچی:

نکاح میں ایجاب و قبول کے لئے الفاظ قبلت و تزوجت و نکحت کے علاوہ ایسے الفاظ ضروری ہیں جو ملک مؤبدہ پر دلالت کرتے ہوں، چنانچہ ردالمحتار میں ہے و هو کل لفظ وضع لتملیک عین خرج مالا یفید التملیک اصلاً کالرهن والودیعة وما یفید تملیک المنفعة کالاجارة والاعارة (ج ۲ ص ۲۶۹ طبع جدید) اور لفظ الحمد لله کسی صورت میں بھی ملک پر دلالت نہیں کرتا، نیز اس صورت میں عرف کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، چنانچہ علامہ شامی اپنے رسالہ ”نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف“ میں فرماتے ہیں ولا اعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یكون علی الباطل بخلاف النص کما قاله ابن الہمام (ص ۱۱۵ ج ۲)، دوسری جگہ پر فرماتے ہیں فان العرف التحاص لا یتروک به القیاس فی الصحیح (ص ۱۱۸ ج ۲)، فقہاء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ لفظ الحمد لله سے نکاح منعقد نہیں ہوا، امداد الفتاویٰ ص ۲۳۲ ج ۲ اس سلسلہ میں قابل ملاحظہ ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ غور و فکر کی دعوت دی ہے، فقط والله اعلم،

جواب خیر المدارس ملتان:

صورت مسئلہ میں ایجاب کے بعد قبلت کے بجائے الحمد لله کہنے سے نکاح کا انعقاد ہو جائے گا، جبکہ نکاح کرنے کا ارادہ ہو، خواہ علاقہ والوں کا عرف ہو یا نہ ہو، فی الخلاصة امرأة قالت لرجل زوجت نفسي منك فقال الرجل بخد اوندی پزیر فتم یصح النکاح ولو لم یقل الرجل ذلك ولكنه قال شاباش ان لم یقل بطریق الطنر یصح

النکاح کذا قال القاضی الامام (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۳ ج ۲) وکذا فی المندیۃ، ایجاب قبول دونوں کا تملیک عین کے لئے موضوع ہونا ضروری نہیں، بلکہ صرف ایجاب کا ایسا ہونا کافی ہے، ورنہ قبلت کہنے سے بھی قبول معتبر نہ ہونا چاہئے، ولم یقل به احد، ہاں آئندہ کے لئے احتیاط لازم ہے کہ قبول کے لئے صریح لفظ استعمال کیا جائے کیونکہ معاملہ نکاح کا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب باسم ملہم الصواب

خیر المدارس کا جواب صحیح ہے، صرف کلمہ ایجاب کا تملیک عین کے لئے موضوع ہونا کافی ہے، کلمہ قبول میں یہ شرط نہیں، بلکہ قبول میں تو سرے سے کلام ہونا ہی ضروری نہیں، قبول بالعمل بھی متحقق ہو سکتا ہے، مزید بریں خلاصۃ الفتاویٰ و عالمگیریہ میں ایسی صورت میں انعقاد نکاح کا حکم صراحۃً موجود ہے،

امداد الفتاویٰ میں عدم انعقاد پر جس صورت سے استدلال کیا گیا ہے اس میں کلمہ ایجاب یا "عمری" ہے جس کا تملیک عین کے لئے موضوع ہونا واضح ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۳ شعبان ۱۴۰۲ھ

منکوحہ کی تعیین جس طرح بھی ہو جائے کافی ہے:

سوال: کیا نکاح پڑھاتے وقت مجلس میں لڑکی اور اس کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟
اگر صرف لڑکی کا نام بتا دیا جائے یا صرف اس کے والد کا نام لے دیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا کہ زید کی صاحبزادی تو نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منکوحہ کی اس طرح تعیین ضروری ہے کہ شوہر اور گواہ بخوبی پہچان جائیں، کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے، اگر لڑکی یا والد کے نام لئے بغیر ہی ایسی تعیین ہو گئی تو نکاح صحیح ہو گیا، مثلاً:

① لڑکی مجلس میں موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے، کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں،

② لڑکی مجلس میں نہیں مگر اس کے نام سے سب سے پہچانتے ہیں، اس نام کی کوئی دوسری لڑکی غیر شادی شدہ وہاں نہیں تو اس صورت میں صرف لڑکی کا نام لینا کافی ہے

والد کا نام لینا ضروری نہیں،

(۳) کسی کی صرف ایک ہی لڑکی ہو یا زیادہ لڑکیاں ہوں مگر ایک کے سوا باقی سب شادی شدہ ہوں تو لڑکی کا نام لینا ضروری نہیں، صرف والد کا نام لینا کافی ہے، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولا المنکوحۃ مجہولۃ) فلوزوج بنتہ منہ ولہ بنتان لا یصح الا اذا كانت احداہما متزوجة فينصرف الى الفارغة كما فی البزاریۃ نہر، وفي معناه ما اذا كانت احداہما محرمة علیہ فلیراجع رحمۃ، واطلاق قولہ لا یصح دال علی عدم الصحة ولو جرت مقدمات الخطبة علی واحدة منہما بعینہا التتمیز المنکوحۃ عند الشہود فأنہ لا بد منہ رمی، قلت وظاہرہ انہا لوجرت المقدمات علی معینۃ وتمیزت عند الشہود ایضا یصح العقد وہی واقعة الفتوی لان المقصود نفی الجہالة وذلك حاصل بتعینہا عند العاقدین و الشہود وان لم یصرح باسمہا کما اذا كانت احداہما متزوجة، ویؤیدہ ما سیأتی من انہا لو كانت غائبة وزوجہا وکیلہا فان عرفہا الشہود وعلوموا انہ ارادہا کفی ذکر اسمہا والا لا بد من ذکر الاب والجد ایضا، ولا یخفی ان قولہ زوجت بنتی ولہ بنتان اقل ابہما ما من قول الوکیل زوجت فاطمة ویأتی تمام ذلك عند قولہ وحضور شاہدین حرین وعند قولہ غلط وکیلہا الخ رد المحتار^{۲۹۶} وقال تحت (قولہ بشرط حضور شاہدین) والظاہر ان المراد بالمعرفة ان يعرفہا ان المعقود علیہا ہی فلانة بنت فلان الفلانی لا معرفة شخصہا، وان ذکر الاسم غیر شرط، بل المراد الاسم او ما یعینہا ما یقوم مقامہ لما فی البحر، لیزوجہ بنتہ ولم یسمہا ولہ بنتان لم یصح للجہالة بخلاف ما اذا كانت لہ بنت واحدة الا اذا سماہا بغير اسمہا ولم یثیر الیہا فأنہ لا یصح كما فی التجنیس اھ، وفيہ عن الذخیرۃ اذا كان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابن واحد فقال زوجت ابنتی من ابنک یجوز النکاح، وان كان للقابل ابنان فان سمي احدهما باسمہ صح الخ، وفيہ عن الخلاصة ازازوجہا اخرہا فقال زوجت اختی ولم یسمہا جاز ان كانت لہ اخت واحدة وانظر ما قد مناه عند قولہ ولا المنکوحۃ مجہولۃ (رد المحتار^{۲۹۷}) فقط واللہ تعالی اعلم،

ایجاب قبول میں ایسے الفاظ ہونا شرط ہر جن سے انعقاد نکاح کا علم ہو:
سوال: زید نے چند لوگوں کے سامنے ایک عورت سے کہا کہ میں تجھے ایسا وظیفہ
بتاتا ہوں جس سے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں، چنانچہ اسے یہ الفاظ بتائے، زوجت نفسی
منک، پھر اس سے کہا کہ مجھے سناؤ، اس نے یہی الفاظ سنائے، تو زید نے کہا قبلت
اب زید کہتا ہے کہ اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہو گیا ہے، حالانکہ نہ تو اس عورت کو ان
الفاظ کا مفہوم معلوم ہوا اور نہ ہی حاضرین کو، اس بارے میں تحریر فرمائیں کہ حکم شرع کیا ہو؟ بینوا تو جروا
الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، اس کی دو وجہیں ہیں:

- ① یہ الفاظ کہنے سے عورت کا مقصد انشاء نکاح نہیں، بلکہ اس نے حکایت یہ الفاظ کہے ہیں،
- ② انعقاد نکاح کے لئے ایجاب و قبول میں ایسے الفاظ کہنا شرط ہے کہ ان سے متعاقباً
اور گواہ انعقاد نکاح کا علم رکھتے ہوں، قال العلامة الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ و شرط
حضور شاہدین حرین او حر و حر تین مکلفین سامعین قولہما معاً علی الاصح
فاہمین انہ نکاح علی المذہب بحر، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ
رقولہ فاہمین الخ قال فی البحر جزم فی التبیین بانہ لو عقد أب حضرة ہند بن
لم یفہمہا کلامہا الم یجز و صححہ فی الجوہرۃ، وقال فی الظہیریۃ والظاهر
انہ یشرط فہم انہ نکاح واختارہ فی الخانیۃ فکان ہو المذہب، لکن فی
الخلاصۃ لویحسان العربیۃ فعقد ابہا والشہود لا یعرفونہا اختلف
المشاہخ فیہ والاصح انہ ینعقد اھل لقد اختلف التصحیح فی اشتراط الفہم
وحصل فی النہر ما فی الخلاصۃ علی القول باشتراط الحضور بلا سماع ولا فہم ای
وہو خلاف الاصح کما مر، ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط
فہم انہ عقد نکاح والقول بعد مہ علی عدم اشتراط فہم معانی الالفاظ بعد
فہم ان المراد عقد النکاح (رد المحتار ص ۲۹۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵، محرم ۱۴۰۴ھ



وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهِمْ وَاقِبَتِهِمْ كَافُونَ ۚ

○ بتحریر ○

متنوع النساخ

انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ متعہ بھی ہے، شیعہ قوم مسلمانوں کے بڑے بڑے محققین کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ ابتداء اسلام میں متعہ حلال تھا،

اس رسالہ میں قرآن و حدیث کے صریح ارشادات اور عقل و دانش کے واضح فیصلوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں ایسی بے حیائی کی کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اجازت نہیں دی گئی،

تحقیق متعہ

سوال: متعہ کی حرمت پر کیا دلیل ہے، اور کس سنہ میں تحریم متعہ وقوع میں آئی؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اہل تشیع میں مروجہ متعہ کی اجازت اسلام میں ہرگز کسی وقت بھی نہیں دی گئی، اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں یہ بدکاری مروج تھی، اسلام میں اس کو ابتداء ہی سے حرام قرار دیا گیا، تحریم متعہ نص صریح شرعیہ سے ثابت ہے:-

① وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْتَابِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (سورۃ مؤمنون و معارج)، قرآن کریم نے حلت جماع کو دو چیزوں (زوجیت و ملک یمین) میں منحصر فرمادیا، اور دوسورتوں میں مکرر لاکر تاکید فرمادی، زن متعہ ان دو صورتوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، زوجہ اس لئے نہیں کہ لازم زوجیت، میراث، طلاق، عدت، نفقہ، کسوت، ایلاء، ظہار، امکان لعان اور حصول احسان بالوطء وغیرہ یہاں متحقق نہیں، اور ظاہر ہے کہ مملوکہ بھی نہیں ورنہ اس کی بیع، ہبہ اور تصدق و اعتاق وغیرہ تصرفات جائز ہوتے، فانتهی المملووم لا انتفاء لللازم، علماء شیعہ بھی خود معترت ہیں کہ زن متعہ زوجیت میں داخل نہیں، چنانچہ کتاب اعتقادات ابن بابویہ میں تصریح ہے: اسباب حل المرأة عندنا أربعة النكاح وملك اليمين والمنعة والتحليل الخ، وقد روى أبو بصير في الصحيح عن أبي عبد الله الصادق أنه سئل عن المتعة أهي من الأربع قال لا الخ

② فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۃ نساء) یعنی جب تعدد منکوحات سے کسی منکوحہ کی حق تلفی کا خوف ہو تو صرف ایک منکوحہ پر یا مملوکات پر اکتفاء کرو۔ آیت کریمہ میں ایسی صورتوں کا بیان کرنا مقصود ہے جن میں حق تلفی کا خوف نہ ہو، اور یہ معنی متعہ و تحلیل میں بنسبت منکوحہ و مملوکہ کے زیادہ ہے، کیونکہ مملوکہ کے کچھ ایسے حقوق ہیں جن کو ادارہ نہ کرنا ظلم ہے، بخلاف زن متعہ کے کہ اس کا سوائے اجرت مقررہ کے اور کوئی حق ہی نہیں، اور تحلیل میں تو یہ بھی نہیں، مفت کا سودا ہے، پس اگر متعہ و تحلیل مباح ہوتے تو

اس موقع پر ان کا ذکر ضرور ہوتا، کیونکہ ان میں حق تلفی کا کوئی خوف نہیں، لہذا معرض بیان میں سکوت سے صبر مستفاد ہے،

③ وَلَيْسَتَغْفِرَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (سورہ مؤمنون) اگر متعہ و تحلیل کی اجازت ہوتی تو امر استعفاف کی کیا حاجت تھی؟

④ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مِمَّا مَكَثَتْ أَيْمَانُكُمْ (الای قولہ) ذلک لمن یحشی العنت منکم و أن تصبروا خیر لکم (سورہ نساء) اگر متعہ و تحلیل جائز ہوتے تو خوف زنا اور حاجت صبر کیسے متحقق ہوگی؟ اور عدم استطاعت حرہ کی حالت میں نکاح مملوکہ کا حکم کیوں کر دیا گیا؟ حالانکہ متعہ بقانون ”کل جدید لذیذ“ زیادہ بہتر تھا،

⑤ قرآن کریم میں پہلے محرمات کا بیان ہے، بعد ازیں فرمایا: وَأُحِلَّ لَكُمْ مِمَّا رَأَوْا زِلْمًا أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ یعنی حلت فرج کے لئے ہر دنفقہ وغیرہ مال خرچ کرنا ضروری ہے، اس میں تحلیل و فرج اور ان کا اعارہ (جو کہ اہل تشیع کے نزدیک مباح ہے) باطل ہو گیا، کیونکہ تحلیل مفت کا سودا اور مالک فرج کا محض احسان ہے، اس کے بعد فرمایا ”مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ“ یعنی اس شرط سے نکاح جائز ہو گا کہ عورت کو اپنے لئے خاص کرنا اور دوسروں کے ساتھ ربط و تعلق پیدا کرنے سے اس کی حفاظت کرنا مقصود ہو، صرف قضاء شہوت اور اذیت منی کا خالی کرنا منظور نہ ہو، پس اس شرط سے بطلان متعہ مصرح ہے، کیونکہ زن متعہ تو ہر روز نئے یار کی طلبگار رہتی ہے، شرائط نکاح کے ذکر کے بعد حل نکاح پر تفریع فرماتے ہیں: ”فَمَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ“ یعنی بعد نکاح کے اگر تم نے وطء سے استمتاع کیا ہے تو ہر کامل لازم ہو جائے گا، ورنہ نصف ہر دینا پڑے گا،

اہل تشیع آیہ کریمہ ”فَمَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاتَّوَهُنَّ أَمْوَالَهُنَّ فَرِيضَةً“ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ متعہ کے بارہ میں ہے، مگر یہ سراسر غلط ہے، اور اس روایت کو عبد اللہ ابن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب کرنا محض افتراء ہے، اگرچہ یہ روایت اہل سنت کی بعض غیر معتبر تفاسیر میں بھی موجود ہے، اس کا باعث یہ ہے کہ شیعہ نے بعض جھوٹی روایات کو ایسی شہرت دی کہ بعض اہل حق بھی غلطی کھاتے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے غلطی سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف جواز متعہ کا قول منسوب کر دیا ہے، حالانکہ خود امام مالک نے

مربوط میں تحریم متعہ کی روایات کی تخریج فرمائی ہے، کتب مالکیہ مدونہ وغیرہ میں بھی تحریم متعہ کی تصریح ہے
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت نظم و تراوی کے خلاف ہے، اور
وہ تفسیر جو کہ نظم و تراوی کے خلاف ہو قبول نہیں کی جاسکتی، اگرچہ صحابی سے نقل کی جاتی ہو، اس
آیت کو ماقبل سے منقطع کر کے ابتدائیکلام پر محمول کرنا باطل ہے، حرف فاء اپنے مدخول کو ماقبل
کے ساتھ مربوط کر رہا ہے، جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
جو منقول ہے کہ وہ "فَمَا اسْتَسْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى" پڑھتے تھے اس کے جوابات یہ ہیں:-
① اذل تو اس روایت کی صحت کا یقین نہیں، کیونکہ کتب معتبرہ میں یہ روایت نہیں پائی جاتی
② اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو قرارت منسوخہ ہے، اور قرارت منسوخہ حجت نہیں ہو سکتی
خصوصاً جب کہ صریح آیات اس شاذ و منسوخ قرارت کے مخالف ہیں،

③ اگر نسخ تسلیم نہ کیا جائے تو بھی اس میں متعہ پر کوئی دلالت نہیں، کیونکہ "إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى"
استمتاع کے ساتھ متعلق ہے، عقد کے ساتھ متعلق نہیں، بخلاف متعہ کے کہ اس میں نفس عقد
کے لئے مدت متعین ہوتی ہے نہ کہ استمتاع کے لئے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم نے اپنی
منکوحہ کے ساتھ مدت معینہ تک استمتاع کیا ہے تو مہر واجب ہے، یعنی مہر مؤجل کا حکم بیان کیا
ہے، احکام القرآن میں ہے: "لَا نِ الْاَجَلِ يَجُوزُ اِنْ يَكُنْ دَاخِلًا عَلٰی الْمَهْرِ فَيَكُونُ تَقْدِيرُهُ فَمَا
دَخَلْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ بِمَهْرٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاتُوهُنَّ مَهْرَهُنَّ عِنْدَ حُلُولِ الْاَجَلِ"،
استمتاع کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ عرت میں چونکہ مہر معجل عموماً نہیں دیا جاتا، بلکہ وجوب مہر کو
تمام عمر نکاح گزرنے سے معلق سمجھا جاتا ہے اس وجہ کو رفع کرنے کے لئے قید بڑھائی، اور
اس امر کی وضاحت کر دی کہ تا جیل فی الطہر عورت کی رضا مندی اور اختیار سے ہو سکتی ہے،
ورنہ شرعاً ایک ہی وطء سے مہر واجب الادا ہے، اگر "إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى" کو عقد کے ساتھ متعلق
کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ نزد شیعہ مدت العمر کے لئے متعہ درست نہ ہو، حالانکہ یہ باجماع شیعہ
درست ہے، نیز اس آیت کا سیاق یعنی "مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا" بھی نکاح کے بارہ
میں ہے، پس درمیانی جملہ کو سیاق و سباق سے منقطع کر کے متعہ پر محمول کرنا صریح تخریب قرآن ہے،
احادیث صریحہ صحیحہ سے بھی متعہ کی حرمت الی القیامہ ثابت ہو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے تحریم متعہ کی روایت اس قدر شہرت و تواتر تک پہنچ چکی ہے کہ حضرت حسن و محمد بن
الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تمام اولاد نے اسے روایت کیا ہے، بخاری، مسلم، موطا و دیگر کتب

حدیث میں متعدد طرق سے یہ روایات ثابت ہیں، بلکہ خود امامیہ شیعہ کی معتبر کتاب استبصار ج ۲ ص ۷۷، اور فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۲ اور تہذیب میں بھی حضرت علی سے حرمت متعہ کی روایت موجود ہے ۵

اپنے من میں ڈوب کر باجائزِ زندگی ۶ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
شیعہ کہتے ہیں کہ ”جنگِ خیبر میں متعہ حرام ہوا تھا، مگر بعد میں جنگِ اوطاس میں پھر حلال
کر دیا گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں حرام کر دیا، حالانکہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے مباح کر دیا تھا، یہ محض غلط ہے، اگر متعہ حلال کر دیا گیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے قول تجوز متعہ پر زجر شدید کرنا اور ان کو رجلِ تابعہ
کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں حرمت متعہ کی زیادہ اشاعت نہیں
ہوئی تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہارِ اشاعت کی غرض سے متعہ پر تحویف و
تہدید فرمائی، حتیٰ کہ ہر خاص و عام کو حرمت کا علم ہو گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا
قول تجوز متعہ صرف مضطر کے بارہ میں تھا، جیسا کہ مضطر کے لئے اکل المینۃ والخنزیر حلال ہے، پھر
اس سے بھی رجوع فرمایا، علاوہ ازیں نکاح باضمار نیتِ فرقت و نکاح موقت کو بھی متعہ
کہا جاتا ہے، جیسا کہ فتح مکہ میں اجازتِ نکاح موقت کو اباحتِ متعہ سے تعبیر کیا گیا ہے، معلوم ہوتا
ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اباحتِ اہل منظر اس قسم کے نکاح سے متعلق تھی، خود
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے، حدیث: قال کان الرجل یقدم
البلد لیسألہ بما معرفۃ فیتزوج المرأة بقدر ما یؤی انہ یقیم فتخفظ لہ متاعہ
وتصلح لہ شیئہ (ترمذی ص ۱۳۳ ج ۱) وروی اسد الحارثی من طریق الخطابی
الی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس لقد سارت بفتیانک الکرکبان وقالوا
شعرا قال وما قالوا قلت قالوا ۵

فقلت للشیخ لما طال مجلسہ ۶ یا شیخ هل لك فی فتیانك فی فتیان ابن عباس
فی غینۃ رخصۃ الاطراف النسۃ ۷ تكون مثواک حتی مصدر الناس
فقال سبحان الله ما بهذا افیت انما هی کالمیتۃ والدم ولحم الخنزیر
هكذا ذکر الخطابی فی معالم السنن ص ۱۹۳ وایضا نقل الخطابی قبیل هذا ان
ابن عباس کان یتأول فی اباحتہ للمضطر الیہ لطول العزبۃ وفتلۃ الیسار والجدة

ثم توقف عنه وامسك عن الفتاوى به، وروى الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ قال انما كانت المتعة في اول الاسلام حتى نزلت الآية لا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم، قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما لكل زوج سواهما فهو حرام، اس سے مراد نہیں کہ ابتداءً اسلام نے متعہ کی اجازت دی تھی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بوقت ابتداء اسلام جاہلیت کی یہ رسم تھی جس کو ابتداء ہی میں اسلام نے حرام کر دیا، آیت مذکورہ مکہ ہے، عقل و درایت کے لحاظ سے بھی بوجہ ذیل متعہ قبیح و مذموم ہے:-

① دو نطقوں کا ایک رحم میں جمع کرنا باتفاق جمیع مذاہب ناجائز ہے، انسان کے لئے حیوانات سے ماہ الامتبیاز حفاظت نسبی، پانچ چیزوں کی حفاظت کا اہتمام ہر ملت و مذہب میں ضروری ہے:

اولاً حفظ النفس، ثم حفظ الدین، ثم حفظ العقل، ثم حفظ النسب، ثم حفظ المال، اسی لئے شریعت نے قصاص، جہاد، اقامت حدود اور تحریم مسکرات و زنا و متعہ و سرقة و غصب کی بہت تاکید فرمائی ہے

② متعہ میں بے حیائی و بے غیرتی ظاہر ہے، حیار و غیرت باجماع جملہ ملل محمود اور ان کی اضرار مذموم ہیں،

③ متعہ میں تیسیح اولاد اور اس کا معنوی اہلاک ہے، کیونکہ ولد الزنا کی طرح زین متعہ کی اولاد کی تربیت کا کوئی کفیل نہیں ہوتا،

④ اگر مؤنث اولاد پیدا ہوئی تو اس کا نکاح کفو میں کرنے پر متعہ کرنے والا قادر نہیں ہوتا، غیر کفو میں نکاح کرنے سے ذلت و رسوائی ظاہر ہے،

⑤ متعہ میں یہ یادداشت ممکن نہیں کہ کس کس عورت سے متعہ کیا، اور اس کے متعہ سے کیا کیا اولاد پیدا ہوئی، خصوصاً سفر میں ناواقفیت کی حالت میں، پس ایسے حالات میں بہت دفعہ اپنے ہی نطفہ سے پیدائش لڑکیوں سے نکاح یا متعہ واقع ہو سکتا ہے، علیٰ ہذا القیاس متعہ کے باعث بیٹیوں، پوتیوں، بہنوں، پھوپھیوں وغیرہ محرمات کے ساتھ وطء کا وقوع ہوتا رہتا ہے،

⑥ متعہ کی وجہ سے میراث کا حکم بالکل باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ جس شخص نے متعہ دفعہ متعہ کیا ہے اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والی اولاد کا کوئی علم نہیں ہو سکتا، کہ کہاں ہیں اور کتنی ہیں، تاکہ ان پر ترکہ تقسیم کیا جاسکے، اسی طرح پیدائش اولاد کا ترکہ تقسیم نہیں ہو سکتا، کیونکہ

ان کے باپ اور بھائی بہنوں کا کوئی علم نہیں، اگر بعض وارثوں کا علم ہو بھی جائے تب بھی ان پر ترکہ تقسیم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ جب تک جمع ورثاء کی تعداد اور صفت ذکورۃ والنوثة کا علم نہ ہو اس وقت تک معلوم وارث کا حصہ بھی متعین نہ ہو سکے گا، غرضیکہ تحلیل متعہ کی وجہ سے احکام شریعت کا بطلان اور نوع انسانی میں فساد عظیم لازم آتا ہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں حل وطء کو صرف دو ایسے سببوں (نکاح ظاہر التابید اور ملک یمین) میں منحصر کر دیا ہے جن کی وجہ سے نوع انسانی مفاسد مذکورہ سے محفوظ رہ سکے،

④ نکاح میں اگرچہ تملیک عین لبضع نہیں، بلکہ تملیک منافع لبضع ہے، مگر اس کے باوجود نکاح کی مشابہت تملیک اعیان کے ساتھ ہے، اجارہ کے ساتھ نہیں، کیونکہ نکاح بالاتفاق بدوین توقيت کے صحیح ہے، اور اجارہ بدوین توقيت یا تعیین عمل کے فاسد ہوتا ہے، پس جب نکاح کی مشابہت تملیکات اعیان کے ساتھ ہے تو جیسے بیع، ہبہ، صدقہ وغیرہ تملیکات اعیان توقيت کی وجہ سے باطل ہو جاتے ہیں، اسی طرح نکاح کے لئے بھی توقيت مبطل ہے، پس جب نکاح متعہ کا بطلان ثابت ہوا تو متعہ اس سے بھی اقبیح ہے، اور دینی و دنیوی مفاسد بھی،
تایخ تحریم متعہ :

اس سے متعلق روایات میں بہت اختلاف ہے، مندرجہ ذیل مقامات پر تحریم متعہ روایات میں مذکور ہے:

① غزوة خیبر محرم ۳ھ، اخرج البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب النکاح عن الحسن بن محمد بن علی واخیہ عبد اللہ عن ابیہما ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعہ وعن لحوم الحمر الاہلیۃ ومن خیبر،

② عمرة القضاء ذی الحجہ ۳ھ، کما فی روایۃ الحسن البصری اخرجہا عبد الرزاق من طریقہ وزاد ما کانت قبلہا ولا بعدہا وھذا الزیادۃ منکرۃ من راویہما عمرو بن عبید وھو ساقط الحدیث وقد اخرجہ سعید بن منصور من طریق صحیحۃ عن الحسن بدوین ھذا الزیادۃ (فتح الباری)

③ غزوة الفتح رمضان ۳ھ، رواہ مسلم،

④ غزوة حنین شوال ۳ھ، اخرج النسائی والدارقطنی الحدیث الاول الذی

فيه ذكر خيبر برواية عبد الوهاب الثقفي عن يحيى بن سعيد عن مالك وفيه لفظ
حينئذ مكان خيبر

٥ غزوة اوطاس شوال سنة ١٠، اخرجها مسلم من حديث سلمة بن الأكوع رضي الله تعالى عنه،

٦ غزوة تبوك، رجب سنة ٩هـ، أخرجهما اسحق بن راهويه وابن حبان من طريقه من حديث
إلى هريرة رضى الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم لما نزل بثنية الوداع
رأى مصابيح وسمع نساءً يبكين فقال ما هذا فقالوا يا رسول الله نساءً كانوا قمتعوا
منهن فقال هدم المتعة النكاح والطلاق والميراث وأخرجه العازمي من حديث جابر
رضي الله تعالى عنه قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى غزوة تبوك
حتى إذا كنا عند العقبة، مساءً إلى الشام جاءت نسوة قد كنا تمتعن بهن يطفن برحاً لنا
فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرنا ذلك له قال فغضب وقام خطيباً
فحمد الله وأثنى عليه ونهى عن المتعة فتوادعنا يومئذ فميت ثنية الوداع (فتح الباري)
٤ حجة الوداع سنة ٩هـ، أخرجهما البرداء من حديث الربيع بن سبرة عن أبيه رضى الله
تعالى عنه،

وجوه التوفيق :

دجہ تو فیق معلوم کرنے کے لئے موارد نہی کی تنقیح نمبر وار کی جاتی ہے:

① غزوة خيبر،

(۱) حکى البیهقى عن الحمیدى ان سفیان بن عیینة کان یقول قولہ یوم خیبر متعلق بالاحمر الاہلیۃ لا بالمتعة، ابن عیینہ سے بطرق متعدده ثابت ہے کہ یوم خیبر میں صرت لکھنؤ سے نہیں ہوئی متعہ سے نہیں،

(۲) یوم خیبر میں متعہ کا وقوع روایات سے ثابت نہیں، لہذا یوم خیبر میں متعہ سے نہیں نہیں ہو سکتی،

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول جوازِ متعہ پر تردید میں فرماتے ہیں ”انک رجل قائف“ اور حرمتِ متعہ پر اسی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں، پس اگر یومِ خمیس کو تحریمِ متعہ کا بھی ظن قرار دیا جائے تو حضرت علی کا احتجاج

ابن عباس پر کیسے صحیح ہو سکتا ہے، جبکہ خیبر کے بعد فتح مکہ میں رخصتِ متعہ ثابت ہے،
حرمتِ متعہ سے یومِ خیبر کے عدم تعلق کی یہ تینوں وجوہ درست نہیں،
پہلی اس لئے کہ بخاری کتاب المغازی و کتاب الزباج و ترک الحیل میں اور مسلم کی بھی متعدد
روایات میں یومِ خیبر کا تعلق صراحتہ متعہ کے ساتھ ہے،
دوسری اس لئے کہ خیبر میں وقوعِ متعہ کا ذکر اگرچہ روایات میں نہیں مہلذا ابو جہذہ ذیل یہ وجہ
قابل قبول نہیں:

(۱) عدم علم یا عدم ذکر سے عدم وجود پر استدلال نہیں کیا جاسکتا،
(۲) نہی عن المتعہ کے لئے وقوعِ متعہ ضروری نہیں، مجاہدین کے سفر میں ہونے اور غربت
کی وجہ سے وقوعِ متعہ کا احتمال تھا، اس لئے منع فرما دیا گیا،
(۳) ابن مسعود و سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اجازتِ متعہ کی
علت سفرِ جہاد میں مشقتِ غربت و حاجۃ النساء مع قلتہن تھی، لہذا فتحِ خیبر میں لونڈیوں
کی کثرت کی وجہ سے نہی عن المتعہ لارتفاع سبب الاباحۃ کا موقع تھا، اگرچہ خیبر میں متعہ
واقع نہ ہوا ہو،

(۴) متعہ کی اباحت اُن مغازی میں تھی جو بعید المسافت ہوں، خیبر میں یہ علت موجود
نہ تھی، کیونکہ مدینہ سے قریب ہے، لہذا نہی عن المتعہ کی ضرورت پڑی،
تیسری وجہ میں یہ احتمال ہے کہ شاید حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح مکہ والی رخصت کا علم
نہ ہوا ہو، کیونکہ عنقریب ہی نہی واقع ہو چکی تھی، نیز فتح مکہ میں رخصت بھی صرف تین دن کے لئے
دی گئی تھی، قرب نہی و قلتِ ایام رخصت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت کا علم
نہ ہوا ہو، اس لئے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر خیبر والی روایت سے احتجاج فرمایا،

غرضیکہ یومِ خیبر میں نہی عن المتعہ ثابت ہے، اور غزوہ فتح میں الی یوم القیامۃ کا لفظ اس پر
قرینہ ہے کہ اس سے پہلے خیبر میں تحریم ہو چکی ہے، مگر الی یوم القیامۃ نہ تھی، نیز اگر یومِ خیبر کا
تعلق صرف محرمِ حرم کے ساتھ ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ متعہ کا ذکر کیوں فرمایا؟
مگر اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ابن عباس چونکہ دونوں کی رخصت کے قائل تھے اس لئے حضرت
علی نے دونوں کی تردید فرمائی،

④ عمرۃ القضاء :

(۱) لا یصح فیہا الا بشرط کونه عن مرسل الحسن ومراسیلہ ضعیفۃ
لانہ کان یأخذ عن کل احد (فتح الباری)
(۲) علی تقدیر ثبوت ایام عمرۃ القضاء سے ایام خیبر مراد ہیں، لکن ہما فی
سنة واحدة،

③ غزوة الفتح میں تین ایام کی رخصت کے بعد نہی مؤید الی القیامہ صریح و صحیح احادیث سے
ثابت ہے،
④ غزوة حنین :

(۱) اس روایت کے طرق قویہ میں خیبر کا لفظ ہی، لہذا حنین کا لفظ راوی کی خطا ہے (فتح الباری)
(۲) اس روایت میں وقوع متعہ کا ذکر نہیں، صرف نہی مذکور ہے، لہذا تکرار نہی صرف
تاکید و مزید اشاعت کے لئے ہے،

(۳) حنین و فتح مکہ ایک ہی سال میں ہیں، اس لئے فتح مکہ پر ایام حنین کا اطلاق کر دیا گیا،
(۴) غزوة فتح والی رخصت ہی حنین میں بھی باقی تھی، اس سے نہی کی گئی، کیونکہ حنین
فتح مکہ کے بعد متصل واقع ہوا ہے، مگر یہ توجیہ صحیح نہیں، کیونکہ مسلم وغیرہ کی صحیح احادیث میں
مصرح ہے کہ مکہ سے نکلنے سے پہلے ہی متعہ قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا،
(۵) بعض نے کہا ہے کہ غزوة حنین اور غزوة اوطاس واحد ہے، لہذا جو توجیہ غزوة اوطاس
سے متعلق آرہی ہے وہی حنین میں کی جائے گی، مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں غزوے جدا جدا ہیں،
فتح مکہ کے وقت کچھ قبائل مکہ سے بھاگ کر حنین میں جمع ہو گئے تھے، اس لئے حنین میں غزوة
واقع ہوا، پھر حنین سے کچھ قبیلے اوطاس کی طرف چلے گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا
قصد فرمایا،

⑤ غزوة اوطاس :

(۱) اس میں فی غزوة اوطاس نہیں، بلکہ عام اوطاس ہے، اور اس سے غزوة الفتح
مراد ہے،

(۲) بعض نے یہاں بھی وہی توجیہ بیان کی ہے، جو غزوة حنین کے بارہ میں ۳۷ کے تحت
مذکور ہوئی، مگر اس کا صحیح نہ ہونا اور پر بیان ہو چکا ہے،

⑥ عنزوة تبوک:

- (۱) عنزوة تبوک میں وقوع متعہ کی تصریح نہیں، ممکن ہے کہ تحریم سے پہلے ان عورتوں سے متعہ کرتے رہے ہوں، اور تو دلچاب واقع ہوئی ہو، اور نہی مزید تاکید کے لئے فرمائی گئی ہو،
- (۲) نہی پہلے واقع ہو چکی تھی، مگر بعض نے نہی نہ پہنچنے کی وجہ سے رخصت سمجھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غضبناک ہونا بھی اس پر دال ہے کہ نہی پہلے ہو چکی تھی، اور یہی صحیح ہے، کما سیبجی،
- (۳) تبوک کے بارہ میں دو روایتیں ہیں، ایک ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، دوسری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں، کیونکہ پہلی روایت میں مؤمل ابن اسماعیل عن عکرمہ بن عمار کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں، اور دوسری روایت میں عباد بن کثیر ضعیف ہے (فتح الباری)

④ حجة الوداع:

- (۱) اس میں ربیع بن سبرہ سے غلط واقع ہوا ہے، انہی ربیع بن سبرہ سے فتح مکہ کے بارہ میں روایت اصح و اشہر ہے، جب ایک ہی راوی سے ایک ہی قصہ میں متعارض الفاظ منقول ہوں تو ترجیح متعین ہے،
- (۲) حجة الوداع والی روایت میں صرت نہی مذکور ہے، وقوع متعہ کا ذکر نہیں، لہذا محض تاکید و مزید اشاعت پر محمول ہوگی،
- (۳) قال فی فیض الباری واما من ذکرہا فی حجة الوداع فقد تکلم بکلام یشبه الاغلو طات فان المراد منها متعة الحج ورفض الحج الى العمرة دون متعة النساء (فیض الباری ج ۴)

مندرج بالا تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ تحریم متعہ کے مواضع میں سے صرت خیبر اور فتح مکہ صحیح طریقہ سے ثابت ہیں، خیبر سے متعلق بھی کچھ کلام گزر چکا ہے، یعنی بعض محدثین کا خیال ہے کہ یوم خیبر صرہ لحم حمر کے ساتھ متعلق ہے، اور جن روایات میں متعہ کے ساتھ متعلق معلوم ہوتا ہے ان میں راوی سے تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی ہے، مگر مشہور یہ ہے کہ نسخ متعہ مرتین ہوا ہے، پہلے خیبر میں دوبارہ فتح مکہ میں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یونہی منقول ہے، ماوردی نے حادی میں اور نووی وغیرہا نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے،

بعض نے یوں تطبیق دی ہے کہ مواضع مذکورہ میں فتح مکہ سے پہلے جتنے اماکن ہیں سب میں سبب اباحت یعنی مشقت سفر بعید ہونے کی وجہ سے متعہ کی اجازت دے کر حاجت پوری ہو جانے کے بعد نہیں فرماتے رہے، اور آخر میں فتح مکہ کے موقع پر تحریم مؤبد الی القیامہ کر دی گئی، اس لئے تبوک کے سفر کے شروع ہی میں نہیں کی گئی، باوجودیکہ تبوک میں مسافت بعیدہ و مشقت شدیدہ تھی، چونکہ نسخ کے بعد یہ پہلا سفر تھا، اس لئے احتیاطاً ابتداء سفر ہی میں منع فرمادیا، حدیث تبوک نسخ متعہ فی السفر کے لئے صریح دلیل ہے، اور حجة الوداع کے بارہ میں اگر ریح بن سبرہ کی غلطی نہ بھی تسلیم کی جائے تو یہ بھی مزید تاکید پر محمول کی جائے گی،

مذکورہ بالا سبب توجیہات سے زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے، اور یہی صحیح ہے کہ تحریم متعہ مکہ ہی میں نازل ہو چکی تھی، چنانچہ نصوص محرمہ "إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" مکہ میں، مگر اس کی اشاعت مکمل طور پر نہ ہوئی تھی، اس لئے بعد میں تاکید و مزید اشاعت کی غرض سے بار بار کئی مواضع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمائی، اور غزوۃ الفتح میں جو تین ایام تک اباحت کی روایت ہے اس میں متعہ کی اباحت نہیں، بلکہ نکاح موقت کی اباحت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صورتہ نکاح سمجھ کر اجتہاداً اجازت دیدی، مگر آپ کو بذریعہ وحی متنبہ کر دیا گیا کہ یہ بھی معنی متعہ ہے، تو آپ نے اس کو بھی حرام قرار دیا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ محرم ۱۳۴۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام میں کبھی بھی متعہ کی اجازت نہیں دی گئی، حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہو کہ متعہ کی اجازت تھی، بعد میں نسخ واقع ہوا، پس ان مولوی صاحب کا خیال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اباحت متعہ فی ابتداء الاسلام کا انکار حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے بھی فرمایا ہے، مگر اس پر زیادہ زور حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہ نے دیا ہے، آپ کی تحقیق فیض الباری میں بایں الفاظ منقول ہے: قلت وما ظہری فی هذا الباب وان لم يقله أحد قبلی ان المتعة بالمعنى المعروف لم تكن فی الاسلام قط ولكنها كانت نکاحاً بدھر قليل لا بنية الاستدامة بل باضرار الفرقۃ فی النفس بعد حین والظاهر ان تعدید المهر

بعضہ در اہم کان بعدہ وھذا النوع من النکاح یجوز الیوم ایضاً الا انہ یحظر غنہ
 دیانۃ لاضمارنیۃ الفرقۃ ویریدہ ما عند الترمذی ص ۱۳۳ ج ۱. عن ابن عباس
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما باسناد فیہ کلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ بہا معرفۃ
 فیتزوج المرأة بقدر ما یرى انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شیئہ فہذا
 صریح فی انہ کان نکاحاً مع اضمار الفرقۃ واما التخصیص بثلاثۃ ایام کما فی بعض
 الروایات فلیس کما فہمہ بل الوجه فیہ ان المهاجرین لم یکنوا رخصوا فی اقامتہم
 بمکہ بعد الحج فوق ذلک فجاء اجازۃ المتعۃ لثلاثۃ ایام لہذا لان المتعۃ احدث
 لثلاثۃ ایام فلیس الفرق الا ان النکاح مع نیتۃ عدم الاستدامۃ کان مرخصاً فی
 اول الامر ثم عاد الامر الی اصلہ کما کان ولم یرخص فیہ ایضاً فہذا ہوا المتعۃ
 عندی اما ان المتعۃ بالمعنی الذی زعمہ فہما لا ارأہ ان یكون ابیح فی الاسلام
 قط وقال بعضهم فی فسخ الحج الی العمرة ایضاً نحوہ فانکروہ رأساً کما انکرت المتعۃ
 فی الاسلام غیر انی تفردت بانکار المتعۃ اما فی فسخ الحج الی العمرة فقد سبق فیہ
 ناس قبلی واختر الجہور انہ کان ثم نسخ (فیض الباری ص ۱۳۸ ج ۲)،

اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ اَلَا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ
 اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ الخ کا نزول دو دفعہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا، جس سے تحریم متعہ ظاہر ہے،
 مگر اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اس تحریم کی
 اشاعت اور تاکید فرمائی، یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصوص قرآنیہ
 محرمہ متعہ کے بعد متعہ کی اجازت دی ہو، فتح مکہ کے موقع پر جو اجازت مروی ہے وہ نکاح موقت
 کی تھی نہ کہ متعہ کی، نکاح موقت صوۃ نکاح ہے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاداً
 اس کی اجازت دی تھی، مگر آپ کو وحی سے متنبہ کر دیا گیا کہ معنی یہ بھی متعہ ہی ہے، تو آپ نے اس کی
 تحریم کا بھی اعلان فرمایا،

حاصل یہ کہ متعہ شیعہ جیسی بے حیائی کی اسلام میں کبھی بھی اجازت نہیں دی گئی، یہ جاہلیت
 میں مروج تھا، اسلام نے شروع ہی سے اس کو حرام قرار دیا، البتہ متعہ محرمہ میں نکاح باضمار نیت
 فرقت نکاح موقت کا دخول منصوص ہونے کی وجہ اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی بعد میں بذریعہ وحی غیر متلو آیت محرمہ
 میں اس کا دخول بیان فرما کر اس کی حرمت بھی افح کر دی گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 سلخ محرم ۱۳۴۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: جب آیات تحریم متعہ مکہ میں نازل ہو چکی تھیں اور متعہ کی اجازت مدینہ میں دی گئی تو ان آیات منقذہ فی النزول سے تحریم متعہ پر استدلال کیسے صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلی سرسہ نے اس اشکال کے متعدد جواب تحریر فرمائے ہیں جن میں سے بہترین جواب یہ ہے کہ تحریم متعہ وقت نزولِ نصوص ہی سے ہے، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اباحت متعہ کی کوئی روایت نہیں، مگر چونکہ تحریم کی اشاعت بعض وجوہ سے مکمل طور پر نہ ہوئی تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکرار نہیں اور اس کی تاکید کی اہمیت کو محسوس فرمایا اور بار بار کئی مواضع پر بغرض اشاعت و تاکید حکمِ شرعی کی تبلیغ فرمائی، فتح مکہ میں جو تین روز تک اباحت کی روایت ہے اس میں اباحت نکاح موقت ہے، متعہ کی اباحت نہیں ہوئی،

بندہ کے نزدیک متعہ سے متعلق یہ تحقیق سب تحقیقات سے بڑھ کر ہے، اس کے بعد کسی دوسرے جواب کی ضرورت نہیں، معہذا تکمیل فائدہ کی غرض سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے جمیع جوابات نقل کئے جاتے ہیں:-

ونصہ وأما الاستدلال بأية المؤمنين والمعارض على حرمة المتعة فقد نقل بالطرق الصحيح عن أكابر الصحابة رضي الله تعالى عنهم وفقهاء التابعين رحمهم الله تعالى منهم ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كما في المشكوة ومنهم عائشة الصديقة رضي الله تعالى عنهما أخرج ابن المنذر وابن أبي حاتم والحاكم وصححه عن ابن أبي مليكة قال سألت عائشة عن متعة النساء فقالت بئني وبينكم كتاب الله فقرأت والذين هم لفروجهم حافظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم رآني قوله فمن ابتغى وراء ذلك أي ما زوجه الله أو ملكه فقد عدى وأخرج عبد الرزاق وAbu داود في ناسخه عن القاسم بن محمد أنه سئل عن المتعة فقال اني لأرى تحريمها في القرآن ثم تلا هذه الآية وكذا روى عن محمد بن كعب القرطبي وعن قتادة وعن السدي وعن أبي عبد الرحمن السلمي وغيرهم من مشاهير التابعين فلا شبهة أن هاتين السورتين مكيستان ففي الاستدلال بهذه الآية الواقعة فيهما على تحريم المتعة

نوع اشكال والجواب عنه من وجوه:

الاول ان هذه الآية مدنية وان كانت السورتان مكيتين وقولكم في الاتفاق انه ليس فيها آية مدنية قلنا الصحابة ومشاهير التابعين اعرف بالناسخ والمنسوخ والمتقدم والمتأخر فاستدلوا لهم بهذه الآية على حرمة المتعة اول دليل على كون الآية مدنية لا يعارضه ما في الاتفاقان البتة ولا سيما المكي والمدني عندهم يطلقان باعتبار الغالب فلعل ما في الاتفاقان مبني على ما روى من الصحابة والتابعين من الحكم بكونهما مكيتين وهو لا ينافي كون بعض آياتهما مدنية،

والثاني، هب ان الآية مكية لكن فهم تحريم المتعة منها متأخر فالناسخ هذه الآية بعد لحوق البيان وهذه المجموع لم يكن متحققة قبل التحريم فلا جرم نفى حكم المتعة على الاباحة الأصلية وتحقيق المقام ان بعض الآيات يدل على بعض الاحكام بطريق الاشارة فاذا اراد الله تعالى ووضح الحكم المدلول عليه بتلك الطريق اوتى الى الرسول صلى الله عليه وآله وسلم ان يبين للناس تلك الطريقة فيصير الآية حينئذ دالة على ذلك الحكم دلالة الصريح وتكلف به العوام والخواص ومتى اراد الله اخفاء ذلك الحكم لم يبين الرسول صلى الله عليه وسلم تلك الطريق وان يفهم الخواص والاذكياء ذلك الحكم فلا يكون التكليف به عاما مثاله قوله تعالى تَخِذْ مِنْهُ سَكْرًا وَرِزْقًا حَسَنًا فان توصيف الرزق بالحسن وترك هذه الوصف في السكر يدل اشارة على حرمة الخمر مع ان الآية مكية نزلت قبل تحريم الخمر بسنة مديدة وكذا قوله تعالى فِيهِمَا اِشْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، يدل اشارة بل صريحا على حرمتها لان دفع الضرر لاسيما اذا كان اخرويا دأبا مقدا على جلب النفع سيما اذا كان عاجلا دينويا باجماع العقل والشرع ولهذا كان عمر رضي الله تعالى عنه يدعوى في هذا الباب ويقول اللهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا دون ان يقول حرم علينا الخمر فيصح استدلالهم ان هذه الآية بعد بيان الرسول يدل قطعاً على حرمة المتعة وكانت قبل البيان دليلاً ظنياً اذ من المحتمل ان يكون المراد مما ملكت ايما انهم اعم من ملك الرقبة وملك المنافع فلا يفهم تحريم المتعة قطعاً،

بقي ههنا اشكال صعب اصولي وهو انه خلاف ما تقرر عندهم ان تأخير البيان

عن وقت الحاجة لا يجوز عندهم وفي هذه الآية يلزم ذلك،

قلنا المحذور من ذلك ما لو لاه لم يفهم المعنى المتكلف به أصلاً كما قيموا الصلوة
بلا بيان لصفة الصلوة أما إذا فهم أصل المعنى ولم يفهم بعض ما يدل عليه الكلام
بطريق الإشارة فلامحذور وفي ذلك أصلاً،

والثالث، سلمنا أن هذه الآية كانت دالة على حرمة المتعة بلا حاجة إلى
البيان لكن كان حكمها مؤخرًا في التكليف به إلى زمان فلما جاء ذلك الزمان ثبت ذلك
الحكم بتلك الآن وكانت الآية ناسخة قبل الهجرة ووقع النسخ بهما في غزوة خيبر
بسبب تأخير حكمها إلى ذلك الزمان كما صح عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم
قال قوله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ نَاسِخَةٌ لِّلْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ
عَنِ الْمُنْكَرِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ فَقَطْ،

من فتح العزيز تحت قوله تعالى أَوْ نُنْشِئَهَا فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ بعد ذكر قراءة الهزرة
من النساء وهو التأخير والتحقيق أن النساء سواء كان مهوراً في الأصل محققاً
أو ناقصاً يائياً من النسيان بمعنى الأغفال والأذهال أمر غير النسخ مقابل له مقابلة
الصعود والهبوط في الحركات ومقابلة السلم والبيع المؤجل في المعاملات وهو أن
يقدم نزول الآية على حكمها ويتأخر حكمها عن تلاوتها إلى مدة كما أن النسخ تقدم
الحكم على بقاء التلاوة وتأخير التلاوة عن مدة بقاء الحكم وهو كثير الوقوع في الآيات،
وهذه القسم يرتفع الاشكال عما يروى من أكابر الصحابة رضي الله تعالى عنهم أنهم
تسكروا في الأحكام المدنية بالآيات السكية كما يروى ذلك بطريق الصحيح عن أمير
المؤمنين على كرم الله وجهه في قوله تعالى قَدْ أَفْلَحَ مَنْ بَزَكَى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ
قَصَلَى، أنه إشارة إلى أداء صدقة الفطر وتكبيرات العيد وصلوة العيد وكما يروى
عن أمير المؤمنين ع رضي الله تعالى عنه أنه تسك في حرمة الطلاق بقوله تعالى
فِي النَّحْلِ تَتَّخِذُونَ مِنُّهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا وكما يروى عن ابن عباس رضي الله تعالى
عنهما أنه تسك في حرمة المتعة بقوله تعالى فِي الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُعَارِجِ فَتَنٍ ابْتِغَى
وَرَأَى ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ، بل هذا القسم في غير الأحكام أيضاً كما في قصة سرية
متذرين عمرو الأنصاري فانه نزلت الإشارة إليها بمكة في قوله وَالْعِدَّةِ يَتَضَبَّعًا

الى قوله فَوَسَّطُنَا بِهِ جَمْعًا، وتحقيق هذا الالساء ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم
والمجتهدين من الصعابة ما كانوا يتفرغون لاستنباط احكام الرقائع المفروضة
المقدرة بل يكتفون ببيان احكام الرقائع النازلة فسمي ما لم يتفق وقوع واقعة لم
يتوجهوا الى مأخذها ولم يستدلوا به في استخراج حكمها فلا جرم بقي مأخذها على
ما كان عليه من الخمول والخفاء حتى اذا ان وقت بيان حكمها في علم الله ووقعت
واقعة تقتضي ذلك صرف الله اذهانهم الى ذلك المأخذ وتيسر له كسبها وقم ذلك
في قصة تطيف اهل المدينة مكائدهم وتسلط النبي صلى الله عليه وآله وسلم
بصدر سورة التطفيف ومن امعن بهذا الاصل استراح عن كثير من التكلفا
التي ارتكبتها اهل التفسير واهل الاصول كما لا يخفى على المتتبع،

ايضا من فتح العزيز تحت قوله تعالى في المؤمنين فَمَنْ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ
هُمُ الْعَادُونَ، فان قالوا اى الشيعة قد صح عندكم ان المتعة كانت مباحة الى زمن
خير بعد نزول هذه الآية فكيف يصح التمسك بها في تحريمها قلنا ان اردتم بالاباحة
الاباحة الشرعية التي تتوقف على فعل الرسول او قوله او تقريره منعنا كونها مباحة
بهذه المعنى بعد نزول هذه الآية اذ لم ينقل لا عندنا ولا عندكم ان النبي صلى الله
عليه وآله وسلم اطلع على متعة وقعت فقررها او اذن فيها ومعاذ الله ان يفعل هو
واصحابه من ذلك شيئا فافى دليل لكم على اثبات هذه الاباحة وان اردتم بالاباحة
الاباحة الاصلية اعني عدم ورود النهي عنها صريحاً فذلك انما كان اعتسافاً على هذه
الآيات فانها مصرحة بتحريمها وكم من حكم صرح به في القرآن ولم يتوجه النبي
صلى الله عليه وآله وسلم الى تأكيده وشرحه وبسطه الا بعد سنوح الحاجة الى ذلك
من وقوع الواقعة او سؤال السائل ولما لم يتفق في باب المتعة شيء من هذه الامور
الى زمن خير لم يتعرض النبي صلى الله عليه وآله وسلم لتأكيد حرمتها كما لم يتعرض
لاكثر احكام النكاح والتزوج الى ان هاجر الى المدينة ووقعت في ذلك وقائع يقتضي شرحها
وبسطها نعم قد رخص النبي صلى الله عليه وآله وسلم عام او طاس لاجل الضرورة في
النكاح الموقت لا في المتعة كما صرح بذلك رواية عمران بن حصين وابي موسى الاشعري
وغيرهما رضي الله تعالى عنهم مما هو في صحيح مسلم وغيره من الصحاح قد رخص لنا

رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عام أو طاس أن تنكح المرأة بالشوب إلى أجل
فهذا نص في أن المأذون فيه كان نكاحاً موقفاً لا متعة وإنما سماه من سمي متعة
مجازاً أو تشبيهاً وإنما اذن فيه باجتهاده حيث علم أنه نكاح فيه شرط التأجيل
وبسبب ذلك الشرط يشابه المتعة فلما أوحى إليه أنه في المعنى كالمتعة لا يجاب
اختلال النسب وضياع الأولاد وجهالة الوارث والمورث بادر إلى تحريمه أيضاً
بعد ما ثبت تحريماً مؤبداً فالمتعة لم تكن مباحة قط بعد نزول هذه الآيات
الأمجزة حيث لم يقع التصريح بتحريمها من جهة النبي صلى الله عليه وآله
وسلم فنهي النبي صلى الله عليه وآله وسلم عنها يوم خيبر كنهى عمر رضي الله تعالى
عنه في خلافته فانهما نهياتاً كيداً لا نهياتاً شريعاً هكذا ينبغي أن يفهم هذا المقام
فانه من مزال الأقدام فقط (فتاوى عزيزي ص ٢١٨ ج ٢) فقط والله تعالى أعلم

١٢٠ جمادى الأولى سنة ١٢٤٩ هـ





وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

القول الفاضل

بَيْنَ

النكاح الفاسد والباطل



نکاح فاسد اور باطل کے درمیان کچھ فرق ہے؟

دگرھے فتو کیا؟

اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی
تجریات میں بہت اختلاف و اضطراب پایا جاتا ہے،
اس رسالہ میں حضرت مؤلف علام دامت برکاتہم
کی نظر عمیق نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ نکاح فاسد و باطل
کی تعریف اور ان کے احکام میں کیا فرق ہے؟

مقدمہ

نکاح فاسد و باطل میں فرق کی تحقیق

سوال: نکاح فاسد و باطل کے احکام میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور ان کی تعریف کیا ہے؟ بینوایان، شافعی، تجر و اجراً وافیاً،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر وعدة المنکوحة نکاحاً فاسداً، فلا عدة فی باطل، وفي الشامية
وقوله نکاحاً فاسداً، هي المنکوحة بغير شهود ونکاح امرأة الغير بلا علم بانها متزوجة
ونکاح المعارم مع العلم بعدم الحل فاسد عندہ خلافاً لها فتحت (وقوله فلا عدة
فی باطل) فيه انه لا فرق بين الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع كما فی نکاح
الفتح والمنظومة المحببة لكن فی البحر عن المجتبى كل نکاح اختلف العلماء فی جوازه
كالنکاح بلا شهود فالدخل فيه موجب للعدة اما نکاح منکوحة الغير ومعتد به
فالدخل فيه لا یوجب لعدة ان علم انها للغير لانه لم یقل احد بجوازه فلم یعتقد
اصلاً فعلى هذا یفرق بین فاسد و باطله فی العدة ولهذا یجب الحد مع العلم
بالحرمة لكونه زناً كما فی القنیة وغيرها اه، قلت وتشکل علیه ان نکاح المعارم
مع العلم بعدم الحل فاسد كما علمت مع انه لم یقل احد من المسلمین بجوازه و
تقدم فی باب المهر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب و
مثله فی البحر هناك بالتزوج بلا شهود وتزوج الاختین معاً او الاخت فی عدة
الاخت ونکاح المعتدة والخامسة فی عدة الرابعة والامة علی لحداه (رد المحتار ص ۳۵۸)
وفی باب المهر من شرح التنویر وعیب مهمل لم یثقل فی نکاح فاسد وهو الذی
نقد شرطاً من شرائط الصحة كشهر بالوطء فی القبل لا بغيره، وفي الشامية عن
المحیط تزوج ذمی مسلمة فرق بينهما لانه وقع فاسداً اه فظاهره انهما لا یعدان
وان النسب یثبت فيه والعدة ان دخل بحر، قلت لكن سید کر الشارح فی آخر
فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوی نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت
النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل اه، وهذا أصریح فیقدم علی المفہم
فانهم ومقتضاه الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح لكن فی الفتح قبیل لتکلم

علیٰ نکاح المتعة انه لا فرق بينهما في النكاح بخلاف البيع نعم في البزازیة حکایة قولین فی ان نکاح المحارم باطل او فاسد والظاهر ان المراد بالبطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم ايضا كما يعلم مما سياتي في الحد وقس القهستاني هنا الفاسد بالبطل ومثله بنكاح المحارم الخ وبعده اسطره والحال انه لا فرق بينهما في غير العدة اما فيها فالفرق ثابت وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما اذا لم يعلم بانها معتدة لكن يرد على ما في المجتبى مثل نكاح الاختين معاً فان الظاهر انه لم يقل احد بجوازه ولكن لينظر وجه التقييد بالمعية والظاهر ان المعية في العقد لا في ملك المتعة اذ لو تأخر احد هناعن الآخر فالمتأخر باطل قطعاً (رد المحتار ص ۲۸۲ ج ۲)

تحقیق بالا سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے :-

- ① نکاح فاسد و باطل کے درمیان صرت وجوب عدت میں فرق ہے، باقی احکام وجوب مہر و سقوط حد وغیرہ میں کوئی فرق نہیں،
- ② نکاح فاسد کی تعریف ”کل نكاح اختلف العلماء في جوازه“ اور نکاح باطل کی تعریف ”ما لم يقل احد بجوازه“

③ اس تعریف کا نکاح المحارم ومعتدة الغير ونكاح الاختين معاً سے منقوض ہونا،

④ ہر سہ نقوض کا جواب،

بندہ کے خیال میں نقض اول وثالث کے جواب میں اشکال ہے، نقض اول کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نکاح محارم باطل ہے، موجب عدت نہیں، چنانچہ شامیہ کتاب الحدود میں ہر وحاصلہ ان عدم تحقق الحل من وجه في المحارم لكونه زنا محضاً يلزم منه عدم ثبوت النسب والعدة ولا يلزم منه عدم الشبهة الدارئة للحد ولا يخفى ان في هذا ترجيحاً لقول الامام (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۲) غرض یہ کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نکاح دار حد ہونے میں نکاح فاسد کی طرح ہے، کیونکہ سقوط حد میں نکاح فاسد و باطل برابر ہیں، کوئی فرق نہیں، حقیقت میں یہ نکاح باطل ہے، اسی لئے موجب عدت نہیں،

اس جواب پر شامیہ کے اس جسرئیہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے ”من المشايخ من التزم وجوبهما“ وايضاً فيهما روى عن محمد رحمه الله تعالى انه قال سقوط الحد عنه لشبهة

حکمیۃ فیثبت النسب وهكذا اذكر في المنية وهذا امر يحتمل بان الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب على ما مرّاه، قلت وفي هذا زيادة تحقيق لقول الامام لما فيه من تحقيق الشبهة حتى ثبت النسب ويؤيده ما ذكره النحير الرملي في باب المهر عن العيني ومجمع الفتاوى انه يثبت النسب عند خلافا للمبارد المحتار^(۲۱۲) اور نقض ثالث کے جواب پر یہ اشکال ہے کہ نکاح الاختین متعاقبا میں بھی نکاح ثانی بعد الوطء موجب عدت ہے، کما فی المہندیۃ وان تزوجہما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد (الی قولہ) وان فارقہما بعد الدخول فلہا المہر ویجب الاقل من المسمی ومن مہر المثل علیہا العدة ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدة اختہا کن فی محیط السرخسی (عالمگیریۃ ۲۳)

حاصل یہ کہ نکاح باطل و فاسد کی مذکور تعریف غیر سالم ہے، بندہ جہاں تک عبارت میں غور کرنے سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بلا لحاظ خصوصیت عادت میں نفسہ محل عقد ہی موجود نہ ہو تو نکاح باطل ہے، کنکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہا متزوجة، کیونکہ ان واحد میں اجتماع الملکین ناممکن ہے، اور اگر محل عقد تو موجود ہے مگر خصوصیت عادت یا فقدان شرط کی وجہ سے ممنوع ہے تو نکاح فاسد ہوگا، کنکاح المحارم، اس میں منع خصوصیت عاقد کی وجہ سے ہے، فی نفسہ محل عقد موجود ہے، یہ تعریف بیع باطل و فاسد سے قریب تر ہو کے علاوہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی مؤید ہے، قال فی الشامیۃ فی باب العدا ویسکن الجواب عن السمرقندی انه حمل المنکوحۃ نکاحا فاسدا علی ما سقط منه شرط الصحة بعد وجود المحلیۃ کالنکاح الموقت او غیر شہود اما منکوحۃ الغیر فقہی غیر محل اولایسکن اجتماع ملکین فی ان واحد علی شیء واحد الخ (المحتار ج ۲ ص ۸۳۷) والیضا فی حدود الشامیۃ مدار الخلاف علی ثبوت محلیۃ النکاح للمحارم وعدہ فعدت فی ثابتۃ علی معنی انہا محل لنفس لعقد لا بالنظر الی خصوص عاقد لقبولہا مقاصدا من التوالد فاورث شہمة ونفیاہ علی معنی انہا لیست محلا لعقد ہذا العاقد فلم یورث شہمة (المحتار ص ۸۳۷) اس تعریف کی بنیاد پر نکاح المحارم و نکاح الاختین فاسد ہوگا، لہذا موجب عدت ہی، اور نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہا متزوجة باطل ہے، اس لئے موجب عدت نہیں، اور نکاح المعتد مع العلم بانہا معتدۃ حقیقت میں تو باطل ہونا چاہیے، مگر بعض دفعہ قریشی پر بھی وجودی کا حکم لگ جاتا ہے

جیسا کہ مرض الموت میں ورثہ کا حق ترکہ سے متعلق ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے معتدہ کے نکاح کو فاسد بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ معتدہ عمقریب ہی محل عقد بننے والی ہے، اس لئے اس میں ایجاب عدت میں احتیاط ہے،

نکاح المسلمة بالكافر تعریف مذکور کی بناء پر فاسد ہونا چاہئے، مگر اس بارے میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے،

محیط میں اس کو فاسد قرار دیا گیا ہے، اس کے مطابق علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح مثبت نسب و موجب عدت ہے، کما نقل العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب المهر عن المحيط تزوج ذمی مسلمة فرق بينهما لانه وقع فاسداً الم فظاهرة انهما لا يعدان وان النسب يثبت فيه والعدة ان دخل بحر (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲)

اور مجمع الفتاویٰ میں اس نکاح کا بطلان تحریر ہے قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی آخر فصل فی ثبوت النسب قلت وفي مجمع الفتاویٰ نکح کافر مسلمة فولدت لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لانه نکاح باطل) ای فالوطء فيه زناً لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشاً لا بالباطل رحمتی واللہ سبحانہ اعلم (رد المحتار ج ۲)

وجوه التوفيق :

- ① محیط میں فاسد سے باطل مراد ہے وھذا الاطلاق شائع فی البيوع،
- ② محیط میں کافر ذمی کا ذکر ہے اور مجمع الفتاویٰ میں کافر سے غیر ذمی مراد ہے،
- ③ مجمع الفتاویٰ کا جزئیہ قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر مبنی ہے،

وجه الترجيح :

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب المهر بعد نقل الفساد عن المحيط والبطلان عن مجمع الفتاویٰ وھذا (ای ما فی المجمع من حکم البطلان) صریح فیقدم علی المفہوم فافہم (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲)

کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قول بطلان ہی رائج ہے اس کے مطابق نکاح باطل کی تعریف مذکور پر وارد ہونے والے نقص کا جواب یوں ہو سکتا

ہے کہ مسلمہ بالنسبة الی جنس الکافر محل عقد نہیں، جیسا کہ خمر و خمریہ کی بیع اس لئے باطل ہے کہ بالنسبة الی جنس المسلم مال نہ ہونے کی وجہ سے محل عقد نہیں،

کافر کے لئے مسلمہ کے محل عقد نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں:

① یہ منصوص ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا

② کافر ملحق بالمیت ہے کسنا مت حوا بہ فی موانع کثیرہ،

ایک امر کی تنقیح تا حال باقی ہے وہ یہ کہ نکاح منکوحۃ الغیر مع العلم بانہا متزوجة مسقط حد ہے یا نہیں؟

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر عن المجتبیٰ عن القنیۃ وغیرہا سے نقل فرمایا ہے کہ اس صورت میں حد لگائی جائے گی وقد مناصہ فی اول البحث،

مگر دوسری تصریحات کے پیش نظر سقوط حد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، چنانچہ اوپر اس امر کی تصحیح گزر چکی ہے کہ نکاح باطل و فاسد میں صرف حق عدت میں فرق ہے، بقیہ احکام میں کوئی فرق نہیں، لہذا مسقط حد ہونے میں بھی فسخ نہ ہوگا، چنانچہ شامیہ کتاب الحدود میں سقوط حد کی تصریح موجود ہے: لو عقد علی منکوحۃ الغیر او معتدۃ او مطلقة الثلاث او امة علی حرة او تزوج مجوسية او امة بلا اذن سیدھا او تزوج العبد بلا اذن سیدھا او تزوج خمسائی عقدۃ فوطئھن او جمع بین الاختین فی عقدۃ فوطئھن او الاخیرۃ لو کان متعاقبا بعد التزوج فانه لاحد وهو بالتفاق علی الاظهر (وبعد سطرین) انما یحد عذرہا فی ذات المحارم لانی غیر ذلک کمجوسية وخامسة ومعتدة، وکذا عبارة الکافی للہاکم تفیدہ حیث قال تزوج امرأة من لا یحل لہ نکاحھا فدخل بها الاحد علیہ وان فعلہ علی علم لم یحد ایضاً ویوجع عقوبة فی قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ان علم بذلک فعلیہ الحد فی ذوات المحارم اھ فعمم فی المرأة علی قوله ثم خص علی قولہما بذوات المحارم (مراد المختار ج ۳ ص ۲۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ یوم الجمعة





فَاذْكُرُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنِّي وَثَلَاثَ رُبُعٍ فَإِنْ
خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

حِكْمَةُ الْاَزْدَوَاجِ بَارِيعِ اَزْوَاجِ

اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے

اُس کی حکمت

عقل و نقل کی روشنی میں

حکمت تعدد الازدواج و الحصر فی الاربع

اقتباس از ارشاد القاری فی صحیح البخاری، مؤلفہ حضرت مفتی حنا دامت برکاتہم
عقلاً و نقلاً و تجربہ و قیاساً ہر لحاظ سے یہ امر مسلم ہے کہ مرد میں عورت کی بنسبت شہوت کسی گنا
زیادہ ہے،

شعراً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کو چار بیویوں کا اختیار دیا ہے، اگر عورت میں شہوت
زیادہ ہوتی تو اس کا برعکس ہونا چاہئے تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے بہت سی
وعیدیں بیان فرمائی ہیں جبکہ وہ مرد کے بلالے پر ہمبستری کے لئے راضی نہ ہوں، اگر عورت میں شہوت
زیادہ ہوتی تو مردوں کے لئے ایسی وعیدیں آنی چاہئے تھیں،

عقلاً اس لئے کہ مرد کا مزاج گرم ہے جو سبب شہوت ہے اور عورت کا مزاج سرد ہے،
تجربہً اس لئے کہ کوئی شخص اس کا قاتل نہیں اور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا
کہ عورت ہمبستری کی دعوت دے اور مرد انکار کرے، اس کے برعکس اس کی مثالیں روزانہ پیش
آتی رہتی ہیں کہ مرد بلاتا ہے عورت راضی نہیں ہوتی،

قیاساً اس طریقہ سے کہ دوسرے حیوانات میں یہ امر مشاہد ہے کہ ایک مذکر
سیکڑوں مونث کے لئے کافی ہو جاتا ہے،

اگر عورت میں شہوت زیادہ ہوتی یا برابر ہی ہوتی تو شہر کا ہر گلی کوچہ شب دروز زنا کار
کا بازار ہوتا، بازار میں ہر مرد کا عورتوں کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے، الا المتقین، اگر عورت کی
جانب سے بھی ایسا ہی میلان پایا جائے تو بد فعل سے بانیع کیا چیز ہوگی؟ خصوصاً جس حکومت
میں بد فعل مجرم نہ ہو، اور لڑکیوں کے والدین اور اقربین اسے نفرت کی نگاہوں سے نہ دیکھتے ہوں،
قرآن کریم میں الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة و بعض
مفسرین نے لکھا ہے کہ زانیہ کی تقدیم اس کی دلیل ہے کہ اس میں شہوت زیادہ ہوتی ہے،

مگر ان مفترین کا یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ خیال عقل و نقل اور تجربہ و قیاس سب کے خلاف ہے،

مزید برآں مرد میں کثرتِ احتلام اور عورتوں میں اس کا وجود کالعدم ہونا بھی بڑی دلیل ہے کہ عورت میں شہوت کالعدم ہے، ان امور سے ثابت ہوا کہ مرد میں شہوت زیادہ ہے، بعض علماء کو ایک مسئلہ فقہیہ سے بھی مغالطہ ہوا ہے، وہ یہ کہ نظر الرجل الی المرأة کی نسبت نظر المرأة الی الرجل اخف ہے، جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت میں شہوت زیادہ ہے، لہذا مرد کے دیکھنے سے اگر مرد میں بھی شہوت پیدا ہو گئی تو فتنہ زیادہ ہے، اس کے برعکس اگر عورت نے دیکھا تو چونکہ مرد میں شہوت کم ہے لہذا فتنہ کا کوئی احتمال نہیں،

اس مسئلہ کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ مرد کے مفتون ہونے کی صورت میں چونکہ اس کی کامیابی سہل ہے، اس لئے کہ مرد کے پاس تحصیل مقصد کے ذرائع موجود ہوتے ہیں، قلتِ حیا، کثرتِ شہوت، قوتِ قلب اور مال و زر، قوتِ جسم اور آزادی سے آنا جانا یہ امور اس کے مقصد کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں، اس کے برعکس عورت کی نظر مرد کی طرف اس قدر خطرناک نہیں، اس لئے کہ اولاً تو ان میں قلتِ شہوت کی بناء پر فتنہ کا احتمال نہیں، اور ثانیاً شاذ و نادر یہ نظر موجب شہوت ہو بھی جائے تو کثرتِ حیا، قلب و جسم کا ضعف اور قلتِ مال، آمد و رفت کا تعسر، یہ ایسے امور ہیں کہ ان کی بناء پر عورت اپنی بڑی خواہش کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی، آیہ کریمہ میں زانیہ کی تقدیم کی وجہ بھی یہی ہے کہ قلتِ شہوت، کثرتِ حیا، کثرتِ موانع، اور قلتِ ذرائع کے ہوتے ہوئے عورت کا زانیہ میں مبتلا ہونا نہایت ہی قبیح ہے، لہذا اس کی تقبیح اور تشنیع شان کی غرض سے اسے مقدم ذکر کیا،

پس ثابت ہوا کہ مرد کی کثرتِ خواہش کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے متعدد بیویاں ہوں نیز کثرتِ نساء و قلتِ رجال منقول ہونے کے ساتھ مشاہد بھی ہے، اولاً تو عورت کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم، ثانیاً عالمگیر جنگوں میں مرد ہی تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں، پس اگر تعدد ازواج کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے تو عورتوں کی مکافات کے لئے اتنے مرد کہاں سے آئیں گے؟

اب رہا حصہ فی الاربع کا مسئلہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ عورت چار مہینے تک نفسانی خواہش کو ضبط کر سکتی ہے، چنانچہ قرآن میں مسئلہ ایلاء اور عدت متوفی عنہا زوجہا اس پر بڑی دلیل ہے، ایلاء میں چار ماہ سے زیادہ مدت تک مرد کا

بیوی کے پاس نہ جانا چونکہ ظلم تھا، اس لئے شریعت نے چار ماہ کے بعد عورت کو اختیار دیدیا، اسی طرح جاہلیت میں عدت و فوات ایک سال تھی، شریعت نے اسے ظلم قرار دیتے ہوئے چار مہینے دس دن سے زائد مدت کو ساقط کر دیا،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت کسی گلی میں سے گزر رہے تھے، کان میں کسی عورت کی آواز پڑی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی ۵

فواللہ لولا اللہ تخشی عواقبہ لرحزح من هذا السرب جوا نبہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس کا شوہر مدت طویل سے جہاد میں گیا ہوا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھ کو عورتوں کی شوری بٹلا کر یہ طے کر دو کہ عورت کتنی مدت تک ضبط کر سکتی ہے، چنانچہ متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ چار ماہ کی مدت تک عورت صبر کر سکتی ہے، بناءً علیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قانون بنادیا کہ اس مدت سے زیادہ کوئی شادی شدہ سپاہی جہاد میں نہ رہے،

اسی کے پیش نظر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ چار مہینے میں ایک دفعہ ہمبستری کرنا دیانۃً فرض ہے،

اور مرد کے لئے مدت ضبط شرعاً منقول نہیں، مگر کئی ایک معاملات میں مدت شہر کو کثیر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ بیع سلم اور عند بعض اختلاف مطالع میں مدت شہر کا اعتبار کیا جاتا ہے، نیز ایک ماہ میں قمر اپنا دور کامل کر لیتا ہے، جس کا انسانی خون پر اثر ہوتا ہے، اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کی قوت برداشت کی انتہاء ایک مہینہ ہے، اور عورت کی چار ماہ دونوں کے تناسب معلوم ہوا کہ ایک مرد کے لئے چار بیویاں کافی ہو سکتی ہیں،

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وطء سے مقصد تو والدہ ہے اور موجب تو الدودہ وطء ہوتی ہے جو حیض کے بعد ہو، اور انقطاع حیض کے بعد مرد کے لئے شہوت صادق بھی ہوتی ہے، حیض عام طور پر تندرست عورت کو مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہے، اس بناء پر مرد ہر مہینہ میں ایک وطء کا محتاج ہے، اور عورت چار مہینے میں، تو ثابت ہوا کہ ایک زوج کے لئے چار بیویوں کی ضرورت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

باب المحرمات

عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو جمع کرنا جائز ہے؛
سوال؛ ایک شخص کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی، بعد میں یہ شخص
فوت ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ متوفی کی پہلی بیوی کی مذکورہ لڑکی اور متوفی کی دوسری بیوی
دونوں سے کوئی شخص شادی کرتا ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی العلامیۃ حرم الجمع وطأ بسلک یمین بین امرأتین ایتمما
فرضت ذکر الم تحل للآخری ابدأ (الی قولہ) فجاز الجمع بین امرأة و بنت زوجها
او امرأة ابنها او امة ثم سید تھا لانه لو فرضت المرأة او امرأة الابن او السیده
ذکر الم یحرم بخلاف عکسہ، وفی الشامیۃ (قولہ لم یحرم) ای التزوج فی الصور
الثلاث لان الذکر المفروض فی الاولی یمیر متزوجا بنت الزوج و هی
بنت رجل اجنبی الخ (رد المحتار ص ۳۰۹ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۷، ارشوال ۱۸۸۶

عورت اور اس کے باپ کی بیوی کو جمع کرنا جائز ہے؛
سوال؛ محمد رحیم نے دو عورتوں زینب اور زلیخا سے نکاح کیا، زلیخا سے ایک لڑکی رحیمہ
پیدا ہوئی، جس کا صدیق سے نکاح کر دیا، اس کے بعد محمد رحیم فوت ہو گیا، اب صدیق اپنے خسر
محمد رحیم کی منکوحہ زینب سے بھی نکاح کرنا چاہتا ہے، جو درحقیقت اس کی ساس نہیں، بلکہ ساس
کے مقابلہ میں ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

صدیق کا زینب سے نکاح درست ہے، قال فی الہندیۃ ویجوز بین امرأة و بنت زوجها،
(عالمگیریۃ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۳، محرم ۱۸۸۶

عورت اور اس کی بھانجی کی لڑکی کو جمع کرنا حرام ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی کی زندگی میں اپنی سالی کی نواسی سے نکاح کر لیا ہے، یہاں بعض علماء اس نکاح کو جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں، حضرت تحریر فرمائیں کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو نکاح خواں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا، زوج پر لازم ہے کہ دوسری بیوی کو چھوڑ دے، اگر دوسری بیوی سے ہمبستری بھی ہوئی ہو تو اس پر عدت اور شوہر پر ہر مقررہ مهر مثل میں سے اقل لازم ہے، اس عدت میں شوہر پر نفقہ و سکنی واجب نہیں، جب تک اس بیوی کی عدت نہ گزر جائے اُس وقت تک پہلی بیوی سے ہمبستر ہونا جائز نہیں، نکاح خواں سے اگر یہ فعل لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر حرمت کا علم رکھتے ہوئے اس نے یہ فعل کیا ہے تو سخت گنہگار ہوا، اس پر توبہ فرض ہے، قال فی الہندیۃ فی القسم الرابع من المحرمات، والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احداهما من ای جانب ذکرنا لم یجز النکاح برضاع او نسب لم یجز الجمع بینہما کذا فی المحيط و بعد اسطر وان تزوجہما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد، و یجب علیہ ان یفارقہا ولو علم القاضی بذلک یفرق بینہما فان فارقہا قبل الدخول لا یتبث شیء من الاحکام وان فارقہا بعد الدخول فلہا المہر و یجب الاقل من المستی ومن مہر المثل و علیہا العدة و یتبث النسب و یعتزل عن امرأتہ حتی تنقضي عدة اختہا کذا فی محیط السرخسی، و ایضاً فیہا فی القسم الاول من المحرمات و کذا بنات الاخ و الاخت وان سفن (الی ان قال) و خالات ابائہ و امہاتہ (عالمگیریۃ) فقط و اللہ تعالیٰ اعلم،

۲، ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

دو عورتوں میں حرمت جمع کا ضابطہ :

سوال : بیوی کے وہ کونسے رشتے ہیں جہاں ایک شخص بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کر سکتا؟ مثلاً بیوی کی بہن، اس سے مزید جو رشتے ہوں اُن کی بھی وضاحت فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی دو عورتیں کہ ان میں سے جس کو بھی مذکر فرض کیا جائے تو اس پر دوسری ہمیشہ کے لئے حرام ہو، ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، جیسے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی وغیرہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۶ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ

بیوی خسر سے زنا کا اقرار کرتی ہے مگر شوہر تصدیق نہیں کرتا؛

سوال؛ بیو کہتی ہے کہ مجھے خسر زنا پر مجبور کرتا رہا ہے، شوہر نابالغ ہے، اس لئے اب تک صحبت نہیں کی، خسر رات کو خلوت میں زبردستی بوس دکنار کرتا ہے، اور بازو سے پکڑ کر اندر لے جانے کے لئے زور سے کھینچتا ہے، مگر میں باہر نکل آتی ہوں، اس حالت میں یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ خسر کے اس فعل پر کوئی گواہ نہیں، خسر کہتا ہے کہ لڑکا نابالغ ہے، مگر مجھے اپنا گھر آباد کرنا ہے، لیکن لڑکی نوجوان ہے، اور خسر کے گھر ہرگز جانے کو تیار نہیں، کھلم کھلا کہتی ہے، ہاں اتنا کہتی ہے کہ علیحدہ مکان میں شوہر کے پاس رہنا قبول ہے، خسر کے ساتھ نہ رہوں گی،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

صرف عورت کے کہنے سے یہ عورت شوہر پر حرام نہ ہوگی، بلکہ اگر خسر بھی اقرار کرے تو بھی حرام نہ ہوگی، البتہ اگر شوہر بعد البلوغ تصدیق کرے تو حرمت ثابت ہو جائے گی، نابالغ کی تصدیق معتبر نہیں، بعد البلوغ تصدیق کرنے سے خود بخود نکاح نہ ٹوٹے گا، بلکہ ضروری ہو کہ شوہر زبان سے طلاق یا چھوڑنے کے الفاظ کہے، عورت کی طرف سے جدا مکان کا مطالبہ صحیح ہے، اگر خرابی کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو بھی عورت کو جدا رہنے کا مطالبہ کرنے کا حق ہے، اب جبکہ خرابی کا گمان ہے تو ضروری ہے کہ اس عورت کو خسر سے جدا رکھا جائے، ساتھ رہنے پر مجبور کرنا گناہ ہے،

نقل فی الہندیۃ عن المحيط رجل قبل امرأة ابیہ بشہوة او قبل الاب امرأة ابنہ بشہوة وہی مکروہۃ وانکر الزوج ان یکون بشہوة فالقول قول الزوج وان صدقہ الزوج وقعت الفرقة الخ (عالمگیریۃ ۱۲۷)

۱۲ عورت کے لئے حکم حرمت و نکاح ثانی کی تفصیل تہمت میں ہے ۱۲

۱۳ اس کی تفصیل کتاب النکاح میں عنوان ”نکاح فاسد میں متارکت کی تفصیل“ کے تحت ملاحظہ ہو ۱۳

وفي الشامية وعلى هذا ينبغي ان يقال في مسه اياها لا تحرم على ابيه وابنه
الا ان يصد قاه او يغلب على ظنهما صدقه ثم رأيت عن ابي يوسف رحمه الله
تعالى ما يفيد ذلك اهـ (رد المحتار ج ۲)

وما في كتاب الاقرار من العلائقية اقرح مكلف يقظان طائعا وعبد او
صبي او معتوه مأذون لهم ان اقرؤا بتجارة رالى قوله (صح، وفي الشامية تحت
رقوله ان اقرؤا بتجارة) دون ما ليس منها كالمهر والجنابة والكفالة الخ (رد المحتار ج ۳)
وفي التنوير وجرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج الا بعد
المشاركة والقضاء العدة، وفي الشامية والمشاركة لا تتحقق الا بالقول ان كانت
مدخولا بها ر (رد المحتار ج ۲)

وفي التنوير وكذا تجب لها السكنى في بيت خال عن اهل بيته واهلها بقدر
حالها ر (رد المحتار ج ۲)

وفي الشامية (رقوله والصهرة الشابة) قال في القنية ماتت من زوج وام فلها
ان يسكنها في دار واحدة اذ لم يخافا الفتنة وان كانت الصهرة شابة فللجيران
ان يمنعوها منه اذ اخافوا عليها الفتنة (رد المحتار ج ۵) فقط والله تعالى اعلم،
۳۱ ربيع الاول ۱۲۷۳ھ

چچی حلال ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالت حمل میں طلاق دی، اب زوج اول کا
بھتیجا اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب ومنه الصدق والصواب

وضع حمل کے بعد نکاح کر سکتا ہے، قال الله تعالى بعد ذكر تفصيل المحرمات
واحل لكم ما وراء ذلكم، فقط والله تعالى اعلم،

۱۶ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

ممانی حلال ہے :

سوال : ماموں کی وفات کے بعد ماموں کے بھانجے ماموں کی بیوی کے محرم رہتے
ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

ماموں کی حیات میں بھی محرم نہیں، ممانی پر پردہ فرض ہے اور ماموں کی وفات کے بعد اس سے نکاح جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ شوال ۱۳۸۷ھ

باپ کی چچا زاد حلال ہے؛

سوال؛ باپ کی چچا زاد سے شرعاً نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال اللہ تعالیٰ بعد ذکر المحرمات وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ، وفي شرح التنوير وأما عمّة عمّة أمہ وخالة خالة أبيہ حلال كبنت عمہ وعمتہ وخالہ وخالته لفولہ تعالیٰ وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ، قلت لما حلت بنت العم فبنت عم الاب بالاولیٰ ونظیر ہذا اما استدلال بہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ حیث قال تحت رقلہ وأما عمّة عمّة أمہ الخ، واخت زوج الأم تحرم فاخت زوج الجدة بالاولیٰ (رد المحتار ج ۲) وقال فی الفتح وفروع أجدادہ وجداتہ لبطن واحد فلمن اتحرم العمات والخالات وتعل بنات العمات والاعماء والخالات والاخوان (فتح ج ۲) قلت حاصلہ ان حرمة فروع الاجداد والجدات مقصورة علی البطن الاول لا تتجاوز الی البطن الثاني فلا تحرم بنت عم الاب لكونها من البطن الثاني لان البطن الاول من فروع اب الجد هو عم الاب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

بیٹے کی منکوحہ حرام ہے؛

سوال؛ منکوحہ ابن جس سے ابن نے وطء اور خلوت صحیحہ نہیں کی اسے اگر ابن طلاق

دے تو اس سے اس کا باپ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ عورت شوہر کے باپ کے لئے حلال نہیں، اگرچہ شوہر نے وطء یا خلوت صحیحہ نہ کی ہو، قال فی العلائقہ وزوجة أصلہ وفرعہ مطلقاً ولو بعد ادخل بها أولاً، وفي الشامية وتحرم زوجة الأصل والفرع بمجرد العقد دخل بها ولم يدخل (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

دادا کی بیوی کی لڑکی حلال ہے :

سوال : زید نے شادی کی، اس سے ایک لڑکا عمر پیدا ہوا، پھر زید نے پہلی بیوی کے فوت ہونے پر دوسری عورت سے شادی کی، اور اس کے بعد زید فوت ہو گیا، اور اس کی دوسری بیوی نے دوسرا عقد کر لیا بکر سے، اس بکر سے اس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، تو زید کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ لڑکے (عمر) کا لڑکا زید کی دوسری بیوی کی اس لڑکی سے جو بکر سے پیدا ہوئی نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

عمر کے لڑکے کا نکاح اس کے دادا (زید) کی دوسری بیوی کی لڑکی (جو بکر سے پیدا ہوئی ہے) سے جائز ہے، قال فی العلائق زوجة ابيه او ابنه فحلل رد المحتار ج ۲ قلت لما حلت بنت زوجة الاب فبنت زوجة الجد بالاولی، فقط والله تعالى اعلم، ۲۵ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

ماں کے شوہر کی پوتی حلال ہے :

سوال : سوال بالا میں جو صورت مذکور ہے اس میں زید کی دوسری بیوی کا لڑکا جو بکر سے پیدا ہوا عمر کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

بکر کے لڑکے کے لئے اس کی والدہ کے شوہر (زید) کی پوتی (عمر کی لڑکی) حلال ہے، قال فی الشامیة تحت، وقوله وام ابنت زوجة ابيه او ابنه فحلل، وكذا ابنت ابنها بحر قال الخیر الرملی ولا تحرم بنت زوج الام الخ رد المحتار ج ۲ قلت لما حلت بنت زوج الام فبنت ابنه بالاولی كما نقل عن البحر بعد حلة بنت زوجة الاب حلة بنت ابیها، فقط والله تعالى اعلم،

۲۵ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

زانی و مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنے بھائی کی بیوی سے زنا کیا، اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی اولاد کا نکاح آپس میں ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جو کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد ہے، بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی الثامیة ویحل لأصول الزانی وفروعه أصول المذنی بہا و
وفروعهما رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵ رجب ۱۴۲۲ھ

رضاعی بھائی بہن کی اولاد کا نکاح آپس میں جائز ہے؛

سوال؛ ایک شخص نے بچپن میں ایک عورت کی والدہ کا دودھ پیا، اب ان رضیعین
کی اولاد کا نکاح آپس میں ہو سکتا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جب نسبی بھائی بہن کی اولاد ایک دوسرے کے لئے حلال ہے تو رضاعی کی حلت میں
کیا شبہ ہے؟ فانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، وقال اللہ تعالیٰ وَأَحِلَّ
لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ رجب ۱۴۲۲ھ

بھائی کی رضاعی بہن حلال ہے؛

سوال؛ زید نے ہندہ کی والدہ کا دودھ پیا، تو زید کے بھائی کا نکاح ہندہ سے جائز ہے
یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی العلائقہ وتحل اخت اخیہ رضاعاً یصح اتصالہ بالمصناف
کان یكون له اخ نسبی له اخت رضاعیة الخ رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ رجب ۱۴۲۲ھ

حرمت مصاہرت کے لئے شہوت کی حد؛

سوال؛ ایک شخص رات کو بیوی کی چار پائی پر گیا، اور اسے بیدار کرنے کے لئے بوسہ
دیا، اُس وقت اُسے شہوت بالکل نہ تھی بوسہ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ بیوی کی چار پائی پر اُس کی جوان لڑکی
ہے، تو اس حالت میں اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

جانبین میں سے کسی ایک میں بوقت مس شہوت پیدا ہو جائے تو حرمت ثابت ہو جاتی

ہے۔ اس کے بعد شہوت کا کوئی اعتبار نہیں، شہوت کی حد ایسے مرد میں جس کی صحت ایسی ہو کہ عموماً بوقت شہوت اسے انتشار ہوتا ہو یہ ہے کہ بوقت مس انتشار ہو جائے، اور پہلے سے انتشار ہو تو اس میں زیادتی ہو جائے، ایسے مرد میں جسے خرابی صحت کے باعث بوقت شہوت عموماً انتشار نہ ہوتا ہو اور اسی طرح عورت میں حد شہوت یہ ہے کہ قلب میں حرکت مشوشہ پیدا ہو جائے، اگر پہلے سے حرکت ہو تو زیادہ ہو جائے، پس اگر سائل میں شہوت کی حد مذکور نہیں پائی گئی، اور قرائن سے یہ بھی ظن غالب ہو کہ لڑکی میں بھی اس وقت شہوت پیدا نہیں ہوئی تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اور نہ ہی لڑکی سے تحقیق کی ضرورت ہے، البتہ اگر لڑکی میں شہوت پیدا ہو جانے کا گمان ہو تو اس سے تحقیق کی جائے، اگر وہ اقرار شہوت کرے اور باپ کو اس کے صدق کا ظن غالب ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی،

قال فی شرح التنویر والعبارة للشهوة عند المس والنظر لا بعد لها واما فيهما تحرك القلب او زيادته وبه يفتى وفي امرأة ونحو شيخ كبير تحرك قلبه او زيادته وفي الشامية قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب اما الشيخ والعين فحد هما تحرك قلبه او زيادته ان كان متحركاً لا مجرد ميلان النفس فانه يوجد فيمن لا شهوة له اصلاً كالشيخ الفاني ثم قال ولم يحد والحد المحرم منها اي من المرأة واقله تحرك القلب على وجه يشوش خاطرهم وايضاً فيها تحت قوله واصل ما سته وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها ويقع في أكبر رأي صدقها وعلى هذا ينبغي ان يقال في متنه اياها لا تحرم على ابية وابنه الا ان يصدقاه او يغلبا على ظنهما صدقهما ثم رأيت عن ابى يوسف رحمه الله تعالى ما يفيد ذلك (رد المحتار ج ۳) فقط والله تعالى اعلم

۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۸ھ

مس بالشهوة میں وجود حاصل یاد نہیں تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی :

سوال : ایک شخص نے اپنی ساس کا ارادہ بردار شہوت سے باز و پکڑا، اس سے زیادہ بوس و کنار وغیرہ کچھ نہیں ہوا، اب یہ یاد نہیں کہ مس کے وقت باز و پکڑا تھا یا نہیں تو اس صورت میں اس شخص کا نکاح مذکورہ عورت کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بدینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس صورت میں اگرچہ مس بلا حائل کا یقین نہیں تاہم وجہ ذیل سے حرمت ثابت ہوگئی،

① جملہ احتمالات تین ہیں :

- ① مس بلا حائل (۲) مس بجائیل لا یمنع الحرارة (۳) مس بجائیل مانع ،
- اول الذکر دو احتمال موجب حرمت ہیں ، اور آخری ایک احتمال غیر موجب ہے ، لہذا ترجیح حرمت کو ہوگی ، لتعدد موجبہا ونظیرہ ما فی باب الصرف من بیوع الهدایۃ
- حيث قال وجهه الصحة من وجه وجهه الفساد من وجهين فترجعت (برایہ صلیہ)
- ② عموماً ہاتھ کلائی میں ڈالا جاتا ہے جس پر کپڑا ہونا بعید اور خلاف ظاہر ہے ،
- ③ قول حیلولہ میں مقرر کا فائدہ ہے ، لہذا اس میں نفس و شیطان کے فریب کا گمان ہے ،
- ④ اگر محرم و مبیح دونوں احتمال مساوی ہوتے تو بھی اصولاً ترجیح محرم کو ہوتی ، معہذا اگر حائل مانع حرارت کا ظن غالب ہو تو نکاح کی گنجائش ہے ، مگر مشتبہات سے احتراز بہر حال اولیٰ ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

زنا سے متولدہ لڑکی زانی کے بھائی کے لئے حلال ہے :

سوال : صبیہ متولدہ من الزنا زانی کے بھائی پر حلال ہے یا حرام ؟ فتح ، بحر ، اور شرح التویر کے باب محرمات میں اس کی حرمت مذکور ہے ، اور خود کتب مذکورہ کی کتاب الرضا ع میں حلال لکھا ہے جس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ بنت زانی کا جُزء ہے ، اس کے بھائی یا چچا کا جُزء نہیں ، اس پر یہ شبہ ہے کہ زانی کے بھائی کا اگرچہ حقیقی جُزء نہیں تاہم شبہ الجُزء تو ہے ، چنانچہ ثابت النسب بنت بھی اسی وجہ سے اپنے عم پر حرام ہے ، غرضیکہ ثابت النسب وغیر ثابت النسب میں وجہ فرق کیا ہے ؟ بینوا تو جزوا ،

الجواب ومنه الصدق والصواب

فصل محرمات میں بھی دونوں قول مذکور ہیں ، منخۃ الخالق میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے حلت کو ترجیح معلوم ہوتی ہے ، ونصہ والظاہران ما نقلہ المؤلف عن الفتح ہنا مبني على ما قرر من حرمة البنت من الزنا بصريح النص فتدخل في قوله تعالى وَبَنَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ فتحرم على العم وعلى الحال بصريح النص وهو استنباط حسن ولكن ان كان منقولاً فهو مقبول والا فیتبع المنقول في التجنیس واللہ تعالیٰ اعلم (البحر الرائق ص ۹۲ ج ۳) وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنت ثابت النسب اب کا حقیقہ جُزء ہے ، اور چچا کی

جزئیت کا شبہہ ہے، اس لئے حرام ہوئی، اور غیر ثابت النسب چونکہ ما محترم سے پیدا نہیں ہوئی اس لئے اس میں شریعت نے حقیقتِ جز کا تو اعتبار کیا کہ زانی پر حرام ہے، مگر شبہہ جزئیت کا اعتبار نہ کیا، لہذا اس کے بھائی کے لئے حلال ہے، نیز یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ نطفہ زنا کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا، اسی لئے یہ بنت ثابت النسب اور وارث نہیں ہے مگر معہذا حقیقت زانی کا جز ہے اگرچہ شرعاً غیر معتبر ہے، پس اس میں شبہہ جزئیت پیدا ہو گیا، جو حرمت کے لئے کافی ہے، لہذا زانی پر حرام ہوئی، اور زانی اور اس کے بھائی کے درمیان شبہہ جزئیت ہے تو زانی کی بنت اور بھائی کے درمیان شبہہ شبہہ الجزئیہ ہو جو معتبر نہیں، لہذا بھائی کے لئے حلال ہے،

قول حرمت صرف اس صورت میں ہے کہ زنا سے ولادت تک زانی نے مزنیہ کو اپنے قبضہ میں رکھا ہو، ورنہ اُس لڑکی کا اُس زانی کے نطفہ سے تولد متیقن نہیں، لہذا یہ زانی کے بھائی کے لئے بالاتفاق حلال ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رجب ۱۴۵۵ھ

ربیبہ رضاعیہ کا حکم :

سوال : اگر کسی شخص نے عورت ذات لبن کو طلاق دی، اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا، پھر اس مرضعہ نے زوج ثانی سے نکاح کیا، تو یہ رضیعہ زوج ثانی کے لئے حلال ہوگی؟ قیاس تو حرمت کو چاہتا ہے، کیونکہ لبن اگرچہ زوج ثانی سے نہیں مگر یہ رضیعہ زوج ثانی کے لئے ربابیہ کے حکم میں ہے، شامیہ ج ۲ ص ۲۲۲ پر در مختار کی یہ عبارت طلق ذات لبن فاعتدت وتزوجت بآخر فجلت وارضعت فحکمة من الاول لانه منه بالیقین فلا یزول بالشک ویكون رباباً للثانی بھی اسی پر دل ہے، مگر شامیہ میں اسی موقع پر (قولہ فتح) کے تحت صورت مسئلہ میں حلت تحریر فرمائی ہے ونصھا وان مافی الخلاصة من انها لو وضعت لابن الزانی تعمر علی الزانی مردود لان المسطور فی الکتب المشہورۃ ان الرضیعة بلبن غیر الزوج لا تعمر علی الزوج کما تقدم فی قوله طلق ذات لبن الخ وکلام الخلاصة یقتضی تحریمها بالاولی الخ، نیز شامی نے طلق ذات لبن الخ سے حلت ثابت کی ہے، حالانکہ اسی عبارت سے حرمت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس عبارت میں زوج ثانی کے لئے ربابیہ ہونے کی تصریح ہے، بینوا بیانا شافیا تو جروا اجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ لڑکی زوج ثانی کی ربیبہ ہے، اس لئے بیوی سے وطاء کے بعد اس پر حرام ہو جائیگی، قبل الدخول حرام نہیں، ان المسطور فی الکتب المشہورۃ الخ میں حرمت لبن فحل کی نفی مقصود ہے، ربیبہ ہونے کی وجہ سے بعد الدخول حرمت ثابت ہو جائے گی، قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله الا ام اختہ من الرضاع) له ابن من النسب لہ اخت من الرضاع بان ارتضع مع اجنبیۃ من لم تکن امرأة ابيه حلت لابیہ لانہا لیست بنتہ من الرضاع ولا ربیبۃ (فتح القدیر ص ۸ ج ۳) وفي رضاع الشامیۃ تحت (قوله ولبن بکر) والحرمة لا تعدی الی زوجہا حتی لو طلقها قبل الدخول لہ الاستزوج برضیعۃہا لان اللبن لیس منہ قہستانی ط اما لو طلقها بعد الدخول فلیس لہ التزوج بالرضیعة لانہا صارت من الربائب التي دخل با مہا بحر عن الخانیۃ (رد المحتار ص ۳۱۲ ج ۲) وفي محرمات العلائق وحریم بالمصاہرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ (الی قولہ) وحریم الكل مہا مرتحیمہ نسباً ومصاہرۃ رضاعاً وفي الشامیۃ یعنی یحرم من الرضاع (الی قولہ) وفروع زوجتہ (رد المحتار ص ۳۰۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

رضیعہ مزنیہ زانی پر حرام ہے :

سوال : مزنیہ کی رضیعہ زانی کے لئے حلال ہے یا حرام ؟ شامیہ میں محرمات کے بیان میں حرام لکھا ہے، اور کتاب الرضاع میں حلت کو ترجیح دی ہے، صحیح کیا ہے ؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شامیہ کتاب الرضاع میں فتح القدیر سے ترجیح حلت کی جو تقریر منقول ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لبن زانی موجب حرمت نہیں، یعنی رضیعہ لبن الزانی اس کی بنت رضاعیہ نہیں، پس اس میں لبن فحل والی حرمت نہیں، اس سے مطلق حرمت کی نفی ثابت نہیں، ہوتی، بلکہ یہاں حرمت کا دوسرا سبب موجود ہے، وہ یہ کہ مزنیہ کی بنت رضاعیہ زانی کے حق میں بمنزلہ اس ربیبہ کے ہے جس کی ماں بدخول پہلے ہے، اس لئے زانی پر حرام ہے، احسن الفتاویٰ قدیم میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب خیر المدارس ملتان کا حلت کا فتویٰ اور اس پر سبہ

کی تائید درج ہے، اس کے بعد میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اس لئے بغرض توضیح علانیہ
 وشامیہ کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے قال فی شرح التنبیہ طلق ذات لبن فاعتدت
 وتزوجت باخر فحبلت وارضعت فحکمه من الاول لانه منه بیقین فلا یزول
 بالشک ویكون ریباً للثانی حتی تلد فیکون اللبن من الثانی والوطء بشبهه کالحلال
 قبل وکذا الزنا والاوجه لا فتح، وفي الشامیة (قوله فتح) وذلك حیث قال ولبن
 الزنا کالحلال فاذا ارضعت به بنتا حرمت علی الزانی وابائته وابنائته وان سقطوا
 وفي التجنیس عن الجرجانی ولعم الزانی التزوج بها کالمولودة من الزانی لانه
 لم یثبت نسبها من الزانی والتحریم علی اباء الزانی واولاده للجزئیة ولا جزئیة
 بینهما و بین العم واذ اثبت هذا فی المتولدة من الزنا فکذا فی المرضعة بلبن الزنا
 قال فی الخلاصة وکن الولم تحبل من الزنا وارضعت لابن الزنا تحرم علی الزانی
 کما تحرم بنتها علیه وذكر الوبری ان الحرمة تثبت من جهة الام خاصة ما لم
 یثبت النسب فحینئذ تثبت من الاب وکن اذکر الاسیبجانی وصاحب الینایع
 وهو اوجه لان الحرمة من الزنا للبعضیة وذلك فی المولود نفسه لانه مخلوق
 من مائه دون اللبن اذ لیس اللبن کائناً من منیه لانه فرع التغذی وهو
 لا یقع الا بساید خل من اعلی المعدة لا من اسفل البدن کالحقنة فلا نبات
 فلا حرمة بخلاف ثابت النسب لان النص اثبت الحرمة منه واذ اترجم
 عدم حرمة الرضیة بلبن الزانی علی الزانی فعدمها علی من لیس اللبن منه
 اولی خلافاً لما فی الخلاصة ولانه یخالف المسطور فی الكتب المشهورة اذ یقتضی
 تحریم بنت المرضعة بلبن غیر الزوج علی الزوج بطریق اولی اھ کلام الفتح، ملخصاً
 وحاصله ان فی حرمة الرضیة بلبن الزنا علی الزانی وکن اعلی اصوله وفروعه
 روایتین کما صرح به القہستانی ایضاً وان الاوجه رواية عدم الحرمة وان
 ما فی الخلاصة من انها لورضعت لابن الزانی تحرم علی الزانی مردود لان المسطور
 فی الكتب المشهورة ان الرضیة بلبن غیر الزوج لا تحرم علی الزوج کما تقدم فی
 قوله طلق ذات لبن الخ وکلام الخلاصة یقتضی تحریمها بالاولی وما فی الفتاوی
 اذا خالف ما فی المشاہیر من الشرع لا یقبل هذا تقریر کلام الفتح وقد وقع

فی فهمہ خط کثیر منہ ما ادعاه فی البحر من ان محل الخلاف اصول الزانی وفروعه وانما لاتحل للزانی اتفاقا ام والحاصل كما قال فی البحر ان المعتمد فی المذهب ان لبن الزانی لا يتعلق به التحريم وظاهر المعراج والخانية ان المعتمد بثبوته اه قلت وذكر فی شرح المنية انه لا يعدل عن الدراية اذا وافقتها رواية وقد علمت ان الوجه مع رواية عدم التحريم (سردالمختار ص ۲۲۶، ۲۲۷ ج ۲) اس تفسیر میں ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مطلق حلت کو اوجہ قرار دے رہے ہیں، ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ظاہر اسلوب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اور انھوں نے منحة الخالق میں صراحةً اسی کو اختیار فرمایا ہے، مگر ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے محررہ دلائل سے صرف عدم حرمت بلبن الزانی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، مطلق حلت ثابت نہیں ہوتی، تقریر مذکور میں تین دلائل ہیں،

① وذكر الوبري ان الحرمة تثبت من جهة الام خاصة ما لم يثبت النسب فحينئذ تثبت من الاب وكذا ذكر الاسي جاني وصاحب الينا بيع ،

اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ رضیعة مزنیہ زانی کی بیٹی نہیں، مزنیہ کی بیٹی ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ مزنیہ کی نسبی بیٹی کی طرح یہ بھی زانی پر حرام ہے،

② وهو اوجه لان الحرمة من الزنا للبعضية وذلك في المولد نفسه لانه مخلوق من مائه دون اللبن اذ ليس اللبن كائنا من منيه الخ،

یہ وجہ بھی صرف حرمت لبن زانی کی نفی کر رہی ہے، بمنزلہ ربیبہ ہونے کی وجہ سے حرمت کی نفی اس سے نہیں ہوتی، بلکہ یہ وجہ اس حرمت کی مثبت ہے، بایں طور کہ مزنیہ میں زانی کی جزئیت ہے، اور رضیعة میں مزنیہ کی جزئیت،

③ ولانه يخالف المسطور في الكتب المشهورة اذ يقتضي تحريم بنت المرضعة بلبن غير الزوج على الزوج بطريق اولی،

اس سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ کتب مشہورہ میں حلت علی الاطلاق مسطور نہیں، بلکہ اس میں عدم دخول بالأم کی قید ہے، جیسا کہ علانیہ کی عبارت مذکورہ میں دیکھیں ربیباً للثانی اور فتح القدر ص ۱۱۱ کی عبارت ارتفع مع اجنبية من لم تكن امرأة ابيه حلت لابیه لانها ليست بنته من الرضاع ولا ربیة سے مفہوم ہے، اور خانمہ میں مہترج ہے جیسا کہ خود شامیہ میں منقول ہے ونصها تحت (قوله ولبن بکر) والحرمة

لا تتعدى الى زوجها حتى لو طلقها قبل الدخول له التزوج برضيعة لان اللبن ليس
منه فہستانی طاماً لو طلقها بعد الدخول فليس له التزوج بالرضيعة لانها صارت
من الربائب التي دخل بامها بحر عن الخانية (رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۲)
علاوہ ازیں فصل محرمات میں بشمول ابن ہمام و ابن عابدین جمیع فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ
نے رضیعتہ زوجہ پر اس کی بنت نسبہ کا حکم لگا کر حرام قرار دیا ہے، اور اس کو حدیث یحرم
من الرضاع ما یحرم من النسب میں داخل قرار دیا ہے، کتاب الرضاع میں ابن ہمام
نے اس کے دخول فی الحدیث پر اشکال کیا ہے، مگر اولاً تو یہ اشکال صرف بحثاً ہے، ثانیاً اگر
اس کو حکم فرض کر لیا جائے تو یہ صرف ان کی اپنی رائے ہے، جو ان کے تفردات میں سے ہے،
اس کو مسطور فی الکتب المشہورہ قرار دے کر اس سے استدلال صحیح نہیں، ابن نجیم رحمہ اللہ
تعالیٰ نے ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کو صرف لبن زانی کی عدم حرمت پر محمول فرمایا ہے،
مگر تقریر مذکور میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد رضیعتہ
مزنیہ کی علی الاطلاق حلت ثابت کرنا ہے، کما قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة
الخالق، مگر ان کا یہ دعویٰ ان کے بیان فرمودہ دلائل سے ثابت نہیں ہوتا، کما قررنا،
حاصل یہ کہ رضیعتہ مزنیہ میں حلت و حرمت دونوں روایتیں ہیں، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ
نے حلت کو اوجہ قرار دیا ہے، اور ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کتاب الرضاع میں اسی
کو اختیار فرمایا ہے، مگر بندہ کے خیال میں وجہ مذکور سے صرف لبن زانی کے عدم حرمت کا
اوجہ ہونا ثابت ہوتا ہے، حلت رضیعتہ کی اوجہیت ثابت نہیں ہوتی، پس بصورت تعارض
حرمت کو ترجیح ہے، علامہ حصکفی و شامی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے فصل محرمات میں اسی کو
اختیار فرمایا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ

بیوی کے رضاعی اصول و فروع حرام ہیں؛

سوال؛ رد المحتار باب المحرمات میں ہے کہ منکوحہ مزنیہ کے اصول و فروع رضاعیہ
حرام ہیں، اور کتاب الرضاع میں ان کی حلت تحریر ہے، وجہ توفیق کیا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منکوحہ کے اصول و فروع رضاعیہ کی حرمت میں اختلاف نہیں، البتہ حرمت رضیعتہ کے لئے
رضاع بلبن زوج یا دخول بالأم کی قید ہے، مزنیہ کے رضاعی اصول و فروع میں اختلاف ہے،

اور قول حرمت رائج ہے، تفصیل مسئلہ سابقہ میں تحریر کی جا چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۳۲ رجمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ

رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی حرام ہے:

سوال؛ سننے میں آیا ہے کہ آپ نے ابن داب رضاعی کی بیوی کی حلت کا فتویٰ دیا ہے، حالانکہ شامیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں اس کی حرمت کی تصریح ہے، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب.

خیر المدراس ملتان سے ایسی تحریر موصول ہوئی تھی، اس میں فتح القدیر کتاب الرضاع کی بحث منقول تھی، اس وقت اصل کتاب میرے پاس نہیں تھی، اس لئے تحریر مذکور دیکھ کر میں نے حلت کا فتویٰ دیدیا، بعد میں ایک عزیز کے متوجہ کرنے پر اصل کتاب میں مقام مذکور و دیگر متعلقہ مقامات کے ملاحظہ سے ثابت ہوا کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حرمت ہی کے قائل ہیں اور انھوں نے کتاب الرضاع میں حرمت پر اشکال محض بحثاً ذکر فرمایا ہے، نقل مذہب نہیں، فصل محرمات میں بیان مذہب پر ان کی صریح عبارت ہے، ونصہ وکما تحرم حلیۃ الابن من النسب تحرم حلیۃ الابن من الرضاع وذكر الاصلا ب فی الایۃ لاسقا حلیۃ المتبنی و ذکر بعضہم فیہ خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ والمنقول عنہم ان ذکر الاصلا ب للاحلال حلیۃ المتبنی لا للاحلال حلیۃ الابن من الرضاع کمذہبنا فلا خلاف رفتح القدیر ص ۶۰ ج ۲، اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب کے تحت فرماتے ہیں فشمیل زوجۃ الابن والاب من الرضاع لا یتما حرام بسبب النسب فکذا بسبب الرضاع وهو قول اکثر اهل العلم کذا فی المبسوط بحر، وقد استشكل فی الافتتاح الاستدلال علی تحریمہا بالحدیث (مراد المختار ص ۲۳۹ ج ۲) حرمت کا فتویٰ تحریر کرنے کے بعد ابن ہمام کا صرف اشکال ذکر کیا ہے، یعنی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ نہیں سمجھتے، صرف اشکال سمجھتے ہیں، اس اشکال کے جواب میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقد سہا فیہ الشیخ ومنشؤہ انہم ذکروا الصورة المذكورة فی باب المصاهرة فظن ان العروۃ فیہا من قبل الصهر فقط مع ان النسب ایضاً دخل فیہا کما تدل علیہ اضافة المراءاة الی الابن فحرمة زوجۃ الابن علی الاب من جہتین لاجل الصہر

ولكونها زوجة لاینه ایضا وكذا حرمة زوجة الاب على الابن لكونها امرأة لاییه
ایضا ففي اضافة المرأة الى الابن والاب اشعار بان النسب ایضا مراعى فی هاتین
الحرمتین فانحل الاشكال بلا قیل وقال رفیع الباری ص ۳۸۵ (۳ ج ۲۲۲) غالباً سی بنابر
علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ صہر کو بھی نسب میں داخل قرار ہے ہیں، ونصہ ای حرم بسبب
الرضاع ما حرم بسبب النسب قرابة وصهرية (البحر الرائق ص ۳۸۵ ج ۲۲۲)

حاصل یہ کہ اب و ابن رضاعی کی بیوی بالاتفاق حرام ہے، بلکہ تفسیر قرطبی ص ۱۱۶ ج ۵ اور
تفسیر منہرجی ص ۶۲ ج ۲ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے، وقال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ
هو قول الجمهور ومن الناس من یحکيه اجماعاً تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۲ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۲ جمادی الاولیٰ ۹۴ھ

بیوی پر شہوت کی حالت میں بیٹی کو ہاتھ لگ گیا:

سوال: زید کی لڑکی عمر تقریباً بارہ سال اپنی والدہ کے ساتھ سوتی تھی، زید نے اپنی زوجہ
سے صحبت کا ارادہ کیا، تو حالت شہوت میں اچلتا ہوا ہاتھ لڑکی کو لگ گیا، اس صورت میں زید
پر اس کی بیوی حرام ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی حرام نہیں ہوئی، اس لئے کہ حرمت مصاہرت کے لئے یہ شرط ہے کہ جس کو ہاتھ لگا
شہوت بھی اسی پر ہو، قال فی الشامیة قلت ویشتط وقوع الشهوة علیہا لا علی غیرہا
لما فی الفیض لو نظر الی فرج بنتہ بلا شهوة فتمنی جاریة مثلہا وقعت لہ الشهوة
علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمناہا فلا رد المحتار ص ۳۰۴ ج ۲
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رمضان ۱۳۸۷ھ

بیٹی کو بیوی سمجھ کر شہوت سے چوما تو بیوی حرام ہو گئی:

سوال: زید کی بیوی کے ساتھ اس کی جوان بیٹی سوئی ہوئی تھی، زید نے اندھیرے میں بیٹی کو
بیوی سمجھ کر شہوت سے اس کا بوسہ لے لیا، تو زید پر بیوی حرام ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حرام ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۶ رمضان ۱۳۸۷ھ

باپ کی سالی حلال ہے:

سوال: زید کی زوجہ ہندہ کا انتقال ہو گیا، زید نے کسی عورت سے نکاح کیا، اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اب اس لڑکے کا نکاح زید کی زوجہ اولیٰ متوفیہ کی ہمشیرہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

۹ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

ہو سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سو تیلی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے:

سوال: جن دو لڑکیوں کا باپ ایک ہو اور ماں دو ہوں تو ایسی دونوں لڑکیاں ایک مرد سے نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عورت اور اس کے باپ کی ربیبہ کو جمع کرنا جائز ہے:

سوال: زید کے نکاح میں بکر کی دختر ہے، اب بکر کی زوجہ فوت ہو گئی، بکر نے دوسرا نکاح کیا، اس عورت کے ساتھ ایک لڑکی آئی، تو کیا اس لڑکی سے زید کا نکاح درست ہے؟ یعنی دوسرا نکاح، ایک زوجہ موجود ہے یعنی بکر کی دختر، دوسرا نکاح اس عورت سے کرنے میں کوئی حرمت تو نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

حلال ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سو تیلی ماں کو شہوت ہاتھ لگایا تو وہ باپ پر حرام ہو گئی:

سوال: ایک لڑکے نے اپنی سو تیلی ماں کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا لڑکے کے باپ پر وہ عورت حرام ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برہنہ جسم پر ہاتھ لگایا یا اتنے باریک کپڑے کے اوپر سے لگایا جو جسم کی حرارت محسوس ہونے سے مانع نہ ہو تو یہ عورت لڑکے کے والد پر حرام ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ محرم ۱۳۸۶ھ

بیوی کی لڑکی کو شہوت سے ہاتھ لگایا تو بیوی حرام ہو گئی:

سوال: زید نے سوتیل لڑکی کو بلا حائل شہوت سے چھو لیا، یا زنا کر لیا، تو اس کی بیوی یعنی اس لڑکی کی والدہ زید پر حرام ہو گئی یا نہیں؟ اگر حرام ہو گئی تو حلال ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۵، صفر ۱۳۹۵ھ

رضاعی بھانجی حرام ہے:

سوال: عائشہ نے لڑکی علیہ کو دودھ پلایا، اب اس کا اپنے بھائی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عائشہ کا بھائی علیہ کا رضاعی ماموں ہو اس لئے علیہ اس پر حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۰، ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

رضاع سے علی بہن حرام ہے:

سوال: زید کی دو بیویوں سے دو لڑکے ہیں: اسلم اور اکرم، اسلم کی خالہ کی لڑکی نے اسلم کی ماں کا دودھ پیا ہے، اس لڑکی سے اکرم کا نکاح جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید اس لڑکی کا رضاعی باپ ہے، اس لئے یہ لڑکی اکرم کی علی یعنی باپ شریک بہن ہونے کی وجہ سے اس پر حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۳، ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

رضاعی بھتیجی حرام ہے:

سوال: ملیحہ اور صبیحہ دو عورتیں ہیں، مقدمۃ الذکر کے چار لڑکے ہیں اور مؤخرۃ الذکر کے تین، ملیحہ کے بڑے لڑکے نے صبیحہ کا دودھ پیا ہے، صبیحہ کے بڑے لڑکے نے ملیحہ کا دودھ پیا ہے، پوچھنا یہ ہر کہ صبیحہ کے بڑے لڑکے کی لڑکی کا ملیحہ کے چھوٹے لڑکے کی نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح درست نہیں، کیونکہ ملیحہ کا چھوٹا لڑکا اور صبیحہ کا بڑا لڑکا آپس میں رضاعی بھائی

ہیں اور رضاعی بھائی کی لڑکی حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱/ رمضان ۱۴۲۹ھ

رضاعی خالہ حرام ہے:

سوال: محمد رحیم کی دو بیٹیاں ہیں، ایک بیٹی کا لڑکا دوسری کی لڑکی ہے، یہ آپس میں رشتہ کرنا چاہتی ہیں، حالانکہ لڑکی نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے، جبکہ اس کی عمر اس وقت صرف دو دن تھی، شرعاً یہ رشتہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے، اس لئے ان کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ رجب ۱۴۲۸ھ

مرضعہ کی سب اولاد رضیعہ پر حرام ہے:

سوال: زید اور زینب دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، اور دودھ دونوں جانب سے یعنی زید کی ماں نے زینب کو اور زینب کی ماں نے زید کو دودھ پلایا، اب زید کے والد صاحب چاہتے ہیں کہ زینب کا نکاح زید کے بڑے بھائی عمر کے ساتھ کیا جائے، کیا یہ نکاح بردے شرع جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دودھ پلانے والی کی سب اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہو جاتی ہے، البتہ دودھ پینے والے کے بھائی بہن دودھ پلانے والی کی اولاد پر حرام نہیں، صورت سوال میں چونکہ زینب نے بھی زید کی والدہ کا دودھ پیا ہے اس لئے زید اور اس کے دوسرے سب بھائی بھی زینب کے رضاعی بھائی ہو گئے، لہذا زینب ان سب پر حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ رجب ۱۴۲۸ھ

سوتیلی نانی کی رضیعہ خالہ زاد پر حرام ہے:

سوال: دو بہنیں ہیں، ایک بہن کی لڑکی نے اپنے نانا کی بیوی کا دودھ پیا، اب یہ مذکورہ لڑکی دوسری بہن کے لڑکے کے لئے حرام ہے یا حلال؟

بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نانا کی بیوی کا دودھ اسی نانا سے تھا تو یہ دودھ پینے والی لڑکی نانا کی رضاعی بیٹی ہوگئی اور نانا کے نواسے کی رضاعی علی خالہ ہے، اس لئے اس پر حرام ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲ ربيع الاول ۱۴۲۵ھ

خانیہ کے ایک جزئیہ کی توضیح :

سوال : فتاویٰ قاضی خاں ص ۱۶۷ باب المحرمات میں مندرجہ ذیل عبارت باعث اشکال ہوئی ہے جواب باصواب سے نوازیں تاکہ اشکال ختم ہو جائے، والحر اذ اتزوج عشر نسوة على التعاقب جاز نکاح التاسعة والعاشرة لانه لما تزوج الخامسة كان ذلك دليلاً على فساد نکاح الاربع قبلها فلما تزوج التاسعة دل على فساد نکاح الاربع قبلها فيجوز نکاح التاسعة والعاشرة، تعاقب کی صورت میں پہلی چار عورتوں کا نکاح درست ہونا چاہئے اور پانچویں کا باطل، جیسا کہ اسی باب میں مذکورہ بالا عبارت سے چند سطور قبل مذکور ہے، عام ضابطہ کے مطابق پانچویں کے نکاح کا فساد تو ظاہر ہے، یہ مفسد کیسے ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عام ضابطہ یہی ہے کہ پانچویں کا نکاح فاسد ہوگا، قاضی خاں کا جزئیہ مذکورہ اس پر محمول ہے کہ پہلی چار بیویاں اس کے پاس نہ ہوں، اور یہ قولاً یا عملاً ان کے نکاح کی صحت کا اعتراف نہ کرتا ہو، ایسی صورت میں فعل مسلم کو جائز قرار دینے کے لئے اس پر محمول کیا جائے گا کہ پہلی چار عورتوں کا نکاح فاسد تھا، یہ مقصد نہیں کہ خامسہ سے نکاح کر لینا مفسد ہے، یہ مراد ہوتی تو کان ذلك دليل الخ کی بجائے فساد نکاح الاربع کہنا چاہئے تھا، حاصل یہ ہے کہ اگر واقعہ پہلی چار بیویوں کا نکاح فاسد نہیں تھا تو عند اشکان کا نکاح صحیح ہے اور پانچویں کا نکاح فاسد ہے، مگر قضاء جب پہلی چار کے نکاح کی صحت کا اعتراف قولاً یا عملاً موجود نہ ہو تو فعل مسلم کی تعمیل کے پیش نظر پانچویں کا نکاح صحیح قرار دیا جائیگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸ ربيع الاول ۱۴۲۵ھ

مطلقة بیوی کی عدت تک اس کی بہن حرام ہے :

سوال : زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، مگر یہ عورت بہت عرصہ سے بیمار تھی،

زید نے بہت عرصہ سے صحبت اس کے ساتھ نہیں کی تھی، مگر اس عورت کی عدت اب تک ختم نہیں ہوئی تھی، کہ زید نے اس کی بہن سے نکاح کیا، یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح نہیں ہے تو اگر تجدید نکاح کریں تو اس عورت کے لئے عدت کی ضرورت ہو یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی کی عدت ختم ہونے سے قبل اس کی بہن کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوا، لسانی محرمات التنویر والجمع نکاحاً وعدۃ ولو من طلاق بائن (رد المحتار ص ۳۰۸) اس وقت دوسری بیوی سے فوراً الگ ہو جائے، اور پہلی بیوی کی عدت گزرنے کے بعد دوسری بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے، دوسری بیوی پر عدت نہیں، البتہ یہ دوسری بیوی کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہے اور پہلے شوہر نے اس کے ساتھ صحبت بھی کی ہو تو اس پر عدت واجب ہے، اس سے پہلے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ شعبان ۱۴۱۶ھ

بارہ سال سے کم عمر لڑکے سے صحبت موجب حرمت مصاہرت نہیں؛ سوال؛ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً چھ یا سات سال یا کچھ زائد تھی اس کی سوتیلی ماں نے اس نادان بچہ کے ساتھ کئی مرتبہ مجامعت کی، اب وہ بچہ بالغ ہو چکا ہے، اور اس کا والد بھی زندہ ہے، اس واقعہ کا سوائے اس بچہ کے کسی اور کو علم نہیں، تو کیا اس لڑکے کے والد پر یہ عورت حرام ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بارہ سال سے کم عمر لڑکے کے ساتھ مجامعت سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر وکن اشتراط الشهوة فی الذکر فلو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم تحرم فتح، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قعت القول المذکور لا بد فی کل منہما من سن المراهقة وقلہ للاثنی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذلك اقل مدة یسکن فیہا البلوغ کما صرحوا بہ فی باب بلوغ الغلام الخ رد المحتار ج ۲، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح :

سوال؛ کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں، اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں تو اس سے نکاح ہو جائے گا، مگر دوسرے خطرات کی بنا پر اس سے پرہیز واجب ہے، مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرہ سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں۔ لہذا یہ ملک کی سالمیت کے لئے بہت خطرناک ہیں، نیز کتابیہ سے نکاح کرنے والے کے قلب میں اس کی عظمت ہوتی ہے جو کفر ہے۔ واللہ سید جانہ وتعلیٰ اعلم

شیعہ عورت سے نکاح : ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ

سوال، اہل سنت میں سے کوئی شخص شیعہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ عورت مسلمان مرد کے لئے حلال نہیں، اس لئے کہ شیعہ کافر ہیں، دلائل کی تفصیل رسالہ ”حقیقت شیعہ“ مندرجہ حسن الفتاویٰ جلد اول میں ہے، بعض کے خیال میں شیعہ اہل کتاب ہیں، معہذا بوجہ ذیل شیعہ عورت سے نکاح جائز نہیں:

- ① اکثر علماء شیعہ کو اہل کتاب شمار نہیں کرتے، لہذا احتیاط واجب ہے۔
- ② ان کے نزدیک صرف وہ شیعہ اہل کتاب ہیں جس کا باپ اور دادا بھی شیعہ ہو، اگر کوئی مسلمان شیعہ ہو گیا تو وہ اور اس کی صلیبی اولاد بحکم اہل کتاب نہیں، بلکہ مرتد ہے اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح حرام ہے، اگر شیعہ عورت سے نکاح کی اجازت ہو گئی تو بدوں اس تحقیق کے کہ یہ شیعہ عورت اہل کتاب ہے یا مرتد ہے نکاح ہونے لگیں گے، اس طرح حرام کاری کا دروازہ کھل جائے گا،

③ عوام کی اکثریت پہلے ہی سے شیعہ کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھ رہی ہے شیعہ عورت سے نکاح کی اجازت سے عوام کے اس غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں بعید نہیں کہ جاہل لوگ مسلمان عورت کا نکاح شیعہ مرد کے کردیں جو قطعاً حرام ہے شیعہ کو مسلمان سمجھنے کے اور بھی خطرناک مفاسد ہیں ان کے ساتھ میل جول سے ایمان پر سخت خطرہ ہے کئی مسلمان شیعہ مذہب میں عیش و عشرت کا سامان دیکھ کر شیعہ مذہب اختیار کر لیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں،

④ شیعہ عورت کے ساتھ نکاح کے بعد اولاد تو خود شوہر ہی کا دین خطرہ میں پڑ جاتا ہے، عموماً شوہر مرتد ہو جاتا ہے اور اولاد تو یقیناً مرتد ہو جاتی ہے۔ ان دجہ کی بنا پر شیعہ عورت سے نکاح کا ہرگز کوئی

جواز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ شعبان ۱۴۰۲ھ

اقرار حرمت مصاہرت سے رجوع کی تحقیق :

سوال : ایک عورت نے اپنے خسر پر الزام لگایا کہ اس نے بُری نیت سے اس کو بکڑ کر معاف کیا اور رخسار پر بوسہ دیا اور پستانوں سے پکڑا، اس عورت کے شوہر سے دریافت کیا گیا تو اس نے پہلے کہا کہ اس کی بیوی سچ کہتی ہے، مگر چند روز کے بعد کہتا ہے کہ میں نے اس معاملہ کی تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ بیوی کا الزام غلط ہے، اس صورت میں اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جبروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال في الهندية قال لامرأته كنت جامعت امك قبل نكاحك يؤخذ به ويفرق بينهما ولكن لا يصدق في حق المهر حتى يجب المسمى دون العقرو والنصارى على هذا الاقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك فقال كذبت فالقاضي لا يصدق ذلك ولكن فيما بينه وبين الله تعالى ان كان كاذباً فيما اقر لا تحرم عليه امرأته، وذكر محمد رحمه الله تعالى في كتاب النكاح اذا قال الرجل لامرأة هذه امي من الرضاعة ثم ادل ان يتزوجها بعد ذلك فقال اخطأت في ذلك فله ان يتزوجها استحساناً ووجه الفرق بينهما انه ههنا اخبر عن فعله والخطأ فيها هو فعله نادراً فلا يصدق فيه امانى الرضاع فمما اخبر عن فعل نفسه في زمان يتذكره وهو انما سمع من غيره والخطأ فيه ليس بنادر كذا في التجسس المزيدي عالمگیری ص ۵، ۲، ۱۷ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اقرار رضاع کی دوبارہ تصدیق سے قبل اس سے قولاً یا فعلاً رجوع صحیح ہے، اور حرمت مصاہرت کے اقرار سے رجوع صحیح نہیں، مگر وجہ الفرق بیان کی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اقرار حرمت مصاہرت سے عدم صحت رجوع کا قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ اس سے صرف ایسی حرمت مصاہرت مراد ہے جو خود فعل مقرر کی وجہ سے ہو، اور اگر حرمت فعل غیر سے متعلق ہو جیسا کہ صورت سوال میں ہے تو اس کا حکم اقرار رضاع کی طرح ہونا چاہیے، لا اشتراك علة الخفاء، فقط والله تعالى اعلم،

۴، ربيع الاول ۱۲۹۹ھ

بھانجی کی لڑکی حرام ہے :

سوال : زید کی بھانجی کی لڑکی آیا زید کے لئے محرم ہے یا نا محرم ہے؟ بینوا تو جبروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

۲۶، صفر ۱۳۰۷ھ

محرم ہے، فقط والله تعالى اعلم،

چھونے سے انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی :

سوال: ایک شخص کسی عورت کے ساتھ بوس و کنار میں مشغول تھا، اسی حالت میں اسے انزال ہو گیا، جماع نہیں کیا، اب یہ شخص اس عورت کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ اس کیلئے حلال ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بوس و کنار سے حرمت مصاہرت کے لئے یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہو، بدون جماع انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، لہذا یہ لڑکی حلال ہے، قال فی العلائق فلو انزل مع من او نظر فلا حرمة وبہ یفق (رد المحتار ۳/۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۰ رذو الحج ۱۴۰۶ھ

نکاح فاسد موجب حرمت مصاہرت نہیں:

سوال: کسی نے اپنی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کر لیا اور رخصتی سے قبل ہی اسے طلاق دیدی اب اگر یہ شخص اس مزنیہ سے نکاح کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مزنیہ کی لڑکی سے جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے، اور نکاح فاسد سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، اس لئے اس کی ماں حرام نہیں ہوتی، اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، البتہ اس لڑکی کو شہوت سے ہاتھ لگانا تو اس کی ماں حرام ہو جاتی، قال فی العلائق وحرم بالمصاہرة بنت زوجته الموطوءة وام زوجته وجد اثم مطلقا بمجرد العقد الصحيح وان لم توطأ الزوجة، وفي الشامية (قوله الصحيح) احتراز عن النکاح الفاسد فانه لا یوجب بسجود حرمة المصاہرة بل بالوطء او ما یقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة لان الاضافة لا تثبت الا بالعقد الصحيح بحر (رد المحتار ۳/۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۰ رذو الحج ۱۴۰۶ھ

زوجہ ربیب حلال ہے:

سوال: زید کے ربیب نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی یا وہ مر گیا تو اس کی بیوی سے زید نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ربیب کی بیوی حلال ہے، اس سے نکاح کر سکتا ہے، قال فی الشامية معزیا الى الخیر الرملی تحت قوله اما بنت زوجة ابيه او ابنته فحلال ولا تحرم زوجة الربیب ولا زوجة الرّاب، (رد المحتار ۳/۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۰ رذو الحج ۱۴۰۶ھ

باب ولایۃ النکاح والمال

عاقلہ بالغہ نکاح میں خود مختار ہے :

سوال : ایک عورت عاقلہ بالغہ ثلثہ کو اس کے اقرباء نے ایک جگہ پر مجبور کر کے نکاح کر دیا، اس کی والدہ کو مار کر اس سے نکاح قبول کر دیا، خود اس عورت کو بہت زیادہ مارا پیٹا، مگر اس نے اپنی زبان سے نکاح قبول نہیں کیا، اور اب تک اس نکاح سے انکار کر رہی ہے، پس یہ نکاح شرعاً درست ہو گیا یا نہیں؟ اور اگر یہ بدوں اذن اولیاء کسی دوسری جگہ نکاح کر لے تو یہ صحیح ہو گیا یا نہیں؟ بیٹو! توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عاقلہ بالغہ عورت نکاح میں خود مختار ہے، اسے کوئی شخص بھی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے کسی شخص نے نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح درست نہیں، غرضیکہ عاقلہ بالغہ عورت جب تک خود قبول نہ کرے یا کسی کو اپنا وکیل نہ بنائے اُس وقت تک اس کا نکاح صحیح نہ ہوگا، اس کی رضا کے بغیر اس کی والدہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا یہ نکاح قطعاً صحیح نہیں، قال فی شرح التتویر ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولاية بالبلوغ، وإيضافیه وولاية اجبار علی الصغیرۃ ولو ثیباً ومعتقۃ ومرقوقۃ کما افادہ بقولہ وهو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون وقین لا مکلفۃ فنقد نکاح حرة مکلفۃ بلا رضا ولی والاصل ان کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسه ومالا فلا، وفي السامیۃ تحت (قولہ فنقد الخ) وحديث لا نکاح الا بولی رواہ ابوداؤد وغیرہ فمعارض بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الا یم احق بنفسها من ولیہا رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی ومالك فی الموطأ والایم من لا زوج لها بکرا اولاً فانه لیس للولی الامباثۃ العقد اذا رضیت

وقد جعلها حق منه به الخ (قولہ والاصل الخ) عبارة البحر والاصل هذا ان كل من يجوز
تصرفه في مال بولاية نفسه الخ فانه يخرج العبد المأذون فانه وان جاز تصرفه
في ماله لكن لا بولاية نفسه الخ (مخ المحتار باب الولی ۲۳) وايضاً في شرح التنوير
وشروط سماع كل من العاقدین لفظ الآخر ليتحقق رضاها، وفي الشامية قوله
احتراماً للفروج، اي لخطراً مرها وشدة حرمتها فلا يصح العقد عليها الا بلفظ
صریح او كناية (قولہ سماع كل) اي ولو حكما كالكتاب الى غائبة لان قراءتها
قائمة مقام الخطاب كما مر وفي الفتح ينقد النكاح من الاخرس اذا كانت له
اشارة معلومة (قولہ ليتحقق رضاها) اي ليصدر رمنها ما من شأنه ان
يدل على الرضا اذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع
الاكراه والهزل وحسني (مراد المحتار ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،
۲۸ ربيع الآخر ۱۳۳۸ھ

ولی نکاح و مال کی تفصیل :

سوال : صغیرہ و مجنونہ کے نکاح اور مال کا ولی کون ہے ؟ تفصیل سے بیان
فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب : منه الصدق والصواب

ولی فی النکاح عصبات بنفسہا علی ترتیب الارث ہیں، ان میں سے کوئی بھی
نہ ہو تو ماں، پھر دادی پھر نانی، پھر اسی ترتیب سے دادی اور نانی کے مؤنث اصول، پھر بیٹی،
پھر پوتی، پھر نواسی اور نواسا، پھر پڑپوتی، یعنی مجنونہ کے فروع غیر عصبات اگر قرب و بعد میں
مختلف ہوں تو قریب کو ترجیح ہے اور برابر درجہ کے ہوں تو عصبہ کی بیٹی کو ترجیح ہے، فروع کے
بعد جد فاسد اور جدۃ فاسدہ بلحاظ قرب و بعد، پھر بہن عینی پھر علی پھر خنیفہ بھائی اور بہن پھر اسی
ترتیب سے اُن کی اولاد، پھر بھوپھی پھر ماموں پھر خالہ پھر چچا کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے انکی اولاد
پھر سلطان، وصی کو باپ نے صغیر کے نکاح کا اختیار دیا ہو تو بھی اس کو اختیار نہیں،

ولی فی المال صرف باپ پھر اس کا وصی پھر دادا پھر اس کا وصی پھر قاضی ہے، و تاضی
نہ ہونے کی صورت میں شہر کے معتبر لوگ جسے متولی بنادیں وہی ولی کے قائم مقام ہوگا،
قال فی العلائقہ الولی فی النکاح لا المال العصبۃ بنفسہ رالی ان قال، وان

أوصى الیہ الاب بذلک علی المذهب، وفي الشامیة (قولہ لا المال) الولی فیہ الاب وصیہ
والجد ووصیہ، والقاضی وراثتہ فقط الخ (رد المحتار ج ۲)

وقال فی باب الجمعة فلو الولایة كفارا يجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر

القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین (رد المحتار ج ۱)

صغیر کے لئے ترکہ کی تقسیم اور اس کے مال منقول میں تجارت اور زمین میں زراعت وغیرہ
تصرفات کا حق صرف ولی فی المال کو ہے، زمین کی بیع کا اختیار ولی کو بھی نہیں الا فی صورت
مخصوصہ، البتہ ماں، بھائی اور چچا کو اس کے مال کی حفاظت، بیع منقول بغرض حفظ
اور اس کے لئے طعام، لباس وغیرہ ضروریات خریدنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ صغیر ان کی
پرورش میں ہو، البتہ خود ترکہ میں طعام یا لباس ہو تو اس سے صغیر کا حصہ اس پر خرچ کرنے میں
صغیر کا زیر پرورش ہونا شرط نہیں، ہذا اخلص ما هو مشروح فی باب الوصی من
العلائقۃ والشامیة، فقط والله تعالیٰ اعلم ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

باکرہ بالغہ سے غیر ولی نے نکاح کی اجازت طلب کی تو سکوت کافی نہیں؛
سوال؛ عبد الکریم مسماۃ جنت کو زبردستی اٹھا کر لے گیا، اور اپنے گھر لے جا کر اس
نکاح کیا، مسماۃ جنت باکرہ اور بالغہ ہے، اور نکاح کے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے، یہ
نکاح شرعاً درست ہو گیا یا نہیں؟ بیہوا تو جروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

باکرہ بالغہ سے اجازت لینے والا اگر ولی اقرب نہیں تو اس صورت میں باکرہ کا سکوت
کافی نہیں، بلکہ اجازت بالقول ضروری ہے، لہذا مسماۃ جنت نے اگر زبان سے نکاح کی اجازت
نہیں دی تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اگر زبان سے اجازت دینے میں زوجین کا اختلاف ہے تو
زوجین میں سے جو بھی بیہ پیش کرے اسی کا قول معتبر ہوگا، اگر دونوں کے پاس بیہ ہے
تو زوجہ کی اجازت پر زوج کا بیہ معتبر ہوگا، اس کے مقابلہ میں زوجہ کا بیہ قبول نہ کیا جائیگا
البتہ باکرہ کا نکاح ولی اقرب نے کیا تو زوجہ کا بیہ علی الرد زوج کے بیہ علی السکوت پر رائج
ہوگا، اگر کسی طرف بھی بیہ نہیں تو زوجہ کا قول مع الیمن قبول کیا جائے گا، قال فی شرح
التنویر فان استأذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل
لابد من القول کالغیب البالغۃ، وایضاً فیہ قال الزوج للبکر بالغۃ بلغک

النکاح فسکت وقالت رددت النکاح ولا بینه لهما على ذلك ولم يكن دخل بهما طوعاً في الاصح فالقول قولها بيمينها على المفتي به وتقبل بينته على سكوتها لانه وجودي بضم الشفتين ولو برهننا فبينتها اولي الا ان يبرهن على رضاها والاجازتها وفي الشامية رقول ولا بینه لهما قيد به لان ايهمما اقام البينة قبلت بينته بحرر رد المختار ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

عاقله بالغه کا نکاح غیر کفو میں بلا اذن ولی صحیح نہیں:

سوال: اگر بالغہ عورت بلا اذن ولی کے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لے تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، ولی کی رضا صراحۃً ضروری ہے، محض سکوت کافی نہیں، اور نکاح کے بعد ولی کی رضا بھی معتبر نہیں، قال فی العلائیۃ ویفتی فی غیر الکفء بعد مجازہ اصلاً وهو المختار للفتاویٰ لفساد الزمان، وفي الشامية وهذا اذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بحر واما اذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقاً اتفاقاً كما يأتي (الی ان قال) وقول البحر لم يرض به يشمل ما اذا لم يعلم اصلاً فلا يلزم التصريح بعدم الرضا بل السكوت منه لا يكون رضا كما ذكرنا فلا بد حينئذ لصحة العقد من رضا صريحاً وعليه فلو سكوت قبله ثم رضى بعده لا يفيد فليتأمل رقول وهو المختار للفتاویٰ وقال شمس الاثمة هذا اقرب الى الاحتياط كن اني تصحيح العلامة قاسم لانه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل ولو احسن الولي وعدل القاضي فقد يترك انفة للتردد على ابواب الحكم واستثقالاً لنفس الخصومات فيقرر الضرر فكان منعه دفعاً له فتح (رد المختار ج ۲ ص ۴۰۹) فقط والله تعالى اعلم،

۲۸ شعبان ۱۳۳۵ھ

رسی کو ولایت نکاح نہیں:

سوال: رمضان نامی ایک شخص نے گواہوں کے رو برویہ تحریر لکھ دی گواہوں نے اس پر دستخط کئی

میں اپنی لڑکی بچائی شریعت محمدی موجب اللہ و رایہ ولد علی بخش چاندیہ کے حوالہ کرتا ہوں، یہ جس سے چاہے لڑکی کا نکاح کروادے، اس میں کسی بھی عزیز و قریب کا اعتراض نہ ہوگا، اور نہ ہی میں اس میں کسی قسم کی دست اندازی کروں گا، ازاں سوار انسان کی زندگی بے بقار ہے، اس لئے میری زندگی کے بعد بھی اللہ و رایہ اس لڑکی کا حقدار ہے، کوئی بھی اس بارہ میں اعتراض کرے یا میں کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کروں تو قانوناً مجرم ہوں گا۔

اس کے بعد رمضان فوت ہو جاتا ہے، اب اس لڑکی کی ولایت نکاح کے متعلق جھگڑا ہے، لہذا شریعت مطہرہ کا اس بارہ میں جو فیصلہ ہو اس سے مطلع فرمائیں، بینو ابالبرہنا

الجرم الحسن،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس لڑکی پر اللہ و رایہ کا کوئی حق نہیں، اگر لڑکی بالغہ ہے تو اپنے نکاح میں خود مختار ہے، اور اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کا حق اس کے اولیاء (عصبات علی ترتیب الارث) کو ہے، اللہ و رایہ کا کوئی حق نہیں، کیونکہ رمضان کی تحریر و کالت اور وصایت دونوں پر مشتمل ہے، یعنی رمضان کی زندگی میں وکالت اور بعد الموت وصایت ہے، سو وکالت تو رمضان کی موت سے ختم ہو گئی، قال فی شرح التنویر وینعزل (الوکیل) بموت احدہما، (رد المحتار ج ۲ ص ۸۵، ۸۶) اور وصایت بالنکاح شروع ہی سے صحیح نہیں، یعنی باوجود تصریح بوصایۃ النکاح کے وصی کو نکاح کا حق نہیں، قال فی شرح التنویر و لیس للوصی من حیث ہو وصی ان یزوج الیتیم مطلقاً وان اوصی الیہ الاب بذلک علی المذہب نعم لو کان قریباً و حاکماً یملک بالولایۃ کما لا ینحی و فی الشامیۃ واستثنی فی الفتح لو عین لہ الموصی فی حیاتہ رجلاً و اعترضہ فی البحر بانہ ان زوجہا من المعین فی حیاتہ الموصی فہو وکیل لا وصی وان بعد موتہ فقد بطلت الوکالت وانتقلت الولایۃ للحاکم عند عدم قریب (رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۱)

باقی رمضان کا اپنے نفس کو بے دعویٰ کرنا اور بعد الموت اولیاء کو بے دعویٰ کرنا یہ تصرف موجب عقد وکالت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول اور مردود ہے، فقہ میں اس کے بے شمار نظائر ہیں کہ شرعی احکام مرتب کرنے کا انسان کو اختیار نہیں، مثلاً رجعی طلاق دے کر کہے کہ مجھے رجوع کا حق نہیں، تو یہ قول باطل ہے، اور اُسے رجوع کا حق رہے گا،

غرضیکہ توکیل میں اپنے نفس کو بالکل بے دعویٰ کرنے سے عقد کی ماہیت و صفت نہ بدلے گی بلکہ بے دعویٰ کرنے کا قول باطل ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶، زیقعدہ ۱۳۶۷ھ

متعدد اولیاء میں سے ایک نے نکاح کر دیا:

سوال: صغیرہ کے دو چچا ہیں، ایک موجود نہ تھا، سفر بعید میں گیا ہوا تھا، دوسرے نے نکاح کر دیا، مدت کے بعد غائب چچا آگیا، تو کہتا ہے کہ یہ نکاح مجھے منظور نہیں، سو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

نکاح صحیح ہو گیا، اگر دوسرا چچا موجود ہوتا تو بھی اس کو فریخ نکاح کا کوئی حق نہ ہوتا، قال فی العلائقہ ولو زوجها ولیان مستویان قدم السابق، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۹، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

نکاح فضولی میں باکرہ کا سکوت کافی نہیں:

سوال: باکرہ بالغہ کا نکاح فضولی نے کیا، خبر سننے کے بعد باکرہ نے سکوت کیا تو نکاح صحیح ہو گیا یا نہیں؟ ہدایہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح صحیح ہو جائے گا، اذا قال الزوج بلغك النکاح فسکت فالقول قولها، اس کے آگے ہو کہ اگر مرد نے شاہد پیش کئے سکوت پر تو شہادت معتبر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کے نکاح پر سکوت سے بھی نکاح لازم ہو جائے گا، بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

اس صورت میں اجازت ضروری ہے، سکوت کافی نہیں، كما فی الہندیۃ، واذا قال لها الولی اريد ان ازوجك من فلان بالفت فسکت ثم زوجها فقالت لا ارضى او زوجها ثم بلغها الخبر فسکت فالسکوت منها رضا فی الوجهین جمیعاً اذا كان المزوج هو الولی وان كان لها ولی اقرب من المزوج لا یكون السکوت منها رضا ولها الخيار ان شاءت رضیت وان شاءت ردت الخ (عالمگیری ج ۲)
سوال میں مذکور ہدایہ کا جزئیہ اس پر محمول ہے کہ مزدج ولی ہو، چنانچہ یہی جزئیہ عالمگیری میں بھی ہے جس میں ولی کی تصریح ہے، ونصہا ولو زوجها ولی بغیر استیما،

ثم اختلفا فقال الزوج بلغك النکاح فسکت وقالت لا بل رددت کان القول قولها
کن فی شرح الجامع الصغیر لفتاویٰ خان الخ (عالمگیری، ج ۲) غرضیکہ فضولی یا ولی بعد
کی تزویج میں سکوت کافی نہیں بلکہ اذن ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ جمادی الآخرہ ۱۲۸۶ھ

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیاری بلوغ نہیں:

سوال: صغیرہ کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو اس صغیرہ کو خیاری بلوغ ہی یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس لڑکی کو خیاری بلوغ نہیں، قال فی شرح التنویر والولی النکاح الصغیر والصغیرۃ
ولو ثیباً ولو بغین فاحش، وفي الشامیتہ (رقولہ، ولزم النکاح) ای بلا توقف علی الجازۃ
احد ولا بثبوت خیاری فی تزویج الاب والجد والموالی وکذا الابن
علی ما یأتی (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ رجب ۱۲۸۶ھ

ولی اقرب کی موجودگی میں ابعد کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے:

سوال: ایک شخص سندھ میں مقیم ہے، اس کا لڑکا اور نابالغ لڑکی ملتان میں ہیں
لڑکی کے بھائی نے لڑکی کا نکاح بلا اذن والد کے کر دیا، اب والد اس نکاح پر راضی نہیں،
لڑکی بھی بالغ ہو چکی ہے، تو اس نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

نابالغہ لڑکی کا والد جب ایسی جگہ ہو کہ اس کا مشورہ حاصل کیا جاسکتا ہو تو ایسی حالت
میں والد کی اجازت کے بغیر بھائی کا کیا ہوا نکاح والد کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، صورت
مسئلہ میں ظاہر ہے کہ والد سے مشورہ کرنا اور اجازت لینا کوئی دشوار نہ تھا، لہذا یہ نکاح والد
کی اجازت پر موقوف رہا، مگر سوال میں مذکور ہے کہ اب لڑکی بالغ ہو چکی ہے، لہذا اس میں
دو احتمال متصور ہو سکتے ہیں، ہر ایک کا جدا گانہ حکم تحریر ہے:

① لڑکی کے بلوغ سے قبل ہی والد نے نکاح کو رد کر دیا ہو، اس صورت میں نکاح باطل ہو گیا،

② لڑکی کے بلوغ کے بعد والد نے رد کیا ہو، اس صورت میں والد کا رد کرنا معتبر نہیں لڑکی

خود مختار ہے، لہذا اگر بعد بلوغ لڑکی نے نکاح کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی کوئی فعل

وال علی الرضا کیا تو اب تک اُسے نکاح قبول کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہے، اور اگر بعد البلوغ ایک دفعہ نکاح پر رضا مندی کا اظہار قولاً یا فعلاً کر چکی ہے تو یہ نکاح لازم ہو گیا، اب اُسے رد کرنے کا کوئی اختیار نہیں، قال فی التنبیہ واللوی الا بعد التزوید بغیبة الاقرب مسافة القصر، و فی الشرح فلوزوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ، و فی الشامیة تحت قوله مسافة القصر، وقال فی الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رأیہ، فات الکفة الذی حضرنا الغیبة منقطعة والیہ اشار فی کتابہ و فی البحر عن المجتبى والمبسوط انه الاصح و فی النہایة واختارہ اکثر المشایخ وصحہ ابن الفضل و فی الہدایة انه اقرب الی الفقہ و فی الفتح انه الاشبه بالفقہ، والی قولہ و فی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الا قایل و علیہ الفتویٰ اہو علیہ مشی فی الاختیار والنقایة و یشیر کلام النہر الی اختیارہ و فی البحر والاحسن الافتاء بسا علیہ اکثر المشایخ، و فی العلانیة صغیرة زوجت نفسها و لا ولی ولا حاکم ثمة توقف و تغذ باجازتہا بعد بلوغها لان له مجیزاً و هو السلطان، و ایضاً قال فی بحث الفضولی فی النکاح و نکاح عبد و امة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة سکنکاح الفضولی سیجی عن فی البیوع توقف عقودہ کلہا ان لہا مجیز حالت العقد و الا تبطل، (رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲ صفر ۱۲۳۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: باپ کی موجودگی میں صغیرہ کا نکاح دادا نے کر دیا، اب باپ کہتا ہے کہ میں اس نکاح پر رضا مند نہیں ہوں، تو یہ نکاح صحیح ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب: منہ الصدق والصواب

اگر باپ نے صراحتہً یا دلالتاً اذن نہیں دیا تو یہ نکاح باپ کے اذن پر موقوف ہے، باپ کے سکوت سے اذن ثابت نہ ہوگا، اگرچہ باپ مجلس عقد میں موجود ہو، قال فی شرح التنبیہ فلوزوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ، و فی الشامیة تحت (قوله توقف علی اجازتہ) فلا یكون سکوتہ اجازة لنکاح الا بعد وان کان حاضراً فی مجلس العقد ما لم یرض صریحاً و دلالتاً قائل (رد المحتار ص ۲۳۳) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ

باپنے مراہقہ کا نکاح کمسن بچے سے کر دیا:

سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح حالت صغر میں کیا، اب لڑکی بالغ ہے اور لڑکا نابالغ ہے لڑکی اس نکاح پر راضی نہیں اور لڑکے کے بلوغ تک لڑکی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ظاہر ہے، اس نکاح میں باپ کی طرف سے سوء اختیار ظاہر ہے، لہذا یہ نکاح صحیح ہو یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح اور لازمی نہیں تو بعد البلوغ لڑکی کے محض سکوت سے نکاح منعقد ہو جائے گا، یا کہ اجازت صراحۃً یا دلالت ضروری ہے؟ میرے خیال میں اجازت ضروری ہے، کیونکہ اس نکاح کو موقوف کہا جائے گا اور نکاح فضولی کی طرح ہوگا اور فضولی کے نکاح میں سکوت کافی نہیں، بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرا و افیا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر نکاح صحیح ہے:

① قال فی الشامیۃ تحت (قولہ وان عرف لا یصح النکاح) والحاصل ان المانع ہو کون الاب مشہوراً بسوء الاختیار قبل العقد (الی قولہ) لزم احالۃ المسأله اعنی قولہم ولزم النکاح ولو لبغین فاحش او بغیر کف ہ ان کان الولی اباً او جداً (رد المحتار ج ۲) یعنی اگر اول مرتبہ ہی میں سوء اختیار کا قول کیا جائے تو مسئلہ مشہورہ لزم النکاح الخ کا کوئی محمل صحیح نہیں رہتا، (اس پر نظر ثانی سے ثابت ہوا کہ سوء اختیار اول مرتبہ میں بھی متحقق ہو سکتا ہے تفصیل رسالہ "کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار" میں ہے جو اسی باب کے آخر میں ہے)

② حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سوء اختیار میں صرف ہر میں غبن فاحش اور عدم کف ذکر فرماتے ہیں، اور تناسب عمر کفو میں شرط نہیں،

③ شامیہ کی مذکورہ عبارت لزم احالۃ المسأله الخ میں دلالت ملینہ ہے کہ سوء اختیار مذکورہ بالا دو امور ہی میں منحصر ہے،

④ کفو میں ہر مثل کے ساتھ غیر الاب والجد کا کیا ہوا نکاح مطلقاً بلا احتراز سوء اختیار و بلا قید تناسب عمر وغیرہ کے صحیح ہے تو اب اور جد کا کیا ہوا نکاح بطریق اولیٰ صحیح ہوگا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدم تناسب عمر میں سوء اختیار نہیں،

⑤ تناسب عمر کا کفو میں داخل ہونا تو درکنار اسے تو ان عیوب میں بھی شمار نہیں کیا گیا جن کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوتا ہے،

⑥ غنیم وغیرہ کے مسائل میں سقوط حق فسخ کے لئے ایک دفعہ جماع کافی سمجھا جاتا ہے، اور صغیر کے متعلق ظن غالب ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد باقاعدہ جماع کرتا رہے گا، معلوم ہوا کہ سورۃ اختیار یا عیوب مجیزہ للفسخ میں اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ عورت کا مالی نقصان نہ ہو، یا زوج میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کی وجہ سے عورت اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند نہ کرے، عورت کی تسکین شہوت کو مد نظر نہیں رکھا گیا، ورنہ ساری عمر میں ایک دفعہ جماع کر لینا غنیم سے عدم تفریق کے لئے کافی نہ سمجھا جاتا،

⑤ سندھ میں رضیہ کا نکاح بالغ سے کرنا یا بالعکس معیوب اور سورۃ اختیار نہیں سمجھا جاتا بلکہ ہر امیر و غریب، عالم و جاہل، مدعی عقل و فراست، بڑے سے بڑا شریف اس ظلم کا مرتکب ہے، غرضیکہ عدم تناسب عمر کو سورۃ اختیار میں داخل کرنا صحیح نہیں، خصوصاً سندھ کے عرف میں، البتہ بضرورت شدیدہ مذہب مالکیہ کے مطابق عدم نفقہ کی بناء پر حاکم سے نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۵ رجب ۱۳۳۷ھ

ولی اقرب نابالغ ہو تو ابعدا کو ولایت نکاح ہے :

سوال : ایک نابالغ لڑکی کا نابالغ بھائی موجود ہے، اس کا نکاح چچا نے کر دیا تو جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

جائز ہے، قال فی شرح التئویر قلوزوج الابعدا حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ، وفی الشامیۃ (قوله حال قیام الاقرب) ای حضورہ وهو من اهل الولاية اما لو کان صغیراً او مجنوناً جاز نکاح الابعدا ذخیرۃ (رد المحتار ج ۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

ولی ابعدا کی موجودگی میں اقرب نابالغ کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے :

سوال : ایک صغیرہ لڑکی کے صغیر بھائی نے والدہ کی رضامندی سے صغیرہ بہن کا نکاح کر دیا، حالانکہ اس صغیرہ کا چچا اس نکاح میں راضی نہیں اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

یہ نکاح چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اس نے صراحتاً یا دلالتاً اجازت دیدی تو صحیح

ہو جائے گا اور اگر رد کر دیا تو باطل ہو جائے گا، اگر لڑکی کے بھائی یا خود لڑکی کے بلوغ تک چچا خاموش رہا تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا، پس اگر لڑکی اپنے بھائی سے پہلے بالغ ہوئی تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، بھائی کو بعد بلوغ کوئی اختیار نہ ہوگا، اور اگر اس کا بھائی پہلے بالغ ہوا تو لڑکی کے بلوغ تک اس کو اجازت یا رد کا اختیار ہے، مگر لڑکی کے بلوغ تک خاموش رہا تو اس کا اختیار بھی ختم ہو جائے گا، اور نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا، قال فی شرح التنبیہ فی باب الولی ہوش عا البالغ العاقل الوارث ولو فاسقا علی المذہب ما لم یکن متہتکا وخرج نحو صبی ووصی مطلقا علی المذہب (رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۶) وایضاً فی صغیرۃ زوجت نفسہا ولی ولا حاکم ثمة توقفت ونفذ باجارتہا بعد بلوغہا لان لہ مجیزاً وہو السلطان رالی ان قال، فلوزوج الابلعد حال قیام الاقرب امی حضورہ وھو من اھل الولایۃ اما لو کان صغیراً او مجنوناً اجاز نکاح الابلعد ذخیرۃ (قولہ توقف علی اجازتہ) تقدم ان البالغة لو زوجت نفسہا غیر کفء فللولی الاعتراض ما لم یرض صریحاً ودلالة کقبض المهر ونحوہ فلم یجعلوا سکوتہ اجازۃ والظاهر ان سکوتہ هنا کذلک فلا یكون سکوتہ اجازۃ لنکاح الابلعد وان کان حاضراً فی مجلس العقد ما لم یرض صریحاً ودلالة تأمل (رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۳) وایضاً فی قبیل باب المهر سیجی ع فی البیوع توقف عقودہ (رای الفضولی) کلہا ان کان لہا مجیز حالۃ العقد الا تبطل (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۴۸ھ

خیار بلوغ سکوت سے باطل ہو جاتا ہے :

سوال : ایک نابالغ لڑکی کا چھوٹے چچا نے اپنے بیٹے کے ساتھ نکاح کر دیا، دوسرے دو بڑے چچا اور ایک نانا راضی نہیں تھے، جب علماء سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ لڑکی جب بالغ ہوگی تو اس کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، لڑکی جب بالغ ہوئی تو اس نے بلوغ کے بعد چند قدم چل کر لوگوں کو آکر کہا کہ میں بالغ ہو گئی ہوں، لہذا مجھے یہ نکاح قبول نہیں ہے ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ لڑکی نے چند قدم چل کر لوگوں سے آکر کہا ہے، اس لئے تاخیر ہو گئی ہے، لہذا اب نکاح فسخ نہیں ہوا، کیا یہ صحیح ہے ؟

بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر لڑکی بلوغ کے بعد فوراً فسخ کرتی اگرچہ تنہائی ہی میں تھی تو نکاح فسخ ہو جاتا، ذرا سی تاخیر سے بھی خیار بلوغ باطل ہو جاتا ہے، اس لئے یہ نکاح قائم ہے، قال فی التئویر و بطل خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولا یستدل الی آخر المجلس، وفي الشرح لانه كالشفعة، وفي الشامیتہ (قولہ ولا یستدل الی آخر المجلس) ای مجلس بلوغہا و علمہا بالنکاح کما فی الفتح ای اذا بلغت و هی عالمۃ بالنکاح او علمت بہ بعد بلوغہا فلا بد من الفسخ فی حال البلوغ او العلم، فلو سکت ولو قلیلاً بطل خیارہا ولو قبل تبدل المجلس (قولہ لانه كالشفعة) ای فی انہ یشرط الثبوت ہا ان یطلبہا الشفیع فور علمہ فی ظاہر الروایۃ حتی لو سکت لحظۃ او تکلم بکلام لغو بطلت (رد المحتار ص ۳۳۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲، صفر ۱۲۹۶ھ

بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں:

سوال: بالغ لڑکی نے بلا اذن ولی غیر کفو میں نکاح کر لیا تو کتب فقہ کی تصریح کے مطابق یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق یا متارکت ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق یا متارکت کی ضرورت نکاح فاسد میں ہوتی ہے، بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح فاسد نہیں بلکہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا، اس لئے اس میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں، قال فی العلائیۃ ویفتی فی غیر الکفۃ بعد م جوازہ اصلاً و هو المختار للفتویٰ لفساد الزمان، وفي الشامیۃ و هذا اذا كان لها ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعده بحر و اما اذا لم یکن لها ولی فهو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقاً کما یأتی (الی ان قال) وقول البحر لم یرض بہ یشمل ما اذا لم یعلم اصلاً فلا یلزم التصحیح بعدم الرضا بل السکوت منه لا یشمل ما اذا کان رضا کما ذکرنا فلا بد حینئذ لصحة العقد من رضا صریحاً فلو سکت قبلہ ثم رضی بعده لا یفید فلیتأمل (رد المحتار ص ۳۲۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳، محرم ۱۴۰۰ھ



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَهُ انِّي بَعْدُ



کشف الغبار عن مسألة سؤ الاختیار



مسألة فقہیہ "سؤ الاختیار" سے متعلق مشہور ماہرین قار
کے مختلف فتاویٰ پر محققانہ سیر حاصل بحث

کتبہ فاروق

تحقیق مسالۃ سوء الاختیار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسالۃ سوء الاختیار سے متعلق خیر المدارس ملتان اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے دو منتضاد فتاویٰ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آئے، حضرت مفتی صاحب نے جواب تحریر فرمانے کے بعد اس کی نقل بندہ کو عنایت فرما کر اس پر اظہارِ رائے کا حکم فرمایا، میں نے جواب کے مطالعہ کے دوران اس سے متعلق مختصر طور پر چند یادداشتیں تحریر کر لیں، اور اس خیال میں رہا کہ کسی موقع پر حاضر خدمت ہو کر بالمشافہہ معروضات پیش کروں گا مگر حضرت کی مسلسل بیماری کی وجہ سے اس کی نوبت نہ آئی، حتیٰ کہ حضرت کی یہ تحقیق آپ کی کتاب ”جواہر الفقہ“ میں شائع ہو گئی، پھر سوچا کہ مسئلہ کی اہمیت اور سخت ضرورت کے پیش نظر اسے اجتماع غور کے لئے دارالعلوم، مدرسہ نیوٹاون اور دارالافتاء والارشاد کی مشترک مجلس تحقیق میں رکھا جائے مگر مجلس تحقیق کے اجتماع سے قبل ہی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس مسافر خانہ سے وطن شریف لے گئے، اور ساتھ ہی مجلس تحقیق بھی اپنے سرپرست سے محروم ہو جانے کی وجہ سے مرحوم ہو گئی، حضرت کے انتقال پر تقریباً تین ماہ گزر چکے ہیں مگر اب تک میری حالت یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمیق بات ذہن میں آتی ہے تو فوراً بیساختہ شوق اٹھتا ہے کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں گا، بعد میں خیال آتا ہے کہ اُف! وہ پیکرِ شفقت و مجسمہ محبت آج ہم میں نہیں، آج کوئی علمی تحقیق تصویب کے لئے کس کے سامنے پیش کروں؟ کوئی نکتہ کس کے سامنے بیان کر کے اس کے چہرہ کی بشارت اور دلکش مسکراہٹ میں سرورِ قلب کا مشاہدہ کروں؟ ایک لطیفہ تو شاید زندگی بھر نہ بھولوں گا بھول بھی کیسے سکتا ہوں؟ سفر مبارک، رفیق سفر بلکہ امیر سفر مبارک، مقام مبارک، وقت مبارک اور اس کے علاوہ لطیفہ بذاتِ خود مبارک، ایک بار سفرِ عمرہ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مدرسۃ العلوم اشرفیہ کی بالائی منزل کے ایسے کمرہ میں قیام تھا کہ روضۃ النور علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر نظر پڑتی تھی، حضرت مفتی صاحب تلاوت فرما رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰہِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ تَوٰزٰرَہُ بَے تکلفی و شفقت مجھ سے فرمایا کہ ”یہاں اسمعیل کو ابراہیم کے ساتھ متصل کیوں نہیں ذکر کیا گیا؟“ میں نے عرض کیا کہ یہ امتحان کسی غیر مفتی کا لیا ہوتا تو کچھ لطف بھی آتا، مفتی کے لئے تو اس کا جواب بہت آسان ہے، قاعدۃ فقہیہ کے مطابق

میں نے اس کا جواب عرض کر دیا، بہت محظوظ ہوئے، اب نظر ایسی شخصیت کی تلاش کے لئے گرد و پیش میں چکر لگا کر عالم مایوسی میں واپس لوٹ آتی ہے، اِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ،

پس سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں رہی کہ میں مسئلہ مذکورہ سے متعلق ارباب فتویٰ کے غور و فکر کے لئے اپنے خیالات تفصیل سے تحریر کر دوں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کسی کو فائدہ پہنچا دیں، وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ، اَوَّلَ اسوال اور اس کے مختلف جوابات نقل کئے جاتے ہیں، اس کے بعد اپنی معروضات پیش کر دوں گا، وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ،

سوال؛ کیا فرماتے ہیں علماء دین اندرین مسئلہ کہ مسمیٰ زید ناحق طور پر قتل کے کیس میں مآخوذ ہو گیا، جس میں چار واقعی قاتل تھے، مسمیٰ زید ناحق تھا، کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء، مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح کی تجویز کرتے رہے، کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں، اور سزا کا خطرہ غالب تھا، بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلوں کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں اور مقتول کے ورثہ سیشن کی عدالت میں اپنے گواہاں بٹھا دیں گے، چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا، تین شیرخوار لڑکیوں کے عقد کر دیئے گئے، مسمیٰ زید کی لڑکی کا عقد اس پینتیس سالہ آدمی سے جو مقتول کا بھائی اور بوفرمزاج آدمی تھا زید کی اجازت سے کر دیا گیا،

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی، جس سے پانچوں ملزموں کو حکم سزائے موت سنایا گیا، چار ہزار روپے تو ثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کر دیا کہ تم نے دھوکا کیا ہے، لہذا تم اس کے حقدار نہیں، مگر عقد تو پہلے ہو چکے تھے، اب دس پندرہ سال کے بعد زید کی لڑکی جو ان ہوئی تو اس نے اپنے عقد کی تنسیخ کا اعلان کر دیا، اور شہادتیں فراہم کیں، اب شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جبکہ موت و حیات کی کش مکش میں پھنسا ہوا تھا اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیرخوردہ کا عقد کر دیا تھا، پھر ایک بونصر طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جبکہ اس ہندہ مظلومہ کو وہاں ذلت و خواری نصیب ہوگی شرعاً عقد درست ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی ہندہ کسی دوسری جگہ عقد کر کے شریفانہ زندگی گزارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتداء ہی سے باپ سی اختیار نہیں ہو؟ جس میں مسامحہ کو حق بل سکتا ہے یا نہیں؟ بینو تو جو را

الجواب؛ از خیر المدارس ملتا ہے:

صورت مسئلہ میں بتقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا، لڑکی مذکورہ آزاد ہو

جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، ہوا در النواذج ۱ ص ۹۶ میں ہے کہ اگر نابالغ کا نکاح باپ دادا نے کیلئے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طبع زری سے کیلئے، اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی
خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی برفائے دربار دوسری جگہ بلا تلیسج عدالت نکاح کر لیا اور تقریباً نو دس ماہ سے وہاں راضی خوشی آباد ہے، اب فریق اول نے اس کے خلاف وادیا کیا کہ پہلا نکاح صحیح تھا، اب نکاح پر نکاح ہو گیا، نکاح خواں ثانی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے، اور اس امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے، انھوں نے کچھ فتوے بھی منگوائے کہ باپ کا کیا ہوا عقد ہے جو صحیح ہے، کیونکہ اس نے جیل سے اجازت دی تھی چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے؛

جواب مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی:

① درست ہے، نابالغ کا نکاح باپ کا کیا ہوا فسخ نہیں ہو سکتا، سولے ایک صورت کے بیکہ باپ معروف بسور الاختیار ہو، یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصالح کے خلاف لگانے میں مشہور و معروف ہو، اور مشہور و معروف ہونے کا کم از کم درجہ یہ ہے جیسے فتاویٰ شامی میں ہے کہ اپنا اختیار ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصالح لڑکی کے کرچکا صرف اسی وقت غلط طریقہ اختیار کرنے سے معروف بسور الاختیار نہیں ہو سکتا، اس لئے باپ کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا، اب جس طرح ہو سکے زور سے، لالچ سے، جبر سے طلاق مل جائے تو علیحدگی ہو سکتی ہے،

② سیعی الاختیار ہونے سے اختیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا، معروف بسور الاختیار ہونے سے حاصل ہوتا ہے، جس کا مطلب، میں عرض کر دیا گیا ہے،

کتبہ جمیل احمد تھانوی

مفتی جامعہ شرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۳۲۸ م

حضرت والا! آپ اس کے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں، کیونکہ موجودہ دا

میں اس قسم کے کئی عقد ہوئے ہیں، اور نتیجہ سوائے غیر آبادی کے اور کچھ نہیں، اور حصول طلاق بھی مخالفین سے مشکل ہے، اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی دشوار ہے، کیا معروف بسوء الاختیار کی جو تشریح علامہ شامی نے کی ہے یہ ان کی رائے نہیں ہے؛ جبکہ صاحب فتح القدیر، بحر الرائق، فتاویٰ خیریہ، درمختار میں بسوء الاختیار کے لئے واقعہ اول شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے،

الجواب؛ از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ :
حامداً ومصلياً،

صورت مسئلہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ اختیار فسخ حاصل ہوگا، وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے، شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتی ہے، خود بخود نکاح باطل نہیں ہوگا، اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کر لیا ہے تو وہ شرعاً صحیح و درست ہے، لاہور کے فتوے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے اس لئے اختیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، یہ اس معاملہ میں صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ باپ کا بسوء اختیار اس معاملہ میں ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہو سکتا، اور علامہ شامی نے جو فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو، کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے بوجھتے ہوئے اس کے مصالح کے خلاف کر چکا ہو تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہو گیا، کیونکہ اس وقت وہ بسوء اختیار میں مشہور نہیں تھا دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کرے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا، یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے، خصوصاً جبکہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے وہ کوئی یقینی وجہ نہیں، لکھتے ہیں ثوکان المانع مجرد تحقق سوء الاختیار بدون الاشتہار لزوم أحالة المسألة أعني قولهم ولزم النكاح ولو بغين فاحش أو بغير كفء أن كان الولي أباً أو جداً،

(دشامی ص ۳۳۰ ج ۲ مصری)

مع یہ وجہ شامی نے خود لکھی ہے، فتح القدیر سے نقل نہیں کی ۱۲ رشید احمد

اس کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے، تو تحقق سوء اختیار کا متیقن ہے، اگر صرف تحقق سوء اختیار کا کافی ہوتا تو آگے یہ شرط لکھیں بسوء الاختیار بے فائدہ ہو جاتی ہے، اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں، بعض اوقات ایک شفیق اور عقلمند باپ ہر کی کن یا غیر کفو میں ہونے پر اس لئے راضی ہو جاتا ہے کہ دوسرے مصلحتوں میں محسوس کرتا ہے، مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہو اور ہر بھی ہر مثل سے کم دے رہا ہے مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے خوشگوار رہنے کی قومی امید ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب ہر مثل سے کم پر عقد کیا یا غیر کفو میں کیا تو سوء اختیار محقق ہو گیا، وہ سوء اختیار نہیں، دانشمندانہ مصلحانہ اختیار ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصل عبارت لعمریہ بسوء الاختیار ہے، اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے، لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہ رکھا، جب یہ بات مشتبہ نہ رہے تو حکم یہی ہو گا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے، اس جملے لعمریہ کی شرح جو در مختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی وہ یہ ہے مجانۃ و فسقا یعنی باپ کا بیہودہ، بے پردہ یا فاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کر دیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہو گیا، اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم و ترار دینے کی وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بنا پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیاء امتیاز دیا گیا ہے، یعنی باپ دادا کا دافر شفتت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر ہونا، اور جب واقعہ سوال کی طرح بلا اشتباہ ثابت ہو جائے کہ باپ نے خالص اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے، لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں، تو باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہو گئے، خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ و فسقا کی شرح میں بحوالہ شرح محح یہ نقل کیا ہے: حتی لو عرف من الالب سوء الاختیار لسفہہ او لطبعہ لایجوز عقدہ اجماعاً اھ (شامی) اس میں محض باپ کی سفاہت (بیوقوفی) اور طبع زر ثابت ہو جانے پر عدم العقد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے، اور اس پر شامی نے بھی کچھ اختلاف نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی نے بحوالہ فتح القدیر جو کچھ لکھا وہ محض ایک بحث ہے، نہ فتح القدیر کا فتویٰ اور فیصلہ، نہ خود علامہ شامی کا، اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود

مسئلہ کی تصریح علت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، علامہ خیر الدین رحلی نے فتاویٰ خیرہ میں اس مسئلہ کی تشریح حسب ذیل الفاظ میں کی ہے، اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضح بھی موجود ہیں: (سئل) فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار وعدم النظر فی العواقب اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير والشر بغیر کفء هل یصح أم لا؟ (اجاب) قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرفت من الاب سوء الاختیار لسفہ او لطبعه لا یجوز عقده اتفاقاً ومثله فی الدرر والغرو قال فی البحر فی شرح قول لکنز ولو زوج طفله غیر کفء او بغین فاحش صح ولم یجز ذلك لغير الاب والجد اطلق فی الاب والجد وقیده الشارحون وغیرہم بان لا یكون الاب معروفاً بسوء الاختیار حتی لو کان معروفاً بذلك مجاناً وفسقاً فالعقد باطل علی الصحیح قال فی فتح القدر ومن زوج ابنته الصغیرة القابلة للتخلق بالخير والشر من یعلم انه شریر او فاسق فهو ظاهر سوء اختیاره ولان ترك النظر ههنا مقطوع به فلا یعارض ظهور ارادة مصلحة تفوق ذلك نظراً الى شفقة الابوة ثم قال وقد وقع فی اکثر الفتاویٰ فی هذه المسألة ان النکاح باطل فظاہرہ انه لم ینعقد، وفی الظہیریۃ یفرق بینہما ولم یقل انه باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرۃ فی قوائم النکاح باطل ای یبطل انتہی کلام البحر، والمسألة شہیرۃ (فتاویٰ تحیریۃ ص ۲۳)

عبارت مذکورہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدر کے حوالہ سے یہ جو لکھا گیا ہے لان ترك النظر ههنا مقطوع به، اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ، فقط ترك شفقت کا قطعی بلا شتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ فتح القدر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے، ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لاہور کا فتویٰ مرجوح ہے، اسی طرح ملتان کے فتاویٰ میں بھی جو یہ لکھا گیا ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لڑکی آزاد ہے جہاں چاہے نکاح کرے یہ بھی صحیح نہیں، جیسا کہ فتاویٰ خیرہ کی تصریح سے معلوم ہوا، کہ جس کسی نے اس نکاح کو باطل کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کر کر باطل ہو سکتا ہے،

ملتان کے قومی میں جو حوالہ بوار النوار کا دیا گیا ہے صاحب خیرہ کی توجیہ کے مطابق اس کا بھی یہی مفہوم متعین ہے کہ بخیار بلوغ یہ نکاح مرتفع ہو سکتا ہے، ثم اعلم ان ما من من النوازل من ان النکاح باطل معناه انه سيبطل كما في الذخيرة لان المسألة مفروضة فيما اذا المترض البنت بعد ما كبرت كما صرح به في الخانية والذخيرة وغيرهما وعليه يحمل ما في القنية زوج ابنته الصغيرة من رجل ظنه حرا لاصل وكان معتقاً فهو باطل بالاتفاق اه (رشامی ص ۲۳۰) اس لئے مسئلہ مذکورہ کا صحیح جواب یہی ہے جو شروع میں لکھا گیا ہے، کہ صورت مندرجہ سوال میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بھی نابالغہ کو بخیار فسخ ملے گا، شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرا لے تو فسخ ہو جائے گا، اور نکاح ثانی کی اجازت ہو جائے گی، واللہ اعلم،

بندہ محمد شفیع

دارالعلوم کراچی ۱۲/ ۱۴

الجواب باسم ملہم الصواب

مسئلہ زیر بحث میں تین امور تحقیق طلب ہیں:

- ① سورۃ الاختیار کا مطلب، نزولی کا سورۃ الاختیار معروف و مشہور ہونا ضروری ہے، یا کہ سورۃ الاختیار کا صرف تحقق و یقین بھی کافی ہے؟
- ② سورۃ الاختیار کی صورت میں نکاح بالکل باطل اور کالعدم ہے یا کہ نکاح صحیح ہے اور منکوحہ کو بخیار بلوغ ہے؟
- ③ اگر نکاح صحیح ہے تو منکوحہ بعد بلوغ خود نکاح فسخ کر سکتی ہے یا کہ اس میں قصاص قاضی شرط ہے؟

تفصیل سورۃ الاختیار

سورۃ الاختیار کے مفہوم میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے، بعض اسے تزویج کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، اور بعض نے عام بمعنی ما جن و متہتک لیا ہے، تال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب الولی تحت (قوله ما لم یکن متہتکاً) وبہ ظہر ان الفاسق المتہتک وهو بمعنی سیئ الاختیار ل تسقط ولایتہ مطلقاً لانه لو زوج من کفء ببہر مثل صحیح کما سیأتی بیانہ (رد المحتار، ص ۲۳۱) وقال الواضح لم یظہر مما سبق ان الفاسق المتہتک هو بمعنی سیئ الاختیار

ولا يلزم من وجود احد هما وجود الآخر كما هو ظاهر نعم قد يتحقق معناه في شخص واحد فعلى هذا اذا كان الولي متهمًا أو سيئ الاختيار لا يصح تزويجه بنقص عن مهر المثل أو من غير كفء والتحريم المختار ص ۱۸۲ ج ۱

یہ اختلاف لفظ ہے جس کا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ متہتک اور سیئ الاختیار کا حکم واحد ہے، حاصل یہ ہے کہ باپ بے غیرت، طامع یا سفیہ ہو، اب رہی یہ بحث کہ باپ کا ان عیوب میں معروف و مشہور ہونا ضروری ہے یا کہ ان عیوب کا صرف تحقق ہی کافی ہے؟ سو مخفی نہیں کہ عیوب مذکورہ کا تحقق اور ان میں معروف ہونا تقریباً متلازم ہیں، یعنی جس شخص میں یقینی طور پر یہ عیوب پائے جاتے ہیں وہ عموماً ان عیوب میں معروف بھی ہوتا ہے، اس لئے معروف بسوء الاختیار کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، ورنہ اصل مقصد تحقق و یقین ہے، چنانچہ ماجن، متہتک، اور سکران میں کسی نے بھی معروف ہونے کی شرط نہیں لگائی، تنویر میں ہے: لم يعرف منہما سوء الاختیار وان عرف لا، اور شامیہ میں شرح الجمع کے حوالہ سے نیز درر میں "عرف منہ سوء الاختیار" کے الفاظ ہیں، جن کی دلالت شہرت کے بجائے تحقق پر زیادہ ہے، پھر یہ الفاظ صاحب درر کے اپنے نہیں، بلکہ "قالوا" کے لفظ سے اس جملہ کو عامۃ الفقہاء کی طرف منسوب فرمایا ہے (درر الحکام ص ۳۳ ج ۱) منحة الخالق میں رملی سے "ان علم سوء قد بیوه" نقل کیا ہے، اس سے محض تحقق و یقین ثابت ہوتا ہے، شامیہ، بحر اور خیر یہ وغیرہ میں جو معروف کا لفظ لائے ہیں اور پھر تحقق و شہرت میں فرق کیا ہے ان سب کی بناء ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بحث پر ہے: (قوله واذا زوج الاب ابنته الصغيرة ونقص من مهرها او ابنه الصغير وزاد في مهر امرأته جاز ذلك عليهما) ولزم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سواء كان بغبن فاحش او قليل وثبت المال كله في ذمة الصغير في الثانية لافي ذمة الاب سواء كان الاب موسراً او معسراً فيقضيہ من مال الصغير وقال لا تجوز الزيادة والنقص الابما يتغافل فيه الناس، وعلى هذا الخلاف تزويج الاب ابنته من غير كفء، ويجب ان يكون معنى هذا عدم الكفاءة في غير الديانة واما فيها فلا لما قالوا لو كان الاب معروفاً بسوء الاختيار مجانة وفسقا كان العقد باطلاً على قول ابی حنیفۃ علی الصحیح ومن زوج بنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير والشر ممن يعلم انه شرير فاسق ظہر سوء اختياره ولان ترك النظر هنا مقطوع به فلا يعارضه ظهور ارادة مصلحة تفوق

ذلك نظراً الى شفقة الابوة وما في النزاع من زوج ابنته الصغيرة ممن ينكر انه يشرب
المسكر فاذا هو من من له وقالت لا ارضى بالنكاح يعني بعد ما كبرت ان لم يكن يعرفه
الاب بشربه وكان غلبة اهل بيته صالحين فالنكاح باطل لانه انما زوج على ظن
انه كف يفيد خلافة اذ يقتضي انه لو عرفه الاب انه يشربه فالنكاح فاذ هو
ينافي ما قرر من ان الاب اذا عرفت بسوء الاختيار لا ينفذ تزويجه من غير كف
والجواب انه لا تلازم بين ثبوت سوء الاختيار وتيقنه وبين كونه معروفاً به
فلا يلزم بطلانه عند تحقق سوء الاختيار مع انه لم يتحقق للناس كون الاب
العاقده معروفاً بمثله رفتح القدير، ص ۲۳۵، ۲۳۶

فتح القدير کی عبارت مذکورہ نقل کرنے کے بعد شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: والمحتمل
ان المانع هو كون الاب مشهوراً بسوء الاختيار قبل العقد فاذا لم يكن مشهوراً بذلك
ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سيئ الاختيار واشتهر به عند
الناس فلو زوج بنتاً اخرى من فاسق لم يصح الثاني لانه كان مشهوراً بسوء الاختيار
قبله بخلاف العقد الاول لعدم وجود المانع قبله ولو كان المانع مجرد تحقق سوء
الاختيار بدون الاشتهار لزم احوالة المسئلة اعني قولهم ولزم النكاح ولو بغيب جش
او بغير كف ان كان الولي اباً او جداً (رد المحتار ص ۳۳۰، ۳۳۱)

فتح القدير کی بحث مذکور سے یہ سمجھ لیا گیا کہ باپ کا مشہور بسوء الاختيار ہونا ضروری ہے،
پھر شامی کی تحسیر مذکور سے معروف بسوء الاختيار کو اس صورت کے ساتھ خاص سمجھ لیا گیا کہ
باپ پہلے بھی اس قسم کا کوئی نکاح کر چکا ہو، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ دونوں خیال خلاف
واقع ہیں، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تزویج بالفاسق کو مطلقاً بسوء الاختيار قرار دیا،
پھر نوازل کے جزئیہ زوج ابنته الصغيرة الخ سے اس پر اشکال ظاہر کیا، پھر تحقق بسوء الاختيار
اور معروف بسوء الاختيار میں فرق بیان کر کے اشکال مذکور کا جواب دیا، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ
اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال تحریر فرما کر فرماتے ہیں کہ باپ تزویج اول سے معروف بسوء
الاختيار ہو گیا، اس لئے تزویج ثانی باطل ہے، ظاہر ہے کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ معروف بسوء
الاختيار کو اس صورت میں منحصر نہیں قرار دے رہے، بلکہ معروف ہونے کی ایک صورت بیان
فرما رہے ہیں، پس اگر باپ میں بے غیرتی، طمع یا حماقت معروف ہو تو اس کی تزویج اول بھی معروف

بسور الاختیار کی تزویج ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی، حیلہ ناجزہ میں معروف بسور الاختیار کی توضیح بالفاظ ذیل فرماتے ہیں:

”یعنی اس کے قبل کوئی واقعہ ایسا نہ ہوا ہو جس کی بناء پر عموماً خیال ہو جاوے کہ یہ شخص معاملات میں لالچ وغیرہ کی وجہ سے مصلحت اور انجام بینی کو مد نظر نہیں رکھتا، پس اگر کوئی شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بد تدبیری میں مشہور و معروف ہو وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کر دے، یا جہر میں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے“ (حیلہ ناجزہ مطبوعہ قرآن محل)

عبارت مذکورہ میں مطلقاً کسی واقعہ سے بد تدبیری میں معروف ہونا لکھا گیا ہے، اس سے قبل خاص طور پر تزویج ہی میں سور الاختیار کے وجود کو شرط نہیں ٹھہرایا گیا، امداد الفتاویٰ میں عنوان ”تفصیل زین سنیہ با شیعہ“ کے تحت فرماتے ہیں:

”اگر نکاح باپ یا دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طبع زرے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی، جیسا سوال میں مذکور ہے، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، (امداد الفتاویٰ مبوب ص ۲۲۴ ج ۲)

امداد الفتاویٰ کی اسی عبارت کو ملتان کے فتویٰ میں بوادرا النوادر سے نقل کیا ہے، اس میں تزویج ثانی تو درکنار مطلقاً معروف و مشہور ہونے کی شرط بھی نہیں لگائی گئی، بلکہ سور الاختیار کے صرف ثبوت ہی کو کافی قرار دیا گیا ہے،

یہاں تک یہ بیان ہوا کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمثیل سے اُن کی طرف یہ منسوب کرنا صحیح نہیں کہ وہ معروف بسور الاختیار کی تزویج اول کی صحت کے قائل ہیں، یا ان کے ہاں بدول تزویج سور الاختیار کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا، ہم اوپر شامی کی عبارت تحریر کر چکے ہیں جس میں انھوں نے سبب الاختیار اور مہتک کو ہم معنی قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بے غرتی اور طبع وغیرہ کے ثبوت سے سور الاختیار محقق ہو جاتا ہے، اگرچہ تزویج کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو،

اب ذرا ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کو زیر غور لائیں ان کو اپنے ایک نظریہ پر سے اشکال رفع کرنے کے لئے سور الاختیار میں تحقق اور شہرت کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت پیش آئی، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ یہ ہے کہ تزویج بالفاسق مطلقاً سور الاختیار ہے، ومرتصہ و

زوج ابنته الصغیرۃ القابلۃ للتخلق بالخیر والشر ممن یعلم انه شریر فاسق فهو
ظاهر سوء اختیارہ الخ، حالانکہ عبارات فقہارِ رحمہم اللہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ تزویج بالفاسق
مجانۃً یا سفہاً ہو تو سوء الاختیار ہے ورنہ نہیں، قال العلانی لم یعرف منہما سوء الاختیار
مجانۃً اَوْ فسقاً، ونقل ابن عابدین عن شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء
الاختیار لسفہہ اَوْ لطعہ الخ (رد المحتار، ص ۳۳۰ ج ۲) وفي الدرر لو عرف منہ سوء
الاختیار لطعہ اَوْ سفہہ الخ (درر الحکام، ص ۳۳ ج ۱) وفي البحر وقیدہ الشارحون
وغيرہم بان لا یكون معرّوفاً بسوء الاختیار حتی لو کان معروفاً بذلک مجانۃً و
فسقاً فالعقد باطل زال البحر الرائق ص ۱۳۵ ج ۲، بلکہ خود ابن ہمام رحمہ اللہ بھی "مجانۃً
و فسقاً" کی قید نقل فرما رہے ہیں، قالوا لو کان الاب معرّوفاً بسوء الاختیار مجانۃً و فسقاً
کان العقد باطلاً الخ (فتح القدیر، ص ۲۲۵ ج ۲) معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ
نفس تزویج بالفاسق ہی کو فسق یا حماقت قرار دے رہے ہیں، یا مجانۃً و سفہاً کو سوء اختیار
کی شرط نہیں قرار دیتے، بلکہ صرف سبب سمجھتے ہیں، بہر کیف مطلقاً تزویج بالفاسق کو سوء اختیار
قرار دینا محل تاویل ہے، بالخصوص اس دور میں تو شاذ و نادر سی کوئی اس سوء اختیار سے بچا ہو
بڑے بڑے مشاہیر علماء اور مدعیانِ تقدس و تقویٰ بھی اس میں مبتلا ہیں، غور کرنے کے بعد
معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ ثمرہ کے لحاظ سے عبارات فقہارِ رحمہم اللہ تعالیٰ
کے خلاف نہیں، اس لئے کہ طبع یا سفہ کا مرض عموماً معروف ہی ہوتا ہے، یا یوں سمجھ لیا جائے کہ
کہ جب تک کوئی شخص اس مرض میں معروف نہیں ہوتا اس وقت تک اس مرض کے تحقق
کا یقین نہیں ہو سکتا، اب ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے مطابق مسئلہ کی تفسیریوں
ہوگی کہ تزویج بالفاسق اگرچہ سوء الاختیار ہے، مگر باپ اگر معروف بسوء الاختیار نہیں تو
اس کا یہ عقد طبع یا سفہ کی وجہ سے نہیں، اس لئے نافذ ہو جائے گا، اور فقہارِ رحمہم اللہ کی عام
عبارات کے پیش نظریوں کہا جائے گا کہ باپ اگر طبع یا سفہ میں معروف نہیں، یعنی یہ مرض اس
میں متیقن نہیں تو اس کی تزویج بالفاسق سوء الاختیار نہیں، لہذا نافذ ہے، پس دونوں نظریات
کا حاصل ایک ہی ہے، اگرچہ نظریہ ثانیہ روایت و درایت ارجح ہے،

اس تقریر سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استحالة ولو کان المانع مجرد تحقق سوء
الاختیار بدون الاشتہار لزم احالة المسألة اعنی قولہم لزم

النکاح ولو بغبن فاحش أو بغیر کفء ان کان الولی ابا أو جدًا، کا حل بھی واضح ہو گیا، یعنی مطلقاً غبن فاحش سے یا غیر کفو میں نکاح کرنا سورۃ الاختیار نہیں بلکہ بدوں کسی جائز مصلحت کے محض مجانۃً یا سفہاً ایسا کیا تو سورۃ الاختیار کہلائے گا، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا تزویج بالفاسق کو سورۃ الاختیار قرار دینا تو پھر بھی کچھ وزن رکھتا ہے، مگر غبن فاحش اور عدم الکفارة غیر الفسق کو سورۃ الاختیار میں داخل کرنا تو کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں، جبکہ اس میں مصالح کا احتمال سب فقہاء بیان فرما رہے ہیں، اگر اس میں سورۃ الاختیار متیقن ہوتا تو حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی ہرگز اجازت دیتے،

اب تک جو تفصیل بیان ہوئی اس کا خلاصہ ایک نظر میں ملاحظہ فرمائیں:

① بے غیرتی، لالچ اور سفہ وغیرہ جیسے عیوب جس میں پائے جائیں وہ بالعموم معروف ہی ہوتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اسے معروف بسورۃ الاختیار سے تعبیر کر دیا ہے، ورنہ درحقیقت ان عیوب کا تحقق و تيقن ہی کافی ہے

② عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سورۃ الاختیار کے ساتھ شہرت کی قید نہیں لگاتے،

③ صرف ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اشکال سے بچنے کے لئے یہ قید لگائی، حالانکہ اس قید کے بغیر بھی کوئی اشکال نہیں، نیز ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ بھی ثمرہ کے لحاظ سے عام عبارات کے خلاف نہیں، کما مرّ تہذیراً

④ امداد الفتاویٰ میں صرف تحقق سورۃ الاختیار کو معتبر قرار دیا گیا ہے، شہرت کی قید نہیں لگائی، حیلہ ناجزہ میں یہ قید ہے، مگر اس سے بھی حصول یقین مقصود ہے، کما مرّ بان الیقین لا یحصل عادةً الا بہ،

⑤ ماجن، مہتک اور سکران میں شہرت کی قید نہیں، پس اگر سیّ الاختیار کو مہتک کا معنی کہا جائے کما قال الشامی، تو اس میں بھی شہرت کی قید کا نہ ہونا ظاہر ہے، اور اگر رافعی کے قول کے مطابق سیّ الاختیار اور مہتک ہر ایک کا مفہوم الگ ایسا جائے تو ایک میں شہرت کی قید نہ لگانے اور دوسرے میں لگانے کی کیا وجہ ہے؟

⑥ بطلان نکاح کی علت عدم النظر کا تيقن ہے جس کے لئے سورۃ الاختیار کا محض تحقق و

تيقن کافی ہے، پس شہرت کی قید کی کیا ضرورت ہے؟

⑦ معروف بسورۃ الاختیار کو اس میں منحصر کرنا کہ باپ پہلے بھی کوئی ایسا عقد کر چکا ہو

نہ کہیں منقول ہے اور نہ معقول،

⑧ تزویج بالغبن الفاحش أو بغیر الکف ولو کان فاسقاً کو علی الاطلاق سورۃ الاختیار قرار دینا صحیح نہیں، بلکہ یہ صرف اس صورت میں سورۃ الاختیار ہوگا جبکہ باپ کی طبع یا سفہ وغیرہ ظاہر ہو،

⑨ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں غبن فاحش یا غیر کفو میں کیا ہوا صغیرہ کا نکاح بہر حال باطل ہے اگرچہ باپ سیئی الاختیار نہ ہو، جب ظلم ظاہر اور ضرورت شدیدہ کے وقت غیر مذہب پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے تو صاحبین کے مذہب پر بطریق اولیٰ گنجائش ہوگی، بلکہ بعض سورتوں میں ظلم صریح سے نجات دلانے کے لئے صاحبین کے مطابق فتویٰ دینا واجب ہوگا،

سیئی الاختیار کا نکاح باطل ہے:

سیئی الاختیار باپ کے صغیرہ کا نکاح غبن فاحش سے کیا یا غیر کفو میں کیا تو یہ نکاح موقوف نہیں، بلکہ منعقد ہی نہیں ہوا، اس لئے بالکل باطل اور کالعدم ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نکاح کو موقوف قرار دیا ہے، اور اس کے فسخ کے لئے خیاری بلوغ کے استعلاء اور قضاء قاضی کو ضروری ٹھہرایا ہے، اور عبارات فقہاء میں ”باطل بمعنی سبطل“ لیا ہے، دلیل میں دو عبارتیں پیش فرمائی ہیں، ایک خیرہ کی اور دوسری شامیہ سے نوازل کی، درحقیقت یہ دونوں عبارتیں صورت زیر بحث سے متعلق نہیں، بلکہ نوازل کے جزئیہ سے متعلق ہیں، جو یہ ہے زوجہ ابنتہ الصغیرۃ ممن ینکرا نہ یشرب المسکر فاذا ہومد من لہ وقالت لا ارضی بالنکاح یعنی بعد ما کبرت ان لم یعرفہ الاب بشر بہ وکان غلبۃ اہل بیتہ صالحین فالنکاح باطل الخ (رد المحتار، ص ۳۳۰ ج ۲)، شامیہ میں تو اس کی تصریح ہے کہ ”باطل بمعنی سبطل“ نوازل کے جزئیہ مذکورہ سے متعلق ہے، باقی رہی خیرہ کی عبارت جو رملی نے بحر سے بالاختصار نقل کی ہے، مگر اختصار میں تسامح ہو گیا ہے، بحر کی اصل عبارت یوں ہے:

واطلق فی الاب والجد وقیدۃ الشارحون وغیرہم بان لا یكون معروفا بسوء الاختیار حتی لو کان معروفا بذلک مجانۃ وفسقاً فالعقد باطل علی الصحیح رثم قال، وذكر اصحاب الفتاوی ان الاب اذا زوج بنته الصغیرۃ ممن ینکرا نہ یشرب المسکر فاذا ہومد من لہ وقالت بعد کبرت لا ارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفہ الاب بشر بہ وکان غلبۃ اہل بیتہ صالحین فالنکاح باطل اتفاقاً

لأنه انما زوج على ظن أنه كفء (رشم قال) وقد وقع في أكثر الفتاویٰ في هذه المسألة
 أن النکاح باطل فظاهره أنه لم یعتقد وفي الظهیریة یفترق بينهما ولم یقل أنه
 باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی قولهم فالنکاح باطل ای یبطل (البحر الرائق
 ص ۱۳۵ ج ۳) اس عبارت میں ظاہر ہے کہ ”ہذه المسألة“ سے وہ مسئلہ مراد ہے جو اوپر متصل
 گذرا ہے، چنانچہ مقام مذکور کے حاشیہ میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ای التي ذکرها
 اصحاب الفتاویٰ“ یعنی وہی نوازل الاجزیہ جسے بحر نے مآل الفتاویٰ کی نظر منسوکی ہے، آگے بقولہ ثم اعلم انه لاخصیة
 اذا علمه فاسقام کے تحت فرماتے ہیں، قال الرملی والحاصل مما تقدم انه ان لم یعلم
 بعدم كفاءته ثم علم فهو باطل ای سید بطل وان علم بما ينظر ان علمه سوء تدبیره
 فكن لك والا فهو صحيح نافذ الخ، فتاویٰ خیریہ کی طرح یہاں بھی رملی نے صورت زیر بحث
 اور جزئیہ نوازل پر ایک ہی حکم لگا دیا ہے، حالانکہ یہ درایت و روایت صحیح نہیں، کما سندن کر
 ان شاء الله تعالیٰ، لہذا یا تو رملی کی عبارت میں تاویل کر کے اسے دوسرے فقہاء کے موافق
 کیا جائے گا، یا تسامح پر محمول کیا جائے گا، صورت زیر بحث یعنی تزویج سیئی الاختیار بغیر
 الکفء سے متعلق عبارات فقہاء ملاحظہ ہوں،

قال العلائی وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران الخ (رد المحتار) ^{۳۳}
 وفي كفاءة الشامية تحت (قوله لا خيار لاحد) كان الظاهر ان يقال لا یصح العقد
 اصلا كما في الاب الماحن والسكران (رد المحتار ص ۳۴۵ ج ۲) وقال ابن نجيم وقيد
 الشارحون وغيرهم بان لا يكون معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذلك
 مجاناة وفسقا فالعقد باطل على الصحيح (بحر، ص ۱۳۵ ج ۳) وقال ابن الهيثم قالوا
 لو كان الاب معروفا بسوء الاختيار مجاناة وفسقا كان العقد باطلا الخ (فتح القدیر ص ۲۲۵ ج ۲)
 وفي البزازية قالوا اذا زوج السكران بنته ونقص عن مهر المثل لا یصح اجماعا
 ريزازية على هامش الهندية ص ۱۱۶ ج ۲) وفي الهندية والخلاف فيما اذا لم یعرف
 سوء اختيار الاب مجاناة او فسقا اما اذا عرف ذلك منه فالنکاح باطل
 اجماعا (عالمگیریہ ص ۲۹۲ ج ۱) وقال ابن عابدین رحمہ الله تعالیٰ تحت (قوله
 مجاناة وفسقا) وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الاب سوء الاختيار لسفه او
 لطبعه لا يجوز عقده اجماعا (رد المحتار ص ۳۳۰ ج ۲)، ان عبارات میں امور ذیل

قابل توجہ ہیں :

- ① ”باطل“ مطلق ہے جس کی کسی نے کوئی تاویل نہیں کی،
- ② ”لا یصح“ اور ”لا یجوز“ عدم انعقاد میں صریح ہے،
- ③ ما جن دسکران سے تشبیہ دی گئی ہے، اور ان کی تزویج غیر کفو میں بالاتفاق منعقد ہی نہیں ہوتی،
- ④ تزویج غیر سیعی الاختیار بغیر الکفء میں امام صاحب اور صاحبین کے مابین اختلاف بیان فرمانے کے بعد تزویج سیعی الاختیار کو ”لا یجوز اجماعاً“ ”لا یصح اجماعاً“ ”لا یصح اتفاقاً“ اور ”باطل اجماعاً“ فرما رہے ہیں، صاحبین کے ہاں یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، پس یہ مسئلہ متفق علیہ اور اجماعی جب ہی ہو سکتا ہے کہ عند الانام بھی عدم انعقاد ہی کا حکم ہو، علاوہ ازیں درایت بھی عدم انعقاد ہی متعین ہے، کیونکہ غیر الاب کا نکاح بغیر الکف منعقد ہونے کی علت دفع ضرر ہے، اور اس علت کا وجود اب سیعی الاختیار میں زیادہ واضح ہے، لہذا یہ بطریق اولیٰ منعقد نہ ہونا چاہیے، بخلاف مسئلہ نوازل کے کہ اس میں باپ سیعی الاختیار نہیں بلکہ مغرور ہے، پھر مسئلہ نوازل میں بھی لفظ ”باطل“ میں کسی تاویل کی کوئی حاجت نہیں، اس لئے کہ ”فالنکاح باطل“ کا تعلق ”قالت لا ارضی“ کے ساتھ ہے، تو عبارت یوں ہوگی: ”ان قالت بعد البلوغ لا ارضی فالنکاح باطل“ اس عبارت کی صحت بدوں کسی تاویل کے ظاہر ہے، ولذا قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة الخالق (قوله ان النکاح باطل) لا یخفی ان قولهم النکاح باطل انما هو بعد ردھا وذلك لا یفید بطلانہ مریضہ (الی قولہ) وقد رأیتہ کذلک فی الغانیة والذخيرة والوالجیة والتجنيس و البرازیة فکلهم ذکرُوا البطلان بعد الرد وهل يتوقف على القضاء لسمارة تأمل البحر الرائق ص ۱۳۵ ج ۳) اس تقریر سے معلوم ہوا کہ نوازل کے حبرزتہ میں ”باطل“ کی شرح ”یَبطل“ سے تو کی جاسکتی ہے ”سیبطل“ سے اس کی شرح کی کوئی گنجائش نہیں سب سے پہلے ”باطل ای یبطل“ صاحب ذخیرہ نے فرمایا ہے، دوسرے سب حضرات ذخیرہ سے نقل کرتے ہیں، نقل میں بعض حضرات سے تسامح ہو گیا کہ ”یَبطل“ کی جگہ ”سیبطل“ نقل کر دیا چنانچہ ابن نجیم فرماتے ہیں: ولذا قال فی الذخيرة فی قولهم فالنکاح باطل ای یبطل (بحر، ص ۱۳۵ ج ۳) اور شامی ذخیرہ ہی کے حوالہ سے فرماتے ہیں ان النکاح باطل معناه انه سیبطل كما فی الذخيرة، اور منحة الخالق سے خود شامی ہی کا فیصلہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ

یہاں لفظ ”باطل“ میں کسی تاویل کی حاجت نہیں، اور اپنی تائید کے لئے ذخیرہ کا بھی حوالہ دیا ہے، اس واضح ہو گیا کہ ”سبطل“ کی تحریر میں یقیناً تسامح ہوا ہے، تقریر مذکور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوازل کے جزئیہ میں بعد البلوغ فرج نکاح کے لئے قضاء شرط نہیں، اس لئے کہ ”ان قالت بعد البلوغ لا ارضی فانکاح باطل“ سے یہی مستبدار ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول منہ الخالق سے اور نقل کیا جا چکا ہے ”دھل یتوقف علی القضاء لمدارہ تاہل“ نیز اس میں ضرر بتی ہونے کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اس نکاح کا ابطال قضاء پر موقوف نہ ہو، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله ولهما خيار الفسخ بالبلوغ الخ) وانما شرط فيه القضاء بخلاف خيار العتق لان الفسخ ههنا لدفع ضرر خفي (الی قولہ) فيفتقر الى القضاء وخيار العتق لدفع ضرر جلی وهو زيادة الملك عليها وللهذا يختص بالانثى فاعتبر دفعها والدفع لا يفتقر الى القضاء (بحر، ص ۱۲۰ ج ۳)

اگر غیر سنی الاختیار باپ نے صغیرہ کا نکاح بدوں شرط کفو کیا، زوج نے بھی کفو ہونے کا اظہار نہیں کیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ کفو نہیں تو اس نکاح میں اختیار فسخ ہے یا نہیں؟ اس میں عبارت مختلف معلوم ہوتی ہیں، حیلہ ناجزہ میں عدم الخیار کو ترجیح دی ہے، درایت بھی یہی رائج معلوم ہوتا ہے کہ باپ نے اس نکاح میں کوئی ایسی مصلحت دیکھی ہوگی جس کی موجودگی میں اس نے تحقیق کفو کی ضرورت نہیں سمجھی، یہ بحث یتیم فائدہ کے لئے درمیان میں لکھ دی گئی، اصل بحث یہ چل رہی تھی کہ سنی الاختیار باپ کا غیر کفو سے کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اس پر واضح دلائل روایت و درایت لکھے جا چکے ہیں، اب حیلہ ناجزہ کا فیصلہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

”غیر کفو کے ساتھ اور غبن فاحش پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں؛
اول یہ کہ وہ شخص نکاح کے وقت ہوش و حواس سالم رکھتا ہو، پس اگر نشہ کی حالت میں ایسا کیا تو نکاح باطل ہی باطل ہے،

دوسری شرط یہ ہے کہ معروف بسوء الاختیار نہ ہو (الی قولہ) اگر وہ شخص لالچ یا ناعاقبت اندیشی کے سبب بد تدبیری میں مشہور و معروف ہو وہ اگر نابالغ بیٹے یا بیٹی کا نکاح غیر کفو سے کرے یا ہرمیں غبن فاحش کرے تو وہ نکاح بھی بالکل باطل ہے“ (حیلہ ناجزہ مطبوعہ قرآن محل ص ۱۳۴)

آگے اختیار کفارت کے باب میں فرماتے ہیں:

دوسری صورت یہ کہ باپ دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا ہو

یا باپ دادا نے کیا مگر وہ معروف بسو الاختیار یا فاسق مہتک ہو وقد متر تفسیر ہما فی خیار البلوغ یا نشہ کی حالت میں نکاح کیا ہو اس صورت میں بھی نکاح باطل ہے، کما مر فی خیار البلوغ مفصلاً (حیلہ ناجزہ ص ۱۲۳)

ان دونوں عبارتوں میں امور ذیل پر توجہ فرمائیں:

- ① سکران کی تزویج بالکل ہی باطل ہے،
- ② سی الاختیار کی تزویج بھی بالکل باطل ہے،
- ③ دلی غیر الاب والجد، باپ اور دادا سی الاختیار، فاسق، مہتک اور سکران سب کا ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے،

④ جن صورتوں میں خیار بلوغ یا خیار نفارت ہو وہ الگ تفصیل سے بیان فرمائی ہیں، امداد الفتاویٰ:

خیار البلوغ کے فتویٰ میں سرمایا گیا ہے کہ امداد الفتاویٰ کی عبارت (جو بواہر النوادر سے نقل کی گئی ہے) میں بھی "باطل" بمعنی "سبطل" ہے، اس لئے امداد الفتاویٰ کی عبارت بھی برائے ملاحظہ پیش کی جاتی ہے، عنوان "تفصیل نکاح زن سنیہ باشیعہ" کے تحت فرماتے ہیں:-

غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا، اور اگر باپ یا دادا نے کیا ہے، اولہ واقعات سے معلوم ہوا ہے کہ طبع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی، جیسا سوال میں مذکور ہے، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، اور اگر منکوحہ بالغ ہے تو اگر اس نے خود اپنا نکاح کر لیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا، اسی طرح اگر ایسے ولی نے کر دیا وہ منکوحہ راضی نہیں، یعنی زبان سے انکار کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا، یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں، (امداد الفتاویٰ ص ۲۲۴ ج ۲)

اس عبارت میں چار صورتوں کا ایک ہی حکم مذکور ہے، تین صورتوں میں بالاتفاق نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا تو چوتھی کا بھی یہی حکم ہوگا، نیز یہاں تو لفظ باطل نہیں بلکہ عدم صحت کا حکم لگایا گیا ہے،

اب اس تحریر سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو گیا کہ سی الاختیار باپ کا غیر کفو میں کیا ہو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا،

شرط قضاء:

اوپر جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسئلہ زیر بحث میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، بلکہ بالکل باطل اور کالعدم ہے تو یہ بحث ہی ختم ہو گئی کہ اس میں قضاء شرط ہے یا نہیں؟ البتہ مسئلہ نوازل میں چونکہ نکاح ہو جاتا ہے، مگر لڑکی کو اختیار کفارت ہے، اس لئے اس میں شرط قضاء کا سوال پیدا ہوتا ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

غور طلب:

یسی الاختیار باپ کے صغیرہ کا نکاح ہر مثل سے کفو میں کیا ہو، مگر اس میں باپ کی طمع اور ذاتی غرض کی وجہ سے صغیرہ پر عدم لہ نظر ظاہر اور متیقن ہو، مثلاً عمر میں بہت زیادہ تفاوت ہو یا زوج دائم المرن یا معتود یا ایاہج وغیرہ ہو، تو یہ نکاح نافذ ہو گا یا نہیں؟ بعض علاقوں میں یہ ظلم عام ہے، اس لئے اہل فتویٰ پر اس طرف خاص توجہ کرنا لازم ہے، بندہ اب تک اس پر جس قدر غور کر سکا اس کا حاصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں غلبہ فسق کی وجہ سے صورت مذکورہ کے اکثر واقعات کا حل تو یوں نکل آتا ہے کہ یسی الاختیار باپ کی تزویج بالفاسق باطل ہے، باقی رہا ساز و نادر کوئی ایسا واقعہ کہ زوج فاسق نہ ہو تو صرف امور مذکورہ کی بنا پر ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ سو فقہ حنفی میں تو اس کا صریح حکم نظر سے نہیں گزرا، البتہ فقہ شافعی کی کتاب شرح المہذب لمحمد نجیب المطعی میں یہ عبارت ہے، قال العمیری ولا یزوج ابنہ الصغیرہ بعجزہ وماتہ ولا بمقطوعۃ الیدین والرجلین ولا عسباء ولا زمنۃ ولا یهودیۃ ولا نصرانیۃ ولا یزوج ابنۃ الصغیرۃ بشیخ ہرم ولا بمقطوع الیدین والرجلین ولا باعنی ولا بزمن ولا بفقر وہی غنیۃ، فان فعل ذلک فسخ، وعندی انہا تحتمل وجہا آخرانہ لا یكون لہ لفسخ بانہ لیس باعظم من زوج ابنۃ الصغیرۃ۔ بمجذوم او برص (شرح المہذب ص ۲۵۲) اس سے ثابت ہوا کہ شوافع کے ہاں امور بالا میں کفارت کے اعتبار کی روایت ہے، احناف کی بھی عبارات ذیل سے اس مسئلہ کے لئے کچھ روشنی ملتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله فاخص من الكل) وقد علمت ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فیدور معہ الخ رد المحتار ص ۳۲۹ ج ۲ وقال الرافعی ان المدار علی استنقاص اهل العرف ممن یعتقد بہم من اصحاب الرائی السدید الموافق لما جاء بہ الشرع والا لزم ہدم کثیر من مسائل الکفاءة المذكورۃ فی کتب الفقہ ولزم

عدم اعتبار دیانۃ والنسب بل یلزم ان المعتبر کثرة المال والجاه تأمل (التحریر المختار ص ۱۹)
 وفي العلامة لکن فی النهر عن المرغینانی المجنون لیس بکف للعاقلة وقال ابن عابدین رحمہ اللہ
 تعالیٰ رقلہ ولا بالعقل قال قاضی خان فی شرح الجامع واما العقل فلا رواية فيه عن اصحابنا
 المتقدمين واختلف فيه المتأخرون اه رقلہ لیس بکف للعاقلة قال فی النهر لانه یفوت
 مقاصد النکاح فکان اشد من الفقر ودناءة الحرفة ویبغی اعتمادہ لان الناس
 یعیرون یتزویج المجنون اکثر من ذی الحرفة الذی ندیئة (رد المحتار ص ۳۵۱ ج ۲)
 وقال الرافعی رقلہ واما العقل فلا رواية فيه عن اصحابنا الخ وما فی النهر عن
 المرغینانی من تخريجات المشایخ فلا ینافی ما هنا من انه لا رواية فيه عن اصحابنا
 ولا ینافی هذا ما قالہ محمد من ان لها الفسخ بالعیوب الثلاثة لان الفسخ فیہا
 لیس باعتبار عدم الکفاءة بل باعتبار ان النکاح یفسخ بهذه العیوب کالبیہم ولذا
 کان لها الاولی (التحریر المختار، ص ۱۹۱ ج ۱)

مذکورہ عبارات کے علاوہ بھی شامیہ اور دوسری کتب میں بھی بہت سی عبارات ہیں جن سے
 ثابت ہوتا ہے کہ مشایخ نے کفارت کو امور مرویہ عن الائمۃ میں منحصر نہیں سمجھا، بلکہ زمانہ کے حالات
 و عرف کے لحاظ سے اس میں مزید غور و فکر کی گنجائش ہے، بناءً علیہ بندہ کی رائے یہ ہے کہ عدم
 تناسب عمر وغیرہ امور مذکورہ میں بطلان نکاح کا فتویٰ تو نہ دیا جائے، اس لئے کہ اُن میں ضرر کے
 وجود و عدم اور شدت و خفت کا فیصلہ اہل الرأی کے غور و فکر کا محتاج ہے، لہذا لڑکی کو خیار بلوغ
 دیا جائے، اور وہ خیار بلوغ کے شرائط معہودہ کے مطابق عدالت میں مقدمہ پیش کرے، حاکم
 اہل الرأی سے حالات کی تحقیق کر کے مناسب سمجھے تو نکاح فسخ کر دے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۸ محرم ۱۴۰۹ھ



باب الرضاع

نانی کا دودھ پینے سے نواسی کے والدین کا نکاح نہیں ٹوٹتا؛

سوال: مندرجہ ذیل سوال و جواب کے متعلق آپ کی کیا تحقیق ہے؟

استفتاء: ایک عورت نے مسئلہ نہ جاننے کی صورت میں اپنی نواسی کو متواتر ڈھائی مہینے دودھ پلایا، اس صورت میں دودھ پینے والی لڑکی کے ماں باپ کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: چونکہ مرضعہ عورت کی اولاد دودھ پینے والے بچے کے ماں باپ پر حرام ہو جاتی ہے، اس لئے نکاح باطل ہو جائے گا، کیا یہ جواب صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق الصواب

اس صورت میں نکاح باطل نہیں ہوتا، لہذا فی العلائق ۷

يفارق النسب الارضاع في صور

كأم نافلة أو جدة الولد

وأم اخت واخت ابن وأخت أخ

وأم خال وعمّة ابن اعتماد

وفي الشامية (قولہ واخت ابن) ای کل منہما رضاعی او الاول رضاعی والثانی

نسبی او العکس بخلاف ما اذا كان کل منہما نسبیًا فلا تحل اخت الابن لانہما اما

بنتک اور بیبتک ومن هنا یعلم ما اذا رضع ولدک من ام امہ فان امہ لا تحرم علیک

لکونہا اخت ابنک رضاعًا افادہ الرملى ط واخت البنت کاخت الابن الخ، وايضاً فی العلائق

وقس علیہا اخت ابنہ وبنتہ وفي الشامية بان تقول انما حرمت علیہا اخت ابنہ و

بنتہ نسبًا لکونہا بنتہ او بنت امرأته وھذا المعنى مفقود فی الرضاع رد المحتار

باب الرضاع ج ۲، فقط والله تعالى اعلم، ۲۹ صفر ۱۴۲۷ھ

صرف قول مرضعہ سے رضاع ثابت نہیں ہوتا :

سوال : صرف مرضعہ کے کہنے سے رضاع ثابت ہوتا ہے یا نہیں ؟ ایسی حالت میں ایسے مرد اور عورت کا نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جروا

الجواب : منه الصدق والصواب

ب
ثبوت رضاع کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے، اگر دو عورتوں میں سے ایک خود مرضعہ ہو تو بھی کافی ہے، صرف مرضعہ کا قول معتبر نہیں، لہذا ایسے مرد و عورت کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے، البتہ اگر مرضعہ کے صدق پر دل گواہی دیتا ہے تو ایسی حالت میں ہتراز بہتر ہے، مگر گنجائش پھر بھی ہے، قال فی شرح التنویر وحجۃ المال وہی شہادة عدلین أو عدل وعدلتین، وفی الثامیۃ ولو احداہما المرضعة الخ (رد المحتار ص ۴۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۵ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : قبل العقد حرمت رضاع قول واحد (مرضعہ یا غیر مرضعہ) سے ثابت ہوگی یا نہیں ؟ دیوبند سے فتویٰ منگوا یا گیا تو انھوں نے لکھا کہ قول واحد کا اعتبار نہیں، مفتی محمد شفیع صاحب کراچی نے بھی یوں ہی تحریر کیا ہے، مگر یہاں ایک مولوی صاحب نے دیوبند کے فتویٰ پر تردید لکھی ہے، اصل فتویٰ مع تردید ارسال خدمت ہے، بعجلت ممکنہ کوئی واضح فیصلہ فرما کر ممنون فرمائیں، والا جر عند اللہ الکریم،

الجواب : منه الصدق والصواب

قبل العقد بھی رضاع میں قول واحد معتبر نہیں، قال فی الہندیۃ ولا یقبل فی الرضاع الا شہادۃ رجلین أو رجل وامرأتین کذا فی المحيط رالی ان قال (وان کان المخبر واحد) ووقع فی قلبہ انہ صادق فالاولیٰ ان یتنزه ویأخذ بالثقتہ وجد الاخبار قبل العقد او بعدہ ولا یجب علیہ ذلک کذا فی المحيط (عالمگیری۲ ج ۲)

فتویٰ دارالعلوم دیوبند کے مستدل جسرئیہ شامیہ لکرن، قال فی البحر بعد ذلک ان ظاہر المتن انہ لا یعمل بہ (ای بخبر الواحد) مطلقاً فلیکن هو المعتمد فی المذہب قلت وہو الصا ظاہر کلام کافی الحاکم الذی جمع کتب ظاہر الروایۃ و فرق بینہ و بین قول

خبر الواحد بنجاست الماء أو اللحم فراجعہ من کتاب الاستحسان، پر مولوی صاحب نے جو اعتراض کیا ہے کہ ”یہ عبارت محض شہادت بعد العقد سے متعلق ہے، اور مطلقاً سے مراد شمول للرضاع الطاری و غیر الطاری ہے نہ کہ شمول للاخبار قبل العقد“ اس اعتراض کے ابطال کے لئے بحر کی اصل عبارت کافی ہے ونصہ والحاصل ان الروایة قد اختلفت فی اخبار الواحد قبل النکاح وظاهر المتون انه لا يعمل به وکن الاخبار برضاع طار فلیکن هو المعتمد فی المذهب (بحر ج ۳ ص ۲۵۰)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵ محرم ۱۳۷۷ھ

حلق میں دودھ پہنچنے کا یقین نہ ہو تو رضاع ثابت نہ ہوگا :

سوال؛ ایک عورت نے ایک بچے کے منہ میں ایسی حالت میں پستان دیا کہ بچہ بیہوش تھا، بچہ نے منہ نہیں بلایا، عورت نے پستان نکال لیا، اس کے بعد بھی کچھ دیر بیہوش رہا، یہ معلوم نہیں کہ دودھ اس کے اندر گیا ہے یا نہیں، زیادہ گمان یہ ہے کہ اس حالت میں دودھ اس کے اندر نہیں گیا، تو شرعاً رضاع کی حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب ومنه الصدق والصواب

جب تک حلق میں دودھ پہنچنے کا یقین نہ ہو جائے حرمت ثابت نہ ہوگی، قال فی شرح التنبیہ فلو التقم الحلمة ولم یدر اذ دخل اللبن فی حلقه ام لا لم یجرم لان فی المانع شکاً، وفي الشامیة معزیاً الی الفتح لو ادخلت الحلمة فی فم الصبی وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشک (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ

عورت دودھ پلانے کے بعد کہتی ہے کہ دودھ نہیں تھا :

سوال؛ ایک عورت کے دس بارہ سال تک اولاد نہیں ہوئی اور اس عورت نے ایک بچہ کو دودھ پلایا، بعد میں کہتی ہے کہ میرے پستان میں دودھ بالکل نہ تھا، یہاں کے لوگ اختلاف کر رہے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اتنی مدت میں دودھ خشک ہو جاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہوتا، کیا ایسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟ بینوا توجروا،
الجواب ومنه الصدق والصواب

حب دودھ کے وجود پر شاہد نہیں اور عورت خود کہتی ہے کہ دودھ نہیں تھا، تو عورت

کا قول معتبر ہوگا، لہذا حرمت ثابت نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر فلو التقم العلمة ولم یدر
ادخل اللبن فی حلقه ام لا لا یحرم، وفي الثامیة عن القنیة امرأة كانت تعطی
ثدیها صبیة واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدی لبن حین القمتها ثدی
ولم یعلم ذلك الا من جهتها جاز لا یبہا ان یتزوج بهذه العبیة ام رد المحتار
ج ۲ ص ۵۵۶، فقط والله تعالیٰ اعلم ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۲۵۵ھ

دو سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاع نہیں ہوتی؛
سوال؛ تین سال کے بچے نے اپنی چچی کا دودھ پیا تو چچا کی لڑکی اس کے لئے حلال ہے
یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حلال ہے، مدت رضاع دو سال ہے، اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، اس سے حرمت
رضاع ثابت نہیں ہوتی، قال فی التنویر ہو حولان ونصف عندہ وحولان عندہما وهو
الاصح، وفي العلائقہ ویثبت التعریم فی المدة فقط رد المحتار ص ۲۳۸ ج ۲
فقط والله تعالیٰ اعلم
۱۵ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ

آیسہ کے پستان کا سفید پانی موجب حرمت رضاع نہیں؛
سوال؛ آیسہ کے پستان سے سفید پانی سی رطوبت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی
یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کی رنگت دودھ جیسی نہیں بلکہ پانی کی طرح ہے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی
قال فی شرح التنویر ولبن بکربنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا جوہرۃ، وفي
الثامیة ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لها لبن لا تحرم جوہرۃ لانہم نصوا علی ان
اللبن لا یتصور الا من تصور منه الولادة فی حکم بانہ لیس لبنا کما لو نزل للبکر ماء
اصفر لا یثبت من ارضاعہ تحریم کافی شرح الوہبانیۃ رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۲
فقط والله تعالیٰ اعلم
۴ صفر ۱۲۹۳ھ

کتاب الطلاق

دفعۃً تین طلاقیں دینے سے مغلط ہو جائے گی:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں لکھ کر بھیجیں تو اس صورت میں تین طلاقیں ہوں گی یا ایک؟ بینوا تو جروا،

الجواب: منہ الصدق والصواب

اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں، قال فی التنبیہ قال لموطوءتہ وہی مسن تعیض انت طالق ثلاثا للسنة وقع عند كل طهر طلقة وان نوى ان تقع الثلاث الساعة او كل شهر واحدة صحت نيته وفي الشامية (قوله ثلاث متفرقة) وكذا بكلمة واحدة اولی (الی ان قال) وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۶)، فقط والله تعالى اعلم،

۴/ صفر ۱۳۷۲ھ

غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے کا حکم:

سوال: غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں دینے سے مغلط ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب: ومنہ الصدق والصواب

غیر مدخول بہا کو تین طلاقیں تین لفظوں سے دی ہیں تو مغلط نہیں ہوتی، صرف ایک بات واقع ہوگی، اور اگر بیک لفظ تین طلاقیں دی ہیں (مثلاً کہا تجھے تین طلاق) تو مغلط ہو جائیگی، قال فی التنبیہ قال لزوجته غیر المدخول بہا انت طالق ثلاثا وقعن وان فرق بانث بالاولی ولم تقع الثانية، وفي الشرح (بانث بالاولی)، لا الی عنده فلذا لم تقع

الثانیة) بخلاف الموطوءة حیث یقع الكل رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم
۲۲ ذیقعدہ ۱۲۷۲ھ

گونگے کی طلاق کا حکم :

سوال : ایک گونگے شخص نے کچھ اشارات کئے، حاضرین نے سمجھا کہ بیوی کو طلاق دی رہا ہے، بعد تحقیق گونگا کہتا ہے کہ میں نے اشارے طلاق کے لئے نہیں کئے، بلکہ چوری ہو گئی ہے اس سے متعلق لوگوں کو کہتا ہوں، اب یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ بالفرض اگر طلاق ہو گئی تو گونگے کا یہ انکار رجوع کہا جائے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

گونگے کی طلاق تب واقع ہوگی کہ اس کے اشارہ میں سوائے طلاق کے اور کوئی احتمال نہ ہو صرف طلاق ہی کے لئے معین ہو، لہذا صورت سوال میں طلاق نہ ہوگی قال فی العلائیة ویقع طلاق کل زوج (الی قبلہ) واخرس باشارتہ المعهودة فانها تكون كعبارة الناطق استحساناً، وفي الشامية (المعهودة) ای المقرونة بتصويت منه لان العادة منه ذلك فكانت الاشارة بياناً لما اجمل الاخرس (رد المحتار ج ۲) وفي الهندية وان لم يكن له اشارة معروفة يعرف ذلك منه او يشك فيه فهو باطل كذا فی المبسوط (عالمگیریہ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول ۱۲۷۲ھ

مجنون کی طلاق نہیں ہوتی :

سوال : مجنون کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی، قال فی العلائیة واهله زوج عاقل بالغ مستيقظ، وفي الشامية (قولہ) واهله زوج عاقل الخ احترازاً بالزوج عن سيد العبد والذ الصغیر وبالعاقل ولو حکماً عن المجنون والمعتوه الخ (رد المحتار ج ۲)، فقط والله تعالیٰ اعلم
۱۶ ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ

سندھ میں ”پھٹی کیم“ طلاق صریح بائن ہے :

سوال : ایک شخص نے عام مجلس میں اپنی بیوی کو تین دفعہ کہا ”پھٹی کیم“ تو طلاق

ہوتی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

طلاق مغلف ہو گئی، سندھی زبان میں ”پھٹی کیم“ چھوڑ دی کے معنی میں مستعمل ہے، جو کہ طلاق صریح ہے، مزید اس میں ”چھوڑ دی“ کے مفہوم کے ساتھ وصف شدت بھی ہے، ”پھٹی کیم“ کا صحیح ترجمہ ”پھینک دی“ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ”تحقیر کے ساتھ پھینک دی“ ہے، شدت و مبالغہ کی وجہ سے لفظ ”حرام“ کی طرح اس سے بھی طلاق بائن ہوگی، اور صریح ہونے کی وجہ سے نیت کی احتیاج نہیں، پھر چونکہ یہ الفاظ تین بار کہے ہیں اس لئے مغلف ہو گئی، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ حرام) وسیاتی وقوع البائن بہ بلانیۃ فی زماننا للعارف فان سرحک کنایۃ لکنہ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح فاذا قال ”راکردم“ ای سرحک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضاً وما ذلک الا لانه غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح ما لم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة كانت الخ (رد المحتار باب الکنایات ص ۵۰۳ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غزہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

حکم طلاق بلا فہم معنی :

سوال : ایک مولوی نے کسی جاہل مرد سے تین طلاقیں عربی زبان میں حاصل کیں، یہ شخص ان الفاظ کے مفہوم اور معنی سے بالکل ناواقف تھا، یہ طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں؟ اور مولوی خطا کار ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تین طلاقیں قضاء واقع ہوں گی دیانۃً نہیں ہوتیں، اور مولوی طلاقیں دلانے والا سخت گنہگار ہے، قال فی العلائیۃ او مخطأ بان اراد التكلم بغير الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق او تلفظ بہ غیر عالم بمعناہ، وفی الشامیۃ (قولہ غیر عالم بمعناہ) کما لو قالت لزوجہا اقرء علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیہما بینہ و بین اللہ تعالیٰ اذا لم یعلم الزوج ولم ینوب جرح عن الخلاصۃ، وایضاً فیہا تحت (قولہ اولم ینوشیئاً) لو لقتہ الطلاق فتلفظ بہ غیر عالم بمعناہ فلا یقع اصلہ علی ما افاق بہ مشایخ اور جند صیانۃ عن التلبیس وغیرہم علی الوقوع

قضاء فقط (رد المحتار، ج ۲)

غرضیکہ اگر یہ معاملہ فیصلہ کے لئے کسی حاکم کے پاس جائے گا تو وہ وقوع طلاق کا حکم دے گا اور اگرہ کم کے پاس معاملہ نہ پہنچا تو اس شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ رہنا جائز ہے، بشرطیکہ عورت کو اس معاملہ کا علم نہ ہو، عورت کو علم ہو گیا تو اسے زوج کے ساتھ رہنا جائز نہیں، کما فی تنقیح الحامدیت المرأة کا لقاضی ومثلہ فی البحرورد المحتار،

مجھے ابھی تک وقوع طلاق قضاء سے متعلق شرح صدر نہیں، ولعل اللہ یحدث بعد ذلك امرًا، دوسرے اہل فتویٰ کی طرف رجوع کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک مولوی صاحب نے ایک جاہل شخص سے یہ الفاظ کہلوائے "طلقت امرأتی ثلاثاً" یہ شخص ان الفاظ کے معانی اور مفہوم سے بالکل ناواقف ہے، تو اس صورت میں اس کی عورت مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

قال فی الہندیۃ واذا قال الرجل لامرأته انت طالق ولا یعلم معنی قوله انت طالق فانه یقع الطلاق واذا قال لامرأته انت طالق ولا یعلم ان هذا القول طلاق طلقت فی القضاء ولا تطلق فیما بینہ وبين اللہ تعالیٰ ھکذا فی الذخیرۃ (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۲۸)

وقال فی شرح التنویر ومخطا بان اراد التکلم بغير الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق او تلفظ بہ غیر عالم بمعناہ، وفي الشامیۃ (قوله غیر عالم بمعناہ) کما قالت لزوجہا اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلاثا فی القضاء لا فیما بینہ وبين اللہ تعالیٰ اذ لم یعلم الزوج ولم یوجر عن الخلصۃ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۸۳) وايضا فیہا تحت (قوله) ولم یوشیئا، لو لقتہ لفظ الطلاق فتلفظ بہ غیر عالم بمعناہ فلا یقع اصلاً علی ما افتی بہ مشایخ اور جند صیائتہ عن التلبیس وغیرہم علی الوقوع قضاء فقط (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں مشائخ اوزجد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو طلاق بالکل نہ ہوگی نہ دیانۃً اور نہ قضاءً اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک صرف قضاء ہوگی، دیانۃً نہ ہوگی،

وجہ ذیل کی بنا پر مشائخ اوزجد کا مسلک رائج ہے، یعنی قضاء بھی طلاق واقع نہ ہوگی:

① قال فی شرح التنویر ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یشترط فیہ الجن والہزل، وفی الشامیۃ لکن قید فی الدرد عدم الاشتراط بما اذا علم ان هذا اللفظ ینعقد بہ النکاح امی وان لم یعلم ما حقیقۃ معناه الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۷)

وایضاً فی الشرح فامین انہ نکاح علی المذہب وفی العاشیۃ قال فی البحر جزاً فی التبیین بانہ لو عقد اب حصرۃ ہند ین لم یرفہما کلاً مہما لم یجز وصحہ فی الجوہرۃ وقال فی الظہیریۃ والظاهر انہ یشترط فہم انہ نکاح واختارہ فی الغانیۃ فکان ہو المذہب (الی قولہ) ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فہم انہ عقد نکاح والقول بعدمہ علی عدم اشتراط فہم معانی الالفاظ بعد فہم ان المراد عقد النکاح (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۵)

وایضاً فیہا فی بیان انعقاد النکاح بالالفاظ المصحفۃ بل قصد حل الاستمتاع باللفظ الوارد شرعاً،

وایضاً فیہا قال العامی جوزت بتقدیم الجیم اوزوزت بالزاء بدل الجیم قاصداً بہ معنی النکاح یصح (الی قولہ) ولا شک ان لفظ جوزت اوزوزت لا یرفہم منہ العاقدان والشہود الا انہ عبارتۃ عن التزوید ولا یقصد منہ الا ذلك المعنی بحسب العرف (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۲)

ان سبب جزئیات سے یہ ثابت ہوا کہ قضاء انعقاد نکاح میں اگرچہ فہم معنی شرط نہیں، مگر فہم مقصد کی شرط میں کچھ اختلاف ہے، اور شامی کی تحقیق سے اشتراط فہم مقصد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، پس اگر یہی معلوم نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لئے ہیں تو قضاء بھی نکاح منعقد نہ ہوگا، اور ان احکام میں نکاح و طلاق مساوی ہیں، قال فی الشامیۃ فاقعوا الطلاق بالالفاظ المصحفۃ مع اشتراط الطلاق والنکاح فی ان جید ہما جید وھزل ہما جید وخطر الفرج، وایضاً فیہا لا فرق ینظہر بین النکاح والطلاق وقد استدلل الخیر الموملی علی

ذلك بما قد مناه من قول قاضيان انه ينبغي ان يكون النكاح كالطلاق الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۲، ۳)
غرضیکہ طلاق و نکاح میں کوئی فرق نہیں، اور اس صورت میں جبکہ الفاظ کے متعلق یہ علم نہ ہو کہ
ان سے نکاح منع ہو جاتا ہے قضاء نکاح نہیں ہوتا تو مقایستہ علی النکاح طلاق بھی قضاء واقع ہوگی،
پس شامیہ کتاب الطلاق کے دونوں جزیئے بھی اس پر محمول کئے جائیں گے کہ شوہر کو ان الفاظ
کا موجب طلاق ہونا معلوم ہو، مگر یہ حمل بعید ہے، نیز عالمگیری کا جزیئہ اس تاویل کو قبول نہیں کرتا، لہذا
ان تینوں جزیئات کو قول مرجوح پر محمول کرنا اقرب ہے، اور ہذا لہاجد سے شبہ نہ کیا جائے
کیونکہ ہزل کے معنی یہ ہیں کہ علم معنی و قصد تکلم دونوں موجود ہوں مگر ترتیب علم کا قصد نہ ہو،

② دیانت و قضاء کا فرق ان مقامات میں ہوتا ہے جہاں کذب و تلبیس وغیرہ کا شبہ ہو،
پس اگر زوج کے متعلق یقین ہو کہ اسے ان الفاظ سے وقوع طلاق کا قطعاً کوئی علم نہیں تو قضاء
بھی وقوع طلاق کا حکم نہ دیا جائے گا،

③ آجکل اس قسم کے فتنے اس قدر کثرت سے اٹھ رہے ہیں کہ ان کے پیش نظر سد الذرائع
وصیائتہ عن التلبیس مشائخ اوزجد کے مسلک ہی پر فتویٰ دینا ضروری ہے، فان
الاحکام تتغیر بتغیر الزمان،

④ زوج مذکور نے الفاظ مذکورہ بطور نقل و حکایت کہے ہیں، نہ بطور انشاء، اور طلاق باب
انشاء سے ہے، لہذا اگر الفاظ کے مفہوم و معانی سے واقف ہو تب بھی بطور نقل اطلاق کرنے
سے طلاق نہ ہوگی، قال فی الہندیۃ حکى یمین رجل فلما بلغ الى ذکر الطلاق خطر
ببالہ امرأته، ان نوى عند ذکر الطلاق عدم حکایتہ واستیناف الطلاق وكان
موصولاً بحيث يصلح للايقاع علی امرأته یقع لانه اوقع وان لم یترشیئاً لا یقع
لانه محمول علی الحکایۃ کذا فی الفتاویٰ الکبریٰ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۸۸) و فی الشامیۃ
لو کور مسائل الطلاق بعرضہما او کتب ناقلاً من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ او حکى یمین
غیرہ فانہ لا یقع اصلاً لما یقصد زوجته (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳)

اگر بلا قصد انشاء محض نقل ہی سے وقوع طلاق کا قول کیا جائے تو پہلے خود مولوی صاحب کی بیوی مطلقہ ہو جاتی
چاہتے کیونکہ انھوں نے پہلے خود الفاظ مذکور کہے، حالانکہ مولوی ضاعلم بالمعنی و المفہوم ہیں اور زوج غیر عالم ہی، ایسا
مولوی جو تلبیس میں ابلیس کا کام انجام دے رہا ہے لائق تعزیر ہے، عوام پر لازم ہے کہ اس سے کلی اجتناب اور
کامل احتراز کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۸ رجب ۱۴۲۵ھ

تحقیق صور لحاق وعدم لحاق طلاق :

سوال : ما قولکم رحمکم اللہ فی لحاق البائن بالبائن ؛ بینوا بیانا واضحا وجروا الجرا وافیاً ،

الجواب : منه الصدق والصواب

اقول وبالله التوفیق وبیدہ ازمۃ التعقیق ان محصول المبسوط فی الشامیہ وغیرہا من الکتب المعتبرۃ ان الطلاق اما صریح او بالکنایۃ وکل منہما اما جعی او بائن فالطلاق السابق واللاحق کل منہما علی اربعۃ اقسام وجميع الصور الممكنة فی اللحاق ست عشرۃ حصلت من ضرب الاربعۃ فی الاربعۃ فلا لحاق فی صورتین تلین امی ان کان الطلاق السابق بائنًا صریحًا کان او بالکنایۃ فلا یلحقہ البائن بالکنایۃ فقط الا ان ینوی الانشاء اولم یمکن العمل علی الاخبار مثل قوله ابنتک باخري وتلحق البقیۃ البقیۃ فی اربع عشرۃ صورۃ بشرط بقاء العدة وهذا اخلص ما هو مسطور فی الکتب المشہورۃ بالبسط والتفصیل فاغتنمہ وتشکر فقط وهذا اما جاء فی فہم هذا الفقیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر ،

۲۹ جمادی الاولی ۱۲۸۶ھ

تعلیق طلاق اور وجود شرط میں گواہوں کا اختلاف :

سوال : ایک شخص پیر بخش نامی سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کی طلاق کو معلق بالشرط کیا ہے ، مگر تعلیق بالشرط اور وجود شرط میں گواہوں کا اختلاف ہے ، جس کی تفصیل درج ذیل ہے :-

بیانات متعلق تعلیق طلاق

بیان مولوی اسد اللہ صاحب :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ پیر بخش زوج مسماۃ خاتون نے کہا کہ جس شخص (محمد ولد شہداد) میری بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت ہے اگر یہ آگ میں سے نہ گذرا تو میری بیوی کو تین طلاقیں ، اسی طرح یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے ،

بیان علی شیر :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ پیر بخش نے کہا کہ محمد نے اگر آگ میں سے گذرنے سے انکار کیا تو میری بیوی کو تین طلاقیں ، یہ الفاظ تین دفعہ کہے ،

بیانِ خمیسہ :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ پیر بخش نے کہا کہ مولوی اسد اللہ صاحب میرا فیصلہ کریں اور محمد آگ میں نہ گذرا تو میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا،

بیانات متعلق وجود شرط

بیان مولوی اسد اللہ صاحب :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ پیر بخش کے کہنے پر محمد ولد شہداد کو بلایا گیا، اور اسے قرآن اٹھانے اور آگ سے گذرنے کے متعلق کہا گیا، مگر اس نے انکار کیا،
بیان علی شیر :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد کو مولوی اسد اللہ صاحب نے کہا کہ ہم آگ جلاتے ہیں تو اس پر سے گذرے گا یا نہیں؟ محمد نے کہا کہ نہ ہی تو میں اولیا ہوں اور نہ ہی اولیا رکابیتا ہوں، کہ آگ سے گذروں، گذرنے سے انکار کر دیا،
مذکورہ طریقہ پر دو شہادتیں اور بھی ہیں:

بیانِ خمیسہ :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد متہم کو بلایا گیا اور اس سے قسم کے متعلق کہا گیا جس میں آگ سے گذرنے کا کوئی ذکر نہ تھا، محمد نے قسم سے انکار کیا،
بیان سادہ :-

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد متہم کو مولوی صاحب نے قسم کے متعلق کہا جس میں آگ کا ذکر نہ تھا، محمد نے قسم سے انکار کیا،

مذکورہ طریقہ پر ایک شہادت اور بھی ہے، گواہوں کے بیانات ختم ہوئے،
اب سوال یہ ہے کہ ان شہادتوں پر شرعی حکم کیا ہوگا؟ بینو ابالبرہان اجرکم الرحمن،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

خمیسہ کا بیان تعلیق بالشرط کا مثبت نہیں، اس میں صرف وعدہ طلاق ہے،

مولوی اسد اللہ صاحب اور علی شیر کے بیانات تعلیق پر متفق ہیں، مگر شرط میں اختلاف ہے، مولوی اسد اللہ صاحب کے بیان میں تعلیق الطلاق بترک الدخول فی النار ہے، اور علی شیر کے بیان میں تعلیق الطلاق بانکار الدخول ہے، ترک لفعل اور انکار قولی میں فرق ظاہر ہی پس دونوں

میں سے کسی پر بھی نصاب کامل نہیں، اور جب تعلیق بالشرط ہی ثابت نہ ہوئی تو نفس شرط میں اختلاف فضول ہے،

البتہ اگر کسی ایک معین شرط کے ساتھ تعلیق پر نصاب شہادت کامل ہو یا شوہر اصرار کرے تو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ:

اگر تعلیق بترک الفعل ہے تو محمد ولد شہداد نے اگر مرنے سے پہلے دخول نار نہ کیا تو اس کی موت کے وقت پیر بخش کی بیوی کو مغلط طلاق ہو جائے گی، البتہ اگر قرآن سے معلوم ہو جائے کہ پیر بخش نے خاص فیصلہ کی مجلس میں یا دوسرے کسی خاص وقت تک عدم دخول نار کے ساتھ تعلیق کی ہے کسا ہوا امتیاد رتو اس معین مدت کے گزرنے تک عدم دخول سے طلاق ہو جائے گی، اس صورت میں انکار دخول کا کوئی اعتبار نہیں،

اور اگر تعلیق بالانکار القولی ثابت ہو جائے تو اس شرط کا وجود مولوی اسد اللہ صاحب اور علی شیر کی شہادت سے ثابت ہے، لہذا طلاق واقع ہو جائے گی، اگرچہ خمیسہ اور سادون کی شہادت کے مطابق یہ شرط نہیں پائی گئی، یعنی محمد کی طرف سے انکار دخول نار نہیں پایا گیا، مگر خمیسہ اور سادون کا یہ بیان مولوی اسد اللہ صاحب اور علی شیر کی شہادت کے مقابلہ میں معتبر نہیں، لان البینۃ للاثبات لا للنفی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رمضان ۱۴۲۸ھ

نکاح فاسد میں تین طلاقیں سے مغلط نہ ہوگی :

سوال: ایک شخص نے دوسرے کی عدت میں نکاح کیا، پھر اس عورت کو تین طلاقیں دیدیں، تو اب اسی عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

پہلا نکاح فاسد تھا، اور نکاح فاسد میں متارکت کا حکم ہے، طلاق واقع نہیں ہو سکتی، لہذا اس عورت سے دوبارہ نکاح درست ہے، قال فی الشامیۃ طلق المنکوحۃ فاسدا ثلاثا تزوجها بلامحل الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ صفر ۱۴۲۵ھ

نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی :

سوال: نابالغ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، کما فی شرح التنویر و اہلہ زوج عاقل بالغ مستیقل،
وفی الشامیۃ (قولہ و اہلہ زوج عاقل الخ) احتراز بالزوج عن سید العبد و والد الصغیر
و بالعاقل ولو حکما عن المجنون و المعتوہ و المدہوش و المبرسم و المغشی علیہ بغلا
السكران مضطراً او مکرهاً و بالبالغ عن الصبی ولو مراہقا و بالمستیقل عن النائم الخ
(رد المحتار ج ۲ ص ۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: صغیر کی بیوی بالغ ہے، اور زنا میں مبتلا ہے، اس ضرورت اور حاجت کے پیش نظر
جواز طلاق صغیر کے فتویٰ کی گنجائش ہے یا نہیں؟ عند الحاجة جواز طلاق صغیر شامیہ میں منقول ہے؛
اذا تحققت الحاجة الى صفة ايقاع الطلاق من جهة لدفع الضرر كان صحيحاً
فاذا اسلمت و ابی فرق بينهما و كان طلاقاً عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ
و اذا ارتد و العیاذ باللہ تعالیٰ وقعت البینونة و كان طلاقاً فی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ
و اذا وجدته مجبوراً فخاصته فرق بينهما و يكون طلاقاً عند بعض المشايخ رد المحتار
باب نکاح الکافر، ج ۲ ص ۵۳۶، نور الانوار بحث الایلیہ ص ۲۸۵ میں شمس الائمہ سرخسی سے
ایسی روایت منقول ہے، تحقیق انیق تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا تو حروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

بوقت ضرورت شدیدہ مذہب مالکیہ کے مطابق عدم نفقہ کی بناء پر حاکم سے نکاح فسخ
کرایا جاسکتا ہے، صبی کی طلاق صحیح نہیں، شمس الائمہ سے نور الانوار میں جو روایت ہر وہ شامیہ
باب نکاح الکافر میں بھی منقول ہے، جو کہ بظاہر صورت مسئلہ میں مجوز طلاق معلوم ہو رہی ہے مگر
امور ذیل پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت میں طلاق صبی صحیح نہیں،

① قال فی شرح التنویر الطلاق من القاضی و هو علیہما الا منہما فلیسا باہل
للايقاع بل للوقوع کما ورت، قریبہ، وفی الشامیۃ (قولہ فلیسا باہل للايقاع) ای
ایقاع منہما بل ہما اہل للوقوع ای حکم الشرع بوقوعہ علیہما عند وجود موجبہ
(رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۶)۔

اسی بحث کے آخر میں شمس الائمہ اور صاحب الکشف کی عبارات سے ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ

کا جس سے جواز ایقاع پر استدلال محل نظر ہے، قال الرافعی قد یقال عبارته ای صاحب الکشف لا تفید ان الوقوع منہما بل مشروعیۃ الطلاق فی حقہما عند الحاجة وھذا الامر لا نزاع فیہ وعبارۃ السرخسی انما افادت ملک الطلاق بملک النکاح وانہ اذا تحققت الحاجة ولس فیہا ان الایقاع یکون منہ او من القاضی بل غایۃ ما تفیدہ وجود الحاجة للایقاع من جہتہ وکون الایقاع الذی یحصل بعد الحاجة منہ او من غیرہ امر اخر لا دلالة فی الکلام علیہ تأمل (التحریر المختار ص ۲۱۲) غرضیکہ صاحب الکشف اور شمس الامنہ کی عبارات سے جواز الایقاع من الصبی ثابت نہ ہوا،

(۲) وقوع الطلاق عند الحاجة کے جن مواضع کو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، یہ حکم انہی مواضع پر مقصور رہے گا، کیونکہ تصانیف فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہی، کما فی وقف الشامیۃ ونصہا نعم المفہوم معتبر عندنا فی الروایات فی الکتب ومنہ قولہ فی النفع الوسائل مفہوم التصنیف حجة اہی لان الفقہاء یقصدون بذکر الحکم فی المنطوق نفیہ عن المفہوم غالباً کقولہم تجب الجمعة علی کل ذکر حر عاقل مقیم فانہم یریدون ہذہ الصفات، نفی الوجوب عن مخالفہا ویستدل بہ الفقیہ علی نفی الوجوب علی المرأة والعبد والصبی الخ (رد المحتار ص ۲۱۲) (۳) عورت کا زنا میں مبتلا ہو جانا حاجت مجوزۃ ایقاع نہیں، یعنی شرعاً اسے حاجت شمار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ قضاء ساری عمر میں صرف ایک دفعہ جماع واجب نہ ہے، اگرچہ دیانۃ ہر چار ماہ میں ایک دفعہ ضروری ہے، اسی اصول کی بناء پر زوجہ عینین کو ایک دفعہ وقوع جماع کے بعد تفریق کا اختیار نہیں رہتا، حالانکہ صبی اور عینین کے درمیان امور ذیل میں فرق بھی ہے:-

(۱) عینین کے بارہ میں مدۃ العمر تک جماع سے قطعی مایوسی ہے، اور صبی سے متعلق کچھ وقت کے بعد ہمیشہ کے لئے قدرت کاملہ علی الجماع کا ظن غالب ہے،

(۲) عنانت ایک قدرتی ابتلا ہے، جس میں انسان مجبور محض ہے، اور نکاح بالصبی کی مصیبت عمدہ اختیار کی جاتی ہے،

(۳) قبل از نکاح عورت کو عنانت کا علم نہیں ہوتا، اگر علم عنانت پہلے سے ہو تو عورت کو فسخ کا کوئی اختیار نہیں، اگرچہ ایک دفعہ بھی جماع نہ کر سکے اور صبا کا علم عورت اور اس کے اولیاء کو شروع ہی سے ہے،

غرضیکہ عین میں مندرجہ بالا مجبوریات ہوتے ہوئے بھی ایک دفعہ جماع پر قدرت کے بعد فسخ نکاح کا حق نہیں رہتا، تو صبی کے حق میں یہ حاجت بطریق اولیٰ مجوزاً ایقاع نہ بن سکے گی،

(۴) سندھ میں عدم لحاظ تناسپ عمر کی ظالمانہ اور منحوس رسم عام ہے جس کی وجہ سے اہل سندھ کے دین و دنیا کی بربادی ظاہر ہے، اس کی قباحت کے بیان پر قلم اٹھایا جائے تو اس کے لئے وسیع وقت اور بڑے دفتر کی ضرورت ہے، اور ظاہر ہے کہ جواز طلاق صبی کے فتویٰ میں اس دین و دنیا کی تباہ کن رسم قبیح کی تردید دعا عانت ہے، وقال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوُذُوا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ عوام جبکہ اس مسئلہ کو لایخیل نہ سمجھیں گے بلکہ اس کا آسان حل انھیں ہاتھ آجائے گا تو ایسے نکاح کثرت سے ہونے لگیں گے، ایک جزئی صورت میں ایک عورت کو زنا سے بچانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لاکھوں کی تعداد میں عورتیں زنا میں مبتلا ہوں گی، اگر ایک نابالغ طلاق پر راضی ہو گیا تو ضروری نہیں کہ ہر نابالغ راضی ہو جائے گا، بالفرض راضی ہو بھی جائے تو بھی صدور زنا کے بعد راضی ہوگا، لہذا علماء وقت کا فرض ہے کہ مسلمانوں سے اس منحوس رسم کے خاتمہ کے لئے پوری جدوجہد سے کام لیں، جواز طلاق نابالغ کی فضول کوشش کی بجائے عدم لحاظ تناسپ عمر کی ظالمانہ روش کے خلاف جہاد کرنا ضروری اور فرض ہے، صورت واقعہ سے عبرت حاصل کر کے اس رسم کے خاتمہ کے لئے مؤثر قدم اٹھائیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

نابالغ کی طلاق کے لئے امام احمد کا مذہب لینا:

سوال: سندھ میں عموماً تناسپ عمر کا خیال نکاح میں نہیں کھاجاتا، بعض دفعہ لڑکی کے بلوغ اور لڑکے کے عدم بلوغ کی وجہ سے ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ لڑکے سے طلاق حاصل کرنی پڑتی ہے، ایسی ضرورت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کر کے لڑکے سے طلاق حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو را،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر عمل کرنا جو وہ ذیل جائز نہیں:

(۱) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع طلاق کے لئے لڑکے کا مراہق ہونا ضروری ہے، (کافی بدایۃ المجتہد) سو اگر لڑکا مراہق ہے تو تفریق کی کوئی ضرورت شدیدہ نہیں،

(۲) دوسرے مذہب پر فتویٰ کے جواز کے لئے سخت شرائط ہیں، اور از حد احتیاط کی ضرورت ہے (والتفصیل فی الحیلۃ الناجزۃ)

(۳) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر فتویٰ دینے سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا، اور طلاق کی وارداتیں عام ہو جائیں گی اور عدم تناسب عمر کی ظالمانہ روش زیادہ زور پکڑے گی، اعانت علی المعصیۃ خود معصیت ہے، قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَادُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، لہذا طلاق نابالغ کو جائز ثابت کرنے کی فضول کوشش کرنے کی بجائے عدم لحاظ تناسب عمر کی ظالمانہ رسم کے خلاف جدوجہد کرنا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجب ۱۴۳۳ھ

تجھے طلاق، مجھے آئندہ کے لئے کوئی حق نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر کہا کہ ”مجھے آئندہ کے لئے کوئی حق نہیں“ یہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ اور ایک طلاق ہوگی یا دو؟ یہاں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے، اس لئے مفصل و مدلل جواب سے نوازیں، جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی الشامیۃ قبل باب طلاق غیر المدخول بہا نحرور یقتین تحت عنوان رتسمۃ، وكذلك افتی (فی الخیریۃ) بالرجعی فی قولہم انت طالق لا یرد قاض ولا عالم لانہ لا یملك اخراجه عن موضوعه الشرعی وایدہ فی حواشیہ علی المنح بما فی الصیرفیۃ لو قال انت طالق ولا رجعة لی علیک فرجعیۃ ولو قال علی ان لا رجعة لی علیک فبائن ام وقال ان قولہم لا یردک قاض الخ مثل قوله ولا رجعة لی علیک لان حذف الواو کا ثباتہا کما ہو ظاہر لا مثل علی ان لا رجعة ام قلت والفرق ان علی ان لا رجعة قید للطلاق لانہ شرط فیہ فہو فی معنی انت طالق طلاقاً مشروطاً فیہ عدم الرجعة امی طلاقاً بائناً فہو داخل تحت القاعدة من انه اذا وصف الطلاق بضرب من الشدة والزيادة يقع بہا البائن كما مر عن الہدایۃ اما ولا رجعة لی علیک فلیس صفة للطلاق بل ہو کلام مستأنف اخبر بہ عما ہو خلاف الشرع فان المشرع ہو وقوع الرجعی بان انت طالق فقوله ولا رجعة لغو مثل قوله انت طالق وبائن او ثم بائن بلا نية كما مر الخ (رد المحتار ج ۲) تحقیق بالا اس کو مقتضی ہے کہ صورت مسئلہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہو، مگر ”مجھے

کوئی حق نہیں، کناہ طلاق کی صلاحیت میں مشابہ ہے، ”بائن“ سے اور ”طلاق و بائن“ سے وقوع واحدہ رجعیہ میں تامل ہے، چنانچہ شامیہ میں تحقیق باللہ سے تقریباً ایک صفحہ قبل اس پر اشکال مذکور ہے، ونصہ تحت (قوله وبالفاء فبائنة) وانظر لم لم يتعين تكرير الايقاع مع وجود مذكر الطلاق فان الاصل في العطف المغايرة فكان ينبغي وقوع بائنتين مع الواو وشم (رد المحتار ج ۲) وايضا قال في العلامية ولو قال انت طالق اعتدى او عطفه بالواو والفاء فان نوى واحدة فواحدة او ثنتين وقعتا وان لم ينو ففى الواو ثنتان الخ وفي الشامية (قوله فان نوى واحدة) اى بان نوى باعتدى في الصور الثلاث الا امر بالعدة بالحيض دون الطلاق فيصدق لظهور الا مرفيه عقب الطلاق كما مر قوله ففى الواو ثنتان) وكذا في صورة عدم العطف اصلاً لانه في الصورتين يكون امراً مستأنفاً وكلاً ما مبتدئاً وهو في حال من اكره الطلاق فيحمل على الطلاق، بحر عن المعيط (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۸)

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق رجعی کے بعد کناہ کا لفظ اگر بنیت طلاق یا بلا نیت کہا تو دو طلاقیں ہوں گی، اور اگر دونوں لفظوں سے ایک ہی طلاق مراد ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کناہ کا لفظ طلاق پر تفریع کا محتمل ہے جیسے اعتدی، اذہبی وغیرہ، تو ایک ہی طلاق ہوگی، کما ذکر فی العلامیۃ والشامیۃ قبیل الجزئیۃ المذكورۃ فی قولہ اعتدی ثلاثاً، اور اگر لفظ کناہ محتمل تفریع نہیں تو بہر کیف دو طلاقیں واقع ہوں گی، سوال میں جملہ مذکور اسی قسم کا ہے، لہذا اس صورت میں دو طلاقیں بائن واقع ہو گئیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

تو میری منکوحہ نہیں:

سوال: اس بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری منکوحہ نہیں تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بیسوا توجروا،
الجواب: منه الصدق والصواب

اگر زید نے طلاق کی نیت سے مذکورہ الفاظ کہے تو ایک طلاق رجعی ہو جائے گی ورنہ نہیں، کما فی الہندیۃ ولو قال لامرأته لست لی بامرأة او قال لہا ما انا بزوجک او سئل فقیل لہ هل لك امرأة فقال لا فان قال اردت به الکذب یصدق فی

الرضا والغضب جميعا ولا يقع الطلاق وان قال نويت الطلاق يقع الطلاق في فتول
إلى حليفة رحمه الله تعالى، وأيضا فيها ولو قال ما أنت لي بامرأة ولست لك بزوجة
يقع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما رحمه الله تعالى لا يقع (عالمگیریہ ج ۲)
وفی شرح التنویر لست لك بزوجة اولست لي بامرأة اوقالت لست لي بزوجة فقال
صدق طلاق ان نواه خلافا لهما، وفي الشامية تحت (قوله طلاق ان نواه) وأشار
بقوله طلاق الى ان الواقع بهذه الكناية رجحى كذا في البحر من باب الكنايات
(۲۰ المتأرجح ۲) فقط والله تعالى اعلم
۵ / محرم ۱۳۳۸ھ

یہ میری منکوحہ نہیں، اسکو اسکے والدین کے گھر پہنچا دو
میری طرف سے اسکو طلاق ہے، دوسرا خاوند بنالے

سوال؛ ایک شخص نے کسی دفعہ اپنی عورت کو یہ الفاظ کہے یہ میری منکوحہ نہیں، اس کو اس
کے والدین کے گھر پہنچا دو، میری طرف سے اس کو طلاق ہے، اس کو کوئی روک نہیں جس جگہ چاہے
اپنا دوسرا خاوند بنالے، ان الفاظ سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟
جواب از مولانا عبد اللہ صاحب مفتی خیر المدارس ملتان؛

سوال میں دو لفظ موجب طلاق ہیں یہ میری منکوحہ نہیں، اس کو اس کے والدین کے
گھر پہنچا دو، یہ لفظ الفاظ کناہ میں سے شمار ہوا ہے، ففی العالمگیریہ ولو قال لا نکاح بینی
وبینک اوقال لم یبق بیتی وبینک نکاح يقع الطلاق اذ انوی (الی قولہ) ولو قال
انا بوی من نکاح يقع الطلاق اذ انوی، پس اس لفظ سے بقرینہ طلاق صریح کے جو
آگے مذکور ہے ایک طلاق بائن ہوگی اور دوسرا لفظ صریح موجود ہے، لہذا یہ عورت مطلقہ
بدو طلاق ہوگی، انتھی مختصراً،

ایرادات از جانب بندہ رشید احمد بر جواب مذکور

① قولکم؛ سوال میں دو لفظ موجب طلاق ہیں،
اقول؛ سوال میں تین جملے موجب طلاق ہیں، یہ میری منکوحہ نہیں، اس کو طلاق ہے،
اپنا دوسرا خاوند بنالے،

② قولکم؛ پس اس لفظ سے بقرینہ طلاق صریح کے جو آگے مذکور ہے الخ،
اقول؛ کیا ذکر طلاق اگر لفظ کناہ کے بعد ہو تو اسے حالت مذاکرۃ طلاق پر محمول کر کے

اس سے وقوع طلاق کا حکم لگایا جائے گا؟ اس پر کیا دلیل ہے؟

③ قولکم؛ ایک طلاق بائن واقع ہوگی،

اقول؛ مذکرۃ طلاق یا نیت طلاق کے وقت ان الفاظ سے ایک طلاق رجعی ہوگی، کما فی شرح التنویر لست لك بزواج اولست لی بامرأة (الی قولہ) طلاق ان نواه، وفی الشامیۃ تحت (قولہ طلاق ان نواه) و اشار بقولہ طلاق الی ان الواقع بهذا الکناۃ رجعی کذا فی البحر من باب الکنایات،

④ قولکم؛ یہ عورت مطلقہ بدو طلاق ہوگی،

اقول؛ بہر صورت تین طلاقیں واقع ہوں گی، اس لئے کہ پہلے جملہ میں تین احتمال ہیں،
(۱) بعد میں مذکور لفظ طلاق کو حالت مذکرۃ طلاق پر محمول کر کے پہلے جملہ سے طلاق بائن کا حکم لگایا جائے، جیسے آپ کی رائے ہے،

(۲) مذکرۃ طلاق پر محمول کر کے پہلے جملہ سے رجعی طلاق ثابت کی جائے، کما فی الشامیۃ،

(۳) بعد میں مذکور لفظ طلاق کو حالت مذکرۃ تسلیم نہ کیا جائے، اس لئے پہلے جملہ کو موجب طلاق نہ کہا جائے، جیسا کہ بندہ کا خیال ہے،

احتمال ثانی پر تو ظاہر ہے کہ تین جملوں سے تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور احتمال اول میں جملہ اولی و ثانیہ سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، اور جملہ ثالثہ لغو ہوگا، لان البائن بالکناۃ لا یلحق البائن، اور احتمال ثالث میں جملہ اولی لغو ہے، صرف جملہ ثانیہ و ثالثہ سے دو طلاقیں واقع ہوں گی، مگر سوال میں ہے کہ کئی دفعہ یہ الفاظ کہے، پس اس کا کم از کم اور اقل درجہ یہ ہے کہ دو دفعہ کہے ہوں، لہذا احتمال اول و ثالث پر بھی تکرار کی وجہ سے معتلط کا وقوع لا بدی امر ہے،

جواب از مولانا مفتی عبداللہ صاحب؛

① ہمارے خیال میں چونکہ پہلے جملہ سے بائن واقع ہوئی تھی اس لئے آخری جملہ کو بوجہ عدم وقوع کے علی قاعدۃ البائن لا یلحق البائن ساقط سمجھا گیا تھا اس بنا پر تجوزاً کہہ دیا گیا تھا کہ دو لفظ موجب طلاق ہیں،

② اس پر صراحۃً جزئیہ نہیں مل سکا، البحر الرائق بحث الکنایات میں یہ عبارت پائی گئی ہے تحت (قولہ لا تطلق بها الا بنیۃ اود لالة الحال) قال والمراد بدلالة الحال الحال الظاہرة المفیدۃ لمقصودہ ومنہا تقدم ذکر الطلاق کما فی المحيط، اس عبارت

میں دلالتِ حال کو عام کہا گیا ہے، اور تقدیم ذکر طلاق کو اس کا فرد قرار دیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی صریح طلاق اگر ایک ہی عبارت میں اور ایک ہی سیاق میں اور ایک ہی مجلس میں واقع ہو تو قرینہ بن جائے گی،

شامی کی عبارت یوں ہے الابنية او دلالة الحال وهي حالة من ذكر الطلاق، اس کے تحت شامی تحریر فرماتے ہیں: اشارة الى ما في النهر من ان دلالة الحال تعم دلالة المقال، اس عبارت میں بھی دلالتِ حال کو عام بتایا گیا ہے، قرینہ حالیہ و قرینہ مقالہ دونوں اس میں شامل ہیں، اور دراصل کنایات میں احتمال طلاق اور ردیاً سب کے کئی ہوا کرتے ہیں، جب ایک شخص ایک سانس میں کہے کہ میرا تیرا نکاح نہیں، میں نے تجھے طلاق دی، تو اس خاص عبارت میں عاجز کے فہم ناقص میں ثانی کلام کو کلامِ اول کے لئے تفسیر اور قرینہ برارادۃ طلاق بنایا جاسکتا ہے، اگر کہیں اس کے خلاف تصریح مل جائے تو ماننے سے انکار نہیں،

③ اعتراض جناب کا صحیح ہے، اس جملہ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے،

④ واقعی آپ کا خیال صحیح ہے، یہ عورت حرام بجرمہ طلاقات ثلاث ہو جائے گی،

الجواب منه الصدق والصواب

ایراد ثانی کے جواب میں جو لکھا گیا ہے کہ دلالتِ الحال عام اور شامل ہے قرینہ حالیہ مقالہ کو، اس میں کوئی شک نہیں، مگر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ قرینہ حالیہ کو حال غضب میں اور قرینہ مقالہ کو تقدیم ذکر طلاق میں منحصر فرما رہے ہیں، قال فی شرح التنویر الابنية او دلالة الحال وهي حالة من ذكر الطلاق او الغضب، وفي الشامية (قوله وهي حالة من ذكر الطلاق) اشارة الى ما في النهر من ان دلالة الحال تعم دلالة المقال وقال وعلى هذا فتنفسر المذكرة بسؤال الطلاق او تقديم الايقاع كما في اعتدي ثلاثا وقال قبله المذكرة ان تسأله او اجنبى الطلاق (رد المحتار ص ۲۵۰ ج ۲) تاخیر ذکر طلاق دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، مزید برآں عبارات ذیل میں اس کی تصریح ہے کہ مذکر طلاق تاخیر ايقاع کو شامل نہیں، فی العلائقة قال اعتدي ثلاثا ونوى بالاول طلاقا وبالباقى حيضا صدق قضاء لنيته حقيقة كلامه وان لم ينوبه اذى بالباقي شيئا فثلاث لدلالة الحال بنية الاول حتى لو نوى بالثاني فقط فثنتان او بالثالث فواحدة ولو لم ينوب لكل لم يقع، وفي الشامية (قوله

قال اعتدی ثلاثاً، ای قالہ ثلاث مرات (قوله بنية الاول) ای دلالة الحال بسبب نيته الايقاع بالاول قال في فتح القدير فقد ظهر مما ذكر ان حالة من اكره الطلاق لا تقتصر على السؤال وهو خلاف ما قدموه من انها حال سؤالها وسؤال اجنبي طلاقها بل هي اعم منه ومن مجرد ابتداء الايقاع (قوله نوى بالثاني فقط) ای نوى به الطلاق ولم ينو بغيره شيئاً فثنتان ای يقع به واحدة وكذا بالثالث احرى وان لم ينو به لدلالة الحال بايقاع الثاني ولا يقع بالاول شيء لانه لم ينو به ودلالة الحال وجدت بعده (رد المحتار ص ۲۷۵۰) وفيها ايضاً قبيل باب التفويض تحت (قوله تقع واحدة) مع انه المذكور بعدة والقرينة لا بد ان تقدم (رد المحتار ص ۲۷۵۵) فقط والله تعالى اعلم
۲۳ رجب ۱۲۵۵ھ

کوئی دوسرا خاوند بنالے :

سوال : ایک شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ جہاں چاہے دوسرا خاوند بنالے، تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

مذکورہ الفاظ اگر طلاق کی نیت سے یا بوقت مذاکرہ طلاق کہے ہیں تو طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ نہیں، قال في الهندية وباتبعی الأزواج تقع واحدة بائنة ان نواها او اثنتين وثلاث ان نواها هكذا في شرح الوقاية (عالمگیری ج ۲) فقط والله تعالى اعلم
۱۵ محرم ۱۲۵۳ھ

دو بیویوں کو بدوین تعیین تین طلاقیں :

سوال : ایک شخص کی دو بیویاں تھیں، ایک دفعہ اس شخص نے غصہ میں اٹھ کر کہا میں نے تین طلاق دی، تین دفعیوں ہی کہا، نہ بیوی کا لفظ کہا اور نہ ہی کسی بیوی کا نام لیا، اب شریعت محمدیہ میں اس کا کیا حکم ہے ؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال في الشامية في اول باب الصريح تحت (قوله لتركه الاضافة) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه كما في البحر لو قال طالق فقیل له من عنيت فقال امرأتی طلقت امرأته، (رد المحتار ص ۲۷۶۱)، وايضاً فيها قبيل باب

الکنايات تحت، قوله وأما تصحيح الزيلعي الخ) ويظهر مما قدرناه أيضاً أن قوله على الطلاق كما هو الشائع في زماننا مثل قوله امرأتی طالق لأن معناه كما مر أن فعلت كذا الزم الطلاق ووقع ولا يخفى أن هذا محتمل لأن يكون المراد لزوم الطلاق من امرأة أو من أكثر ولا ترجيح لأحدهما على الآخر فينبغي أن يثبت له صرفه إلى من شاء وفي الشرح قال امرأته طالق ولم يستم (إلى قوله) ولو كان له امرأتان كلتاها معروفة له صرفه إلى أيتها شاء خانية ولم يحك خلافاً، وإيضافه قال لنساءه الأربع يمكن تطليقة طلقت كل واحدة تطليقة وكذا لو قال يمكن تطليقتان أو ثلاث أو أربع رأى تقع على كل واحدة تطليقة واحدة) إلا أن ينوي قسمة كل واحدة بينهما فتطلق كل واحدة ثلاثاً رداً لمختار ص ۴۹۹، ۴۹۸، ۴۹۷، وفي المندلية ولو قال ثلاث نسوة له أنتن طوالن ثلاثاً وطلقتن ثلاثاً يقع على كل واحدة ثلاث ولا ينقسم بخلاف ما لو قال أوقعت بينكن ثلاثاً فانها تقسم بينهما فتقع على كل واحدة طلقة كذا في غاية السروجي (عالمگیری ص ۱۳۶)،

جزئیات مذکورہ سے امور ذیل ثابت ہوئے:

- ① اگرچہ طلاق کی نسبت بیوی کی طرف صراحت نہیں کی، تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی،
للقرائن البينة،
 - ② دونوں عورتوں میں سے جس کی نیت کی ہو اسی کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی،
 - ③ اگر دونوں کا ارادہ کیا تو ہر ایک کو تین طلاقیں ہوں گی،
 - ④ اگر یوں کہے کہ "تین طلاقیں دونوں میں تقسیم کر کے دیتا ہوں" تو ہر ایک پر دو طلاقیں واقع ہوں گی، البتہ اگر تین طلاقیں میں سے ہر طلاق دونوں بیویوں پر تقسیم کرنے کی نیت ہو تو ہر ایک بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی،
- صورت سوال میں تقسیم کا لفظ نہیں، اس لئے دونوں کی نیت تھی تو دونوں پر مغلط طلاق واقع ہو گئی، اور دونوں میں سے کسی ایک کی نیت تھی تو اس کو مغلط طلاق ہو گئی، اس صورت میں تین طلاقیں دونوں بیویوں پر تقسیم نہ ہوں گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
- ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

صیغہ مستقبل سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو فلاں کام کرے گی تو میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس کے بعد اگر اس عورت نے وہ کام کیا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،
الجواب منه المصدق والصواب

اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، اس میں صرف ارادۃ طلاق کا اظہار ہے، قال فی الحامدية ضیغة المضارع لا یقع بها الطلاق الا اذا غلب فی الحال کما صرح به النکمال ابن الہمام (حامدية ج ۱ ص ۳۸) وفی الشامیة تحت قوله وما بمعناها من الصریح) وکن المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک کما فی البحر،
ررد المحتار ص ۲۶۶ فقط والله تعالیٰ اعلم
۲۶ شوال ۱۳۸۳ھ

طلاق نامہ لکھنے سے طلاق ہو جاتی ہے:

سوال: ایک عورت کا خاوند انڈیا میں رہتا ہے، عورت کے والد نے کئی دفعہ اسے لکھا کہ اپنی بیوی کو آکر لے جاؤ، ورنہ اسے طلاق دیدو، اور طلاق نامہ لکھ کر بھیج دو، اس کے جواب میں عورت کے خاوند نے یہ الفاظ لکھے: اب میں ایمان سے کہتا ہوں کہ طلاق نامہ میں لکھو الیاء اور جلد ہی روانہ کر رہا ہوں، اب یہ شخص طلاق نامہ روانہ کرنے میں تاخیر کر رہا ہے، اور ٹال مٹول کرتا ہے، تو کیا شریعت مطہرہ کے حکم کے بموجب وقوع طلاق کے لئے عورت تک طلاق نامہ پہنچنا شرط ہے یا کہ صرف طلاق نامہ لکھنے سے طلاق واقع ہوگئی؟ بینوا تو جروا،
الجواب منه المصدق والصواب

وقوع طلاق کے لئے طلاق نامہ کا عورت تک پہنچنا شرط نہیں، صرف لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لئے صورت سوال میں جب کہ اس شخص نے طلاق نامہ لکھو الیاء اس کی بیوی پر اسی قسم کی طلاق رجعی یا بائن واقع ہوگی، جو اس نے لکھوائی ہے، اور عدت بھی طلاق نامہ لکھوانے کے وقت سے شروع ہوگئی، اگرچہ تا حال عورت تک طلاق نامہ نہ ہی پہنچا ہو، نقل فی الشامیة قبیل باب الصریح عن الہندیة ثم المرسومة لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وان علق طلاقها بمجئء الكتاب بان کتب اذا جاء لک کتابی فانت طالق فجاءها الكتاب فقرأته اولم تقرأ یقع الطلاق، کذا فی الخلاصة ط، (وبعد اسطر ولو

قال للكاتب أكتب طلاق امرأتی كان اقوارا بالطلاق وان لم يكتب
(رد المحتار ص ۲۶۵) فقط والله تعالى اعلم
۲۴ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

بیوی کو چلی جاؤ کہنا:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ ”اپنے میکہ چلی جاؤ“ تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

اگر طلاق کی نیت سے کہا تو طلاق بائن ہوگی ورنہ نہیں، اگر شوہر نیت طلاق کا انکار کرے تو اس کا قول بدو قسم معتبر نہیں، اولاً بیوی خود اس سے گھر ہی میں قسم طلب کرے، اگر قسم سے انکار کرے تو بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کرے، اور قاضی اس سے قسم طلب کرے، اگر وہاں بھی قسم سے انکار کرے تو قاضی ان میں تفریق کرنے البتہ اگر بیوی کو اس کے صدق کا ظن غالب ہو تو قسم طلب کرنا لازم نہیں، قال فی التنویر وتقع رجعية بقوله اعتدى واستبرئى رحمت وانت واحدة وبما فيها البائع (رد المحتار ص ۲۵۰ ج ۲) وقال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ والقول بیسینہ فی عدم النیة ویکی تعلیفہا لہ فی منزله فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینہما، مجتبى (رد المحتار ص ۲۵۰ ج ۲)، فقط والله تعالى اعلم
۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

سوال میں نہ رہیں تو بیوی سے لادعوئی ہوں:

سوال: ایک شخص نے نکاح سے پہلے یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ میں ہمیشہ بیوی کے اقرباء کے ساتھ رہوں گا، اس کی خلاف ورزی کرنے کی حالت میں اپنی بیوی سے لادعوئی ہوں، اب یہ شخص اپنے اقرار کو پورا نہیں کرتا تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

سندھ کے عرف میں ”بیوی سے لادعوئی ہوں“ صریح طلاق ہے، اور مثل لفظ حرام ہے، لہذا بدو قسم ہی ایک طلاق بائن ہوگئی، کما حقق ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی بحث لفظ حرام،

واما صحة التعليق مع عدم الاضافة الى الملك صلحة فلما فی الهندیة فی الفصل الثامن من الباب الرابع ولو قال کل امرأة لی طالق ان فعلت کذا

ولست له امرأة ونوى امرأة يتزوجها بعد ذلك صحت كما اذا قال كل امرأة تكون لي والى هذا ذهب شمس الاسلام محمود وقال نجم الدين لا تصح وقال السيد الامام وبالقول الاول نأخذ كذا في اصول الاستروشنى (عالمگیری ج ۲) وفى الخلاصة ولو قال كل امرأة لي ففى طالق ان فعلت كذا اولاً امرأة له فان نوى امرأة يتزوجها يصح ويكون بمنزلة قوله كل امرأة يكون لي (خلاصة ج ۲)

اقول لا يوهم ان الاضافة المعنوية الى الملك انما تكفى اذا كانت المرأة غير معينة واما المعينة فوقع الطلاق عليها مشروط بكون الاضافة مصرحة لان المراد من المعينة ان تكون مذكورة باسمها ونسبها ان كانت غائبة ومشاراً اليها ان كانت حاضرة فان لم يشر الى الحاضرة ففى غير معينة وان ذكر اسمها ونسبها، والتفصيل فى الشامية، فقط والله تعالى اعلم،

الرحماني الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

فاحشة کو طلاق دینا مستحب ہے:

سوال: ایک عورت فاحشہ اور بدچلن ہے، سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتی، خاوند کی نافرمان ہے، ایسی عورت کو اگر خاوند طلاق دے تو اس پر کوئی گناہ تو نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایسی عورت کو طلاق دینا گناہ نہیں بلکہ مستحب اور ثواب ہے، اور اگر عورت یہاں تک نافرمان ہے کہ خاوند کے لئے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہو، گھر میں ہر وقت فتنہ و فساد برپا رہتا ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینا واجب ہے، قال فی التتویر والیقاعہ مباح وقیل الاصح حظرة الالحاجة، وفى الشرح کریبة وکبررالی ان قال، بل یتحب لو مؤذية او تاركة صلوة غایة، ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی ووجب لوفات الامساک بالمعروف، وفى الشامية (قوله لو مؤذية) اطلقه فشمس المؤذية له اول غیره بقولها او بفعلها ط ر قوله او تاركة صلوة الظاهر ان ترك الفرائض غیر الصلوة كالصلوة وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لان الفی اللہ تعالیٰ وصداقها بذمتی خیر من ان اعاشرا امرأة لا تصلی (در المختار ج ۵) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

مٹی کے ڈھیلے دینے سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: سندھ میں عام رواج ہے کہ عورت کو طلاق کی نیت سے تین ڈھیلے مٹی کے دیتے ہیں، اور اسے تین طلاقیں سمجھتے ہیں، اس سے شرعاً طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور رجعی ہوگی یا بائن؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

بغیر تلفظ کے صرف مٹی کے ڈھیلے دینے سے طلاق نہیں ہوتی، قال فی الشامیۃ تحت قوله وركنه لفظ مخصوص، وبہ ظہران من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجارينوى الطلاق ولم يذكر لفظاً لا صريحاً ولا كناية لا يقع عليه كما افق به الخیر الرملی وغیرہ الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۲، ۵، ۴)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۶، جادی الآخرہ ۱۳۵۷ھ

زانی سے معاوضہ لینا طلاق نہیں:

سوال: بلوچستان میں عام رواج ہے کہ اگر کسی عورت پر زنا کا ثبوت مل جائے تو شوہر اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیتا ہے، اور قوم کے سردار کے پاس زانی سے بدل (رقم) لینے کی درخواست پیش کرتا ہے، جس پر سردار زانی سے مزنیہ کے شوہر کو رقم دلاتا ہے، بس اسی کو ہی طلاق شدید سمجھا جاتا ہے، آئندہ کے لئے یہ شخص بغیر طلاق وغیرہ دینے کے حرام سمجھتا ہے، کیا شرعاً اس سے طلاق ہو جائے گی؟ یا سردار کے فیصلہ کو تحکیم فرار دے کر قبول بدل (رقم) کو بحکم خلع کہا جاسکتا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

جب تک طلاق کا لفظ صریح یا کنایہ بنیت طلاق نہ کہے گا طلاق نہ ہوگی، محض رقم عوض میں وصول کر کے حرام سمجھنے سے طلاق نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر وركنه لفظ مخصوص، وفي الشامیۃ هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او كناية فخرج الفسوخ على ما مر واداد اللفظ ولو حكماً ليدخل الكتابة المستبينة وإشارة الاخرس وإشارة الى العدد بالاصابع في قوله انت طالق هكذا كما سيأتى وبه ظہران من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجارينوى الطلاق ولم يذكر لفظاً لا صريحاً ولا كناية لا يقع عليه كما افق به الخیر الرملی وغیرہ وكذا ما يفعله

بعض سكان البیادی من امرها بخلق شعرها لا یقع به طلاق وان تولد (رد المحتار ص ۵۷۲)
 اسے خلع کہنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ خلع میں تعلیق الطلاق بقول البدل ہوتی ہے، اور صورت
 سوال میں اس کے برعکس پہلے بیوی کو چھوڑ کر بعد میں بدل کا مطالبہ کیا جاتا ہے، البتہ اگر قبول
 بدل سے طلاق کو معلق کیا ہو تو طلاق ہو جائے گی، مگر مال زانی پر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ رقم
 بدل خلع کی حیثیت سے نہیں لی جاتی، بلکہ زنا پر جرمانہ سمجھی جاتی ہے، اور جرمانہ مالی ناجائز ہے،
 زنا کے عوض میں مال پر مصالحت کی تردید احادیث صحیحہ میں موجود ہے، "ان ابنی کان عسیفاً الخ"
 بالغرض اس رقم کو بدل خلع قرار دیا جائے تو بھی زانی پر رقم واجب نہ ہوگی، کیونکہ وجوب مال کے
 لئے قابل کی رضا شرط ہے، اور زانی کو قبول پر مجبور کیا جاتا ہے، قال فی شرح التنبیہ اگر ہما
 الزوج علیہ تطلق بلا مال لان الرضا شرط للزوم المال وسقوط (رد المحتار
 ج ۲ ص ۷۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۵۵ھ

متعدد بار سوال کے جواب میں اقرار سے ایک طلاق ہوگی :

سوال : ایک شخص اپنی بیوی سے جھگڑ کر یا ہزکلا، اس سے کسی نے پوچھا کہ تم نے اپنی
 بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس نے کہا ہاں دیدی ہے، پھر دوسرے شخص نے پوچھا تو اس کے
 جواب میں بھی یہی کہا کہ طلاق دیدی ہے، پھر تیسرے نے پوچھا، تو بھی یوں ہی جواب دیا، کیا
 اس صورت میں طلاق واقع ہوگی، اگر ہوگی تو ایک یا کہ تین؟ بینوایا نا شافیا، توجروا اجرا و انفا،

الجواب منه المصدق والصواب

پہلی بار سوال کے جواب میں جب اقرار کیا تو بصورت کذب صرف قضاء اور بصورت
 صدق ریائتہ بھی طلاق واقع ہو جائے گی، قال فی شرح التنبیہ لو قيل طلقت امرأتک
 فقال نعم ادبلی بالهجاء طلقت بحر (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۲) وایضافیہ قيل له
 الست خلقتها تطلق ببلی لا بنعم وفي الفتح ینبغی عدم الفرق للعرف، وفي الشامیة
 ان المعتبر فی احکام الشرع العرف حتی یقام کل واحد منهما مقام الآخر (رد المحتار ص ۵۸۲)
 بہر حال عدت میں رجوع نہ کیا تو عورت کو تکلیف و طہ جائز نہیں، قال فی الشامیة فی باب
 الصریح تحت قوله ولو نوى عن العمل لم یصدق اصلاً ولو صرح به دین فقط
 والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه (رد المحتار ص ۵۹۲)
 دوسری یا تیسری بار سوال کے جواب میں ظاہر ہے کہ انشاء طلاق مقصود نہیں بلکہ اخبار مقصود

ہے، اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر فی اُخر باب طلاق غیر المدخول بہا (فروع) کر لفظ الطلاق وقع الکل، وفی الشامیۃ تحت القول المذکور واذ افتال انت طالق ثم قیل له ما قلت فقال قد طلقتها او قلت ہی طالق فہی طالق واحدة لانہ جواب کذا فی کافی الحاکم رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۳) وفی شرح التنویر لایلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخباراً عن الاول رالی قولہ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورة فی جعلہ انشاءً، وفی الشامیۃ (قولہ لانہ اخبار) ای یجعل اخباراً لانہ امکنہ ذلك (رد المحتار ص ۶۲۳) فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۴ محرم ۱۳۶۷ھ

طلاق دیتا ہوں سے طلاق ہو جاتی ہے :

سوال ؛ زید انتہائی غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے بار بار کہتا ہے کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں، مگر اس سے قبل اس کا کوئی ارادہ یا نیت ہرگز نہ تھی، بعض صاحبان یہ کہتے ہیں کہ لفظ طلاق دیتا ہوں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اکثر غصہ میں بچوں کو دوسروں کو، بیوی کو کہا جاتا ہے کہ میں تجھ کو ابھی مارتا ہوں، بدلہ دیتا ہوں، مزہ چکھاتا ہوں، مگر وہ مارتا نہیں، نکالتا نہیں، بدلہ دیتا نہیں، مزہ چکھاتا نہیں، کیا ایسی شکل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا، الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ طلاق دیتا ہوں حال کے لئے موضوع ہے، لہذا اس سے طلاق واقع ہو گئی، اگرچہ یہ جملہ مستقبل قریب کے لئے بھی گاہے گاہے استعمال ہوتا ہے، معہذا زوج اگر نیت استقبال کا مدعی ہو تو خلافت ظاہر ہونے کی وجہ سے اس کا قول قبول نہ ہوگا، صورت سوال میں تو زوج ہی نیت استقبال کا مدعی نہیں، اگر اس نے یہ الفاظ تین یا اس سے زیادہ بار کہے تو طلاق معتظ ہو گئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ وما بمعناہما من الصریح) وكذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک کما فی البحر (رد المحتار ص ۳۶۶) فقط والله تعالیٰ اعلم ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

تکرار تعلیق سے تکرار طلاق :

سوال ؛ کسی نے اپنی بیوی سے دو مرتبہ ان دخلت الدار فانت طالق کہا، اس کے بعد دخول دار پایا گیا، تو اس کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دو طلاقیں ہوں گی، البتہ اگر تکرار نیت تاکید ہو تو دیناً ایک طلاق ہوگی، قضاء دو ہوں گی، قال فی الدر (فروع) فی ایمان الفتح مالفظہ وقد عرف فی الطلاق انه لو قال ان دخلت الدار فانت طالق، ان دخلت الدار فانت طالق، ان دخلت الدار فانت طالق وقع الثلاث واقروا المصنف ثمة، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقولہ وقع الثلاث، یعنی بدخول واحد کما تدل علیہ عبارة ایمان الفتح حیث قال ولو قال لامرأة والله لا اقربک ثم قال والله لا اقربک ففقرہا مرة لزمہ کفارتان ام والظاهر انه ان نوى التأكيد ین ۳ رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

حلالہ کرنے کرانے والوں پر لعنت ہے:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر جحد کر دی ہے، اب زید دوبارہ اپنا گھر آباد کرنا چاہتا ہے، اگر زید کی مطلقہ کسی شخص سے یہ شرط لگا کر نکاح کرے کہ جب میں چاہوں علیحدگی اختیار کر سکتی ہوں، اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ ان کے اس ارادہ کا علم سابق شوہر کو بھی ہے اور عنقریب ہونے والے شوہر کو بھی ہے، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مسئلہ کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ مطلقہ مغفلہ دوسرے شخص کے ساتھ دائمی نکاح کرے پھر اتفاقاً وہ طلاق دیدے یا مرجائے تو یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے، سوال میں مذکور ہوتا ہے کہ مطابق حلالہ کا مرد جب طریقہ حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے شوہر، دوسرے شوہر اور بیوی تینوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی بددعا فرمائی ہے، البتہ اگر کسی کو میاں بیوی کی حالت پر رحم آئے اور وہ ان پر احسان کی نیت سے نکاح کرے اور صحبت کے بعد طلاق دیدے تو کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ اس کی نیت کا دوسرے کسی کو بھی قطعاً کوئی علم نہ ہو، اسی طرح اگر عورت کے دل میں یہ نیت تھی کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد اس سے طلاق حاصل کر کے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرے گی اور اس کی اس نیت کا کسی دوسرے کو قطعاً علم نہ ہو تو عورت پر کوئی گناہ نہیں، قال فی العلائق وکروہ التزوج للثانی تحریر ما لحدیث لعن المحلل والمحلل لہ بشرط التحلیل کتزوجتک علی ان احللک وان حلت للاول لصحة النکاح

وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال (إلى قوله) أما إذا اضمر ذلك لا يكره وكان الرجل مأجوراً لقصد الإصلاح وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى (قوله وكره التزوج للثاني) كذا في البحر لکن فی القہستانی وكره للادل والثاني وعزاه محشي مسكين إلى الحموي عن الظهيرية وينبغي أن يزداد المرأة بل هي أولى من الأول في الكراهة لأن العقد بشرط التحليل إنما جرى بينها وبين الثاني والأول ساع في ذلك ومتسبب والمباشر أولى من المتسبب ولفظ الحديث يشمل الكل فإن المحلل له يصدق على المرأة أيضاً (قوله لحديث لعن المحلل والمحلل له) باضافة حديث إلى لعن فهو حكاية للمعنى والألفظ الحديث كما في الفتح لعن الله المحلل والمحلل له وهو كذلك في بعض النسخ (سرد المختار ص ۵۸۶ ج ۲)، ایسے نکاح کی حرمت اور رمورد لعنت ہونے کے لئے شرط تحلیل کی تصریح ضروری نہیں بلکہ ایک دوسرے کی نیت کا علم بھی بقاعدہ ”المعروف كالمشروط“ اسی میں داخل ہے، وهو مفهوم قوله أما إذا اضمر ذلك لا يكره، فقط والله تعالى اعلم،

۵ ارجادی الآخرہ ۸۷

”فارغ خطی“ صریح طلاق ہے:

سوال: نہیدنے اپنی بیوی کو ایک تحریر روانہ کی، اس میں یہ الفاظ مرقوم ہیں: ”میری طرف سے تمہیں فارغ خطی ہے، تمہارا ہر تم کو ملے گا، بلکہ کچھ سوا، تو اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی اور کتنی؟ بیندرا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ ”فارغ خطی“ عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے، لہذا اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اگرچہ طلاق کی نیت نہ ہو، قال ابن عابد بن رحمه الله تعالى تحت (قوله حرام) فان سرحتك كناية لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصریح فاذا قال دھا کردم ای سرحتك يقع به الرجعی مع ان اصله كناية ایضا وما ذلک الا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقد مر ان الصریح ما لم يستعمل الا فی الطلاق فی ای لغة كانت (سرد المختار ص ۵۰۳ ج ۲)

امداد الفتاویٰ میں اس لفظ سے وقوع بائن تحریر ہے، جس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں

ایک یہ کہ اس سے ایقاع بائن متعارف ہے، دوسری یہ کہ سوال میں مذکر طلاق تحریر ہے، اور
 ”فارغ خطی“ بریۃ و خلیۃ کا ہم معنی ہے جس سے بحالت مذکرہ بائن طلاق واقع ہوتی ہے،
 بندہ کو ان دونوں وجہوں میں اشکال ہے، وجہ اول میں یہ کہ عوام کو رجعی اور بائن میں منرق
 معلوم نہیں، وہ اس سے بالکل بے خبر ہیں، لہذا ایقاع بائن کا متعارف ہونا محل کلام ہے، کما
 قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله حرام) فان العامی الجاہل
 الذی یحلف بقولہ علی الحرام لا افعل کذلک لا یسیر بین البائن والرجعی فضلا
 عن ان یکون عرفہ ایقاع البائن بہ وانما المعروف عنده ان من حنث بهذا
 الیمن یقع علیہ الطلاق مثل قوله علی الطلاق لا افعل کذا رد المحتار ص ۵۰۳ ج ۲
 دوسری وجہ میں یہ اشکال ہے کہ جب ”فارغ خطی“ کو بوجہ عرت صریح طلاق تسلیم کر لیا گیا تو
 اس سے کنایہ کا حکم وقوع بائن ختم ہو گیا، جیسا کہ سرحتک دراصل ان کنایات سے ہے جن
 سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، مگر عرف میں صریح طلاق ہو جانے کی وجہ سے اس سے رجعی واقع
 ہوتی ہے اسی طرح بریۃ و خلیۃ سے اگر عرف میں صریح طلاق واقع ہو جائے تو ان الفاظ سے
 بھی رجعی ہوگی، چنانچہ لغت ترک میں سن بوش ”خلیۃ کا ہم معنی ہے، اور عرف کی وجہ سے
 صریح ہے، اس لئے سحزات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے وقوع رجعی کا فیصلہ تحریر فرمایا،
 البتہ لفظ حرام کی طرح کنایہ کے کسی لفظ میں شدت پائی جائے تو عرف میں اس سے صریح طلاق
 ہو جانے کے بعد بھی بائن ہی واقع ہوگی، اس لئے سندھی میں ”پھٹی کیم“ صریح ہونے کے باوجود بائن
 ہے، کیونکہ یہ ”پھینک دی“ بلکہ ”تحقیر کے ساتھ پھینک دی“ کا ہم معنی ہے، جس میں ”چھوڑ دی“
 کے مفہوم سے زائد وصف شدت بھی ہے، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اول
 باب الصریح (رتبیہ) قال فی الشر نبلا لیه وقع السؤال عن التطلیق بلغة الترتک
 هل هو رجعی باعتبار المقصد او بائن باعتبار مدلول سن بوش او بوس اول لان معناه
 خالیۃ او خلیۃ فینظر ام، قلت رافقی الرحیمی تلمیذ خیر الرملی بانه رجعی وقال
 کما افقی بہ شیخ الاسلام ابو السعود ونقل مثله شیخ مشایخنا الترمکسانی
 عن فتاویٰ علی افندی مفتی دار السلطنۃ وعن العامدیۃ (رد المحتار ص ۴۶ ج ۲)
 وقال رحمہ اللہ تعالیٰ فی اخر ما قال واطال فی لفظ ”حرام“ والحاصل انه لما عرفت
 بہ الطلاق صار معناه تحریم الزوجۃ وتحریمہا لا یکون الا بالبائن (رد المحتار ص ۴۶ ج ۲)

البتہ امداد الفتاویٰ میں مذکورہ صورت سوال میں فارغ خطی بعوض اسقاط مہر ہے، اس لئے اگر مجلس ابراہی میں شوہر نے فارغ خطی دیدی تو باتن ہو گئی، لہذا فی خلع الشامیۃ عن الذخیۃ والغانیۃ وغیرہما طلبت منه طلاقہا فقال ابرئینی عن کل حق لك حتی اطلقک فقالت ابرأتک عن کل حق للنساء علی الأزواج فقال الزوج فی فورۃ طلقک وأحدة وهی مدخول بہا تقع بائنتہ لانہ طلاق بعوض وهو الأبراء دلالة اہ (بعد سطر) فکذا اذا طلب ابراہمالہ عن المہر والنفقة صریحا لیطلقہا فابراہتہ وطلقہا فوراً یصح الأبراء لانہ ابراء بعوض (بعد ثلاثۃ اسطر) وفي الحادی الزاہدی ولو ابراہتہ لیطلقہا فقام ثم طلقہا یبرأ ان لم یقطع حکم المجلس والا فلا اہ (در المختار ص ۶۱۵ ج ۲) غرضیکہ امداد الفتاویٰ میں منقول سوال کے مطابق جواب صحیح ہے مگر جواب میں مذکورہ وجوہ صحیح نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ارجمادی الآخرہ ۸۷ھ

تدیر ابطال تعلیق

سوال: طلاق ثلاث معلق جیسا کہ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا وغیرہ کی صورت میں اس تعلیق کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے کہ دخول دار بھی ہو اور طلاق بھی نہ پڑے؟ بینوا تو جروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی تدیر یہ ہے کہ ایک طلاق دیدے، عدت گزرنے کے بعد عورت گھر میں داخل ہو اس سے تعلیق ختم ہو جائے گی، پھر اس عورت سے دوبارہ نکاح کر لے، اس کے بعد دخول دار سے طلاق نہیں پڑے گی، قال فی العلائق وتنحل الیسین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقا والا فلا فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقہا واحدة ثم بعد العدة تدخلہا فتحل الیسین فینکحہا رج المحدث (ص ۵۲۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ارجمادی الآخرہ ۸۷ھ

صیغہ مستقبل سے وقوع طلاق سمجھ کر اقرار طلاق کیا:

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو غصہ میں آکر کہا کہ اگر دوبارہ آواز کی تو تجھے تین طلاق دوں گا، اس سے پہلے کچھ کشمکش چل رہی تھی، اس نے خیال کیا کہ میں نے جو الفاظ

استعمال کئے اُن سے شاید طلاق واقع ہوگئی، اس لئے لوگوں سے کہنے لگا کہ اس کو میں نے طلاق دیدی ہے، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو سکتی ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق ہوگئی، بلکہ کسی مفتی کے غلط فتویٰ کی بناء پر شوہر طلاق کی خبر دے تو بھی قضاء طلاق ہو جاتی ہے، دیانۃً نہیں ہوتی، صورتِ سوال میں تو اس کی خبر قول مفتی پر مبنی نہیں، اس لئے دیانۃً بھی طلاق ہوگئی، مگر طلاق کے عدد میں اس کے قول اول "تین طلاق دیدوں گا" کا اعتبار نہیں بلکہ لوگوں کو خبر دینے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان کا اعتبار ہے، اگر یوں کہا کہ "میں نے طلاق دیدی ہے" جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو ایک طلاق ہوئی، اور اگر "تین طلاق دیدی ہے" کہا تو تین طلاقیں ہو گئیں، قال فی الاشباہ فی القاعدۃ السابعة عشر ولو اقر بطلاق زوجتہ لمانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی القنیۃ وقال الحموی (قوله لم یقع) ای دیانۃً اما قضاءً فیقع کما فی القنیۃ لا قرارۃ بہ (الاشباہ والانتظار ص ۱۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غزہ رجب ۱۴۲۸ھ

رجوع سے طلاق باطل نہیں ہوتی :

سوال: زید نے اپنی زوجہ کو ایک طلاق دیدی، پھر رجوع کر لیا، پھر کچھ دن بعد کسی بات پر طلاق رجعی دیدی، پھر کہنے سننے سے رجعت کر لی، پھر تیسری مرتبہ طلاق رجعی دی، تو اب تین طلاقیں ہو گئیں یا نہیں؟ اور تینوں ملا کر تین طلاقیں ہو گئیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تین طلاقیں واقع ہو گئیں، رجعی طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کر لینے سے بیوی حلال تو ہو جاتی ہے مگر اس سے طلاق کا عدد باطل نہیں ہوتا، یعنی رجوع کے بعد بھی یہ طلاق تین طلاقیں کے مجموعہ میں شمار ہوگی، اس لئے اس کے بعد مزید دو طلاقیں سے مغلط ہو جائے گی، اسی طرح رجعی طلاق کی عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کیا یا بائن طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کر لیا تو آئندہ دو طلاقیں سے مغلط ہو جائے گی، البتہ عورت نے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اس نے بھی طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا اور عورت نے پھر پہلے شوہر سے نکاح کر لیا تو اب اس کو نئے سرے سے تین طلاقیں کا اختیار ہے، ایک یا دو طلاقیں سے مغلط

۲/ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

طلاق کی جھوٹی خبر کا حکم:

سوال: زید کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنی بیوی ہندہ کو اس کے والدین کے گھر نہیں جانے دیتا تھا، ایک مرتبہ ہندہ کا بھائی عمر اپنی بہن کو لینے آیا ہوا تھا، اور خاوند عمر کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ نہیں تھا، باتوں باتوں میں جھگڑے کی صورت بن گئی، اور انتہائی سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی، اس وقت زید کا والد بکر بھی گھر میں موجود تھا، رات کو یہ جھگڑا ہوا، مگر زید ہندہ کو بھیجنے پر آمادہ نہ ہوا، یہ مجلس ناکامی پر خستہ تمام پذیر ہوئی، اور سارے افراد سو گئے، صبح کو زید نے محسوس کیا کہ والد صاحب اس کی مرضی کے برخلاف ہندہ کو عمر کے ساتھ ضرور بھیج دیں گے، اور مجھے بھی اس پر مجبور کر دیں گے، لہذا اس نے خیال کیا کہ میں گھر سے چلا جاؤں، چنانچہ وہ کسی دوسرے شہر میں چلا گیا، اور بیوی کو کہہ گیا کہ تو میکے مت جانا، زید کے چلے جانے پر بکر نے ہندہ کو عمر کے ہمراہ روانہ کر دیا، دو تین دن کے بعد آکر جب زید نے دیکھا کہ بیوی چلی گئی تو غصہ میں ایک تحریر طلاق کی اپنی بیوی کو لکھ بھیجی، جس کی نقل ہمراہ لے کر، تحریر بھیجنے کے بعد اسے یہ احساس ہوا کہ میں نے بڑی سخت غلطی کی، اور والد صاحب کی ناراضگی اس کے لئے مزید پریشانی کا موجب بن گئی، کہ والد صاحب سمجھیں گے کہ چونکہ انہوں نے ہندہ کو بھیج دیا تھا تو ان کے اس بھیجنے سے ناراض ہو کر زید نے طلاق کا انتہائی اقدام کیا، والد کی اس ناراضگی سے بچنے کے لئے زید نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں نے ہندہ کو طلاق والد صاحب کے بھیجنے کی وجہ سے نہیں دی بلکہ یہ تحریر بعد میں بھیجی گئی، اس سے پہلے جس رات عمر کے ساتھ میرا جھگڑا ہوا تھا اس رات کو سوتے وقت میں نے بہت دفعہ ہندہ کو طلاق دیدی تھی، زید نے یہی بیان اپنے بھائی خالد کے پاس بھی دیا، اور کہا میں نے اس رات نہ جانے کتنے سینکڑوں مرتبہ طلاق دیدی تھی، اور اپنے ایک دوسرے بھائی صادق کے پاس بھی یہی بیان کیا، علاوہ ازیں اپنے والد بکر کو بھی یہی لکھا کہ جس رات جھگڑا ہوا تھا اسی شب بعد میں میں نے طلاق دیدی تھی، اس تحریر کی نقل بھی لے کر لے آیا ہے، اب کچھ عرصہ کے بعد زید حقیقت حال کو یوں واضح کرتا ہے کہ شب مذکور میں میں نے ہرگز طلاق نہیں دی، طلاق کا کوئی لفظ میرے منہ سے نہیں نکلا تھا، نہ اس شب اور نہ اب تک، میرے سابقہ بیانات صرف والد صاحب کی ناراضگی کم کرنے کے لئے تھے اور فی الواقع طلاق کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا وہ سب اُس تحریر میں منحصر ہے، جو کہ ہندہ کو بھیجی گئی تھی، اور شب مذکور میں طلاق دینا میں نے قصداً جھوٹ کہا تھا

قابل دریافت یہ امور ہیں:

- ① بر تقدیر صحت واقعہ قصداً جھوٹ کہنے سے دیانۃً طلاق ہوگی یا نہیں؟
- ② اگر نہیں تو زید نے جو تحریر ہندہ کو بھیجی تھی جس کی نقل ہمراہ ارسال ہے اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی، رجعی یا بائن یا مغلظ؟
- ③ صورت مسئلہ میں ہندہ کو زید کے ہاں بدون تجدید نکاح یا بعد تجدید نکاح آباد ہو جانا درست ہے؟ بیوی کے نام بھیجی ہوئی تحریر کا ضروری حصہ

”میں آج شام جب گھر واپس آیا تو آپ کو غائب پایا، جس سے اندازہ ہوا کہ بیٹی بھی خاوند کی مرضی کے خلاف باپ کے نقش قدم پر چلنے لگی ہے، جو بیوی اپنے خاوند کے حکم کو ماننے کو تیار نہ ہو اس کے ساتھ زندگی گزارنا یا اس پر اعتماد کرنا گویا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے، اس لئے آپ کی آزادی طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کو مکمل آزادی دیتا ہوں تاکہ آپ اپنی زندگی اپنی اور اپنے باپ کی مرضی کے مطابق گزار سکیں، اب میرے گھر آنے کی ناکام کوشش مت کرنا۔“

والد کے نام خط کا ضروری حصہ

(بیوی کا نام) کا فیصلہ لکھا اور نہ جانے زبان سے کتنے سینکڑوں مرتبہ طلاق کا تلفظ کیا اور بستر پر کروٹیں لیتے ہوئے رات گزاری، صبح اُٹھتے ہی شہر کو چل دیا، صادق آباد سے کی معرفت کے نام فیصلہ روانہ کیا، تین دن کے بعد ہوش آیا اور چک واپس گیا، مگر چک میں بڑی مشکل سے چند گھنٹے رہ سکا، نہ جانے میں کس عذاب میں پھنس گیا ہوں، خدا کے لئے میری اس عذاب سے جان چھڑائیے، آپ باپ ہیں، خدا کے بعد باپ کے سوا میں اور کس سے مدد مانگ سکتا ہوں، مجھے کسی طرح چین نہیں آتا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① اگر زید نے واقعۃً طلاق کی جھوٹی خبر دی تھی تو دیانۃً طلاق نہیں ہوئی، لیکن قضاء ہو جائیگی یعنی اگر معاملہ کسی حاکم یا عدالت یا پنچائت تک پہنچا تو وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا، چونکہ سینکڑوں مرتبہ طلاق دینے کا اقرار ہے اس لئے طلاق مغلظ کا حکم دیا جائے گا،

اگر جھوٹی خبر سے قبل کسی کو گواہ بنا لیتا کہ میں اس طرح کی جھوٹی خبر دوں گا تاکہ والد صاحب ناراض نہ ہوں تو قضاء بھی طلاق کا حکم نہ ہوتا،

- ② لفظ ”آزادی دیتا ہوں“ عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے، خط میں ”مکمل آزادی“ کا

لفظ ہے جو بدون طلاق بائن کے حاصل نہیں ہوتی، لہذا اس تحریر سے ایک طلاق بائن واقع ہو گئی،
 (۳) اگر عدالت یا پنچائیت تک معاملہ نہ پہنچا تو صرف تحریر کی وجہ سے ایک طلاق بائن ہوئی، اس لئے
 تجدید نکاح کر سکتا ہے، اور عدالت یا پنچائیت تک معاملہ پہنچ گیا تو طلاق مغلف کا فیصلہ ہوگا، اس لئے
 تجدید نکاح کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہے گی، نقل فی الشامیۃ عن البحر ولواقربا لطلاق
 کاذباً وھازلاً وقع قضاء لادیانۃ اھ ویأتی تمامہ (رد المحتار ص ۲۷۴) والیضا فیہا
 تحت (قولہ اھازلاً) عن النزایۃ والقنیۃ لواراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لا یمتنع
 دیانۃ وان اشہد قبل ذلک لا یقع قضاء ایضاً (رد المحتار ص ۲۷۴) وفی شرح
 التنبیہ قال انت طالق وانت حرو عنی الاخبار کذباً وقع قضاء الا اذا اشہد علی
 ذلک (رد المحتار ص ۲۷۹)

اگر بیوی کو کئی طلاقیں کے اقرار کا علم ہو گیا تو اس کے لئے اس شوہر کے ساتھ تجدید نکاح جائز
 نہیں لان المرأة کالقاضی، البتہ اگر بیوی کو حقیقت امر کا کامل یقین ہو اور اس کا قلب پورے
 طور پر مطمئن ہو کہ شوہر نے سینکڑوں طلاقیں کی جھوٹی خبر دی ہے تو اس کا شوہر کے ساتھ تجدید نکاح
 کرنا جائز ہے، اس لئے کہ طلاق کی جھوٹی خبر سے قضاء وقوع طلاق کا حکم مظنہ تہمت ہونے کی بناء پر
 کیا جاتا ہے، چنانچہ وجود بینہ کی صورت میں یہ بناء حکم موجود نہیں، اس لئے وقوع طلاق کا حکم بھی نہیں
 لگایا جاتا، اسی طرح عورت پر حقیقت حال واضح ہونے کی صورت میں اس کے حق میں مظنہ تہمت
 نہیں، لہذا اس کے لئے حرمت بھی ثابت نہ ہوگی، المرأة کالقاضی کا مقتضی بھی یہی ہے، اس لئے
 کہ قضاء القاضی بعلمہ میں یہ تفصیل ہے کہ خالص حدود اللہ میں جائز نہیں، اور غیر حدود میں عند
 المتقدّمین جائز ہے، متاخرین نے فساد زمان کی بناء پر اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اس علت کا اثر
 صرف غیر کے لئے قضاء پر پڑتا ہے، خود اپنے نفس کے لئے حکم معلوم کرنے پر اس کا کوئی اثر نہیں،
 لہذا اپنے لئے اپنے علم کے مطابق عمل کرنا جائز ہے، نقل فی الشامیۃ عن منیۃ المفتی
 الملخصۃ من السراجیۃ مانصہ قال القاضی یقضی بعلمہ بحد القذف والقصاص
 والتعزیر ثم قال قضی بعلمہ فی الحدود الخالصة للہ تعالیٰ لا یجوز اھ افادہ بعض
 المحشیین وھذا موافق لسا مرن عن الفتح معنی الفرق بین الحد الخالص للہ تعالیٰ
 وبين غیرہ ففی الاول لا یقضی اتفاقاً بخلاف غیرہ فیجوز القضاء فیہ بعلمہ وھذا
 علی قول المتقدمین وھو خلاف المفتی بہ کما علمت (رد المحتار ص ۲۷۵) وقال

العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ ان المعتمد عدم حکمہ بعلمہ فی زماننا اشباہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای عند المتأخرین لفساد قضاء الزمان وعبارۃ الاشباہ الفتاویٰ الیوم علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین رد المحتار، ص ۳۹۴، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ

شہر بوقت طلاق جنون کا مدعی ہے:

سوال: نہایت ادب سے التماس ہے کہ میں عرصہ چار پانچ ماہ سے بعارضہ نبی مبتلا ہوں ڈاکٹری علاج کر رہا ہوں، ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے گرم دواؤں اور انجکشنوں کی گرمی دماغ کی طرف رجوع ہو گئی، عرصہ ایک ماہ سے چکر آنے لگے، اور دماغی صلاحیت جاتی رہی، معمولی معمولی باتوں پر گھر میں بیوی اور بچوں سے جھگڑا کرنے لگا، اس وقت میری عمر چھیالیس سال کی ہو اور میری بیوی کی عمر پچاس سال کی ہے، میرے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں جن میں سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں شادی شدہ ہیں، تین لڑکے اور دو نابالغ لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں جو کہ میری پرورش میں ہیں، جن کا ذریعہ معاش میری آمدنی پر ہے، مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۶۸ء کو بوقت پانچ بجے شام میری بیوی جو کہ چار پانچ روز سے بیمار تھی میں نے اس کو ڈاکٹر کے ہاں لے جانے کے لئے کہا، وہ نہیں گئی، اس بات پر مجھ کو غصہ آ گیا، اور میرا دماغی توازن بگڑ گیا، اس وقت میری سمجھ میں اچھا برا کچھ نہیں آیا، عقل ماری گئی، اور جنونی کیفیت پیدا ہو گئی، اسی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق ایک ہی زبان میں کہہ ڈالا، تھوڑی دیر کے بعد جب میرے ہوش و حواس درست ہوئے تو مجھ کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، اور اس شیطانی حرکت پر سخت افسوس ہوا، مجھ سے یہ حرکت دماغی توازن بگڑ جانے کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر آپ کی جنونی کیفیت پہلے سے لوگوں میں مشہور تھی اور آپ حلفیہ بیان دیں کہ بوقت طلاق آپ پر یہی جنونی کیفیت طاری تھی تو طلاق نہیں ہوئی، اور اگر آپ کا جنون پہلے سے لوگوں میں معروف نہیں تھا تو اگر دو معتبر مرد یا ایک معتبر مرد اور دو معتبر عورتیں یہ شہادت دیں کہ بوقت طلاق آپ کی جنونی کیفیت تھی تو طلاق نہیں ہوئی،

اگر آپ کا جنون پہلے سے لوگوں کو معلوم نہیں اور وقت طلاق میں جنونی حالت طاری ہونے پر

تفصیل مذکور کے مطابق دو معتبر گواہ بھی نہیں تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور بیوی آپ پر حرام ہو گئی، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الخیریۃ تحت قول الدر (وفی القاموس دہش) وسئل نظماً فیمن طلق زوجته ثلاثاً فی مجلس القاضی وهو مختاظ مدہوش فاجاب نظماً ایضاً بان الدہش من اقسام الخوک فلا یقع واذا کان یعتادہ بان عرف منه الدہش مودة یصدق بلا برہان اھ (رد المحتار ص ۲۶۳ ج ۲) وقال فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ والقول قوله بیسینہ ان عرف منه الدہش وان لم یعرف، منه لا یقبل قوله قضاءً الا ببینۃ كما صرح بذلك العلماء الحنفیۃ رحمہم اللہ تعالیٰ (العقود الذریۃ ص ۱۷۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲، رمضان ۱۲۸۸ھ

طلاق کے بعد زوجین کا بغیر ضرورت اکٹھے رہنا:

سوال (متعلق مسئلہ بالا): میں ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوں، اس حالت میں بیوی کے سوا دوسرا کوئی میری تیمارداری کرنے والا نہیں، اور نہ میرے بیوی بچوں کا میرے سوا کوئی پرورش کا ذریعہ ہے، لہذا ایسی صورت میں میں اپنی بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتا، حالات مندرجہ بالا کو مد نظر رکھ کر کوئی گنجائش نکالتے، ورنہ میری اور بچوں کی زندگی تباہ ہو جائے گی، بینوا تو جو رہا

الجواب باسم ملہم الصواب

میرٹھاپے اور مرض کے پیش نظر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور خدمت جائز ہے بشرطیکہ میاں بیوی جیسا معاملہ نہ ہونے پائے، اگر کسی ناجائز معاملہ میں ابتلا کا ادنیٰ سا خطرہ بھی ہو تو بالکل علیحدگی اختیار کرنا فرض ہے، اور ایک مکان میں رہنا جائز نہیں، فی فصل الحداد من عدة العلامیۃ معزیاً الی المجتبى لہما ان یسکنا بعد الثلاث فی بیت واحد اذا لم یلتقیا التقاء الازواج ولم یکن فیہ خوف فتنۃ استھل وسئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا وکل منہما ستون سنۃ ویدنہما اولاد وتعتذر علیہما مقارقتہم فی سکنان فی بیتہم ولا یجتمعان فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج هل لہما ذلک قال نعم واقوۃ المصنف، وفی الشامیۃ (قولہ) وسئل شیخ الاسلام (حیث اطلقوہ ینصرف الی بکر المعروف بغواہ زادہ) وکأنہ اراد بنقل ہذا تخصیص ما نقلہ عن المجتبى بہا اذا كانت السکنی معہا حاجۃ کوجود اولاد یخشی ضیاعہم لو سکنرا معہ او معہا او کونہما کبیرین لا یجد ہر من یعولہ ولا ہی من یشتری لہما

اور نحو ذلك والظاهر ان المتقين يكون سنهما ستين سنة ووجود الاولاد مبني على كونه
كان كذلك في حادثة السؤال كما افاده طررد المختار ص ۶۵ ج ۲، فقط والله تعالى اعلم،
۲۴ رمضان ۱۳۸۸ھ

جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے؛

سوال؛ زید نے ایک باشعور لڑکی سے شادی کی، شادی کے تین چار مہینے بعد میاں بیوی کے
درمیان جھگڑا ہوتا ہے تو عورت کے ورثہ پستول کے ذریعہ جبری طلاق لیتے ہیں، شوہر بیچارہ ڈر کے
مائے تین طلاق تین لفظوں سے بغیر کسی مال کے عوض کے دے کر نیت رجعی کرتا ہے، پھر دس، پندرہ
یوم کے بعد اعلان رجعت بھی کرتا ہے، اب اس کا رجوع کرنا صحیح ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لئے طلاق مغلط ہو گئی، اور طلاق مغلط میں نیت رجوع
کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں، ایسے ابتلاء کی حالت میں یہ تدبیر اختیار
کی جاسکتی ہے کہ طلاق لکھ دے زبان سے نہ کہ حالت اکراہ میں لکھنے سے طلاق نہیں پڑتی، دوسری
تدبیر یہ ہے کہ لفظ طلاق کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہہ دے تو طلاق نہیں ہو گی خواہ ان شاء اللہ
آہستہ ہی کہا ہو، بشرطیکہ خود آواز سنے، عند الکفرخی یہ شرط بھی نہیں، قال فی شرح التنویر
ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدر ابداناً لیحل السكران ولو عبداً او مکروہاً
فان طلاقه صحیح لا اقرار بالطلاق (رد المختار ص ۵۶ ج ۲) وفي الشامية (قوله
ان لم یطلق بائناً) هذا بیان لشرط الرجعة ولها شروط خمس تعلم بالتأمل
شرعی لایة قلت ہی ان لا یكون الطلاق ثلاثاً فی الحرة او ثنتين فی
الامة الخ (رد المختار ص ۵۶ ج ۲)، فقط والله تعالى اعلم،

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ

مجبوراً اقرار طلاق سے طلاق نہیں ہوتی؛

سوال؛ ایک شخص کو طلاق پر مجبور کیا گیا اس نے مجبور ہو کر گزشتہ زمانہ میں طلاق
دینے کا جھوٹا اقرار کیا، کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، حالانکہ اس سے قبل اس نے
کوئی طلاق نہیں دی تھی، اس صورت میں طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حالتِ اکراہ میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے، مگر اقرارِ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی، لہذا صورتِ سوال میں طلاق واقع نہ ہوگی، قال فی التنبیہ و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل دلو عبداً أو مکرہاً، وفي الشرح فان طلاقه صحيح لا اقراراً بالطلاق، (رد المحتار ص ۲۷۴، فقط واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۳/ محرم ۱۳۹۸ھ

جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق نہیں ہوتی:

سوال: میں اپنے والدین سے علیحدہ رہتا ہوں، ایک دفعہ والدین سے ملنے گیا تو ان لوگوں نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کہا کہ ہم نے تمہاری شادی کرائی تھی اور ہمارے کہنے سے تمہیں یہ شادی چھوڑنی پڑے گی، کیونکہ لڑکی خراب ہے، پھر میرے والد صاحب مجھے جج کورٹ لے کر گئے، میں ایک آن پڑھ آدمی ہوں، ان لوگوں نے وہاں ایک اسٹامپ لکھوایا، مجھے نہیں معلوم اس پر کیا لکھا ہوا تھا، اتنا ضرور پتہ تھا کہ یہ سب کچھ میری بیوی کو طلاق دینے کے لئے کیا جا رہا ہے، میں نے ان لوگوں کے دباؤ میں آکر اسٹامپ پر دستخط کر دیئے، اور منہ سے ایک مرتبہ بھی اپنی بیوی کا نام لیکر طلاق نہیں دی، اب براہ مہربانی مجھے یہ مسئلہ بتائیں کہ میری بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کوئی ایسا طریقہ شرع میں ہے کہ جس سے میں اپنی بیوی سے دوبارہ تعلقات بحال کر سکوں؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک زبان سے طلاق کے الفاظ نہ کہے، لہذا صورتِ سوال اگر صحیح ہے تو طلاق نہیں ہوئی، قال فی التامیۃ تحت قولہ لا اقرارہ بالطلاق، وفي البحران المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق فلو اكراه على ان يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية (رد المحتار ص ۲۷۴، فقط واللہ تعالیٰ اعلم)

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، چلی جا:

سوال: ایک آدمی اپنی بیوی کو حالتِ غضب میں کہتا ہے تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا، تجھ کو میں نے چھوڑ دیا ہے، تو چلی جا، جب شہادت طلب کی گئی تو تین آدمیوں نے جن میں سے

دو مطلق کے بھائی ہیں، بعینہ الفاظ مذکورہ پر شہادت دی، جب اس مطلق کے والد حج سے واپس تشریف لائے تو دو گواہوں نے اس پہلی گواہی سے یوں رجوع کیا ہے کہ پہلے ہم نے جس طرح گواہی دی، معاملہ اس قسم کا نہیں تھا، بلکہ اس نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، ایک دو تین طلاق کہا تھا، مگر پہلے ہم گواہی دیتے تو ہمیں جان کا خطرہ تھا، اب چونکہ والد صاحب موجود ہیں لہذا ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں، صورت مذکورہ کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ نیز جملہ ادلی کا حکم کیا ہوگا؟ جملہ ثانیہ ایک طلاق رجعی ہے، اور جملہ ثالثہ کو جملہ ثانیہ کا جزو قرار دینا صحیح ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جو روا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جملہ ادلی میں تیرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ میں طلاق پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ موجود نہیں، لہذا اس سے کچھ واقع نہ ہوگا،

جملہ ثانیہ تجھ کو میں نے چھوڑ دیا۔ سرحت کی طرح صریح طلاق ہے، لہذا بلا نیت ہی اس سے طلاق رجعی ہو گئی،

جملہ ثالثہ تو چلی جا۔ اگر بدون نیت یا بנית طلاق کہا تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی، البتہ اگر طلاق سابق پر تفریع کی نیت سے کہا تو صرف جملہ ثانیہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، جملہ ثالثہ میں بدون نیت کے وقوع طلاق پر اگر یہ شبہ ہو کہ اسے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اُن الفاظ میں شمار کیا ہے جو بہر حال نیت پر موقوف ہیں ان میں مذاکرۃ طلاق کو نیت کے قائم مقام نہیں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالت مذاکرۃ طلاق یعنی حالت سوال طلاق میں اذہبی میں چونکہ رد و طلاق دونوں احتمال تھے اس لئے نیت کی شرط لگائی گئی، مگر مسئلہ زیر نظر میں ایک طلاق دینے کے بعد رد کا کوئی احتمال نہیں، بلکہ اس میں تفریع و طلاق جدید کا احتمال ہے، لہذا اگر تفریع کی نیت نہ ہوگی تو مستقل طلاق شمار ہوگی،

باقی رہا مسئلہ شہادت، سو اگر پہلی شہادت فیصلہ کی مجلس میں نہ ہوئی ہو، بلکہ ویسے ہی شاہدوں نے اس کا تذکرہ کیا ہو تو اس کا اعتبار نہیں، فیصلہ کی مجلس میں جو کچھ بیان کریں گے وہ معتبر ہوگا، اگر پہلی شہادت فیصلہ کی مجلس میں ہوئی ہو اور اس کے مطابق فیصلہ ہو چکا ہو تو دوسری شہادت کا اعتبار نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

ار صفر ۱۳۸۹ھ

ایسی بیوی مجھے درکار نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ ایسی بیوی مجھے درکار نہیں۔

اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہو گئی تو رجعی ہوئی یا بائن؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی، نقل فی الہندیۃ عن السلج الوہاج ولو قال لا
حاجة لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق (عالمگیریۃ ص ۳۴۵)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۶ جمادی الآخرہ ۸۹ھ

خیار طلاق مجلس کے ساتھ خاص ہے:

سوال: ایک شخص نے شادی کرتے وقت شرط لگائی تھی اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت
میں عورت کو دو عالموں کے سامنے طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا تھا، دریافت طلب اینکه شرط کی
خلاف ورزی کی صورت میں عورت کا خیار مجلس کے ساتھ خاص ہو گا یا بعد میں جب بھی وہ چاہے
طلاق واقع کر سکتی ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کو جب شرط کی خلاف ورزی کا علم ہوا اس کی اسی مجلس میں اس کو خیار طلاق ہے،
اس کے بعد نہیں، اگر اسی وقت دو عالموں کی تلاش شروع کر دی تاکہ اُن کے سامنے طلاق واقع
کرے تو خیار رہے گا ورنہ نہیں، البتہ اگر شوہر نے ہمیشہ کے لئے خیار دیا ہو مثلاً یہ کہا کہ ”جب چاہے
طلاق واقع کرے“ تو ہمیشہ کے لئے عورت کو خیار طلاق مل جائے گا، قال فی التنویر قال
لہا اختاری او امرک بیدک ینوی الطلاق او طلقی نفسک فلہا ان تطلق فی مجلس
علمہا بہ وان طال مالہم تقم او تعمل ما یقطعہ لا بعدہ الا اذا زادت مٹی شئت او
مٹی ماشتت او اذا شئت او اذا ماشتت، وفی الشامیۃ تحت (قوله ما لم تقم الخ)
والاصح کما فی البحر والنہر انہ لا بد ان یدل علی الاعراض واثار الخلاف ینظر
فیہما لو قامت لتدعوا لشہود کما یأتی رد المحتار ص ۵۱۶ ج ۲) فلما لم یبطل الخیار
المطلق بالتأخیر لطلب الشہود فالخیار المقید بکونہ عند الشہود من العلماء
لا یبطل بالاولیٰ،

وفی البحر واطلق الامر بالید فشمیل المنجز والمعلق اذا وجد شرطہ ومنہ
ما فی المحيط لو قال ان دخلت الدار فامرک بیدک فان طلقت نفسہا کما وضعت
القدم فیہا طلقت لان الامر فی یدہا وان طلقت بعد ما مشت خطوتین لم تطلق

لانہا طلقت بعد ما خرج الامر من يدها، وفي المتعة (قولنا وان بعد ما مشيت خطرتين لم تطلق) قال المقدسي في شرحه وفي العتابة وان مشيت خطوة بطل، اقول توقيفه ان ما في العتابة يحصل على ما اذا كانت رجلا فوق العتية والاخرى دخلت بها وما سبق على ما اذا كانت خارج العتبة فباول خطوة لم تتعد اول الدخول فبالثانية تتعدى ويخرج الامر من يدها (البحر الرائق ص ۳۱۸ ج ۳) نقطوا الله تعالى اعلم
 ۱۹ شعبان ۱۲۸۹ھ

طلاق بعد خلوت صحيح بائن ہے :

سوال : اگر کسی نے محض خلوت صحیح کے بعد یعنی قبل الدخول اپنی بیوی کو طلاق دیدی، تو وہ کونسی طلاق شمار ہوگی؟ رجعی یا بائن؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بائن ہوگی، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی بیان الصور التي تكون الخلوة الصحيحة فيها كالوطء وكذا في وقوع طلاق بائن آخر على المختار، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی البزازیة والمختار انه يقع عليها طلاق آخر في عدة الخلوة وقيل لا امر وفي الذخيرة واما وقوع طلاق آخر في هذه العدة فقد قيل لا يقع وقيل يقع وهو اقرب الى الصواب لان الاحكام لما اختلفت يجب القول بالوقوع احتياطاً ثم هذا الطلاق يكون رجعياً او بائناً ذكر شيخ الاسلام انه يكون بائناً ومثله في الوهبانية وشرحها والحاصل انه اذا اخلأ بها خلوة صحيحة ثم طلقها طلقة واحدة فلا شبهة في وقوعها فاذا طلقها في العدة طلقة اخرى فمقتضى كونها مطلقه قبل الدخول ان لا تقع عليها الثانية لكن لما اختلفت الاحكام في الخلوة في انها تارة تكون كالوطء وتارة لا تكون جعلناها كالوطء في هذا اقلنا بوقوع الثانية احتياطاً لوجودها في العدة والمطلقة قبل الدخول لا يلحقها طلاق آخر اذا الم تكن معتدة بخلاف هذه والظاهر ان وجه كون الطلاق الثاني بائناً هو الاحتياط ايضاً ولم يتعرضوا للطلاق الاول واذا الرحمتي انه بائن ايضاً لانه طلاق قبل الدخول غير موجب للعدة لان العدة انما وجبت لجعلنا الخلوة كالوطء احتياطاً فان الظاهر وجود الوطء في الخلوة الصحيحة ولان الرجعة حق الزوج واقراراً بانه

طلق قبل الوطء یفقد علیہ فیقع بائناً واذ کان الاول لا تعقبه الرجعة یلزم کون الثاني مثله ۱۵ ویشیر الی هذین أقول الشارح طلاق بائناً آخر فانه یفید ان الاول بائن ایضاً ویدل علیہ ما یأتی قریباً من انه لا رجعة بعده وسیأتی التصریح به فی باب الرجعة وقد علمت مما قررناه ان المذكور فی الذخیره هو الطلاق الثاني دون الاول فافهم ثم ظاهر اطلاقهم وقوع البائن اولاً وثانیاً وان کان بصریح الطلاق وطلاق الموطوءة لیس كذلك فیخالفت الخلوۃ الوطء فی ذلك واجاب ح بان المراد التشبیه من بعض الوجوه وهو ان فی کل منهما وقوع طلاق بعد اخراجه واما الجواب بان البائن قد یلحق البائن فی الموطوءة فلا یدفع المتخالفۃ المذكورة فافهم (رد المحتار ص ۳۷۱ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۵ رربیع الآخر سنه ۹۰۰ھ

بلا اراده لفظ طلاق نکلنے سے طلاق ہو گئی:

سوال: ہم آپس میں بات چیت کر رہے تھے اچانک منہ سے یہ بات نکل گئی، میری منکوحہ آسیہ تجھے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اب حسب شرع کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

تین طلاقیں واقع ہو گئیں، قال فی التنبیہ و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبد او مکرمًا او هازلًا (الی قولہ) او مخطئاً، وفی الشرح بان اراد التکلم بغير الطلاق فجری علی لسانہ الطلاق (رد المحتار ص ۳۷۱ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۵ محرم السنه ۹۰۰ھ

نکاح پر معلق طلاق میں تدبیر اخفاء تجدید نکاح:

حضرت والا کی خدمت میں خیر المدارس کا سوال و جواب پیش کرتا ہوں، براہ کرم اس پر نظر فرما کر تصویب فرمائیں:

سوال: زید کو کسی مجبوری کی بنا پر یہ کہنا پڑا کہ نکاح کرتے ہی میری بیوی پر طلاق رجعی ہے، آیا صورت مسئلہ میں طلاق بائن ہوگی یا رجعی؟ اگر بائن ہو تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ راز افشا نہ ہو مثلاً نکاح پڑھاتے وقت مجلس واحد میں ولی نکاح جو منکوحہ کا باپ ہو نکاح کے الفاظ کو بجائے ایک دفعہ کے دو دفعہ تلفظ کرے اور زید بھی قبول کے لفظ کو دو دفعہ کہے تو اس سے تجدید نکاح ہو جائے گی

یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

جواب از خیر المدارس ملتان:

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کے اس کہنے سے بوقت نکاح طلاق بائن واقع ہو جائے گی، لیکن اگر ایجاب و قبول کے الفاظ دوبارہ لوٹائے گئے تو پھر دوسری مرتبہ کہنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا، فقط

بندہ محمد اسحق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

اسی مجلس میں دوبارہ ایجاب و قبول کرنے سے دوبارہ نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اس کی خبر ملنے پر منکوحہ کے سکوت کرنے یا قبض ہر یا خستی وغیرہ سے لازم ہو جائے گا، فقط والجواب صحیح، عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر المدارس ملتان، ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

جواب مذکور دو وجہ سے صحیح نہیں، اولاً اس لئے کہ ولی ایجاب کا تکرار نکاح کی تاکید کے لئے کرے گا نہ کہ بنیت تجزید، لہذا اس سے جدید نکاح منعقد نہ ہوگا، ثانیاً اس لئے کہ اگر ولی نے قبل از نکاح لڑکی سے اجازت لی تو یہ وکیل ٹھہرا پس ایجاب اول سے اس کی وکالت ختم ہوگئی اور ایجاب ثانی فضولی کا ہوا، جو لڑکی کی دوبارہ اجازت پر موقوف ہوگا، اور لڑکی کی دوبارہ اجازت قولی یا فعلی جب معتبر ہوگی کہ وہ اسے اجازت سابقہ کی تاکید نہ سمجھے، بلکہ تجزید کی نیت سے اجازت دے اور ظاہر ہے کہ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو کسی نہ کسی طریق سے اجازت سابقہ کے کالعدم ہو جانے کا علم ہو جائے، رضا بالابقاء رضا بالاحداث کو مستلزم نہیں، اور اگر باپ نے پہلا ایجاب بلا اجازت کیا تو ابھی تک نکاح نافذ نہیں ہوا، لہذا طلاق بھی نہیں ہوگی، تکرار ایجاب و قبول کے بعد جب لڑکی کو علم ہوگا اور وہ قبول کرے گی اس وقت نکاح نافذ ہو کر طلاق بائن واقع ہو جائے گی، لہذا محررہ حیلہ بہر کیف بے کار رہا، بندہ نے صیح مخلص تلاش کرنے پر غور کیا، مگر کوئی سبیل نظر نہیں آتی، ممکن ہو تو یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ دوسری بار لڑکی کا والد ایجاب نہ کرے، بلکہ شوہر یا اس کا وکیل ایجاب کرے، اور لڑکی کا والد قبول کرے، اس صورت میں نکاح اول سے والد کی وکالت ختم ہو جانے کی

درجہ سے اس کا قبیل کرنا صحیح نہیں ہوا مگر شوہر یا اس کے وکیل کا ایجاب صحیح ہو گیا، بعد میں شوہر بیوی پر حقیقت حال ظاہر کر دے، اس کے بعد اگر بیوی نے قولاً یا فعلاً قبول کر لیا تو یہ نکاح نافذ ہو جائے گا، اور اگر لڑکی سے پہلے اجازت نہ لی گئی ہو تو اس کو پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں، دوسری بار مجلس نکاح میں شوہر کی طرف سے ایجاب کے بعد شوہر کا بیوی کو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میرا تجھ سے نکاح ہو گیا اور اس پر بیوی نے قولاً یا فعلاً اجازت دیدی تو نکاح نافذ ہو گیا، شوہر کی خبر پر بیوی کا سکوت بحکم اجازت نہیں ہوگا، سکوت بحکم اجازت صرف اس صورت میں ہوتا ہے کہ نکاح کی خبر دلی اقرب نے دی ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

تو طلاق ہے :

سوال : کسی نے اپنی زوجہ کو اس طرح کہا کہ ”تو طلاق ہے تو طلاق ہے تو طلاق ہے“ کیا عورت اپنے زوج پر حرام ہو گئی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تین طلاقیں واقع ہو کر حرام ہو گئی، قال فی التنبیرو فی انت الطلاق او طالق الطلاق انت طالق طلاق واقع واحد رجعیۃ ان لم ینوشید او نوسی واحدۃ او ثنتین فان نوسی ثلاثا فثلاث (رد المحتار ص ۲۶۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ سوال ۱۴۱۹ھ

ایک دو تین، جاؤ، تو میری ماں بہن ہے :

سوال : ایک فتویٰ ارسال خدمت ہے، اس سے متعلق اپنی رائے عالی و تحقیق انیق تحریر فرما کر تشفی فرمائیں، والا جو عنذ اللہ الکریم، سوال : شخص در حالت غضب و مذاکرۃ طلاق زوجہ خویش را مخاطب کر دو گفت ”یک سہ برو، تو مادر و خواہر من ہستی“ و کلام نیت از طلاق وغیرہ نداشتہ بود، آیا بگفتن الفاظ مذکورہ بر زوجہ آن طلاق واقع می شود یا نہ؟ اگر می شود پس چند و کدام؟ بینوا توجروا،

الجواب :

اقول و یا اللہ المتوفیق ومنہ السداد، ایں الفاظ تجزیہ طلب اند و کل سہ اجزاء اند، ہر یک جز را حکم علیحدہ نوشتمی شود، جزء اول، یک دوسہ، جزء دوم، برو، جزء سوم، تو مادر و خواہر من ہستی،

جواب جز اول آنکہ یک دوسہ اوصاف اند و آن ہم بوجہ تملیح بودن موصوف خود مفید برائے طلاق نیستند، بالفرض اگر نیت طلاق داشته باشد پس ہم یک دوسہ تنہا این الفاظ مہمل شمرده می شوند از ان تکرار طلاق در ان وقت می شود ہر گاہ از زبان این جانب اشارہ لفظی کرده باشد، لیکن در اینجا بہ ہمراہی عدد کدام اشارہ لفظی نیست، و مجرد عدد اند و عدد کدام مفہوم ندارد، کما فی الشامیۃ ص ۲۷۸۶ وقد تقرّر فی الاصول ان العدد لا مفہوم لہ اہ، و ایضاً فی الشامیۃ و بہ ظہران من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثہ أحجار وینوی بہ الطلاق و لم یذکر لفظاً الاصریحاً ولا کنایۃً لا یقع علیہ کما افق بہ الخیر الرملی رد المحتار ص ۴۵۳ و نظیر آن در امہال لفظ ہذا کہ شخص بسہ انگشت خود زن خود را اشارہ کردہ بگوید انت ہکذا فقط، اینجا اشارہ بیان است ملفوظ را و آن دریں جا موجود نیست، کما قال فی الدر المختار و لو قال انت ہکذا مشیراً ولم یقل طالق لم ارہ، در غایۃ الاوطار تحت عبارت مذکورہ نقلاً عن حاشیۃ المدنی نوشتہ است جلی می گوید کہ دریں صورت طلاق واقع نشدن نہایت صریح است، زیرا کہ این لفظ نہ صریح است و نہ در کنایہ داخل است و اشارہ بیان است ملفوظ را و این جا آن ہم موجود نیست،

و خیر الدین رملی گفتہ کہ این طور قول نخواند اگرچہ قائل نیت طلاق داشته باشد و حموی بر حاشیۃ الاشباہ والنظائر ہم عدم وقوع را از قول بعضی علماء تصریح کردہ است (حاشیۃ مدنی علی الدر) و علامہ شامی در منہ الخالق حاشیہ البحر الرائق ص ۲۸۶ ج ۳ می فرماید قال الرملی و قید بقولہ انت طالق لانہ لو قال انت ہکذا فهو لغو و لو نوى الطلاق لان اللفظ لا یشعر بہ والنیۃ لا توثر بغير اللفظ، قال الزیلعی فی تعلیل اصل المسألت لان الاشارة بالاصابع تفید العلم بالعدد عرفاً و شراً اذا اقترنت بالاسم المبہم اہ و لا طلاق ہنا یشار الیہ بہ فتأمل و لم ارہ من صرح بہ فی ہذا المحل الی الان ثم راجعت احکام الاشارة من الاشباہ والنظائر فوجدتہ قال ولم ار الان انت ہکذا مشیراً باصابعہ ولم یقل طالق اہ اقول وقد رأیت الحکم کما ذکرته بالعلۃ المذكورۃ فی کتب الشافعیۃ کشرح الروض لشیخ الاسلام زکریا وغیرہ و لا شیء من قواعدنا ینافیہ فتأمل،

و نظیر دوم آنچہ کہ بجواب زوجہ خود کہ مرا طلاق بدہ بسہ انگشت بطرفش اشارہ کرد

ونیت طلاق داشت و بزبان سچ نہ گفت کما قال فی الخانیۃ المرأة قالت لزوجها طلقنی فاشار الیہا بثلاث اصابع و نوى به التطلیقات لا تطلق ما لم یلفظ به اھ،
و نظیر سوم آنجہ کہ بجواب مطابۃ طلاق از زن شوہر آن بطرفش سہ عدد کلوخ انداخت و گفت بگیر کہ در ابہام مثل یک دوسہ اند و لغو نہ اگرچہ اس القابہ احجار و غیرہ را در اعتقاد خود طلاق می پندارد کما قال الشامی ص ۴۶۵ و لا یقع باللقاء ثلاثۃ احجار الیہا و امرها بحلق شعرها وان اعتقد الا لقاء والحلق طلاقا کما قد منالان رکن الطلاق اللفظ وما یقوم مقامہ مما ذکر کما مر،

ایضاً قال العلامة الشامی فی منحة الخالق حاشیۃ البحر ص ۲۸ ج ۳ و بہ یعلم جواب ما یقع من الاتراء من رمی ثلاث حصوات قائلاً أنت هكذا اولاً ینطق بلفظ الطلاق وهو عدم الوقوع تأمل،

لن ا بلفظ اھکن او در مذاکرۃ طلاق سہ انگشت اشارہ کردن یا سہ کلوخ انداختن یا یک دوسہ گفتن کدام طلاق واقع نمی شود اگرچہ نیت طلاق داشتہ باشد زیرا کہ رکن طلاق لفظ طلاق است یا چیزے کہ قائم مقام طلاق باشد و اس الفاظہ الفاظ طلاق ندونہ قائم مقام طلاق،
و آنجہ در فتاویٰ خلاصہ ص ۹۸ ج ۲ نوشته است و فی الفتاویٰ رجل قال لا مراۃ ترائیکے تراستہ او قال تو یکے توستہ قال ابو القاسم الصغار لا یقع شیء و قال الصدر الشہید یقع اذا نوى وقال بہ یفتی الخ،

باید دانست کہ فرق در میان ترا یکے و تراستہ و تو یکے و توستہ در میان یک دوسہ واضح است فتأمل، چنانکہ در میان أنت و احدى و در میان صرف و احدى گفتن، اول از کنایات طلاق نہ و وقوع ازاں موقوف بہ نیت است و دوم لغو، کما قال فی البحر الرائق ص ۲۶۱ ج ۳ و ظاہر أنت متى بثلاث وانت بثلاث بحدف منی سواء فی کونه کنایۃ و اما أنت الثلاث فلیس بکنایۃ اھ، ہر گاہ کہ توستہ کنایہ از طلاق نیست بلکہ لغو است پس در لغویت فقط "تستہ" کدام یک اشتباہ باقی نمی ماند،

سوال کے تین اجزاء میں سے صرف ایک کی تشریح ہو گئی باقی دو اجزاء رہ گئے ہیں،

الجواب باسم ملہم الصواب

جواب مذکور صحیح نہیں، اس میں سب سے پہلا استدلال وقد تقررت فی الاصول ان

العدد لا مفهوم له ایسا ہے کہ اس کے جواب سے سکوت ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد القارہ اجارہ اشارہ بالاصابع سے عدم وقوع طلاق سے متعلق جزئیات تحریر ہیں مگر ایک دو تین کو القارہ اجارہ اشارہ بالاصابع پر قیاس کر کے نواقارہ دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ ایک دو تین ملفوظات ہیں اور ملفوظات کو غیر ملفوظات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ مقیس وقوع طلاق کے لئے شرط ہے اور مقیس علیہ ایتار طلاق میں مؤثر نہیں،

اشارہ بالاصابع کے ساتھ انت فکذ ابھی کہا تو طلاق واقع ہو جائے گی، محرر نے اس بارہ میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت منہ الخالق سے نقل کی ہے، مگر معلوم نہیں کہ رد المحتار کی طرف کیوں رجوع نہیں کیا؟ رد المحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ رملی کا کلام مذکور نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں درأیت بخط الساعی مقصنی مانی الخانیة من قولہ ولو قال لا مراۃ انت ثلاث قال ابن الفضل اذ انوی یقع، انه یقع هنا اذ انوی فیہا ایضا اذ قال طالق فقیل من عنیت فقال امرأتی طلقت ولو قال انت منی ثلاث طلقت ان نومی اذ کان فی مذاکرة الطلاق والا قالوا یخشی ان لا یصدق قضاءہم وکذا نقل الرحسیتی عبارة الخانیة الاولى ثم قال والظاهر ان قوله هكذا مثل قوله بثلاث ام اقول ای لان کلامہما مرتبط بلفظ طالق مقدرا وقول الرملی ان اللفظ لا یشعر به غیر مسلم وما نقلہ عن الزیلعی لا ینافیہ لان المراد بالاسم المبهم لفظ هكذا المراد به العدد الذی اشیر به الیه وسماء مبہما لکونه لم یصرح بکمیته کما حققہ فی النہر والاسم المبهم مذکور فی مسئلتنا فیفید العلم بعد الطلاق المقدرا الذی نواه المتکلم کما ان قوله بثلاث دل علی عد طلاق مقدرا قواہ المتکلم ولا فرق بینہما الا من جهة ان العدد فی احدهما صریح وفي الآخر غیر صریح وهذا الفرق غیر مؤثر بدلیل انه لا فرق بین قوله انت طالق هكذا مشیرا الی الاصابع الثلاث وبين قوله انت طالق بثلاث، هذا ما ظهر لی فانہم (رد المحتار ص ۲۸۶ ج ۲)

آخر میں انت واحدة اور صرف واحدة میں جو فرق بیان کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ استدلالاً البحر الرائق کی جو عبارت پیش کی گئی ہے وہ محرر کے دعویٰ کی تائید نہیں کرتی، بلکہ اس کے خلاف حجت بن رہی ہے، پوری عبارت یوں ہے: لو قال انت الثلاث ونوی لا یقع لانه جعل الثلاث صفة للمرأة لا صفة للطلاق المضمی فقد نوی ما لا یحتمل لفظہم

ولو قال لأمرته أنت منى بثلاث ونوى الطلاق طلقت لأنه نوى ما يحتمل الخ، عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ انت الثلاث کے کنایات طلاق میں نہونے کی علت یہ ہے کہ اس ترکیب میں ثلاث، امرأۃ کی صفت ہے نہ کہ طلاق محذوف کی، اور لفظ کا حمل معنی غیر محتمل پر صحیح نہیں، اس لئے یہ کلام لغو ہے، بخلاف انت منى بثلاث اور انت بثلاث کے، اس لئے کہ ان دونوں جملوں میں ثلاث طلاق محذوف کی صفت بن سکتی ہے، لہذا متکلم انت منى بثلاث کہہ کر طلاق کی نیت کرے تو یہ نوى ما يحتمله لفظہ میں داخل ہے، اس تفصیل کے بعد دیکھنا ہر کہ صرف "واحدة" انت واحدة، انت منى بثلاث اور ترايخ، تراسہ وغیرہ کی طرح کنایات کے قبیل سے ہے یا انت الثلاث کے قبیل سے؟ یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس طرح "انت واحدة" وغیرہ میں واحدة کو طلاق محذوف کی صفت قرار دینا صحیح ہے، اسی طرح صرف "واحدة" کو بھی طلاق محذوف کی صفت قرار دیا جاسکتا ہے، ترکیب میں کسی قسم کی قباحت لازم نہیں آتی، اور کلام بالکل صحیح بنتا ہے، بلکہ انت واحدة کی نسبت صرف واحدة میں احتمال طلاق زیادہ قوی ہے، اسلئے کہ اس میں صرف عدد مبہم کی توضیح مطلوب ہے، آگے جو مفسر بھی لے لیا جائے صحیح ہے، مفسر کے سب افراد برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں، صرف نیت قاضی ہوگی، بخلاف انت واحدة کے کہ اس میں بظاہر واحدة، انت کی صفت ہے، اس کے باوجود بوقت نیت طلاق خلاف ظاہر اس کو طلاق کی صفت قرار دے کر وقوع طلاق کا حکم دیا جاتا ہے، جب وجود نیت سے خلاف ظاہر فیصلہ کیا جا رہا ہے تو احتمالات متساویہ میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لئے بطریق اولیٰ نیت کے مطابق فیصلہ کرنا لازم ہے،

ممکن ہے کہ کسی کے وہم میں یہ فرق آئے کہ انت واحدة جملہ ہے اور صرف واحدة مفرد ہے، سو یہ فرق اس لئے صحیح نہیں کہ وقوع طلاق کے لئے جملہ کا تلفظ ضروری نہیں، بلکہ تلفظ بالمفرد باضمار الاضافة الى المرأة سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، کما اذا قال لامرأته "طلاق" ولم يصرح بالاضافة اليها طلقت،

بحر کی تقریر مذکورہ کے پیش نظر "انت الثلاث" سے عدم وقوع محل تأمل ہے، انت واحدة، تو یہی، تو سہ میں وقوع مصرح ہے، اور ان جملوں میں خلاف ظاہر عدد کو صفت طلاق قرار دینے کی تصحیح کی گئی ہے، ان سے انت ثلاث کا فرق ظاہر نہیں، اگر یہ فرق بیان کیا جائے کہ تو سہ جملہ خبریہ ہے اور انت الثلاث ترکیب توصیفی ہے تو یہ دو وجہ سے قابل قبول نہیں، اولاً اس لئے

کنجرونت کے درمیان وقوع و عدم وقوع میں فرق غیر ظاہر ہے، ثانیاً انت الثلاث کو بھی جملہ خبریہ مقرر دیا جاسکتا ہے، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله انت واحدة) علی ان الرفع لا ینافی الوقوع الاحتمال ان یرید انت طلقة واحدة فجعلها نفس الطلقة مبالغة کرجل عدل و مرد المحتار ص ۵۰۴ ج ۲) بعینہ یہی تقریر انت الثلاث میں بھی جاری ہو سکتی ہے، اسی لئے خلاصہ کی عبارت مذکورہ فی السؤال میں ”تو یک تو سہ“ سے وقوع طلاق کو مفتی بہ مقرر دیا ہے، وکنانی الخانیة علی هامش الہندیة ص ۲۶۳ ج ۱، والبرزازية علی هامش الہندیة ص ۱۹۰ ج ۲، والحمدادیة عن التاتارخانیة والحجة والظہیریة رحمادیة ص ۱۳۲ ج ۱) بلکہ حمادیہ میں ظہیریہ سے قال غیرابی القاسم کے الفاظ منقول ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ انت الثلاث سے وقوع طلاق کو صرف صدر شہید ہی نے مفتی بہ قرار نہیں دیا بلکہ ابوالقاسم کے سوا سب کا مختار یہی ہے کہ اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ مذکر طلاق یا نیت طلاق ہو، تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ صورت سوال میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر ۱۲۹۲ھ

طلاق کلمائے بچنے کی تدبیر:

سوال: ایک شخص نے کہا کہ جب جب میں کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ مطلقہ ثلاث ہوگی، اب اس شخص کے لئے کوئی عورت اپنے نکاح میں لانے کی کوئی صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اجنبی شخص اس کا نکاح کرا دے، پھر جب اس کو نکاح کی خبر پہنچے تو زبان سے اجازت نہ دے، ورنہ تین طلاقیں ہو جائیں گی، خبر سن کر بالکل خاموش رہے، تحریری اجازت دیدے یا مہر کل یا اس کا کچھ حصہ بیوی کی طرف بھیج دے، تحریری اجازت بیوی کو بھیجنا ضروری نہیں، اپنے ہی طور پر کسی کاغذ پر اس نکاح کی اجازت لکھ لینے سے نکاح نافذ ہو جائیگا اور طلاقیں واقع نہ ہوں گی، تحریری اجازت یا مہر بھیجنے سے قبل اگر کسی نے نکاح کی مبارکباد دی تو اس پر سکوت بھی زبانی اجازت کے حکم میں ہے، یعنی طلاقیں واقع ہو جائیں گی، ایسے ابتلا کے وقت یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ مبارک باد دینے والے کو یوں جواب دے کہ ”میں ابھی اس پر غور کر رہا ہوں“

قال فی العلائق حلف لا یتزوج فزوجہ فضولی فاجاز بالقول حنث، وبالفعل ومنه
 الکتابہ خلافاً لابن سماء لا یحنت به یفتی، خانیه، وفی الشامیة رقلہ فاجاز
 بالقول کرضیت وقبلت نهر، وفی حادی الزاهدی لو هناه الناس بنکاح الفضولی
 فسکت فهو اجازة رقلہ بالفعل کبعث المهر او بعضه بشرط ان یصل الیها وقیل
 الوصول لیس بشرط نهر، وکتبیلها بشهوة او جماعها لکن یکره تحریماً لقرب نفوذ
 العقد من المحرم بحر، قلت فلو بعث المهر اولاً لم یکره التقبیل والجماع لحصول
 الاجازة قبله رقلہ ومنه الکتابہ ای من الفعل ما لو اجاز بالکتابہ لما فی الجامع
 حلف لا یکنم فلاناً او لا یقول له شیئاً فکتب الیه کتاباً لا یحنت و ذکر ابن سماء
 انه یحنت نهر رقلہ به یفتی، متابله ما فی جامع الفصولین من انه لا یحنت
 بالقول کما مر فکان المناسب ذکره قبل قوله وبالفعل افاده ط (در المختار ص ۳۶۱۴)
 بوقت تہنئہ سکوت اجازت قولیہ تہنئہ قولیہ ہے تفصیل تہنئہ میں
 فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 ۲۹ ربیع الآخر ۱۲۹۲ھ

حکم تفویض قبل النکاح :

سوال : ایک شخص نے مذکورہ ذیل شرائط پر نکاح کیا :

- ① میں اپنی منکوحہ فلانہ بنت فلاں کو نان و نفقہ ماہوار حسب دستور ادا کرتا رہوں گا،
- ② اگر سفر در پیش ہو تو چھ مہینے سے زائد نہیں ٹھہروں گا،
- ③ موصوفہ کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کروں گا،
- ④ خدا نخواستہ کہیں لاپتہ یا مجنون یا مجوس یا عینین ہو جاؤں تو موصوفہ کو دیندار پنچایت کے فیصلہ پر دو طلاق بائن کا اختیار ہے،

اب شخص مذکور چھ مہینے سے لاپتہ ہے، نہ خط و کتابت ہے اور نہ نان و نفقہ بیوی کو پہنچاتا ہے
 اس کی بیوی کو کھانے پینے کی انتہائی تکلیف ہو رہی ہے، تو کیا بنا بر شرائط بالا اس کو اختیار
 مل سکتا ہے؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرقومہ شرائط اگر نکاح سے پہلے لکھی گئی ہیں تو سب شرائط باطل ہیں، اس لئے اُن کے
 خلاف کرنے سے بیوی کے لئے خیار ثابت نہ ہوگا، صحت تعلیق کے لئے نکاح یا اضافہ الی النکاح شرط

ہے، مثلاً یوں کہے کہ ”اگر میں نے فلانہ بنت فلاں کے ساتھ نکاح کے بعد شرائط کے خلاف کیا تو اس کو اختیار ہوگا،

اگر یہ شرائط نکاح کے بعد لکھی ہیں تو بجز آخری شرط کے باقی سب وعدے ہیں، ان کی خلاف ورزی سے اختیار نہیں ہوگا، البتہ آخری شرط کے مطابق یہ مقدمہ دیندار پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے وہ اس کے شوہر کی تحقیق کرے کہ کہاں ہے؟ اگر پنچایت شرعی تحقیق کے بعد شوہر کے مجنون یا مجوس یا بالکل لاپتہ ہونے کا فیصلہ کر دے تو بیوی کو ودطلاق بائن کا اختیار ہوگا، فیصلہ کی مجلس ہی میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر لے، مجلس بدلنے سے خیار باطل ہو جائے گا،

اگر بطریق مذکور عورت طلاق حاصل نہ کر سکے اور اس کے نان و نفقہ کا بھی کوئی انتظام نہ ہو تو دوبارہ استفتاء کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

صحت تفویض کی شرائط :

سوال : بے دینی اور غلبہ شر و فساد کے اس دور میں ظالم مردوں کی طرف سے عورتوں پر سخت مظالم کے واقعات مسلسل روزمرہ کا معمول بن گئے ہیں، کوئی شادی کے بعد بیوی کو چند روز رکھ کر لاپتہ ہو جاتا ہے، کوئی نہ بسانا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے، کوئی نان و نفقہ نہیں دیتا، کوئی مار پٹائی کے ذریعہ ظلم کرتا ہے، کوئی معاذ اللہ اسلام ہی سے برگشتہ ہو جاتا ہے، ان مظالم سے بچنے کے لئے اگر عورت یا اس کے اولیاء شوہر سے حق طلاق کی تحریر نکاح سے قبل لکھوانا چاہیں تو اس کی صحیح صورت کیا ہے؟ تاکہ بوقت ضرورت اُس کی رُو سے عورت اپنے نفس پر طلاق واقع کر کے ظالم شوہر کے پنجے سے نجات حاصل کرے، بیدنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :

① تفویض طلاق زبانی یا تحریری نکاح سے قبل ہو، اس میں نکاح کی طرف نسبت کرنا شرط ہے، مثلاً یوں کہے کہ ”میرا نکاح فلانہ بنت فلاں سے ہونے کے بعد اگر میں فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کروں تو اس کو طلاق بائن کا اختیار ہوگا“ اس صورت میں بیوی کا اختیار طلاق خلاف ورزی کا علم ہونے کی مجلس کے ساتھ خاص ہوگا، اسی مجلس میں اس نے طلاق بائن واقع کر لی تو ہو جائے گی، اس مجلس کے بعد خیار باطل ہو جائے گا، اور اگر شوہر نے یوں کہا کہ ”خلاف ورزی کی صورت میں جب چاہے طلاق بائن واقع کر لے“، تو مجلس علم کے بعد بھی عورت کو اختیار رہے گا،

اگر تفویض کی اس صورت میں نکاح کی طرف نسبت نہ کی تو یہ لغو ہے، اس سے عورت کے لئے
خیار ثابت نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے قبل لکھی گئی مگر اس پر شوہر نے دستخط نکاح کے بعد
کئے تو یہ تفویض صحیح ہو جائے گی، قال فی التنبیہ فی باب التعلیق وشرطہ المملک کقولہ
لمنکوحته ان ذہبت فانت طالق او الاضافة الیہ کان نکحتک فانت طالق فانما قولہ
لاجنبیۃ ان زرت زیداً فانت طالق فتکھما فزارت (رد المحتار ص ۵۳ ج ۲)

(۲) ایجاب و قبول کے وقت عورت کی طرف سے ایجاب میں تفویض کی شرط لگائی جائے، اس میں
دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ ایجاب مع شرط عورت کی جانب سے ہو، مرد قبول کرے، اگر مرد کی طرف
سے ایجاب مشروط ہوا اور عورت کی طرف سے قبول کیا گیا تو خیار ثابت نہ ہوگا، دوسری یہ کہ ایجاب
مع شرط زبانی ہو صرف تحریر کافی نہیں، البتہ زبان سے تمام شرائط کی تفصیل بتانا ضروری نہیں، بلکہ
شرائط کی تفصیل لکھنے کے بعد بوقت ایجاب زبانی اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ فلانہ کا نکاح اس تحریر
میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں، قال فی شرح التنبیہ قبیل فصل المشیئة نکحہما علی
ان امرہا بیدہا صحت، وفي الشامیۃ رقولہ صحت، مقید بما اذا ابتدت المرأة فقالت
زوجت نفسي منك علی ان امری بید می اطلق نفسي كلما ارید او علی انی طالق فقال
الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الا مریدہا کما فی البحر عن الخلاصۃ
والبزازیۃ (رد المحتار ص ۵۲ ج ۲) ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وجہ الفرق
عن الفقیہ ابی اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول العلائمیۃ لا یقع طلاق المولیٰ علی
امراتہ الا اذا قال الخ ونصہ لان البداءۃ اذا كانت من الزوج کان الطلاق والتفویض
قبل النکاح فلا یمام اذا كانت من المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال
بعد کلام المرأة قبلت والجواب یتضمن اعادۃ ما فی السوال فصار کأنہ قال قبلت
علی انک طالق او علی ان یمیدک فتصیر مفوضاً بعد النکاح (رد المحتار
ص ۴۶۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

اپنی لڑکی لے جاؤ؛

سوال؛ عبداللہ نے اپنی بیوی مسامۃ نورجہاں پر شک کی بناء پر نورجہاں کے والد کو
بلا کر یہ الفاظ کہے کہ تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ، مجھے اس پر شک ہے، تو کیا ان الفاظ سے
طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر نے یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے تو ایک طلاق بائن ہوگئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۵/رجادی الآخرہ ۹۳ھ

تجھے ماں بہن بناتا ہوں:

سوال: زوج نے زوجہ سے کہا کہ ”خدا رسول کی قسم میں تجھے ماں بہن بناتا ہوں، میرے سامنے سے دور ہو جا، کیا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ اگر کوئی کفارہ ہے تو اس کی کیا نوعیت ہوگی؟ بیلنا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

”تجھے ماں بہن بناتا ہوں“ اور ”میرے سامنے سے دور ہو جا“ یہ دونوں جملے کنایات طلاق میں سے ہیں، اور غصہ کی حالت نیت طلاق پر قرینہ ہے، لہذا پہلے جملہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور دوسرے جملہ سے طلاق نہیں ہوئی، قال فی التنویر وان نوى بانء على مثل أمي براء أو ظهاراً أو طلاقاً صحت نيته ولا لغارء المختار (ج ۲ ص ۵۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۴/شوال ۹۴ھ

فلاں کام کیا تو طلاق پڑ جائے گی:

سوال: زوج نے تحریر ”اگر میں فلاں بستی میں گیا تو میری زوجہ کو تین طلاقیں پڑ جائیں گی“ پر دستخط کئے اور اس کے بعد شرط توڑ دی، اب کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

”اگر فلاں کام کروں تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی“ سے تعلیق کے معنی ادار نہیں ہوتے، البتہ اس سے اقتضاء تعلیق مفہوم ہوتی ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی کہ ”اگر میں فلاں کام کروں تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی اس لئے کہ میں نے طلاق کو اس کام پر معلق کر دیا ہے“ اور اقتضاء وقوع طلاق کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے معتبر قرار دیا ہے، کسا قالوا فی اعتدای وامثاله، لہذا بندہ کے خیال میں اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی،

اس کے بعد درمختار میں باب الصریح کے شروع میں یہ جزئیہ نظر سے گذرا، لو قال ان خرجت يقع الطلاق اولاً تخرجی الابدائی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یفتح

لترکہ الاضافة الیہا رد المحتار ص ۲۶۱ ج ۲، اس سے ثابت ہوا کہ بصورت وجود اضافت طلاق ہو جائے گی، وجود اضافت سے متعلق علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق (قولہ لترکہ الاضافة) کے تحت مسطور اور اہل فن میں مشہور ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غزوہ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

جبراً ایقاع شرط سے طلاق معلق واقع ہو جاتی ہے :

سؤال؛ ما قولکم ایہا المفتون الکرام فی هذه المسألة: ان امرأة خرجت من دار زوجها بدون علمه، فجاء زوجها من العسل متعباً ومنهك القوى من شدة الجوع والعطش فسأل ابويها اين زوجته؟ فقالوا لا تعلم اين ذهبت، فخرج الزوج حائراً يبحث عنها حتى وجدها في بيت اناس وحينما طرق باب البيت ودنا لزوجته بالحرف الواحد مرة واحدة افتتح الباب وألا أنت طالق بالثلاثة فإرادت زوجته ان تفتح الباب لكنها منعت واجبرت فلم تستطع ان تفتح الباب فهل يقع الطلاق وتصير مغلظة أم لا؟ وإذا أرادت الآن الزوجة ان تعود لزوجها فكيف يكون العسل؟ بينوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

صارت تلك الزوجة مغلظة فلا يمكن الرجوع، قال في الدر المختار ولو حلفت (الى قوله) ان لم تحضري الليلة منزلي فكذا فمنعها ابوها حنت في المختار، رد المحتار ص ۲۸۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ محرم ۱۴۲۸ھ

قبل النكاح کہا ان دخلت الدار فامرأتی طالق :

سؤال؛ ایک شخص نے شادی سے قبل کہا ان دخلت الدار فامرأتی طالق، اس کے بعد شادی کی تو کیا دخول دار سے طلاق واقع ہو گئی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ نیت ہو کہ جس عورت سے شادی کرے گا اس کو طلاق، تو اس میں اضافت الی النکاح حکماً موجود ہے لہذا طلاق واقع ہو جائے گی، اگرچہ الفاظ میں اضافت الی الملک نہ کی ہو، اور اگر یہ نیت نہیں تھی بلکہ محض بطور ہزل ایسا کہا تو طلاق نہ ہوگی، قال فی المہندیۃ فی الفصل الثامن من الباب الرابع لو قال کل امرأة لی طالق ان فعلت کذا ولیست لہ امرأة ونوی

۱۰. امرأة يتزوجها بعد ذلك صحت كما اذا قال كل امرأة تكون لي والى هذا ذهب شمس الاسلام محمود رحمه الله تعالى وقال نجم الدين رحمه الله تعالى لا تصح وقال السيد الامام رحمه الله تعالى بالقول الاول نأخذ كذا في اصول الاستروشنی (عالمگیریہ ص ۲۱۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،
۱۶ ارذی الحج ۹۵

حالت نشہ میں طلاق ہو جاتی ہے :

سوال : ایک شخص نے شراب پی کر تقریباً دو بجے دن کو اسی حالت میں اپنی زوجہ سے کہا کہ بچوں کو تعلیم دینا بند کر دیجیکہ زوجہ بیچاری بچوں کو عربی تعلیم دے رہی تھی، زوجہ نے جواب دیا کہ آپ جائیں، میں صحیح تعلیم دے رہی ہوں، اسی اثناء میں اس نے اپنی زوجہ کو متواتر تین طلاقیں دیدیں جس وقت وہ طلاق دے رہا تھا اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی تھی، کچھ دیر کے بعد اس کو اس فعل پر ندامت ہوئی، اس کو اعتراف ہے کہ طلاق دیتے وقت وہ ہوش میں نہ تھا، اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نشہ کی حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے، اس لئے اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو گئیں، اب اس کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، عدت گزارنے کے بعد یہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے، قال فی التنبیہ وریق طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً او مکرهاً او هازلًا او سفیهًا او سکران، وفي الشرح تحت قوله عاقل ولو قد يرا بدائع ليدخل المسكران (رد المحتار ص ۲۷۵ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۱۲ ارذی الحج ۹۶

اقرار طلاق سے طلاق واقع ہو جاتی ہے :

ایک شخص کے متعلق مشہور ہو گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں اس بنا پر والدین اپنی لڑکی کو گھر لے گئے، پھر جب خاوند سے اس کے ماموں نے پوچھا کہ واقعی تو نے طلاق دیدی ہے تو کہا کہ ہاں میں نے بیوی کو کہا ہے کہ تجھ کو تین طلاقیں ہیں، چلی جا، اس کے علاوہ اور بھی لوگوں نے پوچھا کہ واقعی تو نے طلاق دیدی ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ ہاں، بعض کو زبان سے اور بعض کو سر ہلا کر، اب دو مہینے گزرنے کے بعد کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو یوں کہا تھا کہ سیدھی چلی جا، ورنہ تین چار

طلاق دیدوگا، اور بیوی بھی پہلے ہی سے یہ کہتی ہے کہ مجھے خاوند نے طلاق نہیں دی، البتہ کہا تھا، کہ اگر تم سیدھی نہ چلی تو تین چار طلاقیں دیدوں گا، اس صورت میں شرع محمدی کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اقرار طلاق سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہذا تین طلاقیں واقع ہو گئیں، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن البحر ولو اقر بالطلاق کاذباً او ہازلاً وقع قضاء لا دیانہ (رد المحتار ص ۲۵۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ صفر ۱۳۹۷ھ

لفظ "حرام" طلاق صریح بائن ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے حرام ہے حرام ہے، حرام کا لفظ تین بار کہا تو کیا اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ "حرام" طلاق صریح بائن ہے، اس سے بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، لہذا تین بار سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اب اس بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، قال فی التنبیہ لا مرأۃ انت علی حرام (الی قولہ) ویفتی بانہ طلاق بائن وان لم ینوہ، وفی الشرح لغلبة العرف (رد المحتار ص ۲۶۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

(اس پر اشکال وجواب تتمہ میں ہے) ۳ جولائی الآخرہ ۱۳۹۷ھ

الفرق بین اکتب طلاق امرأتی واستکتب کتاباً بطلاقہما:

سوال: زید نے اپنے دوست سے کہا کہ اس کی بیوی کا طلاق نامہ لکھ دو، دوست نے اس خیال سے طالع دیا کہ شاید غور و فکر کے بعد اس کا یہ وقتی خیال تبدیل ہو جائے، مگر زید نے دوسرے روز پھر یہی تقاضا کیا، اس کے دوست نے اس کو سمجھایا کہ طلاق دینے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے، پہلے اپنے خسر کو لکھنے کہ اگر آپ طلاق ہی لینا چاہتے ہیں، تو میں طلاق دینے کو تیار ہوں، پھر اگر وہ طلاق طلب کریں تو آپ طلاق دیں، یہ بات زید کی سمجھ میں آگئی اور وہ سر دست طلاق نامہ لکھوانے سے رُک گیا،

اس صورت میں سوال یہ ہے کہ زید کے اپنے دوست کو یہ کہنے سے کہ "میری بیوی کا طلاق نامہ لکھو" طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ شامیہ کے جزیئہ منقولہ من التاثر خانہ ولوقال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوگئی

مگر آگے فرماتے ہیں ولو استكتب من آخر كتابا بطلانها ذرأه على الزوج فاخذ الزوج وختمه
وعنونه وبعث به اليها فاتاها وقع ان اقر الزيج انه كتابه او قال للرجل ابعت به اليها
او قال لها اكتب نسخة وابعت بها اليها وان لم يقرانه كتابه ولم تقم بينه لكنه
وصف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا اكل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يله
بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقرانه كتابه اه (رد المحتار ص ۶۵ ج ۲) اس سے ثابت
ہوتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی، بظاہر تارتخانیہ کے ردوں جزئیات متعارض نظر آتے ہیں، ان میں کیا فرق
ہے؟ اور صورت مسئلہ ان میں سے کسی میں داخل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق بالکتابہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

مستبین و غیر مستبین، پھر مستبین کی دو قسمیں ہیں مرسوم و غیر مرسوم، پھر مرسوم کی دو قسمیں
ہیں، منجز و معلق بوصول الکتاب، جزئیہ اولیٰ "ولو قال للکاتب اکتب الخ" میں طلاق مستبین غیر
مرسوم مراد ہے، اور جزئیہ ثانیہ "استكتب من غیرہ کتابا الخ" میں طلاق مستبین مرسوم معلق
بوصول الکتاب مراد ہے، کما هو ظاهر من قوله عنونه وبعث به اليها فاتاها، طلاق منجز میں
دفع طلاق کے لئے یہ قیود نہیں ہوتیں، چونکہ یہ طلاق بلوغ کتاب زوج پر معلق ہے اس لئے جب
تک اس کتاب کا کتاب زوج ہونا ثابت نہ ہوگا طلاق نہ ہوگی، اور کسی کتاب کی نسبت کسی کتاب
کی طرف جب ہوتی ہے کہ وہ خود لکھے یا بطور املا لکھائے اس لئے اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی
صورت بھی نہیں تو طلاق نہ ہوگی، لفقدان الشرط الا ان یقرانه کتابه فیؤخذ باقراره، چونکہ طلاق
معلق میں تقدم طلاق کا کوئی احتمال نہیں اس لئے جزئیہ ثانیہ کو متضمن اقرار طلاق نہیں قرار دیا گیا، اسکے برعکس جزئیہ اولیٰ
معلق تقدم طلاق پر اس لئے اسکو متضمن اقرار طلاق قرار دیا گیا ہے، ولذا قال کان اقراراً بالطلاق ولم یقل کان طلاقاً،

مذکورہ بالا دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت یہ ہے کہ زوج نے طلاق مستبین مرسوم
منجز کی کتابت کا امر کیا ہو، شامیہ میں اس کا حکم مذکور نہیں، مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں کتابت
طلاق کے بعد فوراً طلاق واقع ہو جائے گی، لان فعل الوکیل کفعل الموکل وکتبت الزوج بنفسه
یقع الطلاق علی الفور فکذا حکم کتابه وکیلہ،

صورت سوال میں زوج کی طرف سے یہ جزئیہ اولیٰ کے مطابق طلاق مستبین غیر مرسوم کی کتابت
کا امر ہے، لہذا طلاق واقع ہو گئی،

وان قيل لما كان هذا اقراراً بالطلاق فينبغي ان لا يقع الطلاق ديانةً كما في
الاقرار كاذباً، قلت ان الطلاق ههنا يثبت اقتضاءً كما في قوله اعتدى فيقع
ديانةً ايضاً، فقط والله تعالى اعلم، ۱۶ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

بیوی کو ماں کہنا طلاق بائن ہے:

سوال: ایک آدمی نے اپنی عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے، یا تو میری بہن ہے، (انت امی
اوانت اختی) اور جردن تشبیہ میں سے کوئی حرف ذکر نہیں کیا، آیا طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق واقع ہو جائے گی، قال فی شرح التنویر والاینوشیثا وحذف الکاف لغا،
وفی الشامیة (قوله لغا) لانه مجمل فی حق التشبیہ فما لم يتعین مراد مخصوص
لا یحکم بشیء فتم (مراد المختار ص ۶۲۶ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ تعین ارادۃ طلاق کی صورت
میں طلاق واقع ہو جائے گی، اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدر سے نقل فرماتے ہیں
وفیہ حدیث رواہ ابوداؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلاً یقول لا مؤانۃ
یا اخیة فکفر ذلک ونہی عنہ ومعنی النہی قریہ من لفظ التشبیہ ولولا هذا
للحدیث لا مکن ان یقال هو ظہار لان التشبیہ فی انت امی اقوی منه مع ذکر
الاداة ولفظ یا اخیة استعارة بلا شکی وہی مبنیة علی التشبیہ لکن الحدیث
اقاد کونه لیس ظہاراً حیث لم یبین فیہ حکماً سوى الکراهة والنہی فعلم انه لا بد
فی کونه ظہاراً من التصریح باداة التشبیہ شرعاً (مراد المختار ص ۶۲۶ ج ۲) ابن ہمام
رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہوا کہ حذف ادایہ تشبیہ کی صورت میں بمقتضائے قیاس بطریق
اولی وقوع طلاق یا ظہار کا حکم ہونا چاہئے، مگر حدیث کی وجہ سے قیاس کے مطابق حکم نہیں لگایا جائیگا
ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے
بالے میں قرائن سے یہ علم تھا کہ اس نے یہ الفاظ بنیت طلاق نہیں کہے اور اس وقت ان الفاظ سے
طلاق کا عرف عام بھی نہیں تھا، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم نہیں فرمایا،
طلاق کی نیت یا عرف کی صورت میں حدیث سے عدم وقوع ثابت نہیں ہوتا، لہذا بمقتضائے قیاس
تشبیہ بلیغ سے بطریق اولی طلاق بائن واقع ہوگی، کما یدل علیہ ما نقلنا عن الشامیة عن قول
ابن الہمام نفسه فما لم يتعین مراد مخصوص لا یحکم بشیء ام، وقال الشیخ الانور

رحمہ اللہ تعالیٰ قال العلماء لابد فی الظہار من التشبیہ، واذا قال انت امری لا یكون ظہاراً بل لغو، اقول لابد من ان یكون طلاقاً بائناً عند النیة، وقد روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی العمدۃ (العن الشذی ص ۳۴) وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ تحت باب اذا قال لا مراۃ وهو مکروہ ہذہ اختی فلاشی علیہ، قال ابن بطلال اراد البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بہذا التبیوی رد قول من نہی ان یقول الرجل لا مراۃ یا اختی فمن قال لا مراۃ کذلک وهو ینوی ما نواہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام فلا یضرب شیء۔ قال ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ان لم یکن لہ نیة فهو تحریم وقال محمد بن الحسن هو ظہار اذا لم یکن لہ نیة ذکرہ الخطابی رعمدۃ القاری ص ۲۵۰ ج ۲۰) وقال ایضاً فی باب الظہار اعلم ان الالفاظ التي یصیر بہا المرأۃ مظاہراً علی نوعین، صریح نحو انت علی کظہرائی او انت عندی کظہرائی وکنایۃ نحو ان یقول انت علی کامی او مثل امی او نحوہما یعتبر فیہ نیتہ فان اراد ظہاراً کان ظہاراً وان لم ینو لا یصیر ظہاراً وعند محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ هو ظہار وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ هو مثلہ ان کان فی الغضب وعنه ان یكون ایلاء وان نوى طلاقاً کان طلاقاً بائناً رعمدۃ القاری ص ۲۸۱ ج ۲۰) عمدۃ القاری کی عبارت اولیٰ میں اداۃ تشبیہ محذوف ہے، اور عبارت ثانیہ میں مذکور ہے، معہذا دونوں میں حکم واحد ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دونوں صورتوں میں حرمت تحریر فرمائی ہے، ونصہ تحت قولہ تعالیٰ (وان الله لعفو غفور) ای عفاکان منکم فی حال الجاہلیۃ وھکذا ایضاً عما خرج من سبق اللسان ولم یقصد الیہ المتکلم کما رواہ ابو داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلاً یقول لا مراۃ یا اختی فقال اختلف ہی؟ فھذا انکار ولکن لم یجر بہا بمجرد ذلك لانه لم یقصدہ ولو قصدہ لحرمت علیہ لانه لا فرق علی لصحیح بین الام و بین غیرہا من سائر المحارم من اخت وعمة وخالة وما اشبه ذلك (تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۱ ج ۴ سورۃ المجادلۃ) غرضیکہ حذف اداۃ تشبیہ کی صورت میں بھی نیت یا عرف طلاق سے طلاق بائن ہو جاتی ہے، آجکل کے عرف عام میں یہ الفاظ صرف طلاق ہی کے لئے متعین ہیں، لہذا بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جائے گی، بلکہ زوج کوئی دوسری نیت بتائے تو بھی طلاق ہی کا حکم دیا جائے گا، اس کا قول خلاف ظاہر ہونے کی وجہ سے قبول

نہیں کیا جائے گا،

العبارات المزیدة:

① قال العاظر رحمه الله تعالى تحت باب اذا قال لامرأته وهو مكروه هذه اختى فلا شئ عليه الخ
قال ابن بطل اراد بذلك رد من كره ان يقول لامرأته يا اختى وقد روى عبد الرزاق
من طريق ابى تسمية المجيبى عن النبي صلى الله عليه وسلم على رجل وهو يقول لامرأته يا اختى
فجزه قال ابن بطل ومن ثم قال جماعة من العلماء يصير بذلك مظاهراً اذا قصد ذلك
فارشده النبي صلى الله عليه وسلم الى اجتناب اللفظ المشكلى (فتح البارى شرح صحيح البخارى ص ۳۲۷)
② وقال الشيخ محمد زكريا رحمه الله تعالى وقال الباجى ان قال انت على كائى فقد قال
مالك وهو مظاهر قال ابو القاسم كانت له نية اولاً قال ابن القاسم وكذلك ان قال انت
امى خلافاً لابى حنيفة والشافعى فى قوليهما ان لم ينو الظهار فهو محمول على البر والكرامة
انتفى (اوجز المسالك ص ۱۰۳۵)

③ وقال العلامة ابو الوليد الباجى رحمه الله تعالى وان اثبت للجملة حكم الجملة فقال انت
على كائى فقد قال مالك رحمه الله تعالى هو مظاهر قال الشيخ ابو القاسم كانت له نية اولاً تكن قال
ابن القاسم وكذلك اذا قال لها انت امى قال لقاضى ابو محمد خلافاً لابى حنيفة والشافعى رحمهما
الله تعالى فى قوليهما ان لم ينو الظهار فانه محمول على البر والكرامة وهذا يقتضى ان يكون مظاهراً
ان لم تكن له نية جملة واما ان كانت له نية الاكرام والبر فيجب ان لا يكون مظاهراً (المنتقى ص ۳۳۷)
④ وقال العلامة السهارنفورى رحمه الله تعالى تحت باب فى الرجل يقول لامرأته يا اختى و
يحتمل ان يكون النوى عن الكراهة سد الباب فانه يحتمل انه اذا لم ينبه على ذلك يعتد
فيه ويمكن ان يتكلموا بلفظ يؤدى الى الظهار فتحرم عليه وتجب الكفارة او الفراق
اذا نوى الظهار قال العاظر قال ابن بطل ومن ثم قال جماعة من العلماء
يصير بذلك مظاهراً اذا قصد ذلك فارشده النبي صلى الله عليه وسلم
الى اجتناب اللفظ المشكلى قال وليس بين هذا الحديث وبين قصة ابراهيم
معارضة لان ابراهيم عليه السلام انما اراد بها انها اخته فى الدين فمن
قال فذلك ونوى اخوة الدين لم يضره (ربذاً لمجهوم ص ۴۳) فقط والله تعالى اعلم
مزید بحث تتمہ میں ہے۔

تین نوٹ دے کر کہا تجھے طلاق:

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین نوٹ لپیٹ کر ہاتھ میں دیئے اور کہا تجھے طلاق، اس صورت میں کتنی طلاقیں ہوتیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تین نوٹ دینا اس پر قرینہ ہے کہ شوہر نے لفظ طلاق سے تین طلاقوں کی نیت کی ہے جو صحیح ہے، اس لئے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، ولا یرد علیہ ما فی العلائق فی بحث الاشارة بالاصابع ولو لم یقل ھکذا یقع واحدة لفقد التشبیہ، وفی الشامیة ای بالعدد، قال القہستانی لانہ کما لا یتحقق الطلاق بدون اللفظ لا یتحقق عددہ بدونه (در المختار ص ۴۸۶) لان ھذا فی قولہ انت طالق وهو لا یحتمل العدد فاحتیج الی لفظہ بخلاف مسألتنا فانہا متعلقة بقولہ طلاق وهو یحتمل العدد فالاشارة تكون قرینة علی النیة لاسیما اذا صار ذلک عرفاً، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تو فارغ ہے:

سوال: کوئی شخص بیوی کو کہے ”تو فارغ ہے“ یہ کونسا کنایہ ہے اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ فارغ کا لفظ اپنے مفہوم و موارد میں خلیۃ و بریۃ و بائن کے مقارب ہے، کہا جاتا ہے یہ مکان یا برتن فارغ ہے، یہاں خالی کے معنی میں استعمال ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ فلاں مولوی صاحب مدرسہ سے فارغ کر دیئے گئے ہیں، یا ملازمت سے فارغ ہیں، یہاں علیحدگی اور جدائی کے معنی میں استعمال ہوا، جو بائن اور بریۃ کا ترجمہ ہے، یا اس کے مقارب ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ فارغ کے لفظ سے خلیۃ و امثالہا کی طرح حالت غضب میں طلاق نہ ہو، لیکن اگر اس امر کو دیکھا جائے کہ ہمارے عرف میں فارغ کا لفظ سب کے لئے مستعمل نہیں صرف جواب کو محتمل ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حالت غضب میں طلاق ہو جائے ولو لم یقل، لیکن اگر یہ لفظ رد کا احتمال بھی رکھے تو پھر ہر حالت میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، یہ بندہ کے ادہام ہیں، حضرت والا اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بندہ کا خیال بھی یہی ہے کہ عرف میں یہ لفظ صرف جواب ہی کے لئے مستعمل ہے، اس لئے عند القرینہ بلا نیت بھی اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

تحقیق لفظ "طلاق زن":

سوال: زوج اور زوجہ میں تیز کلامی ہوئی جس پر مرد نے عورت کو کہا "طلاق زن بس کر" یعنی طلاق عورت بس کر، سوال یہ ہے کہ مرد کے اس قول سے جو ذکر ہوا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو بلا نیت یا مع النیت؟ بینوا بال دل لیل تو جروا عند اللہ الجلیل،

الجواب باسم ملہم الصواب

جملہ "طلاق زن" عن سندھ میں طلاق کے لئے متعین نہیں، اس کو گالی کے طور پر بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں، اس موقع پر یہ بمعنی "قابل طلاق" یا "مطلقہ جیسی" ہوگا، لہذا اگر زوج نے گالی کے طور پر یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاق نہ ہوگی، اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ طلاق صریح بہر کیف واقع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ وقوع بالصریح کے لئے جملہ مختص بالایقاع ضروری ہے، جہاں جملہ دوسرے کسی مفہوم کا بھی محتمل ہو وہاں دوسرا مفہوم مراد لینے کی صورت میں صریح لفظ سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی کلفظة المضارع لا یقع بہا الطلاق اذ انوی الاستقبال، اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ زوج نے بیوی سے کہا کہ "تو قابل طلاق ہے" یا "مطلقہ جیسی ہے" دیکھتے یہاں طلاق کا صریح لفظ ہونے کے باوجود اس لئے طلاق نہیں ہوگی کہ ایقاع نہیں پایا گیا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

خلاص ہستی "طلاق صریح ہے":

سوال: زنی بر شوہر خود مدعیہ است کہ در حالت خشم گفته است مرا کہ از خانہ بیرون شو، از من خلاص ہستی، دستہ بار این کلمہ را تکرار کردہ است، وزن بریں دعویٰ خود گواہ ندارد،

① بدیں الفاظ طلاق واقع شود یا نہ؟

② اگر واقع شود کد ام قسم؟

③ زوج چونکہ منکر است تصدیق کردہ شود یا نہ؟

④ اگر تصدیق کردہ شود بہ قسم یا بلا قسم؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خلاص ہستی "ترجمہ" سرحتک "ہست، بدیں وجہ این طلاق صریح است و تکرار

سہ بار مغلط شد، تصدیق زوج بقسم خواہ شد، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: حضرت والا نے طلاق مغلظ کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے، مگر نیوٹاؤن کے فتویٰ میں صرف ایک طلاق بائن تحریر ہے، یہ فتویٰ ارسال خدمت ہے، ملاحظہ فرما کر جواب سے تشفی فرمائیں،
جواب نیوٹاؤن:

الجواب باسمہ تعالیٰ

از خانہ بیرون شو، یا اردو میں گھر سے نکل جا، یا صرف یہ کہنا کہ ”نکل جا“ کنایات کی ان اقسام میں سے ہے جس میں ہر حالت میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے، کذا فی الدر المختار و رد المحتار، بصورت مسئلہ شوہر کا اس کے بعد تین بار کہنا کہ ”از من خلاص ہستی“ قائم مقام نیت ہے، اس لئے بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی، اور جب عورت پہلے کلمہ سے بائن ہوگئی تو طلاق کی محل نہیں رہی، لہذا باقی الفاظ لغو ہو گئے، شوہر سے عدت کے اندر یا عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
ولی حسن عفی عنہ

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

الجواب باسم مہم الصواب

اس فتویٰ میں دو تسامح واقع ہوئے ہیں، ایک قرینہ متاخرہ کو نیت طلاق کے قائم مقام قرار دینا اور دوسرا عورت کے بائن ہو جانے کے بعد اس کا محل طلاق نہ رہنا، اس فتویٰ کی تحریر کے مطابق بھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس میں ”خلاص ہستی“ کو ”بیرون شو“ میں نیت طلاق کا قرینہ قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وہ ”خلاص ہستی“ کو طلاق صریح سمجھ رہے ہیں، اگر یہ بھی بائن ہے تو یہ خود قرینہ کی محتاج ہے، تو دوسرے کے لئے قرینہ کیسے ہوئی؟

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ: ”سرحتك“ صریح طلاق ہے، اور ”خلاص ہستی“ سرحتك ہی کا ترجمہ ہے، نیز عام عرف میں یہ کلمہ صرف طلاق ہی کے لئے مستعمل ہے، اس لئے بلاشبہ یہ طلاق صریح ہے،

قاعدہ ”البائن لا یلحق اثباتہ“ میں طلاق لاحق سے بائن بالکنایہ اور طلاق سابق سے مطلق بائن مراد ہے، سواء کان صریحاً أو بالکنایہ، صورت زیر بحث میں طلاق لاحق بائن بالکنایہ نہیں ہے، بلکہ صریح ہے، لہذا سابق سے لاحق ہو کر دو طلاقیں ہو گئیں، پھر دوسری بار تکرار میں ”بیرون شو“ لاحق نہ ہوگی، لہذا بائن بالکنایہ، اور ”خلاص ہستی“ لاحق ہوگی، لہذا صریح، پس یہ الفاظ دوبار

کہنے سے مغلف طلاق واقع ہو گئی۔

یہ تقریر فتاویٰ نیوٹاؤن کے پیش نظر ہے، جس میں قرینہ متأخرہ کو بھی معتبر قرار دیا گیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کنایہ سے وقوع طلاق کے لئے تقدیم قرینہ شرط ہے، قرینہ متأخرہ معتبر نہیں، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ قرینہ حالیہ کو حالت غضب میں اور قرینہ مقالیہ کو تقدیم ذکر طلاق میں منحصر قرار ہے ہیں، قال فی شرح التنویر الابلیۃ اردلالة الحال وہی حالة من اکره الطلاق او الغضب وفي الشامية (قوله وہی حالة من اکره الطلاق) اشار به الى ما فی التنویر من ان دلالة الحال تعم دلالة المقال وقال وعلى هذا فانفس المذاکره بسؤال الطلاق او تقدیم الايقاع كما فی اعتدی ثلاثاً وقال قبله المذاکره ان تسألہ ہی او اجنبی الطلاق، (رد المحتار ص ۵۰۲ ج ۲)، تاخیر ذکر طلاق دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، مزید بریں عبارت ذیل میں اس کی تصریح ہے کہ مذکر طلاق تاخیر ايقاع کو شامل نہیں، فی العلائقۃ قال اعتدی ثلاثاً ونوی بالاول طلاقاً وبالباقي حیضاً صدق قضاء لئیتہ حقیقۃ کلامہ وان لم ینوبہ ای بالباقي شیئاً فثلاث لدلالة الحال بنية الاول حتی لو نوى بالثانی فقط فثنتان او بالثالث فواحدة ولو لم ینوب بالکل لم یقع، وفي الشامية (قوله قال اعتدی ثلاثاً) ای قال ثلاث مرات (قوله بنية الاول) ای دلالة الحال بسبب نیتہ الايقاع بالاول قال فی فتح القدیر فقد ظهر مما ذکر ان حالة من اکره الطلاق لا تقتصر على السؤال وهو خلا ما قدموه من انها حال سؤالها او سؤال اجنبی طلاقها بل هی اعم منه ومن مجرد ابتداء الايقاع (قوله نوى بالثانی فقط) ای نوى به الطلاق ولم ینوب غیرہ شیئاً فثنتان ای یقع به واحدة وکن بالثالث اخرى وان لم ینوبہ لدلالة الحال بايقاع الثانی ولا یقع بالاول شیء، لانه لم ینوبہ ودلالة الحال وجدت بعده (رد المحتار ص ۵۰۲ ج ۲) وفيها ایضاً قبیل باب التفویض تحت (قوله تقع واحدة بلانية) مع انه مذکور بعده والقریۃ لا بد ان تقدم (رد المحتار ص ۵۱۵ ج ۲)۔

اس تفصیل کے تحت صورت مسئلہ کی تقریروں ہوگی، پہلی بار ”از خانہ بیرون شو“ لغو ہے لعدم تقدم القرینة، اس کے بعد ”خلاص ہستی“ سے ایک طلاق رجعی ہو گئی، پھر دوسری بار پہلے جملہ سے دوسری طلاق بائن ہوئی لتقدم القرینة اور دوسرے جملہ سے تیسری طلاق ہو گئی لان الیہ یلحق البائن، اور اگر پہلا جملہ صرف ایک بار کہا ہے، تین بار تکرار صرف دوسرے جملہ کا کیا ہے تو تینوں

طلاق اسی جملہ کے تین بار تکرار سے ہو گئیں اور پہلا جملہ لغو ہوا، بہر کیف صورتِ سوال میں طلاق مغلط ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۶ جمادی الآخرہ ۱۴۹۹ھ

جواب دیدیا طلاق صریح ہے:

سوال: منیر احمد کے سسر نے پچایت میں کہا کہ میرا فیصلہ کر دو، لڑکی کو جواب دلو اور وہاں پر پچایت میں یہ بات چلی لڑکے نے جواب دیا ہوا ہے فلاں شخص کے سامنے، لڑکے کے وارث نے دور روز کا وقت لے کر اس شخص سے معلوم کیا، اس نے یہ کہا کہ میں بھی موجود تھا، دو تین آدمی اور بھی تھے، سب کے سامنے لڑکے نے کہا کہ ”میں نے جواب دیدیا ہے“ لڑکے کے وارث نے لڑکے سے پوچھا تو لڑکے نے یہ کہا کہ ”میں نے جواب نہیں دیا ہے“ لیکن لڑکا قابلِ اعتبار نہیں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ میرے سامنے جواب دیا ہے وہ شخص قابلِ اعتبار ہے، اور وہ یہ کہتا ہے کہ اس وقت دو تین آدمی اور بھی موجود تھے، ہمارے سامنے اس نے یہ کہا ہے کہ میں نے اپنی عورت کو جواب دیدیا ہے، اس کا شرعی فیصلہ تحریر فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

”جواب دیدیا“ عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے، اس لئے اگر رد معتبر گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ لڑکے نے جواب دینے کا اقرار کیا ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ محرم ۱۴۰۰ھ

رشتہ ختم ہو چکا:

سوال: ایک شخص نے اپنے سسرال والوں کے نام خط لکھا ہے جس میں اور فضولیات کے علاوہ مندرجہ ذیل عبارت بھی لکھی ہے:-

- ① طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط لیکر مجھے روانہ کر دو، اس کے بعد میں آپ کو روانہ کر دوں گا،
- ② میں اس زندگی کو کسی حالت پر رکھنے کو تیار نہیں ہوں، کسی بھی قیمت پر نہیں رکھ سکتا،
- ③ لڑکی کو گھر روانہ نہیں کرنا، مجھے طلاق چاہئے اور کچھ نہیں چاہئے،
- ④ آپ کا اور میرا رشتہ ختم ہو چکا ہے،
- ⑤ مجھے زبیدہ نہیں چاہئے،

اس قسم کا خط شوہر نے سسر کے نام لکھا تھا، اب فرمائیے کہ ان عبارات سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ یا کوئی گنجائش ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس تحریر میں دو جملے موجب طلاق ہیں، ایک ”طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط لیکر مجھے روانہ کر دو“ دوسرا ”آپ کا اور میرا رشتہ ختم ہو چکا ہے“ پہلا جملہ طلاق صریح ہے، اور دوسرا جملہ کنایہ ہے، اس کے تقدم مذکرہ طلاق کی وجہ سے طلاق بائن ہو گئی، اس لئے مجموعہ دوا بن طلاقیں ہو گئیں، رجوع کی کوئی صورت نہیں، البتہ دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹، محرم ۱۴۲۸ھ

ابطال فیصلہ عدالت:

سوال: محترم جناب حضرت مفتی صاحب! متوجہانہ گزارش یہ ہو کہ مجھے مندرجہ ذیل حالات پر آپ سے اسلام کی روشنی میں فتویٰ درکار ہے، حالات کے ساتھ مقدمہ کی درخواست کا اردو ترجمہ مقدمہ کے فیصلہ کا اردو ترجمہ اور خلع کی ڈگری کا اردو ترجمہ اور جیکب لائن کے مفتی صاحب کے دو عدد فتویٰ کی نقول کی فوٹو کاپی بھی منسلک ہے،

میری شادی ستمبر ۱۹۶۷ء میں ظفر احمد کے ساتھ ہوئی، جس کے بعد کچھ ناگزیر وجوہ پر میں جنوری ۱۹۶۸ء میں اپنے والدین کے گھر آ گئی، ۲ مارچ ۱۹۶۸ء کو میرے شوہر نے مجھے تحریراً طلاق بھیجی، اس کے بعد ۲۳ اپریل ۱۹۶۸ء کو انھوں نے دوسری تحریری طلاق بھیجی، اس وقت میں حاملہ تھی، اس کے بعد میرے شوہر نے کراچی آ کر ۲ مئی ۱۹۶۸ء کو دونوں طلاقیں واپس لے لیں، جس کی اطلاع علاقہ یونین کمیٹی کو دیدی تھی، میرے شوہر نے دونوں طلاقیں حل کے دوران دی تھیں، اور حل کے دوران ہی واپس لے لیں، اور بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی رجعت کر لی تھی، اس وقت بھی میں میکہ میں تھی اور آج تک بھی اپنے والدین کے گھر ہوں، اس کے بعد وہ ستمبر میں لاہور واپس چلے گئے، اور میرے اوپر مقدمہ کر دیا، وہ لاہور تھے اور میں کراچی میں ان کے مقدمہ کرنے کے بعد میں نے اپنے بچاؤ کے لئے خلع کی درخواست دیدی، پہلی پیشی پر وہ حاضر ہوئے، دوسری پیشی پر وہ کوٹ نہیں آئے اور کورٹ نے ایک طرف فیصلہ دیدیا، یہ فیصلہ ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کو ہوا، اس کے بعد ۹۰ دن کی میعاد کے بعد چیرمین کمیٹی کی طرف سے ڈگری بھی دیدی گئی، اس بات کو آج تقریباً بارہ سال سے زیادہ گزر گئے ہیں،

میرے شوہر کہتے ہیں کہ تم اب بھی شرعاً میری بیوی ہو، میرے پاس قانونی خلع کی ڈگری ہے، مفتی صاحب جیکب لائن کے فتویٰ اور قانونی خلع کی ڈگری کی روشنی میں آپ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں شرعی حکم بتائیں، کیا واقعی اب بھی شرعاً میں اس کی بیوی ہوں؟

دہکتے ہیں کہ تم شرعاً میری بیوی ہو، اس لئے کہ میں نے تم کو اپنے منہ سے یا تحریر سے تیسری طلاق نہیں دی ہے، اور تمہارا دوسرا نکاح بھی نہیں ہو سکتا، ان حالات میں میں تذبذب میں ہوں کہ کیا کروں؟ ایک طرف قانون کی خلع کی ڈگری دوسری طرف مفتی صاحب کا فتویٰ، فتویٰ ڈگری سے پہلے اور بعد دونوں کا ہے، کیا اب بھی میں اُن کے نکاح میں ہوں یا نہیں؟ خدا کے لئے مسئلہ کا حل ضرور تحریر کیجئے، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

میں نے عدالت کے مقدمہ کی مفصل کارروائی اور عدالت کے فیصلہ کی نقل ملاحظہ کی، عدالت کا یہ فیصلہ مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر خلاف شرع ہونے کی وجہ سے باطل ہے:

① شرعاً مدعیہ پر لازم ہے کہ وہ عدالت میں مدعی علیہ کے ساتھ اپنے نکاح پر شرعی شہادت پیش کرے، اور اس پر قسم بھی اٹھائے، عدالت کے فیصلہ میں یہ شرط مفقود ہے،

② مدعی علیہ پر جن الزامات کی بناء پر عدالت نے فسخ نکاح کا فیصلہ دیا ہے ان میں سے عدم نفقہ کے سوا کوئی الزام بھی ایسا نہیں جس کی وجہ سے شرعاً فسخ نکاح کا اختیار ہو،

③ نفقہ نہ ملنے کی بناء پر فسخ نکاح کا شرعاً اختیار ہے، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ مدعیہ اس پر شرعی شہادت پیش کرے اور قسم بھی اٹھائے، نیز شہادت شرعیہ اور قسم کے ساتھ یہ بھی ثابت کرے کہ اس نے نفقہ معاف نہیں کیا، عدالت کے فیصلہ میں نفقہ سے متعلق نہ کوئی شہادت ہے اور نہ مدعیہ سے قسم لی گئی ہے،

④ نفقہ نہ ملنے کی صورت میں شرعاً حج پر لازم ہے کہ وہ مدعی علیہ کو بذریعہ نوٹس تنبیہ کرے کہ اگر اس نے عدالت میں حاضر ہو کر آئندہ کے لئے نفقہ دینے کا وعدہ نہ کیا تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جائیگا، مذکور فیصلہ میں مدعی علیہ کو اس قسم کا کوئی نوٹس نہیں دیا گیا،

لہذا مدعیہ کا مدعی علیہ کے ساتھ نکاح بدستور قائم ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

طلاق کے مروج دستور پر تعزیر واجب ہے:

سوال: آج کل معاشرہ میں بعض الحلال الی اللہ کی بہتات ہے، اس کے باعث اعتدال حدود اللہ، نشوز ذہن اور کثرت بغاوت ہے، بہر حال مرد کی جانب سے جائز طلاق تو محل کلام نہیں، تحقیق طلب امر یہ ہے کہ بغیر عذر شرعی مرد کا طلاق دیدنیا یعنی ظالم بھی خود اور طلاق دینے پر جبری بھی خود

ایسی صورت میں طلاق شرعاً تعزیری جرم ہے یا نہیں؟ تعزیر سے مراد یہ ہے کہ اہل قبیلہ و برادری ایسے شخص سے نفرت بالقلب کے علاوہ معاشرتی مقاطعہ بھی کریں، تاکہ احکام الہیہ سے مذاق کا سلسلہ ختم ہو، تو آیا یہ مقاطعہ یعنی معاشرتی ترک تعلق جائز ہو گا کہ نہیں؟ جواب کے تشفی فرمائیں، جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً حسناً،

الجواب باسمہ منہم لصلو اب

آجکل کے دستور طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے، طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاح ذات البین کی کوشش کی جائے، مایوسی کی صورت میں اہل صلاح سے استشارہ و استخارہ کیا جائے، اس کے بعد بھی طلاق ہی میں خیر نظر آئے تو حیض کے بعد قبل و طء صرف ایک طلاق رجعی دی جائے، اس کے برعکس آجکل طلاق میں مندرجہ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہو گیا ہے:

- ① بدون غور و فکر جلد بازی،
- ② اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی،
- ③ خاندان کے با اثر و باصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا،
- ④ استخارہ نہیں کیا جاتا،
- ⑤ حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا،
- ⑥ بیک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہیں،
- ⑦ تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالہ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے، اور بعض تو لعنت حلالہ کی بجائے عمر بھر لعنت زنا میں مبتلا رہتے ہیں،
- ان وجوہ کی بناء پر طلاق کا مروج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم ہے، حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ

شرط یا استثناء میں اختلاف:

سوال: مندرجہ ذیل امور میں سے کسی میں زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو فیصلہ کی کیا صورت ہے؟

- ① تعلیق طلاق میں اختلاف، زوجہ مطلق طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور زوج مدعی تعلیق ہے،

- (۲) وجود شرط میں اختلاف، زوجہ وجود شرط کی مدعیہ ہے اور زوج منکر ہے،
 (۳) استثناء میں اختلاف، زوج مدعی ہے کہ اس نے طلاق کے ساتھ ”ان شاء اللہ“ کہا ہے عورت انکار کرتی ہے،

ان صورتوں میں بیٹہ کس پر ہے اور یمن کس پر؟ بندہ کو شامیہ سے یہ مقام سمجھ میں نہیں آیا،
 وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں، بینو ابیاناً شافیاناً، توجروا اجراً وافیاً،

الجواب باسم ملہم الصواب

تعلیق اور وجود شرط میں بیٹہ زوجہ پر ہے ورنہ قول زوج مع الیمن قبول ہوگا، اور استثناء میں یہ تفصیل ہے کہ زوجہ پر بیٹہ ہے اگر وہ بیٹہ نہ پیش کرے تو اگر زوج صلاح و تقویٰ میں معروف ہے تو اس کا قول مع الیمن معتبر ہے، ورنہ قول زوج بدون بیٹہ قبول نہ کیا جائے گا، قال فی التنبیر فان اختلفا فی وجود الشرط فالقول له مع الیمن الا اذا برهنت، وفي الشامیة (قوله فی وجود الشرط) ای اصلاً او تحققاً کما فی شرح المجمع ای اختلفا فی وجود اصل التعلیق بالشرط او فی تحقق الشرط بعد التعلیق وفي البزازیة ادعی الاستثناء او الشرط فالقول له ثم قال وذكر النسفی ادعی الزوج الاستثناء وانكرت فالقول لها ولا یصدق بلا بیئہ وان ادعی تعلیق الطلاق بالشرط وادعت الارسال فالقول له ام وسین ذکر المصنف الاختلاف فی دعوی الاستثناء وظاہر ما ذکر من النسفی ان الاختلاف غیر جار فی دعوی الشرط تأمل وفي البحر عن القنیة ادعت انه طلقها من غیر شرط والزوج یقول طلقها بالشرط ولم یوجد فالبیئہ فیہ للمراۃ ام رسد المختار ص ۲۵۲ ج ۲ وفي بحث الاستثناء من العلانیة ویقبل قوله ان ادعاه وانكرته فی ظاہر المروی عن صاحب المذهب وقیل لا یقبل الا بیئہ وعلیہ الاعتماد والفتویٰ احتیاطاً لغلبۃ الفساد وخانیة وقیل ان عرف بالصلاح فالقول له، وفي الشامیة (قوله ویقبل قوله الخ) قال الخیر الرملی فی حواشی المنہ لم ینکر انما هو بیئہ وکذلک صاحب البحر والنہر والکمال ولم ارہ لاحد ینبغی علی ما هو المعتد ان ینکر بیئہ اذا انكرته الزوجة واما اذا لم تنکر فلا یمین علیہ اللہم الا اذا اتهمه القاضی ام (قوله ان ادعاه وانكرته) ای ادعی الاستثناء ومثله الشرط کما فی الفتح وغیرہ، (قوله وقیل لا یقبل الخ) قال الخیر الرملی اقول حیث ما وقع خلاف وترجیح لكل من

القولین فالواجب الرجوع الى ظاهر الرواية لان ما عداها ليس مذهباً لا صحابياً و
ايضاً كما غلب الفساد في الرجال غلب في النساء فقد تكون كارهة له فتطلب الخلاص منه
فتفتري عليه فيفتي المفتي بظاهر الرواية الذي هو المذهب ويفوض باطن الامر الى الله
تعالى فتأمل وانصف من نفسك اهل قلت الفساد وان كان في الفريقين لكن اكثر العوام
لا يعرفون ان الاستثناء مبطل لليمين وانما يعلمه ذلك حيلة بعض من لا يخاف
الله تعالى وايضاً فان دعوى الزوج خلاف الظاهر فانه بدعوى الاستثناء يدعى
ابطال الموجب بعد الاعتراف به بخلاف ما مر من ان القول قوله في وجود الشرط
كدخلها الدار مثلاً فانه بعد قوله ان دخلت الدار فانت طالق لم ينعقد الموجب
للطلاق الا بعد وجرد الدخول وهو منكروه والظاهر يشهد له اما هنا فالظاهر خلاف
قرله واذا عم الفساد ينبغي الرجوع الى الظاهر قال في الفتح نقل فجم الدين النسفي عن
شيخ الاسلام ابي الحسن ان مشايخنا اجابوا في دعوى الاستثناء في الطلاق ان
لا يصدق الزوج الا ببينة لانه خلاف الظاهر وقد فسد حال الناس ام
ز قوله وقيل ان عرف بالصلاح الخ) قائمه صاحب الفتح رالي قوله) قلت ولا يخفى ان
هنا تحقيق للقول الثاني المفتي به لان المشايخ علوه بفساد الزمان امي فيكون
الزوج متهمنا واذا كان صالحاً تمتنعى التهمة فيقبل قوله فلا يكون هذا قولاً ثالثاً
فتدبر (رد المحتار ص ۵۵۵ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۲۸ رمضان المبارک ۱۲۸۵ھ

لفظ "تاک" سے طلاق نہیں ہوتی :

سوال؛ میری پہلی بیوی اور بچوں نے مجھے دوسری بیوی کو طلاق دینے پر سخت مجبور کیا،
میں نے پریشان اور سخت مجبور ہو کر دفع الوقتی کے لئے دوسری بیوی کے مشورہ سے یہ صورت نکالی
کہ پہلی بیوی کے سامنے دوسری بیوی کو ایک بار لفظ طلاق کہہ کر اس کے بعد دوبارہ "تاک" کہہ دوں،
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جو روا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک طلاق واقع ہوئی، اس کے بعد لفظ "تاک" جو دوبار استعمال کیا اس سے کوئی طلاق نہیں
ہوئی، اس لئے آپ عدت کے اندر رجوع کر سکتے ہیں، قال فی الہندیۃ فی الفصل الاول من

الباب الثاني ناقلاً عن البحر وان حذف اللام فقال انت طاق لا يقم وان
فتوى (عالمگیریہ ص ۱۱۳۲۵) وکن فی اول کتاب الطلاق من البحر تحت قول الکاتب
الصريح كانت طاق ومطابقة وطاقة تلك (البحر المرائق ص ۱۲۵۵) فخطا والله تعالى اعلم
۱۹/ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ

طلاق مغلظ میں غیر مقلد سے فتویٰ لینا جائز نہیں:

سوال: آجکل یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ لوگ غصہ میں آکر تین طلاقیں بیک وقت دیدیتے ہیں
اس کے بعد پریشان ہو کر اہل فتویٰ کی طرف بھاگتے ہیں، جب کہیں سے بھی کوئی حل نہیں ملتا تو کسی
غیر مقلد سے حلت کا فتویٰ لے کر بیوی کو اپنے گھر میں بسا لیتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟
اور کیا اس طرح سے بیوی حلال ہو جائے گی؟ اگر کسی نے یہ حرکت کی تو کیا اس کے ساتھ تعلقات
رکھنا جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے
مذہب پر عمل کرنا دین اسلام کا مذاق اڑانا ہے، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنی
نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے، دنیا کی چند روزہ راحت و عیش کی خاطر مالک کو ناراض کرنا اور عذاب
جہنم کا سامان کرنا بہت بڑی حماقت و ناعاقبت اندیشی ہے، اس لئے اس پر پوری امت کا اجماع ہے
کہ نفسانی خواہش کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو لینا حرام ہے، خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ
نے اس کی حرمت پر اجماع امت تحریر کیا ہے: حیث قال فیمن نکح عند شہود فسقة ثم
لم یتم الثلاثا فادار التخلص من الحرمة بان النکاح کان فاسدا فی الاصل
علی مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فلم یقع الطلاق ما نصہ وھذا القول یحکم
اجماع المسلمین فانہم متفقون علی ان من اعتقد حل الشیء کان علیہ ان یعتقد
ذلك سواء وافق غرضه او خالف ومن اعتقد تحریمہ کان علیہ ان یعتقد ذلك
فی الحالین وھو لاء المطلقون لا یقولون بفساد النکاح بفسق الولی الا عند الطلاق
الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث یكونون فی وقت یقلدون من یفسدہ و فی
وقت یقلدون من یصححہ بحسب الغرض والھوی ومثل ھذا لا یجوز باتفاق
الامة رثم قال بعد ثلاثة اسطر ونظیر ھذا ان یعتقد الرجل ثبوت شفعة

الجوار اذا كان طالبا لها وعدم ثبوتها اذا كان مشترئاً فان هذا لا يجوز بالاجتماع وكذا من بنى على صحة ولاية الفاسق في حال نكاحه وبنى على فساد ولايته حال طلاقه لم يجز ذلك باجماع المسلمين ولو قال المستفتى المعين انا لما كنت اعرف ذلك وانا اليوم التزم ذلك لم يكن من ذلك له لان ذلك يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة الى ان يكون التحليل والتحریم بحسب الاهواء،

(فتاویٰ ابن قیمیہ ص ۲۴۰ ج ۲)

حاصل یہ کہ تین طلاقیں کے بعد کسی غیر مقلد سے فتویٰ لینا باجماع امت حرام ہے اور خود غیر مقلدین کے امام حافظ ابن تیمیہ اس کی حرمت پر اجماع امت کے قائل ہیں، غیر مقلد سے فتویٰ لینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی، یہ مرد اور عورت دونوں عمر بھر بدکاری کے گناہ میں مبتلا رہیں گے، عذابِ آخرت کے علاوہ دنیوی وبال الگ،

اہل اثر مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان میں تفریق کرائیں، اور جب تک وہ اس حرام کاری سے باز نہیں آتے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں، ورنہ دنیوی وبال و آخری عذاب میں ان کے ساتھ وہ سب لوگ بھی شریک ہونگے جو ان سے قطع تعلق نہیں کرتے، اور ان کو حرام کاری سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵/ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

تعلیق بنکاح فاسد صحیح ہے :

سوال : ایک لڑکی جنت جو کہ تقریباً چھ سال کی تھی اس کے باپ نے زید نامی لڑکے سے نکاح کر دیا تھا، منکوحہ جنت بالغہ ہوئی تو اس کے بھائیوں نے باپ کی وفات کے بعد اس کا نکاح دوسرے شخص بکر کے ساتھ کر دیا، زید سے طلاق لئے بغیر، اس کے بعد جب قوم اور برادری نے زور بھرا اور علماء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا تو اس وقت جنت کے بھائیوں نے نجات پانے کے لئے اس جنت کی مطلقہ بہن اس کے عوض میں اس شرط پر دی کہ زید اپنی منکوحہ زوجہ جنت کو طلاق دے، جب برادری اکٹھی ہوئی تو نکاح خواں مولوی صاحب بھی آئے، زید بولا اگر میں اپنی منکوحہ اولیٰ کو پہلے طلاق دوں گا تو یہ پھر دھوکہ کریں گے، لہذا پہلے میرا نکاح جنت کی بہن کے ساتھ پڑھایا جائے اس کے بعد طلاق دوں گا، آخر کار طلاق معلق بالشرط بنا کر نکاح پڑھا دیا، یعنی زید نے یہ شرط لگائی کہ

جس وقت میرا نکاح جنت کی بہن سے پڑھا جائے گا اسی وقت اسی ساعت میری پہلی منکوحہ جنت کو طلاق واقع ہوگی، گویا یوں کہا کہ جب میں قبول کر لوں گا تو جنت کو تین طلاقیں ہوں گی، اس صورت میں واضح فرمائیں کہ یہ نکاح اور طلاق دونوں صحیح ہیں یا غلط؟ اور جمع بین الاختین جو کہ حرام ہے وہ ہوا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منکوحہ کی بہن سے جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے، اور منکوحہ جنت پر تین طلاقیں واقع ہوئیں اس کی بہن سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، اگر وہ دوبارہ نکاح پر راضی نہ ہو تو شوہر اُسے چھوڑ دے، اگر نہیں چھوڑتا تو عورت زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو فسخ کر دیا، اس کے بعد وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فی الظہیریۃ رجل قال لامرأة لا یحل نکاحا ان تزوجتک فعدی حرقت زوجھا حنث لان یمینہ تنصرف الی ما یتصور البحر الرائق ص ۳۴۸ ج ۴ فی ابتداء تعلیق الثامیۃ من تلخیص الجامع وشرحہ الفارسی لو حلفت لا یمیع فباع فاسد احنث لوجود رکن البیع وان کان المطلوب منه وهو انتقال الملك غیر ثابت (رحمہ المحتار ص ۵۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ شعبان ۱۴۰۲ھ

تعلیق بعدم اداء قرض کے بعد قرض خواہ مرگیا:

سوال: زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے کل تک تمہارا قرض ادا نہ کیا تو میری منکوحہ مغلطہ ہو جائے گی،

امر مطلوب یہ ہے کہ اگر خالد کل صبح فوت ہو گیا یا لاپتہ ہو گیا یا کہیں چلا گیا یا کسی ظالم نے اسے گم کر دیا یا حکومت نے کسی مجرم کے تحت اُسے قید کر لیا کہ وہاں تک زید عادتہ نہیں پہنچ سکتا، پس ان سب صورتوں میں کہ زید نے خالد کو میعاد مقرر پر قرض ادا نہیں کیا نہ پید کی منکوحہ مطلقہ مغلطہ ہو جائے گی یا نہیں ہوگی؟

اس مسئلہ سے متعلق مختلف جزئیات ارسال خدمت ہیں، ان میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہوگی؟

① فی الہندیۃ رجل قال لغيره ان لم ائتک غدا ان استطعت فامرأته طالق

ولم یمرض ولم یمنعه سلطان ولا غیرہ ولم یجعی امرًا لا یقدر معہ علی ایٹانہ فلم یأت حنث فی بیمنہ وهذا اذا لم تکن له نية الخرج (ج ۳۰ ص ۱۷۳)

(۲) وفيه لو قال ان لم اخرج من هذه الدار اليوم فامرأته طالق فقيد العالف ومنع من الخروج ايا ما يحنث العالف وهو الصحيح (ص ۱۷۳ ج ۱)

(۳) وفيها لو حلف ان لا يسكن هذه الدار فقيد ومنع من الخروج لا يحنث، كذا في خزنة المفتين (ص ۱۷۳ ج ۱)

(۴) وفي البدائع ولو قال لا مرأته انت طالق ثلاثا او والله لا ضرب بن فلانة فماتت فلانة قبل ان يضربها فقد حنث في بيمنه وهو مخير ان شاء انزم نفسه الطلاق وان شاء الكفارة لان شرط البركات بموتها فحنث في احدى اليمينين (ص ۳۰ ج ۳) بينوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

بصورت موت خالد کے ورثہ اس کے قائم مقام ہیں، لہذا زید نے ان کو اس روز قرض ادا کر دیا تو حانث نہ ہوگا، بقیہ نسب صورتوں میں اور بصورت موت ورثہ کے عدم علم کی حالت میں زید نے خالد کا قرض اس روز قاضی کے سپرد کر دیا تو حانث نہ ہوگا، اگر قاضی کے سپرد نہ کیا یا وہاں قاضی نہیں تھا تو حانث ہو جائے گا، قال فی العلائق یبر المدیون فی حلفہ لرب الدین لا قضین مالک الیوم فجاء بہ فلم یجدہ ودفع للقتاضی ولو فی موضع لا قاضی له حنث بہ یفتی منیة المفتی (رد المحتار ج ۳ ص ۲۳) اس سے ثابت ہوا کہ رب الدین کے قائم مقام کو ادا کر دینے سے حانث نہیں ہوتا، اور بصورت موت رب الدین کے ورثہ اس کے قائم مقام ہیں، لہذا ان کو دیدینے سے حانث نہ ہوگا، سوال کے ساتھ مندرجہ جزئیات کی توضیح درج ذیل ہے:

جزئیۂ اولیٰ میں ان استطعت کی قید ہے اس لئے بصورت عدم استطاعت حانث نہیں ہوتا،

جزئیۂ ثانیہ میں شرط بر یعنی خروج نہیں پایا گیا، اس لئے حانث ہو گیا،
جزئیۂ ثالثہ میں شرط بر عدم سکونت ہے، اور عرفا صرف اختیاری رہائش کو سکونت کہا جاتا ہے جو یہاں مفقود ہے، اور شرط بر یعنی عدم سکونت اختیاری متحقق ہے اس لئے حانث نہیں ہوا،

جزئیہ رابعہ میں برّ کی کوئی صورت ممکن نہیں رہی، اس لئے حائث ہو گیا، بخلاف مسئلہ زیر نظر کے کہ اس میں بطریق الاداء الی الورثۃ والقاضی برّ ممکن ہے، لہذا بصورتِ ادار حائث نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۲۳ شوال ۱۴۰۲ھ

جاؤ، چلی جاؤ، آزاد کر دیا:

سوال: زید کا اپنی بیوی سے کئی مرتبہ گھریلو تنازع ہوا، اور بیوی نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو تو زید نے غصہ میں آکر کہا کہ جاؤ اپنے ابا کے گھر چلی جاؤ، میں نے آزاد کر دیا، اور پھر اس کے بعد آج سے تین روز قبل دورانِ تنازع زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، اگر لگایا تو خود کو مرا ہوا پاؤں گا، بیوی کہتی ہے کہ ان الفاظ سے ہمارا زن و شوہر دالا تعلق نہیں رہا، اب آپ فرمائیں کہ شریعت کی روشنی میں کیا واقعی ان الفاظ سے طلاق ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس تحریر میں طلاق کے تین جملے ہیں، (۱) جاؤ (۲) اپنے ابا کے گھر چلی جاؤ (۳) میں نے آزاد کر دیا،

پہلا جملہ بنیتِ طلاق کہا ہو تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ورنہ نہیں۔
دوسرے جملہ میں طلاق کی نیت نہ ہو تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔
دوسرے جملہ میں طلاق کی نیت تھی، پہلے میں نہیں تھی تو دوسرے جملہ سے ایک طلاق بائن ہو گئی،
دونوں جملوں میں طلاق کی نیت تھی تو پہلے جملہ سے ایک طلاق بائن ہو گئی، دوسرے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ لانّ البائن الکنائی لا یلحق البائن۔

تیسرا جملہ طلاق صریح بائن ہے، لہذا اس سے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو بہر حال ایک طلاق بائن ہو گئی۔

خلاصہ: پہلے دونوں جملوں میں طلاق کی نیت نہ ہو تو صرف تیسرے جملہ سے ایک طلاق بائن ہوئی،

پہلے دونوں جملوں میں یا دونوں میں سے ایک میں طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن یہ ہو گئی اور دوسری بائن تیسرے جملہ سے، مجموعہ دو بائن طلاقیں ہو گئیں۔

فما توثقني إلا بالله عليه توكلت واليه المرجع

ایقاع الطلاق بالفسخ والجماع

بعض حلاقوں میں طلاق دینے کا یہ دستور ہے
کہ بیوی کی طرف تین کنکریاں پھینک کر کہتے ہیں:
”یہ طلاق ہیں“ اس رسالہ میں ثابت کیا
کیا گیا ہے کہ اس سے تین طلاقیں ہو جاتی ہیں،
اس سلسلہ میں مختلف تحریرات کی تنقیح،

نہج

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ایقاع الطلاق بالتقاریر الجمرات

تین کنکریاں پھینک کر کہا یہ طلاقیں ہیں:

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک کا نام رحیمہ ہے، یہ شخص حالت غضب و تشاجر میں تین عدد جرات (کنکریاں) پھینک کر کہے کہ یہ رحیمہ کی طلاقیں ہیں، رحیمہ میری ماں بہن ہے، آیا اس شخص کی بیوی رحیمہ تین طلاقیں سے مغلط ہو جائے گی؟ بوجہ مفہوم مخالف عبارت در مختار کے کہ لکھا ہے وبہ ظہران من تشاجر مع زوجتہ فاعطاها ثلاثة احجار بنوی الطلاق ولم یدکر لفظاً لا صریحاً ولا کنایۃ لا یقع علیہ الخ (رد المحتار ص ۴۵۳ ج ۲) و بوجہ تصریح فتاویٰ بزازیہ کے جو فرمایا ہے: لو طلبت الطلاق فصریحا و قال اینک طلاق لا یقع و بقول امام احمد القلانسی کے جو بزازیہ میں ایک سطر کے بعد مذکور ہے و سئل احمد القلانسی عن وکزا امرأته فقال اینک یک طلاق ثم وکز ثانیاً و قال اینک دو طلاق و کذا فی الوکزة الثالثة قال تطلق ثلاثا قال شیخ الاسلام لا یقع لانه سمي الضرب طلاقا فی بطل والا امام احمد یقول سمي الطلاق فیقع (الفتاویٰ البزازیة علی هامش المندیة ص ۱۷۲ ج ۲) و کذا فی المندیة ص ۳۸۲ ج ۱) یا کہ شخص مذکور کے الفاظ مذکورہ باطل اور لغو ہوں گے؟ اور اس کی زوجہ مذکورہ کو کوئی طلاق بھی واقع نہ ہوگی، لہذا امرأته انفا من قول شیخ الاسلام من البزازیة والمندیة ولماصح فی الخانیة رجل وقعت الخصومة بینہ و بین امرأته فقالت المرأة ضعی ثلاث تطلیقات فهنا وهناك ثلاث قصبات صغار مما یكون للحائک بلا غزل فابان الرجل باصبع رجله واحدة وقال هذا طلاقک ثم وثم حتی نحاها عن اماکنها ثم قال ادفعیه الی الحائک لیسجد فی ثوبک قالوا ینبغی ان لا تطلق امرأته

لأنه جعل القصب طلاقاً (خانية على هامش الهندية ص ۳۶۲ ج ۱) ولما في تنوير الابصار وشرح حيث قال وان نوى بانث على مثل امي او كامي وكذا لو حذف على خانية برا او ظهرا او طلاقاً صحت نيته ووقع ما نواه لانه كناية والا ينوش شيئاً او حذف المكاف لغاوتعين الادنى اي البريعني الكرامة (رد المحتار ۵۲۶)

الجواب باسم ملهم الصواب

صورت مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، تین کنکریاں عدد کی وضاحت اور تاکید کے لئے دی گئی ہیں، جن عبارات میں ضربات و قصابات دینے کی صورت میں عدم وقوع طلاق کا ذکر ہے ان میں اور مسئلہ زیر بحث میں دو وجہ سے فرق ہے،

① عدد کی توضیح کے لئے ضربات عرفاً مستعمل نہیں، اور قصابات سے متعلق ادفعیہ الی الحائک کا قول اس پر قرینہ ہے کہ قصابات سے عدد کی توضیح مقصود نہیں، بلکہ قصابات ہی کو طلاق کہہ رہا ہے،

② آجکل عرف میں یہ طریقہ عام مردج ہے کہ عدد طلاق کی توضیح کے لئے تین پتھر وغیرہ پھینکے جاتے ہیں، لہذا عرف کے مطابق تین کنکریوں کو عدد پر محمول کیا جائے گا اور تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ رجب ۱۴۰۵ھ

سوال متعلق بالا :

سوال: آپ نے القایہ جرات ثلاث سے وقوع طلاق مغلظ کا حکم تحریر فرمایا تھا، یہاں کے دو عالموں نے اس کے خلاف لکھا ہے، دونوں کی تحریریں ارسال خدمت ہیں، ان پر غور فرما کر اپنی رائے تحریر فرمائیں،

تحریر اول :

در مسئلہ مذکورہ اشارہ بسوئے شی محسوسہ یعنی جرات ثلاثہ است و خبر برائے ہمیں اسم اشارہ است و اشیاء محسوسہ را موسوم بہ سون (طلاق) کردہ است، لہذا کلامش لغو میشود، سئل احمد القلاسی عن وکزا مرأتہ فقال اینک یک طلاق ثم ذکر ثانیاً وقال اینک وطلاوت وکذا فی الوکزة الثالثة قال تطلق ثلاثاً، قال شیخ الاسلام لا یقع لانه سمي الضرب طلاقاً فی بطل والامام احمد یقول سمي الطلاق فیقع اه (بزازية على الهندية ص ۱۰۲ ج ۲) وھکذا فی العالمگیریة عن الخلاصة مطبوعة

ہند (ص ۶۵، ۶۶) وفي الما مش علی قول شیخ الاسلام (فی بطل) وهو الاظهر،
ہندیہ از باب ترجیح است، و پیوستہ قول راجح را اخیراً ذکر می کنند چنانچہ مذکورہ بالا است
و نیز در ہما مش لفظ وهو الاظهر ترجیح بطلان بر ایقاع طلاق است، لہذا زوجہ عبد الواحد
ہجنان در نکاح باقی است، ہیچ طلاقی واقع نشدہ،

۲۴ رجب ۱۳۹۵ھ

تحریر ثانی :

علامہ بریں کہ منطوق بر مفہوم خود برتری و رجحان دارد، مفہوم مخالف عبارت شامیہ
اینست کہ اگر مرد بانداختن سہ تا سنگ بسوئے زن لفظی از الفاظ طلاق صریحاً و کنایہ ذکر
کرد طلاق واقع میشود نہ اینکه با ذکر لفظ طلاق فقط بانداختن سہ تا سنگ بدون ذکر لفظ دال
بر عدد سہ طلاق خواہد شد، نہ بر آنکہ ہجنانکہ برائے وقوع طلاق ذکر لفظ صریح یا کنایہ طلاق
شرط است برائے تعدد طلاق ہم لفظ دال بر عدد ضروری است، و انداختن سنگہا از قبیل
افعال است نہ از جنس اقوال و الفاظ، زیرا کہ نگفت مثل ایس سنگہائے دلوقالت
لزوجہا طلقتی فامشارت بثلاث اصابع و اراد بذلک ثلاث تطلیقات لایقع ما لم یقل
بلسانہ، ہکذا فی الظہیریۃ ام رندیۃ (ص ۵۱ ج ۲) انت طالق ہکذا مشیراً
بالاصابع المنشورۃ وقع بعدہ امی بعد ما اشار الیہ من الاصابع الاشارة
اللغویۃ او بعد ما اشار بہ منہا الاشارة الحسیۃ تأمل فان اشار بثلاث فہی
ثلاث او ثنتین او بواحدۃ فواحدۃ کما فی الہدایۃ قال فی البحر لان هذا
تشبیہ بعدد مشار الیہ وهو العدد المفاد کمیتہ بالاصابع المشار الیہ لان
الماء للتنبیہ والکاف للتشبیہ وذا الاشارة ام وانظر هل الاشارة الی غیر
الاصابع من المعدودات كذلك ام لا لاختصاص ارادة العدد فی العادة بالاصابع
تأمل (شامیۃ ص ۲۲۲ ج ۲)

والظاهر ان فی عرف دیارنا القاء الاحجار و غیرہا کذلک لکن ان وجد
لفظ الاشارة بہا،

ولو لم یقل ہکذا ای بان قال انت طالق و اشار بثلاث اصابع ونوی
الثلاث ولم یدکر بلسانہ فانہا تطلق واحداً خانیۃ ام قوله لفقد التشبیہ

ای بالعد وقال القهستانی لانه كما لا يتحقق الطلاق بدون اللفظ لا يتحقق عدده بدونها (شامیه ص ۲۳۸۸) معلوم شد که مفهوم عبارت شامیه با منطوق عبارت خانیه مخالفی ندارد،

وسئل احمد القلانسی عن وكز امرأته فقال اينك يک طلاق ثم وكز ثانياً وقال اينك دو طلاق وكذا في الكوزة الثالثة، قال تطلق ثلاثاً قال شيخ الاسلام لا يقع لانه سمي الضرب طلاقاً فيبطل والامام احمد يقول سمي الطلاق فيقع اه (بزازية على الهندية ص ۱۷۲) وعبارة الهندية وفي مجموع النوازل سئل شيخ الاسلام عن ضرب امرأته فقال دار طلاق قال لا تطلق، اگرچه لفظ قالوا که در عبارت خانیه واقع است در اصطلاح فقهاء از الفاظ تبری و عدم رضا است و همچنین لفظ ینبغی از اضعف الفاظ ترجیح، اما اولاً این اصطلاحی نیست و ثانیاً صاحب خانیه که از اجل ارباب ترجیح است قریب دیگر که مخالف این روایت باشد نقل نفرموده است، و ثالثاً از قول شیخ الاسلام که لفظ وهو الاظهر بران نوشته شده است، تا بعد آن میشود و نیز از صیغه قالوا معلوم میشود که شیخ الاسلام درین قول منفرد نیست موافق هم دارد، بنا برین این روایت قابل قبول خواهد بود، البته دو اشکال در پیش اند،

(۱) عبارت هندی که از مجموع النوازل نقل شده است قول شیخ الاسلام در مسئله معبرها به "دار طلاق" مذکور است، و حال آنکه در خود هندی بعد از چند سطر می نویسد ولو قال لها دار طلاق لا يقع في جنس الاضافة اذ الم ينول عدم الاضافة اليها وقيل يقع من غيرنية وهو الاشبه لان قوله دار في العادة وقوله خذ سواء ولو قال لها خذي طلاقك يقع من غيرنية كذا ههنا كن اني المحيط (هندیه ص ۱۵۵ مطبوعه هندن) شاید سبق و هم خود که قول شیخ الاسلام در مسئله دار طلاق بعدم وقوع مبنی بر عدم وجود اضافت است، و در مسئله ما اضافت (ای حلیه سوننت) موجود است،

و فعش این است که در مسئله محیط "دار طلاق" امر محسوس بمانند ضرب موجود نیست، که بقول شیخ الاسلام باسم طلاق مسمی گردد و لذا عدم وقوع بعثت عدم اضافت است اما در مسئله مجموع النوازل لفظ سئل شیخ الاسلام همین فعل ضرب را مفعول صیغه امر "دار" قرار میدهد و میگوید که زوج همین ضرب را بنام طلاق نامیده وزن را بداشتند آن امر

کرده است، لہذا طلاق واقع نمیشود و دلیل برین عبارت بنزایہ هست کہ در مسئلہ "دکز" کہ در ۱ اشارہ بلفظ اینک یک طلاق موجود است اختلاف شیخ و امام قلاسی را ذکر فرمودہ است، ظاہر است کہ امر بداشتہن بہمانند اشارہ در مورد امر محسوس چون ضرب و دوز و القاء حجر وغیرہ میشود، البتہ وقتی کہ شی محسوس وجود نہ دارد طلاق کہ از امور معنوی است مراد گرفته نخواہد شد، فلانماذا بین الروایتین،

⑤ لو قالت طلقني فضر بها وقال اينك طلاق لا يقع ولو قال اينكت، طلاق يقع اه (دہندیہ ص ۴۵ ج ۲) ازین عبارت بطور وضوح معلوم می شود کہ عدم وقوع در صورت اولی بعلت عدم اضافت و وقوع در صورت ثانیہ بسبب وجود اضافت یعنی تاء خطاب است، لہذا این عبارت ظاہراً با قول شیخ الاسلام و مسئلہ زیر بحث مخالفت دارد، زیرا انکہ اینجا ضرب موجود است و مع ذلك مشارالیه و مسمی با اسم طلاق قرار دادہ نشدہ است، اللهم الا ان يفرق بينهما بان قولها طلقني سؤال عن الطلاق ودليل على ان المشار اليه في قوله اينكت طلاق هو الطلاق دون الضرب لان السؤال معاد في الجواب كما في قواعد الاشباه فالوقوع ليس بمجرد اضافة الطلاق اليها بل به ولانه سمي الطلاق الذي تضمنه السؤال طلاقاً لا غير الطلاق طلاقاً وبهذا يظهر الجواب عما في مسألة الخانية فان فيها ايضاً قالت المرأة ضع ثلاثه تطليقات ههنا، لان الطلاق ليس متاي وضع في مكان فتدبر،

خلاصہ جواب آنکہ چون در مسئلہ مورد بحث جمرات محسوسہ موجود ہستند، و سوال از طلاق ہم وجود ندارد، و اشارہ در اصل وضع برائے امر محسوس است، و اگر بسوئے امر غیر محسوس اشارہ می کنند آنرا مبالغہ و ادعاء بمنزلہ محسوس قرار می دہند کما هو مقرر فی علم المعانی، اما چون امر محسوس قابل اشارہ موجود است عدول از معنی وصفی اسم اشارہ خلاف ظاہر است، بنا برین طلاق واقع نخواہد شد، و محل قول علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ و لم یذکر لفظاً لا صریحاً و لا کنایۃ این است و لم یذکر لفظاً موقعاً و در مسئلہ ما ذکر لفظ "سون" بعلة اشارہ بسوئے جمرات علی وجه الایقاع نیست، و زیادت این قید ضروری است، زیرا انکہ ذکر ہر لفظ طلاق برائے ایقاع نیست کما تشہد لہ فروع کثیرہ مذکورہ فی کتب الفقہ، ہذا اما ادی الیہ فہی القصیر و العلم عند اللہ العلیم الخبیر، چون مسئلہ

حامل اہمیت فوق العادہ است از مؤلف قابل اطمینان استفسار فرمایند، اقول قولي هذا واستغفر
الله العظيم، ۲۹ رجب ۱۳۹۵ھ

الجواب باسم ملهم الصواب

مذکورہ بالا دونوں تحریروں میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں غور نہ کرنے سے مغالطہ لگا
ہے، ذیل میں ان دونوں تحریروں کی تنقیح اور اس کے ضمن میں عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی توضیح
کی جاتی ہے:

تنقیح تحریر اول

① قول، ہندیہ از ارباب ترجیح است،

اقول، ہندیہ کسی مصنف کا نام نہیں جو ارباب ترجیح میں سے ہو، نیز یہ کسی فرد واحد کی
تصنیف نہیں جس کو ارباب ترجیح سے شمار کیا جاسکے، اسے تو علماء کی ایک جماعت نے لکھا ہے،
آپ کس کس کو ارباب ترجیح میں سے شمار کر رہے ہیں؟ نیز ہندیہ کے مصنفین کو کسی نے بھی
ارباب ترجیح میں سے نہیں لکھا، اگر لکھا ہے تو اس کی وضاحت مطلوب ہے،

② قول، و پیوستہ قول راجع را اخیراً ذکر می کنند چنانچہ مذکورہ بالا است،

اقول، عالمگیری کی پوری عبارت یہ ہے: وفي مجموع النوازل سئل شيخ الاسلام
عن ضرب امرأته فقال دار طلاق قال لا تطلق وسئل الامام احمد القلاني
رحمه الله تعالى عن وكز امرأته وقال اينك يك طلاق ثم وكزها ثانياً وقال
اينك دو طلاق وكذا الثالث قال تطلق ثلاثاً فشيخ الاسلام يقول سمي بالضرب
طلاقاً فيبطل والامام احمد يقول سمي الطلاق فيقع اه (ہندیہ ص ۳۸۲ ج ۱)
محولہ بالا عبارت میں سب سے پہلے احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور ہے، پھر شیخ الاسلام
رحمہ اللہ تعالیٰ کا اور آخر میں پھر احمد کا قول مع وجہ ذکر کیا گیا ہے، اس لئے قول اخیر کو اگر مفتی بہ
تسلیم کیا جائے تو بھی وہ احمد کا قول ہی، نہ کہ شیخ الاسلام کا قول، قول شیخ الاسلام کو درمیان
میں لائے ہیں اس لئے اصول فتویٰ کے مطابق یہ قول معشتی بہ نہیں ہو سکتا، نیز احمد کے قول کو
مع وجہ مؤخر ذکر کرنا اس کی ترجیح کی دلیل ہے،

③ قول، و نیز در ہامش لفظ وهو الاظهر ترجیح بطلان بر ایقار طلاق است،

اقول، یہ محشی کون ہے اور اس کے اصحاب ترجیح میں سے ہونے پر کیا دلیل ہے؟

تنقیح مختصر ثانی

① قولہ، ازیں عبارت بطور وضوح معلوم میثود کہ عدم وقوع در صورت اولیٰ بعلت عدم اضافت و وقوع در صورت ثانیہ بسبب وجود اضافت یعنی تا، خطاب است، اقول، عبارت مذکورہ واقعی اسی فرق پر مبنی ہے مگر شامیہ میں اس کی تصریح ہے کہ مفتی بہ قول پر اضافت و عدم اضافت کا فرق غیر معتبر ہے،

② قولہ، قولہما طلقنی سؤال عن الطلاق الخ اقول، جب بیوی کا سؤال عن الطلاق تعین مرجح کے لئے قرینہ بن سکتا ہے تو شوہر کی نیت تعین مرجح کے لئے کیوں کافی نہیں؟ حالانکہ مراد متکلم میں خارجی قرائن کی بنسبت اس کی نیت کو زیادہ دخل ہے، اگر وہ نیت کا انکار کرے تو عرف اس کی تکذیب کرتا ہے، اس لئے اسکا انکار معتبر نہیں، صورت زیر بحث میں تو دلالت الحال، نیت اور عرف سب ایقاع طلاق پر متفق ہیں،

③ بالفرض شیخ الاسلام کے قول کو لے لیا جائے تو ماہ الفرق وہی ہے جو ہم اس سے قبل اسی سوال کے جواب میں تحریر کر چکے ہیں،

④ مسئلہ زیر بحث اور ضرب دالے مسئلہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جب کسی سے کوئی چیز طلب کی جاتی ہے اور اس کو وہ چیز دینا منظور نہ ہو تو اس کو مار کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لے اپنی مطلوب چیز، اس کا مقصد وہ چیز دینا نہیں ہوتا بلکہ اس کے مطالبہ کو رد کرنا مقصد ہوتا ہے، بخلاف جمرات و احجار کے کہ اُن میں عرفاً مطالبہ کو رد کرنا نہیں ہوتا،

⑤ جس علاقہ میں یہ رواج ہے کہ احجار و جمرات کے ذریعہ ہی طلاق دیتے ہیں وہاں آخر طلاق کی کیا صورت ہوگی؟ مذکورہ جوابات کے مطابق تو بلوچستان میں کبھی بھی طلاق واقع نہیں ہوئی ہوگی، اور نہ ہی آئندہ کبھی ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ





وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

التفريق

بیمہ

التقييد والتعليق

طلاق کے ایک مسئلہ میں اکابر مفتیان کرام کے جوابات
میں اختلاف ہوا تو بالآخر فیصلہ کے لئے سب جوابات
حضرت مولف دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کئے گئے
نوعمری کے باوجود آپ کی نظر عمیق ایسے نکتہ پر پہنچی کہ
اس سے بناءً اختلاف ہی منہدم ہو گئی،

وہ کیا ہے؟

تقييد و تعليق کی تعريف اور ان کے احکام میں فرق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

التفریق بین التقیید والتعلیق

تقیید و تعلیق میں فرق :

طلاق کا ایک مسئلہ حضرات مفتیان کرام میں مختلف فیہا بنا ہوا ہے، سب حضرات کے فتاویٰ جناب کی خدمت میں ارسال ہیں، اُن پر نظر فرما کر اپنی رائے عالی و قول فیصل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں :

سوال : ایک شخص پہلے نکاح کے بعد دوسرا نکاح منکوحہ اولیٰ کے غیر آباد ہونے کی وجہ سے کرنا چاہتا ہے، منکوحہ ثانیہ کے متولّیوں کو مندرجہ ذیل تحریر کا ایک وثیقہ لکھ کر دیتا ہے :-

منکہ مسمیٰ امیر احمد ولد فلاں قوم فلاں استرار کرتا ہوں کہ مسماء غلام سہارہ (منکوحہ اولیٰ) دختر مولوی محمد رمضان کو رو برو گواہان مسلمانانہ مشروط طلاق بائن دے کر اس کے حقوق ازدواجی اپنے پر حرام کرتا ہوں، بشرطیکہ مسماء غلام سہارہ کو غلام سکینہ دختر غلام حسین (منکوحہ ثانیہ) کی حین حیات تک اپنے گھرا کر آباد کروں یا اس کے ساتھ (یعنی غلام سہارہ منکوحہ اولیٰ) کے ساتھ گزارہ زوجیت یا برتاؤ کروں،

العبد امیر احمد ، گواہ ۱ ، گواہ ۲

اس تحریر کے بعد کیا کوئی صورت منکوحہ اولیٰ کے ساتھ گزر بسر کرنے کی ہو سکتی ہو یا نہیں؟ اگر ایک دفعہ یہ منحل ہو جائے تو نکاح جدید کے بعد یہیں باقی رہے گی یا نہ؟

اس کے جواب میں اہل علم حضرات کی آراء باہم مخالف ہیں جو درج ذیل ہیں، چونکہ معاملہ اہل علم گھرانے کا ہے اور سخت کش مکش برپا ہے، لہذا جب تک کسی ایک مفتی کی رائے بنا رہے اور دلائل اکثر اہل علم حضرات کی تائید سے قوی تر ثابت نہ ہو جائے سبھاؤ مشکل ہے، لہذا آپ سے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل فتاویٰ میں غور و فکر فرمانے کے بعد اپنی تحقیق جو بھی ہو مدلل یا تائید کسی ایک کی تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ،

خلاصہ فتویٰ نمبر ۱:-

منکوحہ ادلی کی تحلیل کی صورت یہ ہے کہ عورت کو ایک طلاق رجعی یا باتن دی جائے، بعد مرد بر عدت اس کو زوج لا کر اپنے گھر آباد کرے تو سہین منحل ہو کر سہ طلاق لغو ہو جائیں گی، بعد لغویت سہ طلاق تجدید نکاح کر لی جائے،

محمد نور

صدر مدرس مدرسہ سراج العلوم سرگودھا

چنانچہ وثیقہ تحریر کنندہ اسی فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے منکوحہ ادلی کے ساتھ گذر بسر کر رہا ہے، اور ثانیہ غیر آباد ہے، منکوحہ ثانیہ کے متوتیوں نے دوسرے اہل علم حضرات کی طرف رجوع کیا تو مندرجہ ذیل جوابات موصول ہوئے:

خلاصہ فتویٰ نمبر ۲:-

اس صورت میں جس شرط پر تین طلاقیں کو معلق کر دیا گیا ہے وہ شرط ایسی ہے کہ اس کے غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں وہ وقوع میں نہیں آسکتی، گھر میں لا کر آباد کروں، یا اس کے ساتھ گزارہ زوجیت یا برتاؤ کروں، یہ شرط صرف اسی صورت میں پائی جاسکتی ہے جبکہ مسماۃ غلا اسہاڑ اس کے نکاح میں ہو، اس کو طلاق باتن یا رجعی دی جائے اور وہ نکاح سے نکل جائے، تو پھر گھر میں آباد کرنے اور گزارہ زوجیت کی شرط کہاں پائی جاسکتی ہے؟ لہذا اس کو اگر اولاً طلاق باتن دیکر ثانیہ منکوحہ بنا دینے کے بعد پھر اس کے گھر میں آباد کرایا جائے، تو چونکہ وہ تعلیق طلاق ابھی تک موجود ہوگی منحل نہیں ہوگی، لہذا وقوع شرط کے ساتھ ہی تین طلاقیں پڑ جائیں گی، اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگی، میں نے سوچا، لیکن میرے ذہن میں اب تک کوئی ایسی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی جو کہ فقہی قوانین و قواعد کے مطابق ہو، اور حرمت مغلظہ سے محفوظ رہ کر اس منکوحہ ادلی کو گھر میں آباد بھی کر سکے،

سیاح الدین

مفتی مدرسہ اشاعۃ العلوم جامع مسجد فیصل آباد

خلاصہ فتویٰ نمبر ۳:-

چونکہ شوہر کی شرط میں ”حین حیات تک“ کا لفظ موجود ہے اس لئے پھر دوبارہ نکاح کے بعد حین حیات باقی رہے گا، شرط پائی جائے گی، اور طلاق واقع ہوگی، وہ حیلہ پہلے طلاق دیکر مرد بر عدت کے بعد گھر آباد کرنا اور پھر تجدید نکاح کر لینا، اس وقت درست تھا جب کوئی لفظ ایسا نہ ہوتا، صرف ایک ہی وقت کا قصہ ہوتا، اب تو حیات یہی ہوگا کہ تین باتوں میں سے ایک

بھی پائی گئی تو طلاق ہوگی،

جمیل احمد تھانوی

مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

اصل وثیقہ کی تحریر اور مذکورہ بالا جوابات مفتی عطاء محمد صاحب کی خدمت میں برائے تبصرہ
وبائید پیش کئے گئے تو ان کا مندرجہ ذیل جواب موصول ہوا:
فتوٰی نمبر ۴:

باسمہ تعالیٰ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصاً على خاتم الانبياء
وعلى آله واصحابه البررة الثقي، اما بعد فقير نے آپ کے تحریر کردہ مسودہ دو وثیقہ اور
اس پر متعدد فتاویٰ علماء کرام کو غور سے دیکھا ہے، فقیر کے نزدیک مفتی جمیل احمد صاحب کی رائے
صحیح اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہے، مفتی سیاح الدین صاحب کی رائے بھی اس کے قریب ہے،
اور مال میں دونوں متحد ہیں، وہ حیلہ جو کہ سراج العلوم سرگودھاکے مدرس صاحب نے لکھا
بے محل ہے اور غیر مفید، آپ نے مدلل تحریر کرنے کو لکھا ہے، حسب الفہم عرض ہے ملاحظہ فرمائیے:
علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسائل کے رسالہ ۱۳ ص ۲۹۵ میں تحریر فرماتے ہیں:-

① اعلم ان العالف على شئ لابد ان يكون له في الاقد امر على اليمين غرض ثم
ان ذلك الغرض قد يكون نفس الفعل الذي سباه مثل لا ادخل الدار وقد يكون
ذلك الفعل لمسئ مع شئ اخر مثل لا اشتريه بعشرة فالفعل هو عدم الشراء
بعشرة والغرض عدم الشراء بهما وبما فوقها لانه مستنقص فمراده الشراء بهما وبما
وقد يكون الغرض امرًا خارجًا عن الفعل المسئ ولا يكون المسئ مرادًا أصلاً مثل
لا اضع قدمي في دار فلان فان الفعل المحلوف عليه هو عدم وضع القدم والغرض
المنع من الدخول مطلقاً والمسئ غير مراد حتى لو وضع قدمه ولم يدخل لم يحنث،
② ثم ان البر لا يتحقق الا بتحقق الغرض فصار حصول الغرض شرطاً للبر ومن
المعلوم ان الحنث نقيض البر والحنث لا يتحقق الا بسايفوت الغرض وهو عدم
الفعل المحلوف عليه اثباتاً او نفياً،

③ نفى لا ادخل انما يتحقق الحنث بالدخول وفي لا ادخلن بعد مه فاذا
تحقق الفعل الذي هو شرط الحنث وفات به الغرض فقد فأت شرط البر

من كل وجه فتحقق الحنث المطلق المترتب عليه حكمه منه لزوم كفارة ونحوها
لتحقق شرطه وهو وجود الفعل المفوت للغرض،

④ لان شرط الحنث الكامل هو وجود الفعل مع فوات الغرض،
ان قواعد مذکورہ بالا کی رو سے جب تحریر کردہ وثیقہ کو سمجھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ
نکاح نکاح ثانی کرتے وقت پہلی منکوحہ کے گھر لانے اور اس سے حقوق زوجیت برتنے پر حلف
کر رہا ہے (یعنی تعلیق وقوع طلاقات ثلاث منکوحہ اولیٰ پر) مگر اصلی غرض اس کی یہ ہے کہ
زوجہ اولیٰ کو زوجہ ثانیہ کے ساتھ حقوق میں شریک نہ بنائے گا، اسی غرض سے زوجہ ثانیہ کو
اس کے اطمینان کے لئے یہ تحریر کر دی گئی ہے، لیکن واضح ہے کہ ”گھر میں لانے“ سے مراد نہ
صرف درود ہی ہے بلکہ بطور زوجیت کے پہلی منکوحہ کو آباد کرنا ہی گھر لانا ہے، اور ظاہر ہے کہ
فوات غرض یعنی اشتراک فی حقوق الزوجیۃ ”گھر لانے“ اور حقوق زوجیت برتنے کو بتقدیر
وجود زوجہ ثانیہ کے لازم ہے، بناءً علیٰ ہذا جب بھی یہ شخص زوجہ اولیٰ کے ساتھ بموجودگی
ثانیہ کے بطور زوجیت کے تعلق رکھے گا تو اس وقت فعل محذوف علیہ کے وجود کے ساتھ
فوات غرض بھی موجود ہو جائے گی، اور حنث مستحق ہو کر زوجہ اولیٰ پر طلاق ثلاث عائد
ہوں گی، جب کہ یہ مقرر ہوا کہ حالف کے ”گھر لانے“ سے مراد نہ صرف درود ہے، تو پھر تحریر
ذریہ تخریج میں غور کرنے سے اس حیلہ کا بے محل ہونا بھی واضح ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

حذرہ الفقیر عطاء محمد عفی عنہ

از جامع مسجد چودھواں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

۱۴ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

جواب نمبر:

ہمارے نزدیک مسماۃ غلام سہارہ کے آباد کرنے کی بحیات زوجہ ثانیہ کوئی شکل و
صورت صحیح نہیں ہے، جب بھی اُسے زوجہ ثانیہ کی حیات میں لا کر آباد کرے گا چاہے مطلقہ
باتنہ کر کے دوبارہ تجدید نکاح کرے تب بھی شرط کا تحقق ہو جائے گا اور تین طلاقیں سے
حرام ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

محمد عبداللہ

مفتی خیر المدارس ملتان

جواب نمبر:

حَامِدًا أَوْ مُصَلِّيًا

ہمارے نزدیک بھی مفتی جمیل احمد صاحب و مولانا عبدالرشید صاحب اور ان کے مؤیدین کا جواب صحیح ہے کہ غلام سہارہ کے آباد کرنے کی بحیات زوجہ ثانیہ کوئی شکل نہیں، چونکہ زوج کی شرط میں حین حیات کا لفظ موجود ہے جس سے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واکمل،
محمد وجیہ غفرلہ

مدرس مدرسہ دارالعلوم ٹنڈو الہیہ

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

جواب نمبر: از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الجواب، اقول بباللہ التوفیق ومنہ السداد والصواب

میرے نزدیک تینوں فتووں میں مولانا محمد نور صاحب کا فتویٰ صحیح و درست ہے، اس پر جو اشکال مولانا سیاح الدین صاحب کے فتویٰ میں کیا گیا ہے وہ اس لئے مرتفع ہے کہ جب کسی شخص کے نام کے ساتھ کوئی صفت ذکر کی جاتی ہے تو قواعد اصول کے مطابق اکثر احکام میں صفت ہوا ہو جاتی ہے اور معاملہ اس شخص کی ذات کے ساتھ رہتا ہے، عبارت مندرجہ میں جو تعلیق طلاق کی گئی ہے وہ مسماۃ غلام سہارہ کے نام پر کی گئی ہے، اس کا منکوحہ زوجہ ہونا ایک صفت ہے، اس صفت پر مدار احکام اس جگہ نہیں ہوگا، بلکہ اس کے نام اور ذات کے ساتھ ہوگا، اس لئے طلاق بائن کے بعد جب اس کو اپنے گھر میں آباد کر لیا تو اگرچہ وہ اس وقت اسکی زوجہ نہیں لیکن تعلیق کی شرط پائی گئی، کیونکہ بشرط تعلیق بحرف تردید دو میں سے کوئی ایک چیز ہو، اس کو گھر میں آباد کرنا، یا اس کے ساتھ گزارہ زوجیت یا برتاؤ زوجیت کا کرنا، صورت مذکورہ میں اگرچہ گزارہ اور برتاؤ زوجیت کا حرام ہے، مگر ازل تو اس تعلیق کا مدار حلال و حرام پر نہیں، نفس برتاؤ زوجیت پر ہے وہ متحقق ہو گیا، ثانیاً اس کی شق اول یہ ہے کہ گھر میں آباد کرے وہ علاقہ زوجیت منقطع ہو جانے کے بعد بھی جائز طور سے ہو سکتا ہے، اس لئے وہ اشکال مرتفع ہو گیا، اور مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ کے فتویٰ میں جو اشکال حین حیات کے ساتھ مقید ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے وہ بھی غور کرنے کے بعد ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ اس

تعلیق میں اگرچہ مدت وقوع طلاق کی وسیع کر دی گئی ہے کہ زوجہ ثانیہ کے حین حیات میں جب کبھی یہ واقعہ پیش آئے کہ زوجہ اولیٰ کو آباد کرے تو زوجہ اولیٰ پر تین طلاقیں ہو جائیں گی، مگر وہ صرف ایک مرتبہ واقع ہو کر تعلیق ختم اور یمن مغل ہو جائے گی، نکاح جدید کے بعد دوسری مرتبہ اس پہلی تعلیق کی وجہ سے کسی قسم کی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ تعلیق مذکور میں مدت کی توسیع ہے مرات کی نہیں، یعنی اس میں یہ نہیں کہ اس کے حین حیات جب کبھی یا جتنی مرتبہ آباد کیا جائے گا ہر مرتبہ طلاق واقع ہوگی، کما یتقادم من کلام العالمگیریۃ نقلاً عن الجوہرۃ، ان قال لہا طلقی متی شئت فلہا ان تطلقہا فی المجلس وبعده ولہا المشیعۃ مرۃ واحدة وکن قولہ متی ما شئت واذا ما شئت ولو قال کلما شئت کان ذلک لہا ابدًا حتی یقع ثلاث (عالمگیریۃ فصل المشیعۃ ص ۸۷، ۲۷)

مذکورہ عبارت میں اس فرق کو واضح کر دیا گیا ہے کہ تعلیقات وغیرہ میں وقت اور زمانہ کی توسیع الگ چیز ہے اور مرۃ بعد مرۃ (یعنی بعد و مگرے) چند بار کرنے کی توسیع علیحدہ ہے، وہ کلمہ یا اس کے ہم معنی لفظ سے حاصل ہوتی ہے، تعلیق مندرجہ سوال میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے مرۃ بعد مرۃ کی اجازت اور وسعت مفہوم ہو، اس لئے پہلی مرتبہ جب زوجہ اولیٰ کو اپنے گھر میں آباد کر لے گا تعلیق ختم ہو جائے گی، اور یہ آبادی اگر طلاق بائن کے بعد ہو تو وقوع شرط کے وقت وہ محل طلاق نہ رہے گی، اس لئے طلاق ثلاث نہیں پڑے گی، اور نکاح جدید کے بعد تعلیق ختم ہو چکے گی، اس کی وجہ سے پھر کوئی طلاق عائد نہ ہوگی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ

اس سے قبل مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھا والے اور ان کے فرزند نائب مفتی احمد سعید صاحب نے بھی اولاً حیلہ کو مفید مان کر جواب تحریر فرمایا تھا، مگر دیگر علماء کے فتاویٰ خصوصاً مفتی سیاح الدین صاحب، مولانا جمیل احمد صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ اور مفتی عطاء محمد صاحب و مفتی محمد عبد اللہ صاحب خیر المدارس ملتان وغیرہم کے ان کی خدمت میں بھیجے گئے تو انہوں نے رجوع فرماتے ہوئے مذکورہ بالا حضرات کی تائید فرمائی،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اقول وبالله التوفيق وببينة ازمة التحقيق مستفتحاً بسبب حانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم، حضرات محررين میں سے اگر کسی کی توجہ اس طرف منعطف ہو جاتی کہ وثیقہ محررہ میں تعلیق بالشرط نہیں بلکہ تقييد بالشرط ہے تو اس قدر تطویل مضمون اور علماء کے درمیان طویل تحریری مباحثات کی نوبت ہی نہ آتی، طلاق کو مقید بالشرط کرنے کی صورت میں طلاق منجزاً واقع ہو جاتی ہے اور شرط باطل ہوتی ہے، قال فی التنبیہ وما لا یبطل بالشرط الفاسد القرض والهبة والصدقة والنکاح والطلاق، وفي العائنية یصح (الی ان قال) ویبطل الشرط، وفي الشامية (قوله والطلاق) کطقتک علی ان لا تنزوحی غیری بحر رد المحتار کتاب البیوع ج ۲ ص ۲۵۵) وایضاً فی الطلاق منها معزياً الى البحر ولو قال انت طالق علی دخولک الدار ان قبلت یقع والافلا، لانه استعمل الدخول استعمال الاعراض فكان الشرط قبول العوض لادجوده كما لو قال انت طالق علی ان تعطیني الف درهم اه (رد المحتار کتاب الطلاق ج ۲ ص ۵۴۲) چونکہ ”علی“ عوض کے لئے بھی مستعمل ہے اس لئے طلاق قبول زوجہ پر موقوف ہو گئی، کما هو شأن الاعراض، ورنہ محض تقييد تنجز سے مانع نہیں،

تعلیق و تقييد میں فرق عنایہ میں اس طرح تحریر ہے تحت رقله والابراء متما یتقید بالشرط وان کان لا یحتمل التعلیق به، انهما متغایران لفظاً ومعنی، اما لفظاً فهو ان التقييد بالشرط لا یستعمل فيه لفظ الشرط صریحاً رای اداة الشرط ان واخواتها کما سیجئ) والتعلیق به یستعمل فيه ذلك واما معنی فلان فی التقييد به الحكم ثابت فی الحال علی عرضیه ان یزول ان لم یوجد الشرط و فی التعلیق به الحكم غیر ثابت فی الحال وهو عرضیه ان یتثبت عند وجود الشرط رعناية مع الفتح ج، ص ۴۴ باب الصلح فی الدین)

وفی بیوع الشامیه قبل باب الصرف تحت عنوان (ما یبطل بالشرط الفاسد) ولا یصح تعلیق به) والتعلیق ربط حصول مضمون جملة بحصول مضمون جملة اُخری و تقدم الکلام علیه فی کتاب الطلاق ومثال الشرط الفاسد بعثک بشرط کذا ومثال التعلیق بعثک ان رضی فلان وفی حاشیه الاشباه للحموی عن

تواعد الزکشی الفرق بین التعلیق والشرط ان التعلیق داخل فی اصل الفعل بان و نحوها والشرط ما جزم فیہ باصل الفعل او یقال التعلیق ترتیب امر لم یوجد علی امر لم یوجد بان او احدی اخواتها والشرط التزام امر لم یوجد فی امر لم یوجد بصیغة مخصوصة اه (رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۷)

وفیہا (قولہ البیع) صورة البیع بالشرط قوله بعته بشرط استخداً منه شهراً وتعلیقہ بالشرط كقوله بعته ان كان زيد حاضراً (رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۲) فیہا (قولہ کہذا الولد منی ان رضیت امرأتی) تابع البحر فی ذلك مع انه فی البحر اعترض علی العینی مراراً بان الکلام فی الشرط الفاسد لا فی التعلیق فالاولی قول التهریثم رضا زوجتی (رد المحتار ص ۲۵ ج ۲) وفی منحة الخالق (قولہ بان قال لامته التي ولدت هذا الولد متى ان رضیت امرأتی بذلك) فیہ ان هذا من التعلیق وليس الکلام فیہ ومثله فی التهریان قال لامته بعد ما ولدت هذا الولد منی بشرط رضا زوجتی ام وبعد اسطر (قولہ بان قال ان وجدت بالمبیع عیباً اردہ عليك ان شاء فلان) فیہ ان هذا من التعلیق فكان علیہ ان یقول بشرط ان یرضی فلان،

(البحر الرائق ص ۱۹۰ ج ۱)

بندہ نے شامیہ میں کسی دوسرے مقام میں بھی دیکھا ہے جو اس وقت تلاش کرنے سے نہیں ملا، مگر خوب اچھی طرح یاد ہے کہ تعلیق ارادۂ شرط کے ساتھ ہوتی ہے اور تقييد لفظ شرط یعنی مادۂ ش، ر، ط سے یا لفظ "علی" سے ہوتی ہے، لفظ شرط کا تقييد کے لئے ہونا تو بالکل ظاہر ہے، جیسا کہ تعریف شرط میں "بصیغة مخصوصة" اور تمثیل میں "بشرط کذا" کے الفاظ سے واضح ہے، اسی طرح لفظ "علی" بھی تقييد بالشرط کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ما یبطل بالشرط الفاسد وما لا یبطل بہ میں تقييد بالشرط کی سب امثلہ میں لفظ "علی" ہی ذکر فرمایا ہے، جن میں تقييد الطلاق بالشرط کی دو مثالیں اور تحریر کی جا چکی ہیں اسی طرح تقييد الایراء وتعلیقہ میں صاحب ہدایہ و دیگر جمیع مصنفین نے جن جزئیات میں "علی" ہے ان کو تقييد اور جن میں ارادۂ شرط ہے ان کو تعلیق قرار دیا ہے، نیز "علی" حقیقت میں التزام کے لئے ہے کما حققہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الطلاق، اور التزام تقييد میں ہوتا ہے، کما مر فی تعریفہ من انه التزام امر الخ، تعلیق میں التزام

نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ترتیب امر علی آخر باداۃ الشرط ہوتا ہے، کما مر من تعریفہ، پس اگر کسی مصنف نے کسی ایسے جزیئہ پر تعلیق کا اطلاق کر دیا ہے جس میں تفتیں بعلیٰ ہے تو یہ اطلاق مسامحتاً یا مجازاً ہوگا، کما قال فی الشامیۃ تحت (قولہ) الا اذا کان الشرط متعارفاً والمراد بالتعلیق المذکور للفتیین بالشرط فانہم یطلقون علیہ لفظ التعلیق تأمل (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۰)

ہاں یہ اشکال باقی ہے کہ انت طالع علی ان تدخلی الدار میں طلاق دخول پر کیوں معلق ہوتی ہے؟ سو اس کے حل کے لئے کتب بینی کی فرصت نہیں، اور اس کا مسئلہ زیر بحث سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اس کے حل کی کوئی حاجت بھی نہیں، سر دست یہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ روایت حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے (جس کی بندہ تحقیق نہیں کر سکا) تو اس کی کوئی عمیق وجہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہوگی، جہاں تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی، اور اگر صرف قول مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ ہو تو حجت نہیں، خصوصاً جب کہ آج تک کوئی بھی اس کی توجیہ نہیں کر سکا، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقد سئل عن هذه الفروع الثلاثة رآی علی ان تدخلی وعلی دخولک وعلی ان تعطینی فی البحر فلم یبد فرقا ونقل کلامہ فی النہر وسکت علیہ، ونقل فی الدر المنقہ عن شرح اللباب الفرق (الی قولہ) لکن لم یظهر الفرق فیما نحن فیہ کما قالہ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۰)

اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند مقدمات قائم فرما کر فرق بیان کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر اولاً تو خود ہی آخر میں ہذا غایت ما ظہر من الفرق واللہ تعالیٰ اعلم فرما کر اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمادیا، اور پھر علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے التحریر المختار میں اس پر بھی اشکال وارد کر کے شایع رحمہ اللہ تعالیٰ کی وجہ الفرق کو ساقط کر دیا ہے، ثانیاً اگر یہ فرق تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اصل اشکال باقی رہتا ہے، فرق کا مدار ہی اس پر رکھا ہے کہ یہاں ”علی“ تعلیق کے لئے ہے، حالانکہ اعتراض خود یہ ہے کہ ”علی“ تفسید کے لئے ہوتا ہے نہ کہ تعلیق کے لئے، البتہ قید کا غیر مفید ہونا قرینہ ہو سکتا ہے کہ ”علی“ مجازاً تعلیق کے لئے ہے، مگر صورت زیر بحث میں مجازاً بھی تعلیق کا احتمال نہیں، جس کی وضاحت آگے آرہی ہے،

بہر کیفیت یہ بحث تو لفظ "علی" سے متعلق ہے، وثیقہ میں تو لفظ شرط کی تصریح ہے جس میں تعلیق کا کوئی احتمال نہیں، یہ لفظ تو ہمیشہ تقيید ہی کے لئے مستعمل ہے اور اس میں زوج کی نیت تعلیق بھی معتبر نہ ہوگی، اس لئے کہ صحت نیت کے لئے الفاظ کا محتمل ہونا ضروری ہے اور صورت موجودہ میں الفاظ وثیقہ تعلیق کے محتمل ہی نہیں بلکہ تقيید کے لئے متعین ہیں تعلیق کے لئے اگرچہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اداء شرط "ان و اخواتہا" کو ضروری قرار نہیں دیا، اور تعریف تعلیق میں "ان و اخواتہا" کی قید کو احترازی نہیں بلکہ عمومی و اکثری قرار دے کر بعض ایسی صورتوں میں تعلیق طلاق کا حکم لگا دیا ہے، جن میں اداء شرط کی تصریح نہیں، مگر ان سب صورتوں میں کم از کم کوئی لفظ دال علی حقیقتہ التعلیق (ای ترتیب امر علی آخر) ضرور موجود ہے، بخلاف صورت وثیقہ کے اس میں کوئی لفظ بھی ترتیب پر دال نہیں، بلکہ اس کے برعکس "مشروط" اور "بشرطیکہ" یہ دونوں لفظ صراحتہ تقيید کے ہیں، آخر تقيید کے لئے اس سے زیادہ صریح اور کونسا لفظ ہو سکتا ہے؟ اور پھر لفظ "حرام کرتا ہوں" بھی ظاہر التنجیز و محتمل وعدہ ہے، اور یہ دونوں تعلیق کے منافی ہیں، کمالاً یغنی، ان الفاظ کو تو اگر اداء شرط کے ساتھ بھی ذکر کیا جاتا تو بھی مفید تعلیق نہ ہوتے، ذرا غور فرمائیے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق دیتا ہوں، یا بطور وعدہ یوں کہا "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق دیدوں گا" یا کہا "ان دخلت الدار اطلقک" کیا ان الفاظ کا مثبت تعلیق نہ ہونا ایسا بدیہی امر نہیں کہ ذوق سلیم اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے، اور اس سے ابا کی ذرہ بھر گنجائش نہیں پاتا، معیناً اس میں احتمال تعلیق بطور فرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی زوج کی نیت معتبر نہ ہوگی، کیونکہ معنی متبادر و ظاہر کے خلاف کی نیت جبکہ خالف کے لئے نافع ہو اس میں اس کی تصدیق نہیں کی جاتی،

غرضیکہ صورت زیر بحث میں وثیقہ لکھتے ہی طلاق مغلط واقع ہو گئی، ہاں اگر وثیقہ میں تقيید کی بجائے تعلیق ہوتی تو اس پر مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کی تحریر صحیح ہوتی، بندہ کے خیال میں بھی "گھر لا کر آباد کروں"، کا مفہوم عرفاً یہی متعین ہے کہ بصورت نکاح آباد کرے، اس پر تقيید میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تحریر کافی نہیں، کیونکہ یہاں اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں کہ منکوحہ کی صفت پر حکم ہے یا کہ اسم ذات پر، اس سے مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، دیکھنا یہ ہے کہ "گھر لا کر آباد کروں" سے مقصود کیا ہے؟ سو عرفاً یہ مقید بالنکاح

ہی، باقی رہا یہ شبہ کہ پھر حرف تردید لا کر گزارہ زوجیت وغیرہ کو جدا کیوں ذکر کیا؟ سزا اس کی وجہ یہ ہے کہ گزارہ زوجیت اور بصورت نکاح گھر میں آباد کرنا، ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہ ہے، وہوظاھر جدّاً، علاوہ ازیں عام محاورات میں الفاظ مترادفہ کو محض تاکید کی غرض سے حرف تردید کے ساتھ لانے کا عام دستور ہے، چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ”اگر میں نے اسے مارا پیٹا ہو، گالی دی ہو یا بڑا بھلا کہا ہو، تو میں یا بے حرمتی کی ہو،“ وغیرہ، اس تاکید پر یہ قرینہ بھی ہے کہ آخری دونوں جملوں میں بھی حرف تردید لانے کے باوجود ان میں بظاہر کوئی فرق نہیں،
 الا ان یتمحل فی التفرقة غاية التمحل،

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے جو ”حین حیات“ پر تقریر فرمائی ہے اور تقریباً دوسرے سب حضرات نے بھی اس کی تصویب فرمائی ہے، اس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کا تبصرہ بدیہی الصواب اور واجب القبول ہے،

بہر کیف وثیقہ میں بصورت تعلیق منکوحہ کو گھولانے سے اگرچہ طلاق دے کر تجدید نکاح کے بعد ہی لایا ہو، طلاق مغلط واقع ہو گئی، اب اس بیوی کے ساتھ نکاح کی کوئی صورت نہیں، بعض حضرات نے تحلیل کے بعد نکاح کرنے کا مشورہ دیا ہے مگر جس فعل پر لعنت وارد ہوئی ہو اس کا مشورہ دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اگرچہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بشرط اضممار تحلیل کی اجازت دی ہے، مگر آجکل تو اشتہار ہوتا ہے کہ اضممار پس بقاعدۃ المعرفۃ کا مشروط یہ نکاح بشرط تحلیل کے حکم میں ہوگا، جو مکروہ تحریمی ہے، فقط وھذا ما جاء فی فہم ہذا الحقیقۃ والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر،

رشید احمد عفا اللہ عنہ

سلخ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلة البحوث
الاسلامية
مجلد الأول
العدد الثالث

رئاسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والإرشاد

رئيس التحرير
عبدان الصالح

الأشراف الفقي
جمال النخعي

المجلد الأول العدد الثالث

سنة ١٣٩٧ هـ

الرياض - المملكة العربية السعودية

مکتبہ الاسلامیہ

بجنت الاشراف	بہار الشیخ	عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز
	فیہ الشیخ	عبد اللہ بن سلیمان بن منیع
	فیہ الشیخ	محمد بن عسودہ
	فیہ الشیخ	عثمان الصالح

اشرف علی التحریر	جمال النمیری
	عبد اللہ البعادی
	محمد بن عبد الرحمن السماعیل

تہذیب و تنقیح: محمد بن عبد الرحمن السماعیل
ترجمہ: محمد بن عبد الرحمن السماعیل
مطبع: دار الفکر : ۱۰۰۰۰
الاقتراعات : ۲۵۰۰۰
مات : ۲۳۹۹۷
دار الفکر للطباعة

حکم

الطرائق السرائر

بلفظ واحد
ہیئۃ کبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ

علماء و محرمین

اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ممکنہ عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے،

اس مجلس میں "طلاق ثلاثہ" کا مسئلہ پیش ہوا

مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر حدیث کی سنتائیں کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں فیصلہ دیا ہے ایک لفظ لائے دو گئی تین طلاقیں بھی تین ہیں یہ

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ

میں شائع کیا ہے، غیر عقلمندین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطور محبت پیش کیا کرتے ہیں، یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اس لئے غیر عقلمندین پر حجت ہے

تشكلت هيئة كبار العلماء بموجب الأمر الملكي رقم أ-١٣٧ في ١٣٩١-٧-٨ هـ لتقوم بمزاولة الأعمال الآتية :

أ - إبداء الرأي فيما يحال إليها من ولي الأمر من أجل بحثه وتكوين الرأي المستند إلى الأدلة الشرعية فيه .

ب - التوصية في القضايا الدينية المتعلقة بتقرير أحكام عامة ليسترشد بها ولي الأمر وذلك بناء على بحوث يجري تهيئتها وإعدادها للهيئة .

ثم صدر الأمر الملكي رقم أ-١٣٨ في ١٣٩١-٧-٨ هـ بتعيين أصحاب المعالي والسماحة والفضيلة الآتية أسماؤهم أعضاء فيها على أن تكون رئاسة الدورات بالتعاقب بين خمسة من أكبر أعضاء الهيئة سناً وفيما يلي أسماء الأعضاء .

- ١ - الشيخ عبد العزيز بن باز
- ٢ - الشيخ عبدالله بن حميد
- ٣ - الشيخ محمد الأمين الشنقيطي
- ٤ - الشيخ سليمان بن عبيد
- ٥ - الشيخ عبدالله خياط
- ٦ - الشيخ محمد الحركان
- ٧ - الشيخ ابراهيم بن محمد آل الشيخ
- ٨ - الشيخ عبد الرزاق عفيفي
- ٩ - الشيخ عبد العزيز بن صالح
- ١٠ - الشيخ صالح بن غصون
- ١١ - الشيخ محمد بن جبير
- ١٢ - الشيخ عبد المجيد حسن
- ١٣ - الشيخ راشد بن خنين
- ١٤ - الشيخ صالح بن لحيدان
- ١٥ - الشيخ محضار عقيل
- ١٦ - الشيخ عبدالله بن غديان
- ١٧ - الشيخ عبدالله بن منيع .

الحمد لله رب العالمين . والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وبعد :
فقد عرض على مجلس هيئة كبار العلماء مسألة « حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد »
وبناء عليه أعدت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء . بحثاً في الموضوع ونصه :

الحمد لله وحده، وبعد : فبناء على ما قرره مجلس هيئة كبار العلماء، في دورته الثالثة
المنعقدة في شهر ربيع الثاني، عام ١٣٩٣ هـ من البحث في الدورة الرابعة
عن حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد. وبناء على ما تقتضيه لائحة عمل الهيئة، من قيام اللجنة
الدائمة للبحوث والإفتاء بإعداد بحث علمي عن المسألة التي تقرر عرضها على الهيئة. قامت
اللجنة الدائمة بإعداد بحث في مسألة الطلاق الثلاث بلفظ واحد، اشتمل على ما يلي :

- ١ - حكم الإقدام على جمع الطلاق الثلاث بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها .
- ٢ - ما يترتب على إيقاع الطلاق ثلاثاً بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها .

وبالله التوفيق . . وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم .

حُكْمُ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ بِقَوْلٍ وَاحِدٍ

فِي ضَوْءِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

فتوى كبار العلماء والمحققين

المسألة الأولى حكم الاقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة وفيه قولان

القول الأول إنه محرم، وهو مذهب الحنفية والمالكية. وإحدى الروايتين عن أحمد. وقول شيخ الإسلام وابن القيم . . . أما المذهب الحنفي، فقال الكاساني في الكلام على طلاق البدعة (١) : . وأما الذي يرجع إلى العدد فهو إيقاع الثلاث أو الثنتين في طهر واحد لاجتماع فيه . سواء كان على الجمع : بأن أوقع الثلاث جملة واحدة ، أو على التفريق واحد بعد واحد ، بعد أن كان الكل في طهر واحد . وهذا قول أصحنا . . . ولنا الكتاب والسنة والمعقول :

أما الكتاب فقوله عز وجل (فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ) (٢) أي في أطهار عدتهن . وهو الثلاث في ثلاثة أطهار . كذا فسر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - على ما ذكرنا فيما تقدم أمر بالتفريق ، والأمر بالتفريق يكون نياً عن الجمع ، ثم إن كان الأمر أمر إيجاب . كان نياً عن ضده ، وهو الحسح نهي تحريم . وإن كان أمر ندب ، كان نياً عن ضده ، وهو الجمع نهي فندب . وكل ذلك حجة على المخالف . لأن الأول يدل على التحريم ، والآخر يدل على الكرامة ، وهو لا يقول بشيء من ذلك .

(١) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ٩٣/٢ وما بعدها .

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

وقوله تعالى (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) ^(١) أي دفعتان ، ألا ترى أن من أعطى آخر درهمين ، لم يجوز أن يقول أعطاه مرتين حتى يعطيه دفعتين .

وجه الاستدلال أن هذا وإن كان ظاهره الخبر ، فإن معناه الأمر ، لأن الحمل على ظاهره يؤدي إلى الخلف في خبر من لا يحتمل خبره الخلف ، لأن الطلاق على سبيل الجمع قد يوجد ، وقد يخرج اللفظ مخرج الخبر على إرادة الأمر ، قال الله تعالى « وَأَوَّالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ » ^(٢) أي ليرضعن ونحو ذلك ، كنا هذا ، فصار كأنه سبحانه وتعالى قال : طلقوهن مرتين إذا أردتم الطلاق ، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع ، لأنه ضده ، فيدل على كون الجمع حراماً أو مكروهاً على ما بينا .

فإن قيل : هذه الآية حجة عليكم ، لأنه ذكر جنس الطلاق ، وجنس الطلاق ثلاث ، والثلاث إذا وقع دفعتين ، كان الواقع في دفعة طلقتان ، فيدل على كون الطلقتين في دفعة مسنوتين .

فالجواب : أن هذا أمر بتفريق الطلاقين من الثلاث لا بتفريق الثلاث ، لأنه أمر بالرجعة عقب الطلاق مرتين أي دفعتين بقوله تعالى « فَلَمَّا مَسَكَ يَمَعْرُوفٍ » ^(٣) أي وهو الرجعة ، وتفريق الطلاق وهو إيقاعه دفعتين لا يتعقب الرجعة ، فكان هذا أمراً بتفريق الطلاقين من الثلاث ، لا بتفريق كل جنس الطلاق وهو الثلاث ، والأمر بتفريق طلاقين من الثلاث يكون نهياً عن الجمع بينهما .

واما النكاح فما روى عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه قال : « تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ » ^(٤) نهي - صلى الله عليه وسلم - عن الطلاق ، ولا يجوز أن يكون النهي عن الطلاق لعينه ، لأنه قد بقي معتبراً شرعاً في حق الحكم بعد النهي ، فعلم أن ههنا غيراً حقيقياً ملازماً للطلاق يصلح أن يكون منهياً عنه ، فكان النهي عنه لا عن الطلاق ، ولا يجوز أن يمنع من الشرع لمكان الحرام الملازم له ، كما في الطلاق في حالة الحيض ، والبيع وقت النداء ، والصلاة في الأرض المنصوبة ، وغير ذلك .

وقد ذكر عن عمر - رضي الله عنه - : أنه كان لا يؤذي برجل طلق امرأته ثلاثاً إلا أوجعه ضرباً وأجاز ذلك عليه . وذلك بمحض من الصحابة - رضي الله عنهم - فيكون إجماعاً .

فمن وجوه :

الحكم أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا ، والطلاق إبطال له ، وإبطال المصلحة مفسدة ، وقد قال الله عز وجل : (وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسَادَةَ) ^(٥) ، وهذا معنى الكراهة

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣٣ .

(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٤) رواه ابن عسّى في الكامل من طريق علي بن أبي طالب ، وقال السيوطي في الجامع الصغير : ضعيف .

(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٠٥ .

الشرعية عندنا ، أن الله تعالى لا يحب ولا يرضى به ، إلا أنه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطباع ، أو لفساد يرجع إلى نكاحها ، بأن علم الزوج أن المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة ، أو أن المقام معها يسبب فساد دينه ودنياه ، فتقلب المصلحة في الطلاق ، ليستوفي مقاصد النكاح من امرأة أخرى ، إلا أن احتمال أنه لم يتأمل حق التأمل ، ولم ينظر حق النظر في العاقبة قائم ، فالشرع والعقل يدعوانه إلى النظر ، وذلك في أن يطلقها طليقة واحدة رجعية ، حتى أن التباين والفساد إذا كان من جهة المرأة تتوب وتعود إلى الصلاح إذا ذقت مرارة القراق ، وإن كانت لا تتوب نظر في حال نفسه ، أنه هل يمكنه الصبر عنها؟ فإن علم أنه لا يمكنه الصبر عنها برأبها ، وإن علم أنه يمكنه الصبر عنها يطلقها في الطهر الثاني .

ثانياً ، : ويجرب نفسه ، ثم يطلقها فيخرج نكاحها من أن يكون مصلحة ظاهراً وغالباً ، لأنه لا يلحقه الندم غالباً ، فأبيحت الطليقة الواحدة أو الثلاث في ثلاثة أطهار على تقدير خروج نكاحها من أن يكون مصلحة ، وصيرورة المصلحة في الطلاق ، فإذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة في حالة الغضب ، وليست حالة الغضب حالة التأمل ، لم يعرف خروج النكاح من أن يكون مصلحة فكان الطلاق إبطالاً للمصلحة من حيث الظاهر ، فكان مفسدة .

أن النكاح عقد مسنون ، بل هو واجب لما ذكرنا في كتاب النكاح ، فكان الطلاق قطعاً للسنة وتغويلاً للواجب ، فكان الأصل هو الحظر أو الكراهة ، إلا أنه رخص للتأديب أو للتخليص ، والتأديب يحصل بالطليقة الواحدة الرجعية .

لأن التباين أو الفساد إذا كان من قبلها ، فإذا ذقت مرارة القراق فالظاهر أنها تتأدب وتتوب وتعود إلى الموافقة والصلاح ، والتخليص يحصل بالثلاث في ثلاثة أطهار ، والثابت بالرخصة يكون ثابتاً بطريق الضرورة ، وحق الضرورة صار مقضياً بما ذكرنا فلا ضرورة إلى الجمع بين الثلاث في طهر واحد ، فبقي ذلك على أصل الحظر .

أنه إذا طلقها ثلاثاً في طهر واحد فربما يلحقه الندم ، وقال الله تعالى : (لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)^(١) . قيل في التفسير : أي ندامة على ماسبق من فعله أو رغبة فيها ، ولا يمكنه التدارك بالنكاح ، فيقع في السفاح ، فكان في الجمع احتمال الوقوع في الحرام ، وليس في الامتناع ذلك ، والتحرز عن مثله واجب شرعاً وعقلاً ، بخلاف الطليقة الواحدة لأنها لا تمنع التدارك بالرجعة ، وبخلاف الثلاث في ثلاثة أطهار ، لأن ذلك لا يعقب الندم ظاهراً ، لأنه يجرب نفسه في الأطهار الثلاثة فلا يلحقه الندم . . انتهى المقصود .



(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١

وقال الشافعي

وعلى هذا الأصل - أي توجبه إيقاع الثلاث في ثلاثة أظهار - قال عندنا رحمهم الله : إيقاع الثلاث جملة بدعة - وبعد أن ساق مذهب الشافعي في إباحته وأدلتها ، ساق الدليل على تحريمه ، وهو قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) ^(١) قال : معناه دفعتان . كقوله : أعطيته مرتين وضربته مرتين ، والألف واللام للجنس ، فيقتضي أن يكون كل الطلاق المباح في دفعتين ودفعته ثالثة في قوله تعالى : (فَإِنْ طَلَّقَهَا) أو في قوله عز وجل : (أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) ^(٢) على حسب ما اختلف فيه أهل التفسير ، وفي حديث محمود بن لبيد رحمه الله تعالى : أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم - فقام النبي - صلى الله عليه وسلم - مغضباً . فقال : « أَتَلْعَبُونَ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ » .

واللعب بكتاب الله ترك العمل به ، فدل أن موقع الثلاث جملة مخالف للعمل بما في الكتاب ، وأن المراد من قوله : (فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ) ^(٣) تفريق الطلقات على عدد أقراء العدة : ألا ترى ، أنه خاطب الزوج بالأمر بإحصاء العدة ؟ وفائدته التفريق ، فإنه قال : (لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا) ^(٤) أي يبدو له فيراجعهما ، وذلك عند التفريق لا عند الجمع .

وفي حديث عبادة بن الصامت - رضي الله تعالى عنه - أن قوماً جاءوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم . فقالوا : إن أبانا طلق امرأته ألفاً . فقال - صلى الله عليه وسلم - : « بَانَتْ امْرَأَتُهُ بِثَلَاثٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ تَعَالَى ، وَبَقِيَ تِسْعُمَائَةِ وَسَبْعَةٍ وَتِسْعُونَ وَزَرًّا فِي عُنُقِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ » .

وإن ابن عمر - رضي الله تعالى عنهما - لما طلق امرأته في حالة الحيض ، أمره رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن يراجعها

فقال : أرايت لو طلقته ثلاثاً أكانت تحل لي ؟

فقال صلى الله عليه وسلم : « لَا ، بَانَتْ مِنْكَ وَهِيَ مَعْصِيَةٌ » . وبعد أن بين وجه الرد على استدلال الشافعي - رحمه الله - بقصة لعان عويمر العجلاني ، وأنه طلق ثلاثاً ولم ينكر عليه - صلى الله عليه وسلم - قال : ولنا إجماع الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - فقد روى عن علي ، وعمر ، وابن مسعود ، وابن عباس وابن عمر ، وأبي هريرة ، وعمران بن حصين - رضي الله تعالى عنهم - كراهة إيقاع الطلاق الثلاث بألفاظ مختلفة .

وعن أبي قتادة الأنصاري - رضي الله عنه قال : لو أن الناس طلقوا نساءهم كما أمروا لما فارق الرجل امرأته وله إليها حاجة ، إن أحدكم يذهب فيطلق امرأته ثلاثاً ثم يقعد فيعصر عينيه ، مهلاً مهلاً بارك الله عليكم . فيكم كتاب الله وسنة رسوله ، فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله إلا الضلال ورب الكعبة . . .

لا أعرف بين أهل العلم خلافاً : أن إيقاع الثلاث جملة مكروه ، إلا قول ابن سيرين ، وإن قوله ليس بحجة - ثم ساق الرد على ما استدلل به الشافعي

الكرخي

من الآثار ، ثم ذكر بعد ذلك دليلاً من جهة المعنى ، وقد سبق ما يوافقه عن الكاساني - .

(١) الميسوط ٤/٦ وما بعدها ويرجع أيضا إلى فتح القدير ٢٦/٣ وما بعدها .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٤) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

(٥) شرح معاني الآثار الجزء الثاني ص ٣٠ .

وقال الطحاوی

حدثنا ابن مرزوق قال : ثنا وهب ، قال : ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح وحيد الأعرج ، عن مجاهد ، أن رجلاً قال لابن عباس : رجل طلق امرأته مائة فقال : عصبت ربك وبانت منك امرأتك ، لم يتق الله فجعل لك مخرجاً ، من يتق الله يجعل له مخرجاً . قال الله تعالى : (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبيل عديتهن) . . . (۱)



المذهب المالکی

أما المذهب المالکی

فهذه بعض بقول عنه :

قال ابن خنوز

قلت لعبد الرحمن بن القاسم : هل كان مالك يكره أن يطلق الرجل امرأته ثلاث تطليقات في مجلس واحد ، قال : نعم ؟ كان يكرهه أشد الكراهية . وكذلك لا يجوز عند مالك أن يطلقها ثلاثاً في كلمة واحدة فإن فعل لزمه ذلك بدليل قوله تعالى : (تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا) (۲)

وقال محمد بن أحمد بن زيد

وقوله تعالى : (وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا) (۳) . وهي الرجعة فجعلها فائتة بإيقاع الثلاث في كلمة واحدة ، إذ لو لم يقع ولم يلزمه لم تفت الزوجة ولا كان ظالماً لنفسه . انتهى المقصود .

وقال ابن أبي

فأما العدد ، فإنه لا يحل أن يقع أكثر من طلقة واحدة ، فمن أوقع طلقتين أو ثلاثاً فقد طلق بغير سنة . . . والدليل على ما نقوله ، قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَلَمَّا أَثْبَتَا بَعْدَ ذَلِكَ يَنْفَرُ) (۴) ولا يدخل أن يكون أمراً بصفة الطلاق والأمر يقتضي الوجوب أو يكون إخباراً عن صفة للطلاق الشرعي ، ومن أصحابنا من قال : إن - الألف واللام تكون للحصر ، وهذا يقتضي أن لا يكون الطلاق الشرعي على غير هذا الوجه .

فإن قيل : المراد بذلك الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان ، وأن ما زاد عليه ليس برجعي ، قالوا : يدل على ذلك ، أنه قال بعد ذلك : (فَلَمَّا أَثْبَتَا بَعْدَ ذَلِكَ يَنْفَرُ) (۵) ثم أفرد الطلقة الثالثة لما لم تكن رجعية وفارق حكم الطلقتين فقال : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ) (۶)

(۱) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

(۲) المائدة ۶۶/۲ .

(۳) المقدمات وهي مع المائدة ۷۸/۲ .

(۴) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۵) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

(۶) المنتقى ۴/۸ .

(۷) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۸) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۳۰ .

وإذا كان المراد ما ذكرناه من الأخبار عن الطلاق الرجعي، لم يدل ذلك على أن هذا هو الطلاق الرجعي دون غيره فالجواب : أن هذا أمر أضمر في الكلام مع استقلاله دونه بغير دليل ، لأنكم تفسرون الرجعي وتقولون : معناه الطلاق الرجعي مرتان . وإذا استقل الكلام دون ضمير لم يجز تعديده إلا بدليل .

وجواب ثان : وهو أنه لو أراد الإخبار عما ذكرتم لقال : الطلاق طلقان ، لأن ذلك يقتضي أنه الطلاق الرجعي أو قهين مجتمعتين أو مفترقتين . فلما قال مرتان ، ولا يكون ذلك إلا لإيقاع الطلاق مفترقا ، ثبت أنه قصد الإخبار عن صفة إيقاعه . لا الإخبار عن عدد الرجعي من

فإن قالوا إن لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به العدد دون تكرار الفعل ، يدل على ذلك ، قوله تعالى : (نؤتيها أجرهما مرتتين)^(١) . ولم يرد تفريق الأجر وإنما أراد تضعيف العدد .

فالجواب : أن قوله : (نؤتيها أجرهما مرتتين)^(٢) حقيقة فيما ذكرناه من تكرار الفعل دون العدد ، ولا فرق في ذلك بين أن يعلق على فعل أو اسم يدل على ذلك أنك تقول : لقيت فلاناً مرتين فيقتضي تكرار الفعل ، وكذلك قوله : دخلت مصر مرتين . فإذا كان ذلك أصله وحقيقته . ودل الدليل في بعض المواضع على العدول به عن حقيقته واستعماله في غير ما وضع له ، لم يجز حمله على ذلك في موضع آخر إلا بدليل .

وجواب آخر : وهو أن الفضل : قال : معنى (نؤتيها أجرهما مرتتين)^(٣) مرة بعلمرة في الجنة . فعلى هذا لم يخرج اللفظ عن بابه ولا عدل به عن حقيقته ، وإن قلنا : إن معناه التضعيف في ماله وأجره : فالفرق بينهما أن قوله تعالى : (نؤتيها أجرهما مرتتين)^(٤) يفيد التضعيف ويمنع الاقتصار على ضعف واحد ولو كان معنى قوله تعالى : (الطلاق مرتان)^(٥) يريد به التضعيف : لمنع من إيقاع طلاق واحدة ، وإلا بطل معنى التضعيف ، وهذا باطل باتفاقنا .

ودلينا من جهة السنة ما روى مخزوم بن بكير ، عن أبيه ، قال : سمعت محمود بن لبيد ، قال : أخبر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن رجل طلق امرأته ثلاث تطبيقات جميعاً فقال : فعلته لا عباً ثم قال : تلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم ؟ ! ، حتى قام رجل فقال : يا رسول الله ألا أقله ؟ ! . ودلينا من جهة القياس أن هذا معنى ذو عدد يقتضي البينة فوجب تحريره كاللعان .

والرواية الثانية أن جديع الثلاث طلاق بدعة محرم ، اختارها أبو بكر وأبو حفص . روى عن عمر ، وعلي ، وابن مسعود ، وابن عباس ، وابن عمر ، وهو قول مالك وأبي حنيفة .

لا يطلق أحد للسنة فيندم ، وفي رواية قال : يطلقها واحدة ثم بدعها ما بينها وبين أن تحيض ثلاث حيض فمن شاء راجعها . وعن عمر رضي الله عنه : أنه كان إذا أتى برجل طلق ثلاثاً أوجعه ضرباً .

قال على رضي الله عنه

(١) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ٢١ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٣) المعنى ومع الشرح ٢٤١/٨ .

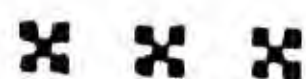
■ وعن مالك بن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس قال: إن عمي طلق امرأته ثلاثاً ، فقال: إن عمك عصى الله وأطاع الشيطان فلم يجعل الله له مخرجاً .

■ ووجه ذلك قول الله تعالى : (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ) إلى قوله (لا تدري لعل الله يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْراً ^(١) . ثم قال بعد ذلك : (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً) ^(٢) . (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْراً) ^(٣) . ومن جمع الثلاث لم يبق له أمر يحدث ، ولا يجعل الله له مخرجاً ، ولا من أمره يسراً ، وروى النسائي بإسناده عن محمود بن لبيد وقد سبق في استدلال المالكية - وفي حديث ابن عمر قال : قلت : يا رسول الله أرايت لو طلقها ثلاثاً ؟ قال : « إِذَا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ أَمْرَانُكَ » .

■ وروى الدارقطني بإسناده عن علي قال : سمع النبي - صلى الله عليه وسلم - رجلاً طلق البتة فغضب وقال : « تَتَخِيلُونَ آيَاتَ اللَّهِ هُزُوراً ، أَوْ دِينَ اللَّهِ هُزُوراً وَلَعِباً . مَنْ طَلَّقَ الْبَتَّةَ الزَّمَنَاهُ ثَلَاثاً لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ » .

ولأنه تحريم للبضع بقول الزوج من غير حاجة ، فحرم كالظهار ، بل هذا أول : لأن الظهار يرتفع بتحريمه بالكفر ، وهذا لا سبيل للزوج إلى رفعه بحال ، ولأنه ضرر وانحرار بنفسه وبامرأتها من غير حاجة ، فيدخل في عموم النهي ، وربما كان وسيلة إلى عودها إليها حراماً أو بحيلة لا تنزيل التحريم ، ووقوع الندم ، وخسارة الدنيا والآخرة ، فكان أولى بالتحريم من الطلاق في الحيض الذي ضرره بقاؤها في العدة أياماً يسيرة ، أو الطلاق في طهر . سها فيه ، الذي ضرره احتمال الندم بظهور الحمل ، فإن ضرر جمع الثلاث يتضاعف على ذلك أضغاثاً كثيرة ، فالتحريم ثم تنبيه على التحريم .

ولأنه قول من سمينا من الصحابة رواه الأثرم وغيره ، ولم يصح عندنا في عصرهم خلاف قولهم ، فيكون ذلك إجماعاً .



وأما جمع الطلقات الثلاث ، ففيه قولان :

وقال شيخ الإسلام

احدهما محرم أيضاً عند أكثر العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهذا مذهب مالك وأبي حنيفة وأحمد في إحدى الروايتين عنه ، واختاره أكثر أصحابه ، وقال أحمد : تدبر القرآن فإذا كل طلاق فيه فهو الطلاق الرجعي - يعني طلاق المدخول بها - غير قوله : (فَإِنْ طَلَّقَهَا

- (١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .
(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .
(٣) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .
(٤) مجموع الفتاوى ٢٣/٧٦-٨١ .

فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ^(١) وعلى هذا القول: فهل له أن يطلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بأن يفرق الطلاق على ثلاثة أطهار، فيطلقها في كل طهر طلقة؟ فيه قولان، هما روايتان عن أحمد، إحداهما، له ذلك، وهو قول طائفة من السلف ومذهب أبي حنيفة. والثانية، ليس له ذلك وهو قول أكثر السلف، وهو مذهب مالك وأصح الروايتين عن أحمد التي اختارها أكثر أصحابه كأبي بكر عبد العزيز، والقاضي أبي يعلى وأصحابه.

أن جمع الثلاث ليس بمحرم، بل هو ترك الأفضل وهو مذهب الشافعي. والرواية الأخرى عن أحمد: اختارها الحرقي.

القول الثاني

واحتجوا بأن فاطمة بنت قيس طلقها زوجها أبو حفص بن المغيرة ثلاثاً، وبأن امرأة رفاعة طلقها زوجها ثلاثاً، وبأن الملاعن طلق امرأته ثلاثاً ولم ينكر النبي - صلى الله عليه وسلم - ذلك.

وأجاب الأكثرون: بأن حديث فاطمة، وامرأة رفاعة، إنما طلقها ثلاثاً متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثاً لا هذا ولا هذا مجتمعات. وقول الصحابي: طلق ثلاثاً. يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها. وهذا طلاق سي واقع باتفاق الأئمة، وهو المشهور على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في معنى الطلاق ثلاثاً. وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا إنما كان منكراً عندهم، إنما يقع قليلاً، فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا، بل هذا قول بلا دليل، بل هو بخلاف الدليل.

وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البيئته، أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكداً لموجب اللعان، والتزاع إنما هو في طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي - صلى الله عليه وسلم - قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها ثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح. والمعروف أنه فرق بينهما بعد أن طلقها ثلاثاً، فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره.

وامتنع حيثن أن يفرق النبي - صلى الله عليه وسلم - بينهما لأنهما صاروا أجنبيين، ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرما عليه تحريماً مؤبداً فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعاً بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية، فإنه يمكن فيه حيثن أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد: طلقها ثلاثاً فأنفذه عليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - دليل على أنه احتاج إلى

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٠.

انفاذ النبي - صلى الله عليه وسلم - . واختصاص الملاعن بذلك ، ولو كان من شرعه أنها تحرم بالثلاث ، لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى انفاذ . فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه أنفذ النبي - صلى الله عليه وسلم - مقصوده ، بل زاده ، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق ، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجاً غيره ، وهو مؤبد في أحد قولي العلماء لا يزول بالتوبة .

واستدل المحققون بأن القرآن العظيم يدل على أن الله لم يبيح إلا الطلاق الرجعي ، وإلا الطلاق للعدة ، كما في قوله تعالى : (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ إِلَى قَوْلِهِ تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا . فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ فَامْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ)^(١) . وهذا إنما يكون في الرجعي . وقوله : « فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ » يدل على أنه لا يجوز إرداف الطلاق حتى تنقضي العدة أو يراجعها ، لأنه إنما أباح الطلاق للعدة : أي لاستقبال العدة ، فعلى طلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بنت على العدة ، ولم تتأنفها باتفاق جماهير المسلمين . فإن كان فيه خلاف شاذ عن خيلاس وابن حزم فقد بينا فساده في موضع آخر ، فإن هذا قول ضعيف : لأنهم كانوا في أول الإسلام إذا أراد الرجل إضرار امرأته طلقها حتى إذا شارفت انقضاء العدة راجعها ثم طلقها ليطول حبسها ، فلو كان إذا لم يراجعها تستأنف العدة لم يكن بحاجة إلى أن يراجعها . والله تعالى قصرهم على الطلاق الثلاث دفعا لهذا الضرر ، كما جاءت بذلك الآثار ، ودل على أنه كان مستقرا عند الله أن العدة لا تستأنف بدون رجعة سواء كان ذلك لأن الطلاق لا يقع قبل الرجعة ، أو يقع ولا يستأنف له العدة ، وابن حزم إنما أوجب استئناف العدة بأن يكون الطلاق لاستقبال العدة . فلا يكون طلاق إلا بتعقبه عدة ، إذا كان بعد الدخول ، كما دل عليه القرآن ، فلزمه على ذلك هذا القول الفاسد ، وأما من أخذ بمقتضى القرآن وما دلت عليه الآثار فإنه يقول : إن الطلاق الذي شرعه الله هو ما يتعقبه العدة ، وما كان صاحبه مخبرا فيها بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان ، وهذا منتف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلا يكون جائزا . فلم يكن ذلك طلاقا للعدة .

ولأنه تعالى قال : (فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ)^(٢) فخير بين الرجعة وبين أن يدعها تنقضي العدة فيسرحها بإحسان ، فإذا طلقها ثانية قبل انقضاء العدة لم يمسك بمعروف ولم يسرح بإحسان .

وقد قال تعالى : (وَالْمُطَلَّقاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ، وَيُعْلِنُهُنَّ أَخْفَى بِرُذُنِهِنَّ فِي ذَلِكَ)^(٣) فهذا يقتضي أن هذا حال كل مطلقة ، فلم يشرع إلا هذا الطلاق ثم قال : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(٤)

(١) آية كريمة من سورة الطلاق

(٢) الآية كريمة من سورة الطلاق

(٣) الآية كريمة من سورة البقرة

(٤) الآية كريمة من سورة البقرة

أي هذا الطلاق، المذكور (مرتان) وإذا قيل : سبع مرتين أو ثلاث مرات : لم يُجزَّه أن يقول سبحانه الله مرتين ، بل لا بد أن ينطق بالتسبيح مرة بعد مرة ، فكذلك لا يقال : طلق مرتين إلا إذا طلق مرة بعد مرة ، فإذا قال : أنت طالق ثلاثاً ، أو مرتين لم يجز أن يقال : طلق ثلاث مرات ولا مرتين ، وإن جاز أن يقال طلق ثلاث تطليقات أو طلقتين ، ثم قال سبحانه بعد ذلك : (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره)^(۱) فهذه الطلقة الثالثة لم يشرعها الله إلا بعد الطلاق الرجعي مرتين .

وقد قال الله تعالى : (وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن)^(۲) الآية ، وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث ، وهو يعم كل طلاق ، فعلم أن جمع الثلاث ليس بمشروع . ودلائل تحريم الثلاث كثيرة قوية من الكتاب والسنة والآثار والاعتبار ، كما هو مبسوط في موضعه . وسبب ذلك أنه الأصل في الطلاق الحظر ، وإنما أبيع منه قدر الحاجة ، كما ثبت في الصحيح عن جابر عن - النبي صلى الله عليه وسلم - : « إن إبليس ينصب عرشه على البحر ، وينبعث سراياه فأقربهم إليه منزلة أعظمهم فتنة فتأبى الشيطان فيقول : ما زلت به حتى فعل كذا ، حتى يأبى الشيطان فيقول : ما زلت به حتى فرقت بينه وبين امرأته ، فيدنيه منه ، ويقول : أنت أنت ، ويلتزمه » . وقد قال تعالى في ذم السحر : (ويتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه)^(۳) . وفي السنن عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : « إن المختلعات والمختزعات هن المنافقات » وفي السنن أيضاً عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال : « أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما تأمر فحرām عليها راحة الجنة »

ولذا لم يبح إلا ثلاث مرات ، وحرمت عليه المرأة بعد الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره ، وإذا كان إنما أبيع للحاجة ، فالحاجة تندفع بواحدة ، فما زاد فهو باق على الحظر . ۸۱ .

وقال ابن القيم

فصل في حكمه - صلى الله عليه وسلم - فيمن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة . قد تقدم حديث محمود بن ليد ، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أخبر عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً ، فقام مغضباً ثم قال : « أبلغ بك كتاب الله وأنا بين أظهركم » وإسناده على شرط مسلم ، قال ابن وهب : قد رواه مخزوم بن بكير بن الأشج عن أبيه قال : سمعت محمود بن ليد ، فذكره ، ومخرمة ثقة بلا شك . وقد احتج مسلم في صحيحه بحديثه عن أبيه .

والذين أعلاه ، قالوا : لم يسمع منه ، وإنما هو كتاب . قال أبو طالب : سألت أحمد بن حنبل عن

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۳۰ .

(۲) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۳۲ .

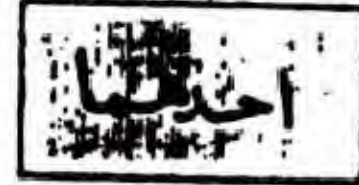
(۳) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۱۰۱ .

(۴) زاد المعاد الجزء الرابع ص ۱۰۰ وما بعدها .

مخرمة بن بكير قال: هو ثقة ولم يسمع من أبيه ، وإنما هو كتاب مخرمة ، فنظر فيه كل شيء بقول: « بلغني عن سليمان بن يسار ، فهو من كتاب مخرمة . وقال أبو بكر بن أبي خيثمة سمعت يحيى بن معين يقول : مخرمة بن بكير وقع إليه كتاب أبيه ولم يسمعه ، وقال في رواية عباس الدوري : هو ضعيف ، وحديثه عن أبيه كتاب ولم يسمعه منه ، وقال أبو داود لم يسمع من أبيه إلا حديثاً واحداً حديث الوتر . وقال سعيد بن أبي مرجم ، عن خاله موسى بن سلمة ، أتيت مخرمة فقلت : حدثك أبوك فقال : لم أدرك أبي ولكن هذه كتبه .



والجواب عن هذا من وجهين



أن كتاب أبيه كان عنده محفوظ مضبوط ، فلا فرق في قيام الحجة بالحديث بين ما حدث به ، أو رآه في كتابه ، بل الأخذ من النسخة أحوط ، إذا ثبت الراوي أنها نسخة الشيخ بعينها ، وهذه طريقة الصحابة والسلف ، وقد كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يبعث بكتبه إلى الملوك ، وتقرم عليهم بها الحجة ، وكتب كتبه إلى عماله في بلاد الإسلام فعملوا بها ، واحتجوا بها ، ودفع الصديق كتاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في الزكاة إلى أنس ابن مالك فحمله وعملت به الأمة . وكذلك كتابه إلى عمرو بن حزم في الصدقات الذي كان عند آل عمرو ، ولم يزل السلف والخلف يحتجون بكتاب بعضهم إلى بعض ، ويقولون المكتوب إليه : كتب إلي فلان أن فلاناً أخبره .

ولم يطل الاحتجاج بالكتب لم يبق بأيدي الأمة إلا أسير البير ، فإن الاعتماد إنما هو على النسخ لا على الحفظ ، والحفظ خزان ، والنسخة لا تخون ، ولا يحفظ في زمن من الأزمان المتقدمة أن أحداً من أهل العلم رد الاحتجاج بالكتاب ، وقال : لم يتفاهني به الكاتب فلا أقبله ، بل كلهم مجمعون على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عنده أنه كتابه .

الجواب الثاني

أن قول من قال: « لم يسمع من أبيه » معارض بقول من قال: « سمع منه » ومع زيادة علم وإثبات . قال عبد الرحمن بن أبي حاتم ، مثل أبي عن مخرمة بن بكير ؟ فقال صالح الحديث . قال : « وقال ابن أبي ذئب : - وحدثني في ظهر كتاب مالك - سألت مخرمة عما يحدث به عن أبيه سمعها من أبيه ، فحلف لي ورب هذه البنية - يعني المسجد - سمعت من أبي .

سمعت معن بن عيسى يقول : مخرمة سمع من أبيه ، وعرض عليه ربيعة أشاء من رأى سليمان بن يسار ، وقال علي : ولا أظن مخرمة سمع من

وقال علي بن اللديني

أبيه كتاب سليمان لعله سمع منه الشيء اليسير ، ولم أجد أحداً في المدينة يخبرني عن مخرمة بن بكير أنه كان يقول في شيء من حديث « سمعت أبي » ومخرمة ثقة . . انتهى . ويكفي أن مالكا أخذ كتابه فنظر فيه واحتج به في موطنه ، وكان يقول : حدثني مخرمة ، وكان رجلاً صالحاً .

وقال إيوحاشم سألت اسماعيل بن أبي أوبس ، قلت هذا الذي يقول مالك بن أنس : حدثني الثقة من هو ؟ قال مخرمة بن بكير ، وقيل لأحمد بن صالح المصري كان مخرمة من ثقات الرجال ؟ قال نعم . وقال ابن عدى عن ابن وهب ومعن بن عيسى عن مخرمة : أحاديث حسان مستقيمة وأرجو أنه لا بأس به .

وفي صحيح مسلم قول ابن عمر للمطلق ثلاثاً : حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك ، وعصيت ربك فيما أمرك به من طلاق امرأتك . وهذا تفسير منه للطلاق المأمور به ، وتفسير الصحابي حجة ، وقال الحاكم هو عندنا مرفوع .

ومن تأمل القرآن حق التأمل تين له ذلك وعرف أن الطلاق المشروع بعد النكاح ، هو الطلاق الذي تملك به الزوجة . ولم يشرع الله سبحانه لإيقاع الثلاث جملة واحدة البتة ، قال تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(١) ولا تعقل العرب في لغتها وقوع المراتين إلا متعاقبتين ، كما قال النبي - صلى الله عليه وسلم - « مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَحَمِيدَهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَكَبَّرَهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ » ونظائره ، فإنه لا يعقل من ذلك إلا تسبيح وتكبير وتحميد متوال ، يتلو بعضه بعضاً ، فلو قال سبحانه الله ثلاثاً وثلاثين ، والحمد لله ثلاثاً وثلاثين ، والله أكبر ثلاثاً وثلاثين - بهذا اللفظ - لكان ثلاث مرات فقط ، وأصرح من هذا قوله سبحانه : (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ)^(٢) فلما قال أشهد بالله أربع شهادات بالله إنني لمن الصادقين ، كانت مرة ، وكذلك قوله : (وَيَذَرُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَافِرِينَ)^(٣) فلو قالت أشهد بالله أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين كانت واحدة .

وأصرح من ذلك قوله تعالى : (سَعَدُ بِهِمْ مَرَّتَيْنِ)^(٤) فهذا مرة بعد مرة .



(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

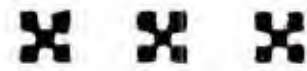
(٢) الآية الكريمة من سورة النور : ٦ .

(٣) الآية الكريمة من سورة النور : ٨ .

(٤) الآية الكريمة من سورة التوبة : ١٠١ .

ولا ينقض هذا بقوله تعالى : (نَزَّيْنَاهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ) ^(١) وقوله - صلى الله عليه وسلم : « ثَلَاثًا يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ » .

فلان المرتين هنا : هما الضعفان ، وهما الثلاثان ، وهما مثلان في القدر ، كقوله تعالى : (يَضَاعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ) ^(٢) وقوله تعالى : (فَآتَتْ أَكْثَرَهَا ضِعْفَيْنِ) ^(٣) أي ضعف ما يعذب به غيرها ، وضعف ما كانت تؤتى ، ومن هذا قول أنس : « انشق القمر على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مرتين » أي شقتين وفتنتين ، كما قال في اللفظ الآخر : « انشق القمر فلتتين » وهذا أمر معلوم قطعاً : أنه إنما انشق القمر مرة واحدة ، والفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان وبين ما يكون مثلين وجزئين ومرتين في المضاعفة ، فالثاني يتصور فيه اجتماع المرتين في آن واحد ، والأول لا يتصور فيه ذلك .



بدل على أن الله لم يشرع الثلاث جملة ، أنه قال : (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) ^(٤) إلى أن قال : (وَيُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا) ^(٥) فهذا يدل على أن كل طلاق بعد الدخول ، فالمطلق أحق بالرجعة ، سوى الثالثة المذكورة بعد هذا .

وكذلك قوله تعالى : (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّوهُنَّ لَعِدَّتِهِنَّ) ^(٦) إلى قوله : (فَلَاذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ) ^(٧) فهذا هو الطلاق المشرع ، وقد ذكر الله سبحانه أقسام الطلاق كلها في القرآن ، وذكر أحكامها فذكر الطلاق قبل الدخول وأنه لا عدة فيه ، وذكر الطلقة الثالثة وأنها تحرم الزوجة على المطلق حتى تنكح زوجاً غيره ، وذكر طلاق الفدا الذي هو الخلع وسماه فدية ، ولم يحبه من الثلاث كما تقدم ، وذكر الطلاق الرجعي الذي يحق للمطلق فيه الرجعة وهو ما عدا هذه الأقسام الثلاثة .

وبهذا احتج أحمد والشافعي وغيرهما ، على أنه ليس في الشرع طلقة واحدة بعد الدخول بغير عوض بائنة وأنه إذا قال لما : أنت طالق طلقة بائنة كانت رجعية وبلغو وصفها بالبينونة ، وأنه لا يملك إبانها إلا بعرض ، وأما أبو حنيفة فقال : نيين بذلك ، لأن الرجعة حق له وقد أسقطها ، والجمهور يقولون : وإن كانت الرجعة حقاً له

- (١) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ٣٦ .
- (٢) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ٣٠ .
- (٣) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٦٥ .
- (٤) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٨ .
- (٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٨ .
- (٦) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .
- (٧) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

لكن نفقة الرجعية وكسوتها حق عليه ، فلا يملك إسقاطه إلا باختيارها، وبنها العوض ، وسؤالها أن تقتدي نفسها
بغير عوض في أحد القولين ، وهو جواز الخلع بغير عوض ، وأما إسقاط حقها من الكسوة والنفقة بغير سؤالها
ولا بنها العوض فخلاف النص والقياس .

قالوا : وأيضاً قاله سبحانه شرع الطلاق على أكل الوجوه وأنفعها للرجل والمرأة ، فإنهم كانوا يطلقون في
الجاهلية بغير عدد ، فيطلق أحدهم المرأة كلما شاء ويرجمها ، وهذا - وإن كان فيه رفق بالرجل - ففيه إضرار
بالمرأة ، فنسخ سبحانه ذلك بثلاث ، وقصر الزوج عليها وجعله أحق بالرجعة ما لم تنقض عدتها ، فإذا استوفى
العدد الذي ملكه حرمت عليه ، فكان في هذا رفق بالرجل إذ لم تحرم عليه بأول طاعة ، وبالمرأة حيث لم يجعل
إليه أكثر من ثلاث ، فهذا شرعه وحكمته وحلوه التي حدها لعباده ، فلو حرمت عليه بأول طاعة يطلقها ، كان
خلاف شرعه وحكمته ، وهو لم يملك إيقاع الثلاث جملة ، بل إنما ملك واحدة ، فالزائد عليها غير مأذون له فيه .

قالوا : وهذا كما أنه لم يملك إبانيتها بطلقة واحدة إذ هو خلاف ما شرعه ، لم يملك إبانيتها بثلاث مجموعة
إذ هو خلاف ما شرعه . ونكتة المسألة : أن الله لم يجعل للأمة طلاقاً بائناً قط إلا في موضعين : أحدهما ، طلاق
غير المدخول بها ، والثاني ، الطلقة الثالثة وما عداها من الطلاق فقد جعل للزوج فيه الرجعة . هذا مقتضى
الكتاب كما تقدم تقريره ، وهذا قول الجمهور من الإمام أحمد والشافعي وأهل الظاهر . قالوا : لا يملك إبانيتها
بدون الثلاث إلا في الخلع ، ولأصحاب مالك ثلاثة أقوال فيما إذا قال : أنت طالق طلقة لا رجعة فيها - وساقها
رحمه الله - هل هي ثلاث ، أو خلع بدون ، عوض ، أو واحدة بائنة .



وقد أجاب ابن حزم - رحمه الله - في كتابه المحلى عن ذلك بقوله ^(١) : أما الآيات فلانما نزلت
فيمن طلق واحدة أو اثنتين فقط ، ثم نسألهم عن طلق مرة ثم راجع ثم مرة ثم راجع ثمانية
ثم ثالثة ، أبدع أنى ؟ فمن قولهم : لا بل سنة . فنسألهم أتحكمون له بما في الآيات المذكورات ؟ فمن قولهم : لا بلا خلاف
فصح أن المقصود في الآيات المذكورات ، من أراد أن يطلق طلاقاً رجعياً ، فبطل احتجاجهم بها في حكم من طلق
ثلاثاً . وأما قولهم : معنى قوله : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) ^(٢) أن معناه مرة بعد مرة ، فخطأ . بل هذا الآية كقوله تعالى :

(١) انظر المحلى الجزء العاشر ص (١٦٧-١٦٨)

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(فُلُوْهَا اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ) ^(١) أي مضاعفاً معاً وهذه الآية أيضاً تصلح لما دون الثلاث من الطلاق وهو حجة لنا عليهم ، لأنهم لا يختلفون - يعني المخالفين لنا - في أن طلاق السنة هو أن يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تنقضي عدتها في قول طائفة منهم ، وفي قول آخرين منهم : أن يطلقها في كل طهر طلقة وليس شيء من هذا في هذه الآية ، وهم لا يرون من طلق طلقين متتابعين في كلام متصل طلاق سنة ، فبطل تعلقهم بقوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) ^(٢) وأما خبر محمود بن لبيد فمرسل ، ولا حجة في مرسل ، ومخرمة لم يسمع من أبيه شيئاً ويعني ابن حزم بالإرسال ما قرره الحافظ بن حجر ^(٣) وهو أن محمود بن لبيد ، ولد في عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - ولم يثبت له منه سماع وإن ذكره بعضهم في الصحابة فلأجل الرؤية . . . وقد ترجم له أحمد في مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صرح فيه بالسماع .

وقال الحافظ ^(٤) ذكره ابن سعد في الطبقة الأولى من التابعين فيمن ولد على عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - وقال : سمع من عمر ، وتوفي بالمدينة سنة ست وتسعين ، وكان ثقة قليل الحديث ، كما ذكر الحافظ أن الترمذي قال فيه : « رأى النبي - صلى الله عليه وسلم - وهو غلام صغير » .

وقال البخاري : له صحبة فسخط أبي عنه ، وقال : لا يعرف له صحبة ، روى عن ابن عباس ، روى عنه عاصم بن عمر بن قتادة سمعت أبي يقول ذلك . سئل أبو زرعة عن محمود بن لبيد ؟ فقال : روى عن ابن عباس ، وعنه الحارث بن فضيل ، مدني أنصاري ثقة ، وفي رواية مخرمة عن أبيه كلام كثير . ٨١ .



(١) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ٢٩ .
(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .
(٣) أنظر فتح الباري الجزء التاسع ص ٢٩٧ .
(٤) أنظر تهذيب التهذيب الجزء العاشر ص ٦٦ .
(٥) أنظر المرح والتعديل الجزء الأول القسم الأول ص ٢٩١ .

من قولی العلماء فی الإقدام علی جمع الطلاق الثلاث فی كلمة واحدة، أنه لیس بمحرم ولا بدعة، بل سنة، وهو قول الشافعی، وأبی ثور، وأحمد بن حنبل فی إحدى الروایات عنه، وجماعة من أهل الظاهر، كما فی زاد المعاد، ونکتفی بإیراد كلام الشافعی فی الأم، وابن حزم فی المحلی. قال الإمام الشافعی: (الخلاف فی الطلاق الثلاث): -

عن مالک بن أنس، عن عبد الله بن یزید مولى الأسود بن سفيان، عن أبي سامة بن عبد الرحمن، عن فاطمة بنت قيس. أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب بالشام فبعث إليها وكتبه بشعير فسخطته فقال: والله ما لك علينا من شيء. فجاءت النبي - صلى الله عليه وسلم - فذكرت ذلك له فقال: «لنيس لك عليه نفقة».

قال الشافعی - رحمه الله: وأبو عمرو رضي الله عنهما طلق امرأته البتة وعلم ذلك النبي - صلى الله عليه وسلم - فأسقط نفقتها لأنه لا رجعة له عليها، والبتة التي لا رجعة له عليها ثلاث، ولم يعب النبي - صلى الله عليه وسلم - طلاق الثلاث، وحكم فيما سواها من الطلاق بالنفقة والسكنى. فإن قال قائل: ما دل على أن البتة ثلاث فهو لو لم يكن سى أبو عمرو رضي الله عنهما ثلاثاً البتة، أو نوى بالبتة ثلاثاً، كانت واحدة يملك الرجعة وعليه نفقتها

ومن زعم أن البتة ثلاث بلا نية المطلق، ولا تسمية ثلاث، قال: إن النبي - صلى الله عليه وسلم - إذ لم يعب الطلاق الذي هو ثلاث، دل على أن الطلاق بيد الزوج، ما أبقي منه أبقي لنفسه، وما أخرج منه من يده لزمه غير محرم عليه، كما لا يحرم عليه أن يعتق رقبة، وألاً يخرج من ماله صدقة، وقد يقال له: لو أبقيت ما تستغنى به عن الناس كان خيراً لك.

فإن قال قائل: ما دل على أن أبا عمرو لا يعلم أن يكون سى ثلاثاً، أو نوى بالبتة ثلاثاً؟ قلنا: الدليل عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -

قال الشافعی - رحمه الله -: أخبرنا عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبد الله بن علي بن السائب، عن نافع ابن عجير بن عبد يزید، أن ركانة بن عبد يزید طلق امرأته سهيمة المزنية البتة، ثم أتى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقال: إني طلق امرأتى سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة.

فقال النبي - صلى الله عليه وسلم - لركانة: «والله ما أردت إلا واحدة؟» فردّها إليه النبي - صلى الله عليه وسلم - فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان - رضي الله عنهما.

قال الشافعی - رحمه الله -: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن سهل بن سعد، أنه أخبره أنه نلا عن عويمر وامرأته بين يدي النبي - صلى الله عليه وسلم - وهو مع الناس فلما فرغا من ملاعنتهما.

قال عويمر : كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها . فطلقتها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال مالك : قال ابن شهاب : فكانت تلك سنة المتلاعبين .

قال الشافعي رحمه الله : فقد طلق عويمر ثلاثاً بين يدي النبي - صلى الله عليه وسلم - ولو كان ذلك محرماً لنهاه عنه . وقال : إن الطلاق وإن لمك فانت عاص بأن تجمع ثلاثاً ، فافعل كذا ، كما أمر النبي - صلى الله عليه وسلم - عمر أن يأمر عبدالله بن عمر رضي الله عنهما ، حين طلق امرأته حائضاً ، أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر ، ثم تحيض ثم تطهر ، ثم إن شاء طلق وإن شاء أمسك ، فلا يقر النبي - صلى الله عليه وسلم - بطلاق لا يفعله أحد بين يديه ، إلا أنها عنه ، لأنه العَلَمُ بين الحق والباطل ، لا باطل بين يديه إلا بغيره .

قال الشافعي : أخبرنا ابن عيينة عن عمرو بن دينار . قال : سمعت محمد بن عباد بن جعفر يقول : أخبرني المطلب ابن حنطب ، أنه طلق امرأته البتة ثم أتى عمر فذكر ذلك له .

فقال : ما حملك على ذلك ؟

قال : قد فعلته فتلا : (وَلَمْ أَتُهُمْ فَعَلُوا مَا يُوظَّفُونَ بِهِ لَكَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَتَدُّ تُيًّا)^(١)

ما حملك على ذلك ؟

قال : قد فعلته . قال : أمسك عليك امرأتك فإن الواحدة تَبَّتْ .

أخبرنا الربيع ، قال : أخبرنا الشافعي ، قال : أخبرنا ابن عيينة ، عن عمرو بن دينار ، عن عبدالله بن أبي سلمة ، عن سليمان ابن يسار أن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - قال : للتوامة مثل ما قال للمطلب .

قال الشافعي : أخبرنا الثقة ، عن الليث بن سعد ، عن بكير عن سليمان ، أن رجلاً من بني زريق طلق امرأته البتة ، قال عمر - رضي الله عنه - : ما أردت بذلك ؟ قال : أتراني أقيم على حرام والنساء كثير ؟ فأحلفه فحلف . قال الشافعي - رحمه الله - : أراه قال فردها عليه .

قال : وهذا الخبر في الحديث في الرقي ، يدل على أن قول عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - للمطلب ما أردت بذلك ؟ يريد أواحدة أو ثلاثاً ؟ فلما أخبره أنه لم يرد به زيادة في عدد الطلاق ، وأنه قال : بلا فيه زيادة ، ألزمه واحدة وهي أقل الطلاق ، وقوله : (وَلَمْ أَتُهُمْ فَعَلُوا مَا يُوظَّفُونَ بِهِ)^(١) لو طلق فلم يذكر البتة ، إذ كانت كلمة محدثة ليست في أصل الطلاق تحتل صفة الطلاق وزيادة في عدده ، ومعنى غير ذلك ، فنهاه عن المشكل من القول : ولم ينه عن الطلاق ، ولم يعبه ولم يقل له : لو أردت ثلاثاً كان مكروهاً عليك ، وهو لا يحلفه على ما أراد إلا ولو

(١) الآية للكرام من سورة البقرة : ٦٦

أراد أكثر من واحدة ألزمه ذلك .

أخبرنا الربيع : قال أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك عن ابن شهاب ، عن طلحة بن عبد الله ابن عوف ، وكان أعلمهم بذلك ، وعن أبي سلمة بن عبد الرحمن ، أن عبد الرحمن طلق امرأته البتة وهو مريض فورثها عثمان منه بعد انقضاء عدتها .

قال الشافعي - رحمه الله - أخبرنا عبد الوهاب ، عن أيوب ، عن ابن سيرين . أن امرأة عبد الرحمن نشدته الطلاق فقال : إذا حضت ثم طهرت فأذني ، فطهرت وهو مريض فأذنته فطلقها ثلاثاً . قال الشافعي - رحمه الله - : والبتة في حديث مالك بيان هذا الحديث ثلاثاً ، لما وصفتنا من أن يقول طالق البتة ينوي ثلاثاً وقد بينه ابن سيرين فقطع موضع الشك فيه .

أخبرنا الربيع ، قال : أخبرنا الشافعي ، قال : أخبرنا مالك ، عن ابن شهاب ، عن محمد بن عبد الرحمن ابن ثوبان عن محمد بن إياس بن بكير ، قال : طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ، ثم بدا له أن ينكحها ، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له . فسأل أبا هريرة ، وعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - عن ذلك فقالا : لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجاً غيره . قال : إنما كان طلاقاً لإياها واحدة ، فقال ابن عباس : إنك أرسلت من يملك ما كان لك من فضل .

قال الشافعي رحمه الله : وما عاب ابن عباس ولا أبو هريرة عليه أن يطلق ثلاثاً ، ولو كان ذلك معياً ، لقالا له : لزمتك الطلاق وبشما صنعت ، ثم سئى حين راجعه فما زاده ابن عباس على الذي هو عليه أن قال له : إنك أرسلت من يملك ما كان لك من فضل ، ولم يقل بشما صنعت ، ولا حرجت في إرساله .

أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي ، قال : أخبرنا مالك ، عن يحيى بن سعيد ، عن بكير ، عن النعمان ابن أبي عياش الأنصاري عن عطاء بن يسار ، قال : جاء رجل يستفتي عبد الله بن عمرو : عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يمسه ، قال عطاء فقلت : إنما طلاق البكر واحدة . فقال عبد الله بن عمرو إنما أنت قاض الواحدة بينها ، والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره .

ولم يقل له عبد الله : بشما صنعت حين طلقت ثلاثاً . أخبرنا الربيع : قال أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد ، أن بكيراً أخبره عن النعمان بن أبي عياش أنه كان جالساً عند عبد الله بن الزبير ، وعاصم بن عمر فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال : إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان ؟ فقال ابن الزبير : إن هذا الأمر ما لنا فيه قول ، اذهب إلى ابن عباس وأبي هريرة ، فإنني تركتهما عند عائشة فلهما ؟ ثم اتنا فأخبرنا . فذهب فأسألما ؟ فقال ابن عباس لأبي هريرة : أفته يا أبا هريرة ، فقد جاءتك معضلة ، فقال أبو هريرة - رضي الله عنه - : الواحدة بينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره .

وقال ابن عباس مثل ذلك ولم يعييا عليه الثلاث ولا عائشة . أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرني مالك عن ابن شهاب عن عروة أن مولاة لبني عدى يقال لها : زبراء أخبرته أنها كانت تحت عبد وهي يومئذ أمة ، فعتقت فقالت : فأرسلت إلي حفصة فدعني يومئذ فقالت : إني مخبرتك خبراً ولا أحب أن تصنعي شيئاً ، إن أمرك بيدك ما لم يمسك زوجك ، فقالت : ففارقته ثلاثاً ، فلم تقل لها حفصة : لا يجوز لك أن تطلقى ثلاثاً .

ولو كان ذلك معيياً على الرجل ، إذا لكان ذلك معيياً عليها إذا كان بيدها فيه ما بيده .

أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي ، قال : أخبرنا مالك ، عن هشام ، عن أبيه ، عن جهمان ، عن أم بكرة الأسلمية أنها اختلعت من زوجها عبدالله بن أسيد ، ثم أتيا عثمان في ذلك فقال : هي تطليقة ، إلا أن تكون سميت شيئاً فهو ما سميت .

فعثمان - رضي الله عنه - يخبره أنه إن سمي أكثر من واحدة كان ما سمي ، ولا يقول له : لا ينبغي لك أن تسمي أكثر من واحدة ؛ بل في هذا القول دلالة على أنه جائز له أن يسمي أكثر من واحدة . أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي ، قال : أخبرنا مالك ، عن يحيى بن سعيد ، عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم ، أن عمر بن عبد العزيز - رضي الله عنه - قال : البتة ما يقول الناس فيها ؟ فقال أبو بكر ، فقلت له : كان أبان بن عثمان يجعلها واحدة ، فقال عمر : لو كان الطلاق ألفاً ما أبقت البتة منه شيئاً ، من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى .

قال الشافعي : ولم يحك عن واحد منهم على اختلافهم في البتة أنه عاب البتة ولا عاب ثلاثاً . قال الشافعي قال مالك في المخيرة : إن خيرها زوجها فاختارت نفسها فقد طلقت ثلاثاً : وإن قال زوجها : لم أخيرك إلا في واحدة فليس له في ذلك قول ، وهذا أحسن ما سمعت .

قال الشافعي : فإذا كان مالك يزعم أن من مضى من سلف هذه الأمة قد خبروا وخبر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - والخيار إذا اختارت المرأة نفسها يكون ثلاثاً ، كان ينبغي بزعمهم أن الخيار لا يحل ، لأنها إذا اختارت كان ثلاثاً ، وإذا زعم أن الخيار يحل وهي إذا اختارت نفسها طلقت ثلاثاً فقد زعم أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قد أجاز طلاق ثلاث ، وأصحاب النبي - صلى الله عليه وسلم - .

قال الشافعي : رحمه الله - أخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن عكرمة بن خالد ، أن سعيد بن جبير أخبره أن رجلاً أتى ابن عباس فقال : طلقت امرأتى مائة فقال ابن عباس - رضي الله عنه - تأخذ ثلاثاً وتدع سبعا وتسعين .

قال الشافعي : أخبرنا سعيد ، عن ابن جريج ، أن عطاء ومجاهداً قالا : إن رجلاً أتى ابن عباس ، فقال : طلقت امرأتى مائة ، فقال ابن عباس : تأخذ ثلاثاً وتدع سبعا وتسعين .

أخبرنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال : أخبرنا مسلم بن خالد ، عن ابن جريج ، عن عطاء وحده ، عن ابن عباس أنه قال : سبعا وتسعين علواناً ، اتخذت بها آيات الله هزواً ، فعاب عليه ابن عباس كل ما زاد عن عدد الطلاق الذي لم يجعله الله إليه ولم يعب عليه ما جعل الله إليه من الثلاث ، وفي هذا دلالة على أنه يجوز له عنده أن يطلق ثلاثاً ولا يجوز له ما لم يكن إليه . اهـ

المذهب الحنبلي

وأما المذهب الحنبلي فقد . . .

قال بن قدامة : اختلفت الرواية عن أحمد في جمع الثلاث، فروى عنه غير محرم اختاره الخري، وهو مذهب الشافعي، وأبي ثور وداود، وروى ذلك عن الحسن بن علي وعبد الرحمن بن عوف، والشعبي، لأن عويمراً العجلاني لما لاعن امرأته قال: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله - صلى الله عليه وسلم - متفق عليه ولم ينقل إنكار النبي - صلى الله عليه وسلم - .

وعن عائشة: أم امرأة رفاعه جاءت إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقالت: يا رسول الله إن رفاعه طلقني قُبْتُ طلاقاً متفق عليه، وفي حديث فاطمة بنت قيس، أن زوجها أرسل إليها بثلاث تطليقات. ولأنه طلاق جاز تفريقه فجاز جمعه كطلاق النساء .

وقد أجاب ابن قدامة عن أدلة القائلين بالإباحة جواباً اجمالياً :

فقال (١) : وأما حديث المتلاعنين فغير لازم، لأن الفرقة لم تقع بالطلاق، فإنها وقعت بمجرد لعان الزوج فلا حجة فيه .

ثم إن اللعان يوجب تحريماً مؤبداً، فالطلاق بعده كالطلاق بعد انقضاء النكاح بالرضاع أو غيره .
ولأن جمع الثلاث إنما حرم لما يعقبه من الندم، ويحصل به من الضرر ويفوت عليه من حل نكاحها، ولا يحصل ذلك بالطلاق بعد اللعان لحصوله باللعان .

وسائر الأحاديث لم يقع فيها جمع الثلاث بين يدي النبي - صلى الله عليه وسلم - فيكون مقراً عليه، ولا حضر المطلق عند النبي - صلى الله عليه وسلم - حين أخبر بذلك، لينكر عليه .

(١) المنى ومع الشرح الكبير ٢٤٠/٨ .

(٢) المنى ومع الشرح الكبير ٢٤٢/٨ .

على أن حديث فاطمة قد جاء فيه : أنه أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها، وحديث امرأة رفاعه جاء فيه أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات متفق عليه، فلم يكن في شيء من ذلك جمع الثلاث. ولا خلاف بين الجميع في أن الاختيار والأولى أن يطلق واحدة ثم يدعها حتى تنقضي عدتها، إلا ما حكينا من قول من قال إنه يطلقها في كل قرء طلاقاً، والأول أولى، فإن في ذلك امثالاً لأمر الله - سبحانه - وموافقة لقول السلف، وأما من الندم، فإنه متى ندم راجعها فإن فاته ذلك بانقضاء عدتها فله نكاحها

وقال ابن حزم وجدنا من حجة من قال: إن الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة، قول الله تعالى : (**فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ**)^(١) .

فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولا يجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص .

وكذلك قوله تعالى : (**إِذَا تَكَتْخُمُ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ قِمَافاً لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَةٍ تَعْتَدُونَهَا**)^(٢) عموم لإباحة الثلاث والاثنين والواحدة .

وقوله تعالى : (**وَلَمَّا طَلَّقَتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ**)^(٣) فلم يخص تعالى مطلقة واحدة من مطلقة اثنتين وم مطلقة ثلاثاً .

وجدنا ما روينا من طريق مالك، عن ابن شهاب، أن سهل بن سعد الساعدي أخبره عن حديث الثمان عويمر العجلاني مع امرأته، وفي آخره أنه قال : « كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ثم قال : وأنا مع الناس عند رسول الله - صلى الله عليه وسلم - .

قال ابو محمد - ابن حزم - لو كانت طلاق الثلاث مجموعة معصية لله تعالى، لما سكت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن بيان ذلك فصيح بقيناً أنها سنة مباحة .

وقال بعض أصحابنا: لا يخلو من أن يكون طلقها وهي امرأته، أو طلقها وقد حرمت عليه ووجب التفريق بينهما، فإن كان طلقها وهي امرأته، فليس هذا قولكم، لأن قولكم إنها بتمام اللعان تبين عنه إلى الأبد، وإن كان طلقها أجنبية فلانما نحن فيمن طلق امرأته لا فيمن طلق أجنبية .

فقلنا: إنما طلقها وهو يقدر أنها امرأته هذا ما لا يشك فيه أحد، فلو كان ذلك معصية لسبقكم رسول الله - صلى

(١) أنظر الجزء المأثر من المجلد ص ١٧٠-١٧٢ .

(٢) الآية الكريمة من - سورة البقرة : ٢٣٠ .

(٣) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ٤٩ .

(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٤١ .

الله عليه وسلم - إلى هذا الاعتراض ، فلأنما حجتنا كلها في ترك رسول الله - صلى الله عليه وسلم - الإنكار على من طلق ثلاثاً مجموعة امرأة بظنها امرأته : ولا بشك أنها في عصمته فقط .

فإن قالوا : ليس كل مسكوت عن ذكره في الأخبار يكون ترك ذكره حجة . قلنا : نعم ، هو حجة لازمة إلا أن يوجد بيان في خبر آخر لم يذكر في هذا الخبر ، فحيث لا يكون السكوت عنه في خبر آخر حجة .

■ ومن طريق البخاري ، نا محمد بن بشار ، نا يحيى هو ابن سعيد القطان ، عن عبيد الله بن عمر ، نا القاسم بن محمد ابن أبي بكر ، عن عائشة أم المؤمنين - رضي الله عنها - قالت : إن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق ، فتل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أتحمّل للأول ؟ قال : « لا حتى يذوق غيبتها كما ذاق الأول » . فلم ينكر - عليه الصلاة والسلام - هذا السؤال ، ولو كان لا يجوز لأخبر بذلك . وخبر فاطمة بنت قيس المشهور روينا من طريق يحيى بن أبي كثير ، أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن ، أن فاطمة بنت قيس أخبرته أن زوجها ابن حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثاً ثم انطلق إلى اليمن فانطلق خالد بن الوليد في نفر فاتوا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في بيت بموتة أم المؤمنين فقالوا إن ابن حفص طلق امرأته ثلاثاً فهل لها من نفقة ؟ فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - « ليس لها نفقة » وعلينا العدة وذكر باقي الخبر .

■ ومن طريق مسلم ، نا محمد بن المنثي ، نا حفص بن غياث ، نا هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن فاطمة بنت قيس قالت : قلت : يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثاً وأنا أخاف أن يقتحم علي قال : فأمرها فتحوّل من طريق مسلم ، نا محمد بن المنثي ، عبد الرحمن بن مهدي ، نا سفيان الثوري ، عن سلمة بن كهيل ، عن الشعبي عن فاطمة بنت قيس ، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - في الطلقة ثلاثاً قال : « ليس لها سكنى ولا نفقة » .

فهذا نقل تواتر عن فاطمة بأن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أخبرها هي ونفر سواها بأن زوجها طلقها ثلاثاً^(١) وبأنه - عليه الصلاة والسلام - حكم في المطلقة ثلاثاً ولم ينكر - عليه الصلاة والسلام - ذلك ولا أخبر بأنه ليس بسنة ، وفي هذا كفاية لمن نصح نفسه .

■ فإن قيل : إن الزهري روى عن أبي سلمة هذا الخبر ، فقال فيه : أنها ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث طلاقات وروى الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها فذكر الخبر وفيه : فأرسل مروان إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر .

■ قلنا : نعم ، هكذا رواه الزهري ، فأما روايته من طريق عبيد الله بن عبد الله فمقطعة ، لم يذكر عبيد الله ذلك عنها ولا عن قبيصة عنها ، إنما قال : إن فاطمة طلقها زوجها وأن مروان بعث إليها قبيصة فحدثته . وأما خبره عن

(١) كذا في الأصل المنقول منه .

أبي سلمة فمتصل ، إلا أن كلا الخبرين ليس فيهما أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أخبرته هي ولا غيرها بذلك ، إنما السند الصحيح الذي فيه أنه - عليه الصلاة والسلام - سأل عن كمية طلاقها؟ وأنها أخبرته ، فهي التي قدمنا أولاً ، وعلى ذلك الإجمال جاء حكمه - عليه الصلاة والسلام - . وكذلك كل لفظ روى به خبر فاطمة من (أبت طلاقها) و (طلقها البتة) و (طلقها طلاقاً بائناً) و (طلاقاً بائناً) فليس في شيء منه أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقف عليه أصلاً فقط كل ذلك وثبت حكمه - عليه الصلاة والسلام - على ما صح أنه ، أخبر به من أنه طلقها ثلاثاً فقط .

■ وأما الصحابة - رضي الله عنهم - فإن الثابت عن عمر - رضي الله عنه - الذي لا يثبت عنه غيره ، ما رويناه من طريق عبد الرزاق ، عن سفیان الثوري ، عن سلمة بن كهيل ، نا زيد بن وهب : أنه رفع إلى عمر بن الخطاب برجل طلق امرأته ألفاً فقال له عمر : أطلقت امرأتك؟ فقال : إنما كنت ألعب فعلاه عمر بالدرة وقال : إنما يكفبك من ذلك ثلاث . وإنما ضربه عمر على الزيادة على الثلاث ، وأحسن عمر في ذلك ، وأعلمه أن الثلاث تكفي ولم ينكرها .

■ ومن طريق وكيع ، عن الأعمش ، عن حبيب بن أبي ثابت ، جاء رجل إلى علي بن أبي طالب فقال : إني طلق امرأتني ألفاً . فقال له علي : بانت منك ثلاث ، واقسم سائرهن بين نسائك . فلم ينكر جمع الثلاث .

■ ومن طريق وكيع ، عن جعفر بن برقان ، عن معاوية بن أبي يحيى قال : جاء رجل إلى عثمان بن عفان فقال : طلق امرأتني ألفاً ، فقال : بانت منك ثلاث . . . فلم ينكر الثلاث .

■ ومن طريق عبد الرزاق ، عن سفیان الثوري ، عن عمرو بن مرة ، عن سعيد بن جبیر قال : قال رجل لابن عباس : طلق امرأتني ألفاً . فقال له ابن عباس : ثلاث تحرمها عليك ، وبقيتها عليك وزراً ، اتخذت آيات الله هزواً . فلم ينكر الثلاث ، وأنكر ما زاد .

والذي جاء عنه من قوله لمن طلق ثلاثاً ثم ندم : لو انقبت الله لجعل لك مخرجاً ، وهو على ظاهره ، نعم إن انقبت الله جعل له مخرجاً ، وليس فيه أن طلاقه الثلاث معصية .

■ ومن طريق عبد الرزاق ، عن معمر ، عن الأعمش ، عن إبراهيم عن علقمة قال : جاء رجل إلى ابن مسعود فقال : إني طلق امرأتني تسعة وتسعين . فقال له ابن مسعود : ثلاث تبينها ، وسائرهما عدوان . وهذا خبران في غاية الصحة ، لم ينكر ابن مسعود وابن عباس الثلاث مجموعة أصلاً ، وإنما أنكر الزيادة على الثلاث .

ومن طریق أحمد بن شعيب، أنا عمرو بن علي، نا يحيى بن سعيد القطان، عن سفيان الثوري، عن أبي اسحاق السبيعي عن أبي الأحوص، عن عبد الله بن مسعود قال: طلاق السنة أن يطلقها طاهراً من غير جماع، وهذا في غاية الصحة عن ابن مسعود، فلم يخص طلقة من طلقتين من ثلاث.

فإن قيل: قد روى الأعمش، عن أبي اسحاق، عن أبي الأحوص، عن ابن مسعود وفيه: فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى، فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى.

قلنا نعم، هذا أيضاً سنة، وليس فيه أن ما عدا ذلك حرام وبدعة. فإن قيل: قد روينا من طريق حماد بن زيد، نا يحيى بن عتيق، عن محمد بن سيرين قال: قال علي بن أبي طالب: لو أن الناس أخذوا بأمر الله تعالى في الطلاق ما بيع رجل نفسه في امرأة أبداً يبدأ فيطلقها تطليقة ثم يربص ما بينها وبين أن تنقضي عدتها فعنى شاء راجعها.

قلنا: هذا منقطع عنه، لأن ابن سيرين لم يسمع من علي كلمة، ثم ليس فيه أيضاً أن ما عدا ذلك معصية ولا بدعة لا يعلم عن الصحابة - رضي الله عنهم - غير ما ذكرنا. وأما التابعون فروينا من طريق وكيع عن اسماعيل ابن أبي خالد، عن الشعبي قال: قال رجل لشريح القاضي: طلفت امرأتي مائة. فقال: بانت منك ثلاث، وسبع وتسعون إسراف ومعصية.

فلم ينكر شريح الثلاث، وإنما جعل الإسراف والمعصية ما زاد على الثلاث. ومن طريق عبد الرزاق عن معمر بن قتادة، عن سعيد بن المسيب، قال: طلاق العدة أن يطلقها إذا طهرت من الحيضة بغير جماع.

قال أبو محمد: فلم يخص واحدة من ثلاث من اثنتين لا يعلم عن أحد من التابعين أن الثلاث معصية، صرح بذلك، إلا الحسن، والقول بأن الثلاث سنة هو قول للشافعي وأبي ذر وأصحابهما.

وقال ابن أبي شيبة^(١): «من رخص الرجل أن يطلق ثلاثاً في مجلس» حدثنا أبو أسامة، عن هشام قال: مثل محمد عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً في مقعد واحد. قال: لا أعلم بذلك بأساً، قد طلق عبد الرحمن بن عوف امرأته ثلاثاً فلم يعب عليه ذلك.

حدثنا أبو أسامة، عن ابن عون عن محمد قال: كان لا يرى بذلك بأساً. حدثنا غندر عن شعبة، عن عبد الله ابن أبي السفر، عن الشعبي، في رجل أراد أن تبين منه امرأته، قال: يطلقها ثلاثاً.

(١) انظر معتمد بن كمال شعبة الجزء الخامس ص ١١.

● المسألة الثانية

ما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد
وفي ذلك مذاهب

و المسألة الثانية ما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفي ذلك مذاهب .

المذهب الأول أن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثاً بلفظ واحد وقعت ثلاثاً دخل بها أولاً
ذكر من قال بهذا القول :

وأما حكم طلاق البدعة: فهو أنه واقع عند عامة العلماء، وقد ذكر هذا بعد
سياقه للألفاظ التي يقع بها طلاق البدعة وذكر منها الثلاث بلفظ واحد .

وقال الكاساني

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه
يقع ثلاثاً

وقال ابن القيم

بعد سياقه لأدلة وقوعها ثلاثاً - (٢) فهذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف
ومحمد - رحمة الله عليهم أجمعين .

وقال الطحاوي

قلت (١) : أرأيت إن طلقها ثلاثاً وهي حامل في مجلس واحد أو مجالس
شئ ، أيازمه ذلك أم لا ؟ قال : قال مالك يلزمه ذلك .

وقال سمرقندي

(تنبيه) قال أبو الحسن في شرح كلام المصنف المتقدم صورته : أن يقول لها

وقال الخطيب

أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق في مجلس واحد ، فإن كان على غير هذه

صفة كما إذا قال : أنت طالق ثلاثاً في كلمة واحدة ، فقال عبد الحميد الصائغ : ثلاث تطليقات في كلمة

سـد منه في ثلاثة مجالس ، وفي ثلاثة أطهار ، وكلما طلق يلزمه .. انتهى ... (٥)

(١) بدائع الصنائع ٤٦/٣ .

(٢) فتح القدير ٢٥/٣ .

(٣) شرح معاني الآثار ٥٩/٣ .

(٤) المصنف ٦٨/٢ .

(٥) مواهب الجليل ٣٩/٤ .

إذا ثبت ذلك^(١) أى كلامه على تحريم إيقاع الثلاث بلفظ واحد، فمن أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء .

قال علماءنا : واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة ، وهو قول جمهور السلف .

— رحمه الله — في الكلام على المسألة الأولى وأنه يوقعها ثلاثاً .

وإن قال لغير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً وقع الثلاث لأن الجميع صادف الزوجية فوقع الجميع كما لو قال ذلك للمدخول بها

وإن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين قبل الدخول وبعده، روى ذلك عن ابن عباس، وأبي هريرة، وابن عمر، وعبدالله بن عمرو، وابن مسعود، وأنس، وهو قول أكثر أهل العلم من التابعين، والأئمة بعلمهم .

وإن طلقها ثلاثاً مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثاً وإن لم ينوها على الصحيح من المذهب، نص عليه مراراً وعليه الأصحاب بل الأئمة الأربعة رحمهم الله وأصحابهم في الجملة .

— في أثناء الكلام على بيان المذاهب في ذلك — الثاني أنه طلاق محرم لازم وهو قول مالك، وأبي حنيفة، وأحمد في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين .

فاختلف الناس فيها — أي وقوع الثلاث بكلمة واحدة — على أربعة مذاهب : أحدها : أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة، وجمهور التابعين، وكثير من الصحابة ...

٦- وقال الباجي

٧- وقال القسطلاني

٨- وقد سئل عن كسرة عن الإمام الشافعي

٩- وقال الشيرازي

١٠- وقال ابن تيمية

وقال المرداوي

١٢- وقال شيخ الإسلام

١٣- وقال ابن القيم

- (١) المنتقى ٣/٤ .
(٢) تفسير القرطبي ١٢٩/٣ .
(٣) المذهب ٨٤/٢ .
(٤) المغنى ٢٤٣/٨ .
(٥) الانصاف ٤٥٣/٨ .
(٦) مجموع الفتاوى ٨/٣٣ .
(٧) زاد المعاد ١٠٤/٤ .

الفصل الأول في أن الطلاق الثلاث يقع ثلاثاً هذا هو

الصحيح من المذهب، ولا تحل له حتى تنكح زوجاً

غيره كما سيأتي ، وهذا القول مجزوم به في أكثر كتب أصحاب الإمام أحمد كالخرقي والمقنع، والمحرم والهداية وغيرهم ، من كتب أصحاب الإمام أحمد ولا يعدل عنه .

وقال الشيخ محمد بن عبد الحارث

١٤-

قال الأثرم : سألت أبا عبد الله عن حديث ابن عباس : كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر واحدة بأي شيء تدفعه ؟ فقال برواية الناس عن ابن عباس أنها ثلاث فيؤقلمه في الفروع وجزم به في المغنى ، وأكثرهم لم يحك غيره والله أعلم بالصواب .

١٥- وقال أيضاً (١) الفصل الثاني فيمن قال بهذا القول وسن أفتى به :

قال به ابن عباس غير مرة ، وابن عمر ، وعبد الله بن عمرو ، وعثمان ، وعلي ، وابن مسعود وهو قول أكثر أهل العلم ، وبه قال أحمد ، والشافعي ، وأبو حنيفة ، ومالك ، وأنس ، وابن أبي ليلى ، والأوزاعي ، وقال به من أصحابنا الخرقي ، والقاضي وأبو بكر ، وابن حامد ، وابن عقيل ، وأبو الخطاب ، والشيرازي ، والشيخ موفق الدين ، والشيخ مجد الدين - وليس مطلقاً كما سيأتي - والشريف حتى أكثر أصحاب الإمام أحمد على هذا القول .

وفي إجماع ابن المنذر ما يدل على أنه لإجماع ليس بصريح فيه . وهذا القول اختاره ابن رجب . وقد صنف رداً على من قال بخلافه ، والله أعلم بالصواب .

قال ابن رجب : أعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين

أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن

وقال الشيخ محمد بن عبد الحارث

١٦-

الطلاق ثلاث بعد الدخول بحسب واحدة إذا سبق بلفظ واحد .

وعلى هذا القول - أي اعتبارها ثلاثاً - جل الصحابة وأكثر العلماء منهم

الأئمة الأربعة . اهـ . وقد استدلل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والاجماع

وقال الشيخ محمد بن عبد الحارث

١٧-

والآثار والقياس .

فأولاً قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَمِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَأَنَّمَا عَلَمٌ مِثْلُ الْفُلْجِ)

وقال الشيخ محمد بن عبد الحارث

(١) سير الخات إلى علم الطلاق الثلاث ٧٠ .

(٢) سير الخات إلى علم الطلاق الثلاث ٧٠ .

(٣) سير الخات إلى علم الطلاق الثلاث ٧٧ .

(٤) أضواء البيان ١٧٦/١ .

(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

قال أبو بكر الرازي تحت عنوان : ذكر الحجاج لا يباع الطلاق الثلاث معاً ، قوله تعالى : (الطلاق مرتان فإمساك بغزويف أو تنزيح بإسكان)^(١) الآية ، يدل على وقوع الثلاث معاً مع كونه منهيأ عنه . وذلك لأن قوله تعالى : (الطلاق مرتان)^(٢) قد أبان عن حكمة إذا وقع اثنتان بأن بقوا : أنت طالق ، أنت طالق في طهر واحد وقد بينا أن ذلك خلاف السنة ، فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معاً ، لأن أحداً لم يفرق بينهما .

وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى : (فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره)^(٣) فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما في طهر واحد أو في أطهار ، فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أي وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون ومباح أو محظور .

فإن قيل : قد دلت في معنى الآية أن المراد بها بيان المنسوب إليه والمأمور به من الطلاق وإيقاع الطلاق الثلاث معاً خلاف المسنون عندك ، فكيف تحتج بها في إيقاعها على غير الوجه المباح والآية لم تتضمنها على هذا الوجه ؟

قيل له : قد دلت الآية على هذه المعاني كلها من إيقاع الاثنتين والثلاث لغير السنة وأن المنسوب إليه والمسنون تفريقها في الأطهار ، وليس بممتنع أن يكون مراد الآية جميع ذلك . ألا ترى أنه لو قال : طلقوا ثلاثاً في الأطهار وإن طلقتم جميعاً معاً وقعن كان جائزاً ، وإذا لم يتناف المعنيان واحتملتها الآية وجب حملها عليهما .

فإن قيل : معنى هذه الآية محمول على ما بينه بقوله تعالى : (فطلقوهن لعدتهن)^(٤) وقد بين الشارع الطلاق للعدة ، وهو أن يطلقها في ثلاثة أطهار إن أراد إيقاع الثلاث ، ومتى خالف ذلك لم يقع طلاقه .

قيل له : نستعمل الآيتين على ما تقتضيان من أحكامهما فنقول : إن المنسوب إليه والمأمور به هو الطلاق للعدة على ما بينه في هذه الآية ، وإن طلق لغير العدة وجمع الثلاث وقعن لما اقتضته الآية الأخرى وهي قوله تعالى : (الطلاق مرتان)^(١) وقوله تعالى : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ)^(٢) إذ ليس في قوله : (فطلقوهن) : - نفي لما اقتضته هذه الآية الأخرى ، على أن في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدة دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة ، وهو قوله تعالى : (فطلقوهن لعدتهن) إلى قوله تعالى : (وَيَلِكْ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ)^(٣) فلولاً أنه إذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالماً لنفسه بإيقاعه ، ولا كان ظالماً لنفسه بطلاقه .

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٢ .

(٣) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

وفي هذه الآية دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة ، ويدل عليه قوله تعالى في نسق الخطاب : (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً)^(١) يعني - والله أعلم - أنه إذا وقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجاً مما أوقع إن لحقه ندم وهو الرجعة ، وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباس حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثاً : إن الله تعالى يقول : (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً)^(٢) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً ، عصيت ربك ويأت منك امرأتك ، ولذلك قال علي بن أبي طالب - كرم الله وجهه - : لو أن الناس أصابوا أحد الطلاق ما ندم رجل طلق امرأته .

فلان قيل : لما كان عاصياً في إيقاع الثلاث معاً لم يقع ، إذ ليس هو الطلاق المأمور به ، كما لو وكل رجل رجلاً بأن يطلق امرأته ثلاثاً في ثلاثة أطهار لم يقع إذا جمعهم في طهر واحد .

قيل له : أما كونه عاصياً في الطلاق فغير مانع صحة وقوعه لما دللنا عليه فيما سلف ، ومع ذلك فإن الله جعل الظهار منكر من القول وزوراً ، وحكم مع ذلك بصحة وقوعه ، فكونه عاصياً لا يمنع لزوم حكمه والانسان عاص لله في رده عن الاسلام ، ولم يمنع عصيانه من لزوم حكمه وفراق امرأته ، وقد نهاه الله من مراجعتها ضراراً بقوله تعالى : (وَلَا تُنْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لِّتَعْتَدُوا)^(٣) - فلا راجعها وهو يريد ضرارها لثبت حكمها وصحت رجعتها .

وأما الفرق بينه وبين الوكيل فهو : أن الوكيل إنما يطلق لغيره وعنه بعبر وليس يطلق لنفسه ولا يملك ما يوقعه . ألا ترى أنه لا يتعلق به شيء من حقوق الطلاق وأحكامه ، فلما لم يكن مالكاً لما يوقعه ، وإنما يصح إيقاعه لغيره من جهة الأمر إذ كانت أحكامه تتعلق بالأمر دونه لم يقع متى خالف الأمر ، وأما الزوج فهو مالك الطلاق وبه تتعلق أحكامه وليس يوقع لغيره فوجب أن يقع من حيث كان مالكاً للثلاث وارتكاب النهي في طلاقه غير مانع وقوعه كما وصفنا في الظهار والرجعة والردة وسائر ما يكون به عاصياً ، ألا ترى أنه لو وطأ أم امرأته بشبهة حرمت عليه امرأته وهذا المعنى الذي ذكرناه من حكم الزوج في ملكه للثلاث من الوجوه التي ذكرنا يدل على أنه إذا أوقعهن معاً وقع إذ هو موقع لما ملك . اهـ .

وقال القرطبي في تفسير قوله تعالى : (الطلاقُ مَرَّتَانِ)^(٤) - : ترجم البخاري على هذه الآية باب من أجاز الطلاق الثلاث لقوله تعالى : (الطلاقُ مَرَّتَانِ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِ مَقْرُونٌ)^(٥) وهذا إشارة منه إلى أن هذا التعديد إنما هو فسخة لهم فمن ضيق على نفسه لزمه . اهـ .

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢١ .

(٣) أنظر تفسير القرطبي الجزء الثالث ص ١٢٨ .

(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

وقال العيني

وجه الاستدلال به أن قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(١) معناه مرة بعد مرة فإذا جاز الجمع بين اثنتين جاز بين الثلاث وأحسن منه أن يقال : إن قوله تعالى : (أو تسريحاً بإحسان) ^(٢) عام متناول لإيقاع الثلاث دفعة واحدة . وقال ابن أبي حاتم : أنا يونس بن عبد الأعلى قراءة عليه ، أنا ابن وهب ، أخبرني مفيان الثوري ، حدثني اسماعيل بن سميع ، سمعت أبا رزين يقول : جاء رجل إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقال : يا رسول الله أرأيت قول الله عز وجل : (فَلَا مَسَآكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ)^(٣) أين الثالثة ؟ قال : « التَّسْرِيحُ بِإِحْسَانٍ » . هذا اسناده صحيح ، ولكنه يرسل ورواه ابن مردويه من طريق قيس بن الربيع عن اسماعيل بن سميع عن أبي رزين مرسلًا قال : حدثنا عبد الله بن أحمد بن عبد الرحيم ، حدثنا أحمد بن يحيى حدثنا عبيد الله بن جرير بن خالد ، حدثنا ابن عائشة ، عن حماد بن سلمة ، عن قتادة ، عن أنس ابن مالك - رضي الله عنه - . قال : جاء رجل إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقال : يا رسول الله ذكر الله الطلاقَ مرتين ، فأين الثالثة ؟ قال : « إِنْ مَسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ » .. اهـ

وقد سبقت مناقشة ابن القيم لهذه الآية وبين أنها دليل على عدم وقوع الثلاث وذلك عند الكلام عليها في المسألة الأولى .

وقال الشيخ جمال الدين الامام

رداً على الاستدلال بقوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(١) وبين أنها لا تدل على وقوع الثلاث قال ^(٢) : فصل : وما بين وبين بطلان تركيبيهم شرعاً ولغة في الطلاق الثلاث وغيره : أن لفظ التعدد فيه منصوب نصب المصدر ، فإن تقدير الكلام طلقك طلاقاً ، ومعنى المصدر في الكلام طلقك تطبيقات ثلاث ، ومعنى المصدر في الكلام إنما هو حكاية حال الفعل في صدره عن الفاعل .

والفعل له حالتان في صدره عن الفاعل : حالة يكون فيها خيراً عما صدر وقوعه من الفاعل في الماضي وحالة يكون فيها أداة لما يستعمل فيه من إنشاء العقود والفسوخ استعارة أو اشتراكاً ، فإذا أريد به الحكاية والخبر عن الماضي ، فإن أريد به اخبار عن حقيقة الفعل ونفي المجاز عنه اتبع بالمصدر مطلقاً .

وأما إذا استعمل الماضي في إنشاء عقد أو فسخ سواء قيل إنه على وجه الاستعارة أو الاشتراك فإن أريد حقيقة العقد أو الفسخ اتبع المصدر مطلقاً مثل : طلقته تطبيقاً ، وأما إن أريد تعدد العقد أو الفسخ بلفظ واحد في مرة واحدة بمتزلة تعدده بالتكرار مره بعد مرة وأتبع بالعدد وحده . أو مضافاً إلى المصدر المجموع ، مثل طلقته ثلاثاً وقصد به التعدد ، أو قال في اللعان أشهد بالله خمساً ، أو خمس شهادات . أو قال في التسمية أقسم بالله

(١) أنظر عدة القاري . الجزء التاسع ص ٥٣٨ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٣) بواسطة سير الأخت لابن عبد الهادي ٩٨/٩٣ .

خمسین یمیناً أو قال بعد الصلاة « سبحان الله » مرة ثم قال : « ثلاثاً وثلاثين » وكذا « الحمد لله » ، وكذا « الله أكبر » ، وكذا لو قال في اليوم مرة واحدة « سبحان الله وبحمده » وأتبعها مائة مرة لم يكن بتكراره في الأيام والأوقات ولعدد : فأما غير الطلاق فلا خلاف فيه ، وأما الطلاق فوقع الغلط فيه من بعد الصحابة .

واحتج الجمهور بقوله تعالى : (وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)^(۱) **ثانياً قال النووي**

قالوا : معناه أن المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البيونة فلو كانت الثلاث لا تقع لم يقع طلاقه إلا رجعيّاً فلا يندم .

قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي^(۲) وما يزيد هذا الاستدلال القرآني ما أخرجه أبو داود بسند صحيح عن طريق مجاهد قال : كنت عند ابن عباس ، فجاءه رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثاً ، فكت ، حتى ظننت أنه سيردها إليه ،

فقال : ينطلق أحدكم فيركب الأحمولة ثم يقول : يا ابن عباس ، الله قال : (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا)^(۳) وإنك لم تتق الله ، فلا أجد لك مخرجاً ، عصيت ربك ، وباتت منك امرأتك . .

وأخرج له أبو داود متابعات عن ابن عباس بنحوه ، وهذا تفسير من ابن عباس للآية بأنها يدخل في معناها ومن يتق الله ، ولم يجعل الطلاق في لفظة واحدة يجعل له مخرجاً بالرجعة ، ومن لم يتق في ذلك بأن جمع الطلقات في لفظ واحد لم يجعل له مخرجاً لوقوع البيونة بها مجتمعة ، هذا هو معنى كلامه الذي لا يحتمل غيره ، وهو قوي جداً في محل التراجع لأنه مفسر به قرآنًا ، وهو ترجمان القرآن ، وقد قال - صلى الله عليه وسلم - : «اللَّهُمَّ عَلِّمْنَا التَّأْوِيلَ» .

ثالثاً قال بن عبد الحادي نقلاً عن ابن رجب : قوله في سياق آيات (وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا)^(۴) قال الحسن :

« كان الرجل في عهد النبي صلى الله عليه وسلم يطلق ويقول : كنت لاعباً ، وبعثت بول : كنت لاعباً وبزوج ابنة ويقول كنت لاعباً فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : « ثَلَاثُ مَنْ قَالَهُنَّ لَاعِبًا جَائِزَاتٌ عَلَيْهِمْ : العِشَاقُ ، وَالطَّلَاقُ ، وَالنِّكَاحُ » فأنزل الله (وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا)^(۵) .

(۱) شرح النووي لصحيح مسلم ۷۰/۱-۷۱ .

(۲) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

(۳) أسراء البيان ۱۷۵/۱-۱۷۶ .

(۴) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۲ .

(۵) سير أعلام إلى علم الطلاق الثلاث ۷۸ .

(۶) الآية الكريمة من سورة النقرة : ۲۳۱ .

وقال ابن عبد الحادي رداً على ابن رجب في استدلاله بالآيات التي سبقت (١) وأما استدلاله بقوله تعالى :
(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ) - إلى قوله : وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ
مَخْرَجاً (٢) - قال : فليس بمسلم ، لأن في حديث ركائة لما قال له « رَاجِعِيهَا » تلا هذه الآية فهذه الآية
دليل لنا لا لكم ، لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - لما قضى له بهذا استدلال بالآية ، فلو كان فيها دليل عليه
لم يستدل بها ، واستدلاله بالآية بقول ابن عباس فإن ابن عباس قد صح عنه أنه كان يفتي بهذا القول
- أي واحدة - كما تتقدم فليس لكم في الآية دليل .

وأما استدلاله بقوله تعالى : (وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا) (٣) - واستدلاله بالحديث - أي حديث
الحسن وقد مضى مع الآية - فالآية والحديث ليس فيهما دليل له ، لأنه لم يثبت طلاق الثلاث بالكلية وإنما
كان يطلق ويقول كنت لاعباً فترلت هذه الآية ، إن الطلاق لا لعب فيه فليس في هذا دليل .

وأما استدلاله بالآية الأخرى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإِنْ سَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ) (٤) فليس
فيها دليل أيضاً ، لأن الطلاق هنا لم يذكر أنه بلفظة واحدة ، بل الآية فيها إذا أنى بالطلاق مرة بعد أخرى ،
وليس في الآيات دليل له ، بل كلها دليل عليه .



وأما السنة فقد استدلوا بالأدلة الآتية

الدليل الأول ما ثبت في الصحيحين (٥) في قصة لعان عويمر وزوجته وفيه : « فلما فرغا
قال عويمر : كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَمْسَكَهَا فطَلَّقَهَا لَلْأَمْسَ
قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - قال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين . متفق عليه .

قال النووي (٦) واستدل به أصحابنا على أن جمع الطلقات الثلاث بلفظ واحد ليس حراماً ، وموضع
الدلالة أنه لم ينكر عليه اطلاق لفظ الثلاث .

(١) سير الخات ٨٩-٩٠ .

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢-١ .

(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣١ .

(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٥) صحيح البخاري وفيه الفتح ٢٩١/٩ وصحيح مسلم وفيه شرح النووي ١٢٣/١٠ .

(٦) النووي على مسلم ١٢٢/١٠ ، ويرجع أيضاً إلى الفتح ٢٦٧/٩ .

وقد يعترض على هذا فيقال : إنما لم ينكره عليه ، لأنه لم يصادف الطلاق محلاً مملوكاً له ولا نفوذاً
ويجاب عن هذا الاعتراض ، بأنه لو كان الثلاث محرماً لأنكر عليه ، وقال له : كيف ترسل لفظ
الطلاق الثلاث مع أنه حرام ، والله أعلم .

وقال ابن نافع من أصحاب مالك : إنما طلقها ثلاثاً بعد اللعان ، لأنه يستحب إظهار الطلاق بعد اللعان ،
مع أنه قد حصلت الفرقة بنفس اللعان . وهذا فاسد ، وكيف يستحب للإنسان أن يطلق من صارت أجنبية .

وقال محمد بن أبي صفرة المالكي : لا تحصل الفرقة بنفس اللعان ، واحتج بطلاق عويمر وبقوله : إن
أمسكتها ، وتأوله الجمهور كما سبق ، والله أعلم . وأما قوله : قال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين ، فقد تأوله
ابن نافع المالكي على أن معناه استحباب الطلاق بعد اللعان كما سبق ، وقال الجمهور معناه حصول الفرقة بنفس اللعان .

وقال شيخ الإسلام^(١) : وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البيئته أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة
أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة ، فكان مؤكداً لموجب اللعان ، والتزاع إنما هو طلاق من يمكنه إمساكها ، لا سيما
والنبي - صلى الله عليه وسلم - قد فرق بينهما ، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها ثلاث ولا غيرها ، وإن كان
بعد ما دل على بقاء النكاح ، والمعروف أنه فرق بينهما بعد أن طلقها ثلاثاً ، فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها ،
إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره ، وامتنع حيثئذ أن يفرق النبي - صلى الله عليه وسلم - بينهما لأنهما صارا أجنبيين .

ولكن غاية ما يمكن أن يقال : حرمتها عليه تحريماً مؤبداً . فيقال : فكان ينبغي أن يحرمتها عليه لا يفرق
بينهما ، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح ، وأن الثلاث لم تقع جميعاً ، بخلاف ما إذا قيل : إنه يقع
بها واحدة رجعية فإنه يمكن فيه حيثئذ أن يفرق بينهما .

فأنفذه عليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - دليل على أنه محتاج إلى انقضاء
وقول سهل بن سعد
النبي - صلى الله عليه وسلم - واختصاص الملاعن بذلك وإن كان من شرعه
أنها تحرم بالثلاث لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى انقضاء ، فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق
الثلاث أن تحرم عليه انقضاء النبي - صلى الله عليه وسلم - مقصوده بل زاده ، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم
الطلاق ، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجاً غيره ، وهو ما يريد في أحد قولي العلماء لا يزول بالتوبة .

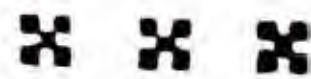
بعد ذكره لاستدلال البخاري بحديث عويمر ، ووجه الدلالة والاعتراض
وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيط
عليها ، والجواب عن الاعتراض من وجهين ، وكل ذلك سبق نقله عن النووي
إلا الوجه الثاني ، قال :^(٢) وبأن الفرقة لم يدل على أنها بنفس اللعان كتاب ولا سنة صريحة ولا إجماع .

(١) مجموع الفتاوى ٧٧/٢٣-٧٨ ويرجع أيضاً إلى ١١٥/٤ زاد المعاد وإغاثة اللفغان ٣١٤/١ .
(٢) أسواء البيان الجزء الأول ص ١٦٢ وما بعدها .

— وبعد أن عرض بعض مذاهب العلماء وأدلتهم ومناقشتها في اللعان هل تحصل به الفرقة أم لا ؟ قال : — واختلف في هذا اللفظ — أي ما جاء في الحديث المتقدم من قوله : فكانت سنة المتلاعنين — هل هو مدرج من كلام الزهري فيكون مرسلًا وبه قال جماعة من العلماء ، أو هو من كلام سهل فهو مرفوع متصل ، ويؤيد كونه من كلام سهل ما وقع في حديث أبي داود من طريق عياض بن عبد الله الفهري : عن ابن شهاب عن سهل قال : فطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — فَأَنْقَضَهُ رَسُولُ اللَّهِ — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — وَكَانَ مَا صَنَعَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — سُنَّةً ، قَالَ سَهْلٌ : حَضَرْتُ هَذَا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — فَمَضَتْ السُّنَّةُ بَعْدَ فِي الْمُتْلَاعِنِينَ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا ، هَذَا الْحَدِيثُ سَبَّكَتَ عَلَيْهِ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ .

قال الشوكاني في نيل الأوطار ورجاله رجال الصحيح ، قال مفيد عفا الله عنه : ومعلوم أن ما سكت عليه أبو داود فأقل درجاته عنده الحسن ، وهذه الرواية ظاهرة في محل النزاع ، وبها تعلم أن احتجاج البخاري لوقوع الثلاث دفعة بحديث سهل المذكور واقع موقعه ، لأن المطلع على غوامض إشارات البخاري — رحمه الله — يفهم أن هذا اللفظ الثابت في سنن أبي داود مطابق لترجمة البخاري ، وأنه أشار بالترجمة إلى هذه الرواية ولم يُخْرِجْهَا لِأَنَّهَا لَيْسَتْ عَلَى شَرْطِهِ ، فتصريح هذا الصحابي الجليل في هذه الرواية الثابتة بأن النبي — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — أنفذ طلاق الثلاث دفعة يطل بإيضاح أنه لا عبرة بسكونه — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — وتقريره له ، بناءً على أن الفرقة بنفس اللعان كما ترى — وبعده سياق لبقية المناهب في الفرقة باللعان قال : وبهذا تعلم أن كون الفرقة بنفس اللعان ليس أمراً قطعياً حتى ترد به دلالة تقرير النبي — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — عوياً العجلاني على إيقاع الثلاث دفعة الثابت في الصحيح ، لا سيما وقد عرفت أن بعض الروايات فيها التصريح بأنه — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — أنفذ ذلك . وبعد أن عرض مذاهب العلماء في نفقة البائن وسكناها قال : —

فإن قيل : اتفاده — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — الثلاث دفعة من الملاعن على الرواية المذكورة لا يكون حجة في غير اللعان ، لأن اللعان تجب فيه الفرقة الأبدية ، فإنفاذ الثلاث مؤكداً لذلك الأمر الواجب بخلاف الواقع في غير اللعان ، وبسبب لهذا أن النبي — صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — غضب من إيقاع الثلاث دفعة في غير اللعان ، وقال : « أَبْلَغُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ » كما أخرجه النسائي من حديث محمود بن لبيد .



فأجواب من أربعة أوجه

الأول : الكلام في حديث محمود بن لبيد ، فإنه تكلم فيه من جهتين :

الأولى

أنه مرسل، لأن محمود بن لبيد لم يثبت له سماع من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وإن كانت ولادته في عهده - صلى الله عليه وسلم - وذكره في الصحابة من أجل الرؤية، فقد ترجم له أحمد في مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صريح فيه بالسماع .

الثانية

أن النسائي قال بعد تخريجه لهذا الحديث: لا أعلم أحداً رواه غير مخزومة بن بكير يعني ابن الأشج عن أبيه، ورواية مخزومة عن أبيه وجادة من كتابه . قاله أحمد، وابن معير وغيرهما . وقال ابن المديني سمع من أبيه قليلاً . قال ابن حجر في التقریب روايته عن أبيه وجادة من كتابه . قاله أحمد وابن معين وغيرهما ، وقال ابن المديني : سمع من أبيه قليلاً ، قال مقبده عفا الله عنه .

أما الأعلال الأولى

بأنه مرسل فهو مردود بأنه مرسل صحابي، وراسيل الصحابة لها حكم الوصل، ومحمود بن لبيد المذكور جل روايته عن الصحابة كما قاله ابن حجر

في التقریب وغيره

والأعلال الثاني

بأن رواية مخزومة عن أبيه وجادة من كتابه فيه أن مسلماً أخرج في صحيحه عدة أحاديث من رواية مخزومة عن أبيه، والمسلمون مجمعون على قبول أحاديث مسلم إلا بموجب صريح يقتضي الرد ، والحق أن الحديث ثابت إلا أن الاستدلال به يرد .

الوجه الثاني

وهو أن حديث محمود ليس فيه التصريح بأنه - صلى الله عليه وسلم - أنفذ الثلاث ، ولا أنه لم ينفذها ، وحديث سهل على الرواية المذكورة فيه التصريح بأنه أنفذها ، والمبين مقدم على المجمل كما تقرر في الأصول ، بل بعض العلماء احتج لإيقاع الثلاث دفعة بحديث محمود هذا .

ووجه استدلاله به ، أنه لائق ثلاثاً يظن لزومها ، فلو كانت غير لازمة لبين النبي - صلى الله عليه وسلم - أنها غير لازمة ، لأن البيان لا يجوز تأخيرها عن وقت الحاجة .

الوجه الثالث

أن إمام المحدثين محمد بن إسماعيل البخاري - رحمه الله - أخرج حديث سهل تحت الترجمة التي هي قوله : « باب من أجاز الطلاق الثلاث » وهو دليل على أنه يرى عدم الفرق بين اللعان وغيره في الاحتجاج بانفاذ الثلاث دفعة .

الوجه الرابع

هو ما سيأتي من الأحاديث الدالة على وقوع الثلاث دفعة كحديث ابن عمر وحديث الحسن بن علي، وإن كان الكل لا يخلو من كلام ... وبهذا كله تعلم أن رد الاحتجاج بتقريره - صلى الله عليه وسلم - عويمراً العجلاني على إيقاع الثلاث دفعة ، بأن الفرقة بنفس

اللعان لا يخلو من نظر ، ولو سلمنا أن الفرقة بنفس اللعان فإننا لا نسلم أن سكوتة - صلى الله عليه وسلم - لا دليل فيه بل نقول: لو كانت لا تقع دفعة ليين أنها لا تقع دفعة ، ولو كانت الفرقة بنفس اللعان كما تقدم .



الدليل الثاني: ثبت في الصحيحين عن عائشة - رضي الله عنها - أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسل النبي - صلى الله عليه وسلم - أتحمّل للأول ؟ قال : حتى يدق عسبها كما ذاق الأول .

وجه الدلالة : ذكر البخاري هذا الحديث تحت ترجمة « باب من أجاز الطلاق ثلاثاً » . وقال ابن حجر ^(١) والعيني ^(٢) هو ظاهر في كونها مجموعة .

وقال الزمخشري في وجه استدلالهم بالحديث : قلم ينكر - صلى الله عليه وسلم - ذلك وهذا يدل على إباحة جمع الثلاث وعلى وقوعها ، إذ لو لم يقع لم يتوقف رجوعها إلى الأول على فوق الثاني عسبها ، وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بهذا الدليل ^(٣) فقال : وأما استدلالكم بحديث عائشة - وساق الحديث - فهذا مما لا تنازعكم فيه ، نعم ، هو حجة على من اكتفى بمجرد عقد الثاني ، ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بقم واحد ؟ بل الحديث حجة لنا ، فإنه لا يقال : فعل ذلك ثلاثاً ، وقال ثلاثاً إلاّ إسْنٌ فعل وقال مرة بعد مرة ، وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم ، كما يقال : قذفه ثلاثاً ، وشتمه ثلاثاً ، وسلم عليه ثلاثاً .

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي واعترض الاستدلال بهذا الحديث بأنه مختصر من قصة رفاة وقد قلنا قريباً أن بعض الروايات الصحيحة دل على أنها ثلاث مفرقة لا مجموعة انتهى . . ومقصوده ^(٤) بعض الروايات هي رواية مسلم « أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات فلم يجعل لنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - نفقة ولا سكنى » . ثم قال :

ورد هذا الاعتراض بأن غير رفاة قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد ، وكون الحديث الأخير في قصة أخرى كما ذكره الحافظ بن حجر في الكلام على قصة رفاة فإنه قال فيها ما نصه : وهذا الحديث إن كان محفوظاً فالواضح من سياقه أنها قصة أخرى ، وأن كلا من رفاة القرظي ، ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبد الرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمساها ، فالحكم في قصتهما متحد مع تغاير الأشخاص .

(١) فتح الباري ٣٠١/٩ .

(٢) مدة القارى ٥٤١/٩ .

(٣) زاد المعاد ١٠٨/٤ .

(٤) زاد المعاد ١١٤/٤ .

(٥) أسواء البيان ١٦٧/١ .

(٦) أسواء البيان ١٦٣/١ .

وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعة بن سموءل هو رفاعة بن وهب . . . هـ .



الدليل الثالث

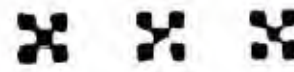
ثبت في الصحيح في قصة رفاعة القرظي وامرأته فإن فيه « فقالت : يا رسول الله إن رفاعة طلقني فبت طلاقى . . » الحديث ، وقد أخرجه البخاري تحت ترجمة (باب من أجاز الطلاق الثلاث) .

وجه الدلالة : قال الشيخ - محمد الأمين الشنقيطي ^(١) إن قولها : فبت طلاقى ظاهر في أنه قال لها : أنت طالق البتة .

وأجاب عن ذلك فقال : قال مقلده - عفا الله عنه - الاستدلال بهذا الحديث غير ناهض فيما يظهر ، لأن مرادها بقولها فبت طلاقى أي بحصول الطلقة الثالثة .

وبينه ، أن البخاري ذكر في الأدب المفرد من وجه آخر ، أنها قالت : طلقني آخر ثلاث تطليقات . وهذه الرواية تبين المراد من قولها فبت طلاقى وأنه لم يكن دفعة واحدة .

وقال شيخ الاسلام ^(٢) : وأجاب الأكثرون بأن حديث فاطمة وامرأة رفاعة إنما طلقها ثلاثاً متفرقات ، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات ، لم يطلق ثلاثاً ، لا هذا ولا هذا مجتمعات . وقول الصحابي طلق ثلاثاً ، يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ، وهذا طلاق سي واقع باتفاق الأئمة وهو المشهور على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في معنى الطلاق ثلاثاً ، وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا كان منكراً عندهم إنما يقع قليلاً فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق ، ولا يجوز أن يقال : يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا بل هذا قول بلا دليل ، بل هو خلاف الدليل .



(١) أسنواء البيان ١/١٦٦ .

(٢) مجموع الفتاوى ٧٧/٢٢ .

الدلیل الرابع

ثبت

في الصحيحين من حديث أبي سلمة بن عبد الرحمن أن فاطمة بنت قيس أخبرته : أن زوجها أبا حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثاً ، ثم انطلق إلى اليمن ، فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا : إن أبا حفص طلق امرأته ثلاثاً فهل لها نفقة ؟ فقال رسول - صلى الله عليه وسلم - : « لَيْسَ لَهَا نَفَقَةٌ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ » . وفي صحيح مسلم في هذه القصة قالت فاطمة : فأثبت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال : « كَمْ طَلَّقَكَ » ؟ قُلْتُ ثَلَاثًا . فقال : « صَدَقَ ، لَيْسَ لَكَ نَفَقَةٌ » . . وفي لفظ له قالت : يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثاً وإنني أخاف أن يقتحم علي ، وفي لفظ له عنها .. أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : في المطلقة ثلاثاً : « لَيْسَ لَهَا نَفَقَةٌ وَلَا سُكْنَى » .

وفي الصحيحين أيضاً عن فاطمة بنت قيس : أن أبا حفص بن المغيرة طلقها البتة وهو غائب الحديث . وقد جاء تفسير هذه البتة بأنها ثلاث كما سبق . .

وفي المستند أن هذه الثلاث كانت جميعاً « فروي من حديث الشعبي أن فاطمة خاصمت أخت زوجها إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - لما أخرجها من الدار ومنعها النفقة ، فقال : « مَا لَكَ وَلابْنَةِ قَيْسٍ » قال يا رسول الله إن أختي طلقها ثلاثاً جميعاً . وذكر الحديث : -

وجه الدلالة : أن لفظ البتة جاء مفسراً بأنه طلقها ثلاثاً وأنها مجموعة ، فدل على اعتبار وقوع الثلاث مجموعة إذ لو لم يكن ذلك واقعاً لبين - صلى الله عليه وسلم - بقاءها في عصمة زوجها فتأخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز في حقه - صلى الله عليه وسلم - .

وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بحديث فاطمة بنت قيس فقال (١) : أما حديث فاطمة بنت قيس فمن أصح الأحاديث ، مع أن أكثر المنازعين لنا في هذه المسألة قد خالفوه ، ولم يأخذوا به ، فأوجبوا للمبتوتة النفقة والسكنى ، ولم يلتفتوا إلى هذا الحديث ولا عملوا به وهذا قول أبي حنيفة وأصحابه .

(١) إغاثة الهمم : ٢١٣/١

وأما الشافعي ومالك فأوجبوا لها السكنى ، والحديث قد صرح فيه بأنه لا نفقة لها ولا سكنى فخالفوه ولم يعملوا به ، فإن كان الحديث صحيحاً فهو حجة عليكم ، وإن لم يكن محفوظاً بل هو غلط - كما قال بعض المتقدمين - فليس حجة علينا في جمع الثلاث فأما أن يكون لكم على منازعتكم ، وليس حجة لهم عليكم فبعد من الإنصاف والعدل .

■ هذا مع أننا نتنزل عن هذا المقام ، ونقول : الاحتجاج بهذا الحديث فيه نوع سهو من المحتج به ، ولو تأمل طرق الحديث ، وكيف وقعت القصة لم يحتج به ، فإن الثلاث المذكورة فيه لم تكن مجموعة ، وإنما كان قد طلقها تطليقتين من قبل ذلك ، ثم طلقها آخر ثلاث ، هكذا جاء مصرحاً به في الصحيح فروى مسام في صحيحه عن عبيد الله بن عتبة - أن أبا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علي بن أبي طالب - رضي الله عنه - إلى اليمن ، فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها - الحديث . . فهذا المفسر يبين ذلك المجهل وهو قوله « طلقها ثلاثاً » .

■ وقال الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب ، عن أبي سلمة ، عن فاطمة بنت قيس ، أنها أخبرته أنها كانت تحت أبي حفص بن المغيرة ، وأن أبا حفص بن المغيرة طلقها آخر ثلاث تطليقات ، وساق الحديث وذكره أبو داود ثم قال : « وكذلك رواه صالح بن كيسان ، وابن جريج ، وشعيب بن أبي حمزة ، كلهم عن الزهري .

■ ثم ساق من طريق عبد الرزاق ، عن معمر ، عن الزهري ، عن عبيد الله قال : أرسل مروان إلى فاطمة ، يسألها فأخبرته أنها كانت عند أبي حفص بن المغيرة وكان النبي - صلى الله عليه وسلم - أمر علي بن أبي طالب - رضي الله عنه - على بعض اليمن ، فخرج معه زوجها ، فبعث إليها بتطليقة كانت بقيت لها وذكر الحديث بتسامه ، والواسطة بين مروان وبينها هو قبيصة بن ذؤيب ، كذلك ذكره أبو داود في طريق أخرى . فهنا بيان حديث فاطمة بنت قيس .



قالوا : ونحن أخذنا به جميعه ، ولم نخالف شيئاً منه إذ كان صحيحاً صريحاً لا مطعن فيه ولا معارض له فمن خالفه فهو محتاج إلى الاعتذار . وقد جاء هذا الحديث بخمسة ألفاظ « طلقها ثلاثاً » و « طلقها البتة » و « طلقها آخر تطليقات » وأرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها ، « وطلقها ثلاثاً جميعاً » هذه جملة ألفاظ الحديث . وبالله التوفيق .

فأما اللفظ الخامس وهو قرلة : « طلقنها ثلاثاً جميعاً » . فهذا :

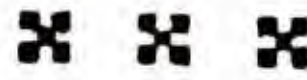
أولاً : من حديث مجالد عن الشعبي ولم يقل ذلك عن الشعبي غيره ، مع كثرة من روى هذه القصة عن الشعبي ، فتفرد مجالد على ضعفه من بينهم بقوله : « ثلاثاً جميعاً » وعلى تقدير صحته ، فالمراد به أنه اجتمع لها التطليقات الثلاث ، لا أنها وقعت بكلمة واحدة ، فإذا طلقها آخر ثلاث ، صح أن يقال : طلقها ثلاثاً جميعاً ،

فإن هذه اللفظة يراد بها تأكيد العدد ، وهو الأغلب عليها ، لا الاجتماع في الآن الواحد لقوله تعالى - :
(وَكَلَّمَ شَاءَ رَبِّكَ لَا مَنَ مَنَ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا) ^(١) فالمراد حصول الإيمان من الجميع ، لا
إيمانهم كلهم في آن واحد سابقهم ولا خلفهم .

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي بعد سياقه بعض روايات الحديث وتوجيه الاستدلال ورد التوجيه .

قال ^(٢) : ورد بعضهم هذا الاعتراض بأن الروايات المذكورة تدل على عدم تفريق الصحابة والتابعين بين
صيغ البيئتين الثلاث - يعنون لفظ البتة - والثلاث المجتمعة ، والثلاث المتفرقة ، لتعريفها في بعض الروايات بلفظ طلقني
ثلاثاً ، وفي بعضها بلفظ طلقني البتة ، وفي بعضها بلفظ فطلقني آخر ثلاث تطبيقات ، فلم تخص لفظاً منها عن
لفظ ، لعلمها بتساوي الصيغ ، ولو علمت أن بعضها لا يحرم لا حرزت منه .

قالوا : والشعبي قال لما حدثني عن طلاقك ، أي عن كفيته وحاله ، فكيف يسأل عن الكيفية ويقبل الجواب
بما فيه عنده من إجمال من غير أن يستفسر عنه؟! وأبو سلمة روى عنها الصيغ الثلاث ، فأمر كأن بينها عنده
تفاوت لا تعرض عليها باختلاف ألفاظها ، وثبت حتى يعلم منها بأن الصيغ وقعت بينونتها ، فتركه لذلك
أجل على تساوي الصيغ المذكورة عنده ، هكذا ذكر بعض الأجلة . والظاهر أن هذا الحديث لا دليل فيه
لأن الروايات التي فيها إجمال يثبتها الرواية الصحيحة الأخرى ، كما هو ظاهر ، والعلم عند الله تعالى . انتهى . .
وقد سبق في آخر الكلام على الدليل الثالث جواب مشترك لشيخ الإسلام عن الحديث الثالث ، وعن هذا
الحديث فيرجع إليه . .



الدليل الخامس

للشافعي وأبو داود والترمذي وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن ركانه بن عبد يزيد أنه طلق
امراته سهيمة البتة ، فأخبر النبي - صلى الله عليه وسلم - وقال والله ما أردت إلا واحده .

ماروله

فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : « وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً ؟ »

(١) الآية الكريمة من سورة يونس : ٩٩ .

(٢) أسنواء البيان ١/ ١٧٠ .

قال ركاته : والله ما أردت إلا واحدة . فردها اليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - .

وجه الاستدلال بهذا الحديث بتفصيح في أن النبي - صلى الله عليه وسلم - حلف ركاته ، أنه ما أراد بالبتة إلا واحدة ، فدل على أنه لو أراد بها أكثر لوقع ما أراده ولو لم يفرق الحال لم يحلفه ، ومن استدلل بهذا الحديث لمذهب الجمهور أبو بكر الرازي الجصاص قال : لو لم تقع الثلاث إذا أرادها لما استحلفه بالله ما أردت إلا واحدة . اهـ .^(١)

وكذلك ابن قدامة قال : متى ضفها ثلاثاً بكلمة واحدة أو بكلمات حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره لما روى أن ركاته بن عبد يزيد صن امرأته سهيمة البتة ثم أتى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال : يا رسول الله طلقت امرأتى سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : « والله ما أردت إلا واحدة » ؟ فقال ركاته : والله ما أردت إلا واحدة فقال : « هو ما أردت » فردها اليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رواه الترمذي والدارقطني وأبو داود وقال : الحديث صحيح .

فلو لم تقع الثلاث لم يكن للاستحلاف معنى . اهـ .^(٢) . وحديث ركاته هذا وإن تكلم فيه بعض أهل العلم فقد قبله غير واحد منهم . قال أبو الحسن علي بن محمد الطنافسي : « ما أشرف هذا الحديث »^(٣) .

روى ذلك عنه ابن ماجه في « باب طلاق البتة » من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيده عن عبد الله ابن علي بن يزيد بن ركاته ، عن أبيه عن جده .

وقال الحاكم بعد روايته من طريق الزبير بن سعيده هذه^(٤) قد انحراف الشيخان عن الزبير بن سعيده الهاشمي في الصحيحين .

غير أن لهذا الحديث متابعاً من بيت ركاته بن عبد يزيد المطلي ، فيصح به الحديث ، حدثناه أبو العباس محمد ابن محمد بن يعقوب ، أنبا الربيع بن سليمان ، أنبا الشافعي ، أخبرني محمد ابن علي بن شافع ، عن نافع بن عجير بن عبد يزيد ، أن ركاته بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ، ثم أتى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - .

فقال : إني طلقت امرأتى سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فردها اليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، فطلقها الثانية في زمن عمر ، والثالثة في زمان عثمان - رضي الله عنهما - فقد صح الحديث بهذه الرواية ، فإن الإمام الشافعي قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته ، والسائب ابن عبد يزيد أبو الشافع بن السائب ، وهو أخ ركاته بن عبد يزيد ، ومحمد بن علي بن شافع عم الشافعي شيخ قريش في عصره . اهـ . كلام الحاكم ، وصححه أيضاً ابن حبان كما في « التلخيص الحبير » للحافظ ابن حجر هذا بالنسبة لرواية الزبير بن سعيده .

أما رواية نافع بن عجير فقد صححها أبو داود كما جاء في سنن الدارقطني^(٥) فقد قال بعد أن ساقها : « قال أبو داود هذا حديث صحيح » .

(١) أحكام القرآن ٤٥٩/١ .

(٢) الكافي ٧٨٦/٢ .

(٣) سنن ابن ماجه ٦٣٢/١ .

(٤) المستدرک ١٩٩/١ - ٢٠٠ .

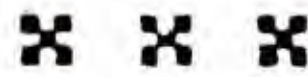
(٥) سنن الدارقطني ٤٣٩/٢ .

ونقل ذلك عن الدارقطني أبو بكر بن العربي^(۱) وجزم به في (العارضة). والمنذري في مختصر سنن أبي داود. والقرطبي في تفسيره^(۲) واعتمد عليه وتعجب به دعوى الاضطراب في هذا الحديث. وكذلك قال الحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير « صححه أبو داود » ومن ارتضى ملك الإمام أبي داود في هذه الرواية الحافظ أبو عمر بن عبد البر - رحمه الله - فقد قال : كما في « تفسير القرطبي »^(۳) رواية الشافعي لحديث ركاة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردّها الأصول فوجب قبولها لثقة ناقلها، والشافعي وعنه وجده أهل بيت ركاة كلهم من بني عبد المطلب بن عبد مناف، وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم « ۱. ۱. »

وأما الحافظ بن كثير فيرى: أن الحديث حسن حسبما نقله عنه الشوكاني في « نيل الأوطار » بهذا كله ظهرت قوة رواية نافع بن عجير . . . وأما اعلال رواية نافع بن عجير بدعوى جهالة فلا وجه له لأن نافعاً هذا بعيد من الجهالة إذ هو نافع بن عجير، بن عبد يزيد، بن المطلب، بن عبد مناف القرشي. فأخو ركاة ذكره ابن حبان في الثقات، وذكره بعض من صنف في الصحابة. قال الحافظ بن حجر في تهذيب التهذيب: ذكره ابن حبان أيضاً في الصحابة، وكذا أبو القاسم البغوي وأبو نعيم وأبو موسى في الذيل وغيرهم، وقد بينت أمره في مختصري في الصحابة « ۱. ۱. » ويعني الحافظ مختصره في الصحابة « الإصابة في تمييز الصحابة » وقد ذكره فيه قال : « ذكره البغوي في الصحابة، وذكر له حديثه في « البتة » ونكلم على رواياته ثم قال : « وذكره ابن حبان في الصحابة » ۱. ۱. »

ومن جزم بتصحيح أبي داود لهذا الحديث المجد بن تيمية في « المنتقى » بشرح نيل الأوطار إلا أنه عزا إليه التحسين والتصحيح معاً ونصه^(۴) « قال أبو داود - أي في حديث نافع بن عجير - هذا حديث حسن صحيح » وفي جزمه هو وابن العربي والمنذري والقرطبي والحافظ بن حجر بتصحيح أبي داود لهذه الرواية الرد على من قال: بأن أبا داود لم يحكم بصحة حديث نافع ابن عجير، وإنما قال فيه: « هذا أصح من حديث ابن جريج... الخ » وهذا لا يدل على أن الحديث عنده صحيح، فإن حديث ابن جريج ضعيف، وحديث نافع بن عجير ضعيف، وإنما يعني أبو داود أنه أصح الضعيفين عنده « ۱. ۱. »

ومما بقوي حديث نافع بن عجير في البتة صنع الأئمة الذين أوردوه في مصنفاتهم في الحديث، فقد قال الدارمي في مسنده : « باب في الطلاق البتة » وقال أبو داود ما جاء في « البتة » وقال الترمذي : « باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة » .



(۱) العارضة على الترمذي ۱۳۰/۵

(۲) تفسير القرطبي ۱۳۲/۳ .

(۳) تفسير القرطبي ۱۳۲/۳ .

(۴) نيل الأوطار ۲۲۷/۶ .

الجواب عن حديث ركائه

أما حديث ركائه فقد ضعف الإمام أحمد بن حنبل جميع طرقه كما ذكره المنفري ، وكذلك ضعفه البخاري قال الترمذي في « باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة » من سنته بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيّد بن عبد الله بن يزيد بن ركائه عن أبيه عن جده قال ^(١) : « سألت محمداً - يعني البخاري - عن هذا الحديث فقال : فيه اضطراب ، و يروى عن عكرمة عن ابن عباس أن ركائه طلق امرأته ثلاثاً » اهـ . وذكر الترمذي في موضع آخر ^(٢) أن حديث ركائه مضطرب فيه ، تارة قيل فيه « ثلاثاً » وتارة قيل فيه « واحدة » .

فعلى قول هذين الإمامين أحمد بن حنبل والبخاري لا احتجاج برواية « ثلاثاً » ولا برواية « البتة » بل غاية ما في الأمر أن تتساقط الروايتان المتعارضتان فيرجع إلى غيرهما كما ذكره الزرقاني ، وعلى غير ذلك المسلك الذي سلكه الإمامان أحمد بن حنبل والبخاري نقول : إن لهذا الحديث روايتين :

^١ أحدهما : عند الإمام أحمد بن حنبل « ثنا سعد بن إبراهيم ، ثنى أبي عن محمد بن إسحاق ، قال : حدثني داود ابن الحصين ، عن عكرمة مولى ابن عباس ، عن ابن عباس قال : طلق ركائه بن عبد يزيد أخو بني مطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد ، فحزن عليها حزناً شديداً قال : فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم « كيف طلقتهما ؟ » قال طلقتهما ثلاثاً ، فقال : « في مجلس واحد ؟ » قال : نعم . قال « فإنما تلك واحدة » ، فأرجعهما إن شئت » قال : فراجعهما فكان ابن عباس يرى إنما للطلاق عند كل طهر .

وقد أجيب عن هذه الرواية فقال البيهقي : « إن هذا الإسناد لا تقوم به الحجة مع ثمانية رواة عن ابن عباس - رضي الله عنهما - فتياه ، بخلاف ذلك ومع رواية أولاد ركائه أن طلاق ركائه كان واحدة » يعني البيهقي بأولئك الثمانية الذين رواه ابن عباس ، بخلاف ذلك سعيد بن جبير

(١) مختصر سنن أبي داود ١٢٢/٣ .

(٢) جامع الترمذي ١٢٢/٥ .

وعطاء بن أبي رباح، ومجاهداً، وعكرمة، وعمرو بن دينار، ومالك ابن الحارث، ومحمد بن إياس ابن الكبير، ومعاوية بن أبي عياش الأنصاري، وقد ذكر رواياتهم: عنه^(١) في «باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك» ويعني برواية أولاد ركانة روايتهم أن ركانة إنما طلق امرأته البتة التي جزم أبو داود بأنها أصح، لأنهم أهله وهم أعلم بخبره كما سيأتي.

الثانية

ما أخرجه أبو داود في «سننه» قال: حدثنا أحمد بن صالح، نا عبد الرزاق بن جريج، أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي - صلى الله عليه وسلم - عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة، ونكح امرأة من مزينة، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: ما بقني عنى إلا كما تقني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه فأخذت النبي - صلى الله عليه وسلم - حمية فدعا بركانة وإخوته. ثم قال بللسائه: «أَتَرَوْنَ فَلَانًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَاً وَكَذَا مِنْ عَبْدِ يَزِيدَ، وَفَلَانٌ يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَاً وَكَذَا؟»

قالوا: نعم.

قال النبي - صلى الله عليه وسلم - لعبد يزيد «طَلَّقْهَا» ففعل.

قال: «رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أَمْ رُكَّانَةٌ وَإِخْوَتُهُ» فقال: إني طلقته ثلاثاً يا رسول الله. قال: «قَدْ عَلِمْتُ فَرَاجِعِهَا» وتلا: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ)^(٢).

وقد أجيب عن هذه الرواية بما يلي:

■ - اعلالها بجهالة بعض بني أبي رافع: قال الخطابي^(٣) في اسناد هذا الحديث مقال، لأن ابن جريج إنما رواه عن بعض بني أبي رافع ولم يسمه والمجهول لا تقوم به الحجة.

وقال ابن حزم: هذا لا يصح لأنه من غير مسمى من بني أبي رافع، ولا حجة في مجهول، وما نعلم في بني أبي رافع من يحتاج به إلا عبيد الله وحده، وسائرهم مجهولون^(٤).

وقال ابن القيم^(٥): إن ابن جريج إنما رواه عن بعض بني أبي رافع مولى النبي - صلى الله عليه وسلم - عن عكرمة، عن ابن عباس، ولأبي رافع بنون، ليس فيهم من يحتاج به إلا عبيد الله بن أبي رافع، ولا

(١) السنن الكبرى للبيهقي ٣٢٧/٧.

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١.

(٣) معان السنن ١٢٦/٣.

(٤) المحل - ١٦٨/١٠.

(٥) تهذيب سنن أبي داود ١٢١/٣.

نعلم هل هو هذا أو غيره ، ولهذا - والله أعلم - رجح أبو داود حديث نافع بن عجير عليه . اهـ .

وقد يقال ، بأن في هذا الإعلال نظراً ، لأن كلام أبي داود في غاية التصريح ، بأن ترجيحه لحديث نافع ابن عجير إنما هو لأنهم أهل بيت ركانة وأهل بيت الشخص أعلم بخبره . . . وقد استجاز الحافظ زين الدين العراقي أن يكون ذلك المجهول الفضل بن عبيد الله بن رافع ^(١) وتبعه في ذلك ابن حجر في « تقريب التهذيب » والخزرجي في « الخلاصة » لكن ذكر الحافظ بن رجب في « مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة » أن ذلك الرجل الذي لم يسم في رواية عبد الرزاق : هو محمد ابن عبيد الله بن أبي رافع ، قال ابن رجب : وهو رجل ضعيف الحديث بالاتفاق ، وأحاديثه منكرة ، وقبل إنه منروك فسقط هذا الحديث حيثئذ . اهـ .

وأورد له الذهبي في « ميزان الاعتدال » عدة مناكير من روايته عن أبيه عن جده وقال : قال فيه يحيى بن معين : ليس حديثه بشيء ، وقال أبو حاتم : منكر الحديث جداً ، وقال ابن على : هو في عداد شعبة الكوفة . اهـ .

■ - إن رواية محمد بن ثور الثقة العابد الكبير ليس فيها أنه طلقها ثلاثاً وإنما فيها « إني طلقنها » وهي عند الحاكم في تفسير سورة الطلاق قال الحاكم ^(٢) : أخبرنا أبو عبد الله محمد بن علي الصنعاني بمكة ، ثنا علي بن المبارك الصنعاني ، ثنا يزيد بن المبارك ، ثنا محمد بن ثور ، عن ابن جريج ، عن محمد بن عبيد الله ابن أبي رافع مولى النبي - صلى الله عليه وسلم - عن عكرمة ، عن ابن عباس - رضي الله عنهما - قال :

« طلق عبد يزيد أبو ركانة أم ركانة ثم نكح امرأة من مزينة فجاءت إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقالت : يا رسول الله ما بُغني عني إلا كما بُغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ، فأخذت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - حميةً عند ذلك ، فدعا ركانة وإخوته ثم قال لجلسائه : « أترونها كذاً من كذا » ؟ فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لعبد يزيد « طلقنها » . ففعل . فقال لأبي ركانة : « ارتجعنها » فقال : يا رسول الله إني طلقنها ثلاثاً فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : « قد علمت ذلك فارتجعنها » فنزلت : (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن) ^(٣)

ويرى ابن رجب تقديم رواية محمد بن ثور هذه على رواية عبد الرزاق محتجاً بأن عبد الرزاق حدث في آخر عمره بأحاديث منكرة جداً في فضائل أهل البيت وذم غيرهم ، قال : وكان له ميل إلى التشيع ، وهذا الحكم مما يوافق هوى الشيعة .

(١) المستفاد من سبحات المتن والاسناد : ٩٦ .

(٢) المستدرك : ٢٩١/٢ .

(٣) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

■ - أن في حديث ابن جريج غلطاً : لأن عبد يزيد لم يدرك الإسلام ، نبه على ذلك الحافظ الذهبي في كتابه « تلخيص المستدرک » و « التجريد لأسماء الصحابة » وقال ^(۱) تعقياً لقول الحاكم في حديث محمد بن ثور عن ابن جريج المتقدم : « هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه » قال محمد - أي ابن عبيد الله ابن أبي رافع - : « واه ، والخبر خطأ وعبد يزيد لم يدرك الإسلام » وقال ^(۲) عبد يزيد بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف : أبو ركانة طلق أم ركانة وهذا لا يصح والمعروف أن صاحب القصة ركانة . اه .

■ - حصل الحديث على أنه من قبيل الرواية بالمعنى وذلك لأن الناس قد اختلفوا في البتة فقال بعضهم : هي ثلاثة ، وقال بعضهم : هي واحدة ، وكان الراوي مدين يذهب مذهب الثلاث . فحكى أنه قال : « طلقها ثلاثاً » يريد « البتة » التي حكمها عنده حكم الثلاث ذكر ذلك الخطابي ^(۳) . . وقال النووي في شرح صحيح مسلم « ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد أن لفظ « البتة » يقتضي الثلاث فرواه بالمعنى الذي فهمه وغلط في ذلك » اه .

■ - أن حديث عبد الرزاق لو صح متنه ليس فيه أنه طلقها ثلاثاً بكلمة واحدة ، فيحمل على أنه طلقها ثلاثاً في مرات متعددة ، وتكون هذه الواقعة قبل حصر عدد الطلاق في الثلاث ، ذكر هذا المثلک الحافظ بن رجب في كتابه : « مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة » : . .

■ - أن قضية ركانة من باب خصائص النبي - صلى الله عليه وسلم - فإن له أن يخص من شاء بما شاء من الأحكام ، فقد قال ضمن الأحكام التي خص بها من شاء ، قال : « وإعادة امرأة أبي ركانة إليه بعد أن طلقها ثلاثاً من غير محلل » اه .

■ - أن رواية أهل بيت ركانة أن ركانة طلق امرأته البتة أولى بالتقديم على رواية من يروي أنه إنما طلقها ثلاثاً وهذا مذكور في « تلخيص المستدرک » ۱۹۱/۲ . قال أبو داود في « باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث » ^(۱) « من سنه » حدثنا أحمد بن صالح . ثنا عبد الرزاق : أخبرنا ابن جريج أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي - صلى الله عليه وسلم - عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة . فجاءت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقالت : ما يغني عني إلا كما يغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها . ففرق بيني وبينه ، فأخذت النبي - صلى الله عليه وسلم - حمية . . إلى آخر الحديث المتقدم ثم قال : وحديث نافع بن عجير وعبد الله بن علي بن يزيد ابن ركانة عن أبيه عن جده . أن ركانة طلق امرأته البتة فردها إليه النبي - صلى الله عليه وسلم - أصح ، لأنهم ولد الرجل وأهله أعلم به . إن ركانة إنما طلق امرأته البتة فجعلها النبي - صلى الله عليه وسلم - واحدة . اه .

(۱) تلخيص المستدرک ۱۹۱/۲ .

(۲) التجريد ۳۸۸ .

(۳) معجم السنن ۱۲۲/۳ .

(۴) سنن أبي داود ۵۰۷/۱ ، ۵۰۸ .

وأوضح الأمر غاية الإيضاح في « باب في البتة » فقال : حدثنا ابن السرح ، وإبراهيم بن خالد الكلبي أبو نور في آخرين : قالوا ثنا محمد بن إدريس الشافعي ، حدثني عمي محمد بن علي بن شافع ، عن عبيد الله بن علي بن السائب عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ، فأخبر النبي - صلى الله عليه وسلم - بذلك وقال : والله ما أردت إلا واحدة ، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : « وآله ما أردت إلا واحدة ؟ » فقال ركانة : « وآله ما أردت إلا واحدة » . فردها إليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فطلقها الثانية في زمان عمر ، والثالثة في زمان عثمان . قال أبو داود أوله لفظ إبراهيم ، وآخره لفظ ابن السرح . . حدثنا محمد بن بونس النسائي ، أن عبد الله بن الزبير حدثهم عن محمد بن إدريس ، حدثني عمي محمد بن علي عن ابن السائب ، عن نافع بن عجير ، عن ركانة بن عبد يزيد ، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - بهذا الحديث .

■ حدثنا سليمان بن داود العتكي ، ثنا جرير بن حازم ، عن الزبير بن سعيّد ، عن عبد الله بن علي بن يزيد بن رُكانة عن أبيه عن جده ، أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - .

فقال : « ما أردت ؟ »

قال : واحدة .

قال : وآله ؟

قال : آله .

قال : « هو على ما أردت » .

قال أبو داود : وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته وهم أعلم به ، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس ؓ .

وقال ابن عبد البر في رواية الشافعي ^(١) « رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أم ، وقد زاد زيادة لا تردّها الأصول فوجب قبولها ثقة ناقلها ، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بني المطلب بن عبد مناف وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم . »

وقال القرطبي بعد أن ذكر رواية الدارقطني حديث الشافعي من طريق أبي داود ^(٢) قالذي صح من حديث ركانة أنه طلق امرأته البتة لا ثلاثاً ، وطلاق البتة قد اختلف فيه على ما يأتي بيانه فسقط الاحتجاج بغيره والله أعلم . . . ومن قوى هذا المسلك الحافظ بن حجر قال ^(٣) : « إن أبا داود رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة

(١) تفسير القرطبي ١٣١/٢ - ١٣٢ .

(٢) تفسير القرطبي ١٣١/٢ .

(٣) فتح الباري ٢٩٧/٩ .

كما أخرجه هو من طريق آل ركاة وهو تعليل قوي لجواز أن يكون بعض رواه حمل « البتة » على الثلاث فقال « طلقها ثلاثاً » فهذه النكته يقف الاستدلال بحديث ابن عباس ، ولشيخ الاسلام ابن تيمية مناقشة لحديث ركاة هذا ، ذكرها في كلامه على المقارنة الاجمالية بين أدلة الفريقين تركنا ذكرها هنا وتذكر في آخر البحث.

وقد أجاب ابن القيم أيضاً عن حديث ركاة فقال (۱) : وأما حديث نافع بن عجير الذي رواه أبو داود أن ركاة طلق امرأته البتة فأحلفه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ما أراد إلا واحدة ، فمن العجب تقديم نافع ابن عجير المجهول الذي لا يعرف حاله البتة ، ولا يدري من هو ولا ما هو ، على ابن جريج ومعمّر وعبدالله ابن طاوس في قصة أبي الصهباء ، وقد شهد إمام الحديث محمد بن اسماعيل البخاري بأن فيه اضطراباً . هكذا قال الترمذي في الجامع ، وذكر عنه في مواضع أنه مضطرب ، فتارة يقول : « طلقها ثلاثاً » وتارة يقول : « واحدة » وتارة يقول : « البتة » وقال الإمام أحمد : وطرقه كلها ضعيفة ، وضعفه أيضاً البخاري حكاه المنذري عنه . ثم كيف يقدم هذا الحديث المضطرب المجهول رواه على حديث عبد الرزاق عن ابن جريج لجهالة بعض بني أبي رافع ، وأبو رافع هذا وأولاده تابعيون وإن كان عياله أشهرهم ، وليس فيهم متهم بالكذب . ۱۹

وقد روى عنه ابن جريج ومن يقبل رواية المجهول ، أو يقول رواية العدل عنه تعديل له فهذا حجة عنده ، تأما أن يضعفه ويقدم عليه رواية من هو مثله في الجهالة أو أشد فكلاً ، فغاية الأمر أن يتساقط روايتا هذين المجهولين ويعمل إلى غيرهما ، وإذا فعلنا ذلك نظرنا في حديث سعد ابن ابراهيم فوجدناه صحيح الاسناد ، وقد زالت علة تدليس محمد بن اسحاق بقوله : « حدثني داود بن الحصين » ولكن رواه أبو عبدالله الحاكم في مستدركه وقال اسناده صحيح فوجدنا الحديث لا علة له .

وقد احتج أحمد بإسناده في مواضع ، وقد صحح هو وغيره بهذا الاسناد بعينه « أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رد زينب على زوجها أبي العاص بن الربيع بالنكاح الأول ولم يُحدث شيئاً » وأما داود بن الحصين عن عكرمة فلم تزل الأئمة نحتج به ، وقد احتجوا به في حديث « العربا » فيما شك فيه ولم يجزم به من تقديرها بخمسة أسن أو دونها ، مع كونها على خلاف الأحاديث التي نهي فيها عن بيع الرطب بالتمر فما ذنبه في هذا الحديث سوى رواية ما لا يقولون به وإن قد حتم في عكرمة - ولعلكم فاعلون - جاءكم ما لا قبل لكم به من التناقض فيما احتججتم به أنتم وأئمة الحديث من روايته ، وارتضاء البخاري لإدخال حديثه في صحيحه .

(۱) زاد المعاد ۱/ ۱۱۵-۱۱۶ ، وإغاثة الملهان ۱/ ۳۱۵-۳۱۶ .

الدليل السادس

روى

الدارقطني من حديث الحسن البصري قال : حدثنا عبد الله أنه طلق امرأته وهي حائض ، ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين آخرين عند القراءين فبلغ ذلك رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال : « يَا ابْنَ عُمَرَ ، مَا هَكَذَا أَمَرَكَ اللَّهُ تَعَالَى ، إِنَّكَ قَدْ أَخْطَأْتَ السَّنَةَ وَالسَّنَةُ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الظُّهْرَ فَتُطْلَقَ عِنْدَ ذَلِكَ أَوْ أَمْسِكَ » ، فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها ؟ قال : « لَا . كَأَنَّ تَبِينَ مِنْكَ وَتَكُونُ مَعْصِيَةً » .

وأجيب بمعارضته بما رواه الدارقطني في سننه : نا محمد بن أحمد بن يوسف بن يزيد الكوفي أبو بكر بيغداد ، وأبو بكر أحمد بن دارم ، قالوا : نا أحمد بن موسى بن اسحاق ، نا أحمد بن صبيح الأسدي ، نا ظريف ابن ناصح عن معاوية ، عن عمار الدهني ، عن أبي الزبير ، قال : سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض ؟ فقال : أتعرف ابن عمر ؟ قلت : نعم . قال : طلق امرأتى ثلاثاً على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وهي حائض ، فردها رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى السنة .

ففيه دليل على أنه طلقها ثلاثاً بالفعل وردت إلى الواحدة .

وأجاب القرطبي وابن رجب عن حديث تطليق ابن عمر امرأته ثلاثاً وهي حائض ورد النبي - صلى الله عليه وسلم - ذلك إلى السنة ، قال القرطبي : ^(١) مانعه : قال الدارقطني - أي في رواته - كلهم من الشيعة ، والمحفوظ أن ابن عمر طلق امرأته واحدة في الحيض قال عبيد الله : وكان تطليقه إياها في الحيض واحدة غير أنه خالف السنة ، وكذلك قال صالح بن كيسان ، وموسى بن عقبة ، وإسماعيل بن أمية ، وليث بن سعد ، وابن أبي ذئب وابن جريج ، وجابر ، وإسماعيل بن إبراهيم بن عقبة ، عن نافع ، أن ابن عمر طلق تطليقة واحدة . وكذلك قال الزهري عن سالم ، عن أبيه ، ويونس بن جبير ، والشعبي ، والحسن . أهـ . كلام القرطبي .

وممن ذكر رواية الليث ابن سعد مسلم بن الحجاج في صحيحه قال : حدثنا يحيى بن يحيى وقتيبة بن سعيد ، وابن رمح ، واللفظ ليحيى قال قتيبة : حدثنا ليث ، وقال الآخرون : أخبرنا الليث بن سعد ، عن

(١) تفسير القرطبي ١٣٠/٢ .

نافع عن عبد الله أنه طلق امرأة له وهي حائض تطليقة واحدة فأمره رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر ، ثم تحيض عنده حية أخرى ثم يمسكها حتى تطهر من حیضها ، فإن أراد أن يطلقها فليطلقها حين تطهر من قبل أن يجامعها ، فذلك العدة التي أمر الله أن يطلق لها النساء . وزاد ابن رمح في روايته وكان عبد الله إذا سُئِلَ عن ذلك قال لأحدس : أما أنت إن طلقت امرأتك مرة أو مرتين فإن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أمرني بهذا ، وإن كنت طلقته ثلاثاً فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك .

قال مسلم : جود الليث في قوله « تطليقة واحدة » يعني مسلم بذلك كما بينه النووي أن الليث حفظ وأنقذ قدر الطلاق الذي لم يتقنه غيره ، ولم يمهله كما أمهله غيره ، ولا غلط فيه وجعله ثلاثاً كما غلط فيه غيره .



وقد أطال الدارقطني في سرد الروايات عن الأئمة المذكورين وأتى في ذلك بما لا بدع مجالاً للشك في أن تطليقة ابن عمر لامرأته كانت واحدة . كما صرح النووي في شرح صحيح مسلم ، بأن الروايات الصحيحة التي ذكرها مسلم وغيره أن ابن عمر إنما طلق امرأته واحدة .

وقال (١) الحافظ ابن رجب في الرد على رولية الثلاث أيضاً : قد كان طائف من الناس يعتقدون أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً ، وأن النبي - صلى الله عليه وسلم - إنما ردها عليه لأنه لم يوقع الطلاق في الحيض ، وقد روى ذلك عن أبي الزبير أيضاً من رواية معاوية بن عمار الدهني عنه . فلعل أبا الزبير اعتقد هذا حقاً فروى تلك اللفظة بالمعنى الذي فهمه ، وروى ابن لمبة هذا الحديث عن أبي الزبير فقال عن جابر أن ابن عمر طلق امرأته وهي حائض ، وأخطأ في ذكر جابر في هذا الإسناد ، وتفرّد بقوله : « فإنها امرأته » ولا يدل على عدم وقوع الطلاق إلا على تقدير أن يكون ثلاثاً ، فقد اختلف في هذا الحديث على أبي الزبير . وأصحاب ابن عمر الثقات الحفاظ العارفون به الملازمون له لم يختلف عليهم فيه .

فروى أيوب عن ابن سيرين قال : مكث عشرين سنة يحدثني من لا أتهمهم أن ابن عمر طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض ، فأمره النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يراجعها . فجعلت لا أتهمهم ولا أعرف الحديث حتى لقيت أبا غلاب يونس بن جبير وكان ذا نيت ، فحدثني أنه سأل ابن عمر فحدثه أنه طلقها واحدة . خرجه مسلم وفي رواية : قال له ابن سيرين : فجعلت لا أعرف للحديث وجهاً ولا أفهمه . وهذا يدل على أنه كان قد شاع بين الثقات من غير أهل الفقه والعلم ، أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً ولعل أبا الزبير من هذا القبيل . ولذلك كان نافع يسأل كثيراً عن طلاق ابن عمر . هل كان ثلاثاً أو واحدة ؟ ولما قدم نافع مكة أرسلوا إليه من مجلس عطاء يسألونه عن ذلك .

(١) جامع العلوم والحكم - ٥٦-٥٧ - شرح حديث « من عل سلا ليس عليه أمرنا فهو رد » .

واستكار ابن مسيرين لرواية الثلاث يدل على أنه لم يعرف قائلًا معتبراً يقول : إن الطلاق المحرم غير واقع ، وأن هذا القول لا وجه له . قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث ، وسئل عن قال : لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال : هذا قول سوء رديء ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحضر . وقال أبو عبيدة : الوقوع هو الذي عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم ونهامهم وبمنهم وشامهم وعراقهم ومصرهم ، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم ، إلا ناساً من أهل البدع لا يعتد بهم .

وقد أجاب ابن القيم عن حديث ابن عمر من رواية الحسن فقال^(١) : وأما حديث الحسن عن ابن عمر فهو أمثل هذه الأحاديث الضعاف . قال الدارقطني : حدثنا علي بن محمد بن عبيد الحافظ ، حدثنا محمد بن شاذان الجوهري ، حدثنا يعلى بن منصور ، حدثنا شعيب بن زريق ، أن عطاء الخراساني حدثهم عن الحسن ، قال : حدثنا عبدالله بن عمر - فذكره - وشعيب وثقه الدارقطني ، وقال أبو الفتح الأزدي فيه لين وقال البيهقي وقد روى هذا الحديث ، وهذه الزيادات انفرد بها شعيب وقد تكلموا فيه .

ولا ريب أن الثقات الاثبات الأئمة رَوَوْا حديث ابن عمر فلم يأت أحد منهم بما أتى به شعيب البتة ، ولهذا لم يرو حديثه . هذا أحد من أصحاب الصحاح ، ولا السنن .



الدليل السابع

الدارقطني من حديث ابراهيم بن عبيدالله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده ، قال : « طلق بعض آبائي امرأته ألفاً فانطلق بنوه إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقالوا يا رسول الله إن أبانا طلق امرأته ألفاً ، فهل له من مخرج ؟ فقال : « إن أبناكم لم يتق الله فبجعل له مخرجاً ، بانت منه بثلاث على غير السنن ويسعياته وسبته ويسعون إنهم في عنقه » .

قال ابن القيم^(٢) : وأما حديث عبادة بن الصامت الذي رواه الدارقطني فقد قال عقيب إخرجه : رواه مجهولون وضعفاء ، إلا شيخنا وابن عبد الباقي .

(١) إغاثة اللهفان ٣١٨/١ .

(٢) إغاثة اللهفان ٣١٧/١ .

الدلیل الثامن

روى

الدارقطني من حديث حماد بن زيد ، حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس قال : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ ، سَمِعْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ : « يَا مُعَاذُ مَنْ طَلَّقَ لِبَيْدَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ اثْنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا الزَّمَنَاءُ بِدَعْتِهِ » .

ورد بأن في إسناده اسماعيل بن أمية الذراع وهو ضعيف .

قال ابن القيم ^(۱) وأما حديث معاذ بن جبل فلقد دوت مسألة يحتج فيها بمثل هذا الحديث الباطل ، والدارقطني إنما رواه للمعرفة وهو أجل من أن يحتج به ، وفي إسناده اسماعيل ابن أمية الذراع ، يرويه عن حماد قال الدارقطني بعد روايته : اسماعيل بن أمية ضعيف متروك الحديث .

× × ×

الدليل التاسع

روى

الدارقطني من حديث زاذان عن علي - رضي الله عنه - قال : سمع النبي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - رجلاً طلق البتة فغضب ، وقال : « اتَّخَذُوا آيَاتَ اللَّهِ هُزُؤًا ، أَوْ دِينَ اللَّهِ هُزُؤًا أَوْ لَعِبًا . مَنْ طَلَّقَ الْبَتَّةَ الزَّمَنَاءُ ثَلَاثًا ، لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ » .

(۲) إغاثة المفان ۱/ ۳۱۷ .

ورد هذا^(١) الحديث بأن فيه اسماعيل بن أمية القرشي ، قال فيه الدارقطني كوفي ضعيف .

وقال ابن القيم : قلت وفي اسناده مجادل وضعفاء .

وأما الاجتماع فقد نقله كثير من العلماء في مسألة التزاع وقالوا إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي :
لاجماع أكثر من الخبر المنفرد ، وذلك أن الخبر مُجَوِّزُ الخطأ والوهم على راويه بخلاف الاجماع فإنه معصوم ..
ومن حكى الإجماع على لزوم الثلاث في الطلاق بكلمة واحدة، أبو بكر الرازي، والباجي، وابن العربي وابن رجب .

قال أبو بكر الرازي^(٢) : فالكتاب والسنة واجماع السلف توجب ابقاء الثلاث معاً وإن كان معصية .

وقال الباجي : من أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء
وحكى القاضي أبو محمد في اشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلاق واحدة ، وعن بعض أهل الظاهر لا يلزمه
شيء وإنما يروي هذا عن الحجاج بن أرطاة ومحمد بن اسحاق، والدليل على ما نقوله : اجماع الصحابة لأن
هذا مروي عن ابن عمر وعمران بن حصين ، وعبد الله بن مسعود وابن عباس وأبي هريرة ، وعائشة - رضي
الله تعالى عنهم - ولا مخالف لهم وما روى عن ابن عباس في ذلك من رواية طاوس، قال فيه بعض المحدثين
وهم ، وقد روى ابن طاوس عن أبيه وكذا عن ابن وهب خلاف ذلك، وإنما وقع الوهم في التأويل . اهـ .^(٣)

وقال القاضي أبو بكر بن العربي في ضمن أجوبته عن حديث ابن عباس قال : إنه حديث مختلف في
صحته فكيف يقدم على إجماع الأمة، ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين
وقد سبق العصران الكريمان، والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما
يقبلون منكم نقل العدل عن العدل ، ولا تجدد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً . اهـ .^(٤)

وقال بعد ما بين أن المراد بالطلاق في الآية الكريمة (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(٥) المشروع قال : قد نقول بأن
شبهه ليس بمشروع لولا تظاهر الأخبار^(٦) وقال ابن رجب في بيان مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق
الثلاث واحدة : « اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في
الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سبق بلفظ
واحد ، اهـ .

(١) إغاثة الملهان ١/٣١٧ .

(٢) أحكام القرآن ١/٤٥٩ .

(٣) التنقيح ٢/٤ .

(٤) المدح والنسج .

(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٦) أحكام القرآن ١/٨١ .

وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بالاجماع ميبناً وجوه نقضه فقال : وبيان هذا من وجوه :

أحدها

ما رواه أبو داود وغيره من حديث حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن اعباس - رضي الله عنهما - : إذا قال : أنت طالق ثلاثاً بضم واحد ، فهي واحدة وهذا الإسناد على شرط البخاري . . . وقال عبد الرزاق : أخبرنا معمر عن أيوب قال : دخل الحكم بن عيينة على الزهري بمكة ، وأنا معهم ، فسأله عن البكر تطلق ثلاثاً ؟ فقال : مثل عن ذلك ابن عباس ، وأبو هريرة ، وعبد الله بن عمرو ، فكلهم قالوا : لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره ، قال : فخرج الحكم وأنا معه فأتى طاوساً وهو في المسجد ، فأكب عليه فسأله عن قول ابن عباس فيها ، وأخبره بقول الزهري ، قال : قرأت طاوساً رفع يديه تعجباً من ذلك وقال : والله ما كان ابن عباس يجعلها إلا واحدة .

أخبرنا ابن جريج قال : وأخبرني حسن بن مسلم عن ابن شهاب أن ابن عباس قال : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً ، ولم يجمع ، كن ثلاثاً ، قال : فأخبرت طاوساً ، فقال : أشهد ما كان ابن عباس يراهن إلا واحدة . . . فقوله : إذا طلق ثلاثاً ولم يجمع كن ثلاثاً أي إذا كن متفرقات ، فدل على أنه إذا جمعهن كانت واحدة . وهذا هو الذي حلف عليه طاوس أن ابن عباس كان يجعله واحدة . ونحن لا نشك أن ابن عباس صح عنه خلاف ذلك ، وأنها ثلاث ، فهما روايتان ثابتتان عن ابن عباس بلا شك .



أن هذا مذهب طاوس ، قال عبد الرزاق : أخبرنا ابن جريج عن ابن طاوس عن أبيه أنه كان لا يرى طلاقاً ما خالف وجه الطلاق ، ووجه العدة ، وأنه كان يقول : يطلقها واحدة ، ثم يدعها حتى تنقضي عدتها . . . وقال أبو بكر بن أبي شيبة : حدثنا اسماعيل بن علية عن ليث عن طاوس وعطاء أنهما قالوا : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فهي واحدة .

الوجه الثاني



أنه قول عطاء بن أبي رباح . قال ابن أبي شيبة : حدثنا محمد بن بشر ، حدثنا اسماعيل عن قتادة عن طاوس وعطاء وجابر بن زيد أنهم قالوا : إذا طلقها ثلاثاً

الوجه الثالث

قبل أن يدخل بها فهي واحدة .

× × ×

أنه قول جابر بن زيد كما تقدم .

الوجه الرابع

× × ×

أن هذا مذهب محمد بن اسحاق عن داود بن الحصين ، حكاه عنه الإمام أحمد في رواية الأثرم ، ولفظه : حدثنا سعيد بن إبراهيم عن أبيه عن ابن إسحاق عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس « أن ركاة طلق امرأته ثلاثاً ، فجعلها النبي - صلى الله عليه وسلم - واحدة » قال أبو عبد الله : « وكان هذا مذهب ابن إسحاق ، يقول : خالف السنة ، فيرد إلى السنة » . .

الوجه الخامس

× × ×

أنه مذهب اسحاق بن راهويه في البكر . قال محمد بن نصر المروزي في كتاب « اختلاف العلماء » له : « وكان اسحاق يقول : طلاق الثلاث للبكر واحدة ، وتأول حديث طاوس عن ابن عباس « كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وعمر يجعل واحدة » على هذا ، قال : « فإن قال لها - ولم يدخل بها - أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق . فإن سفيان وأصحاب الرأي ، والشافعي ، وأحمد ، وأبا عبيد قالوا : بانت منه بالأولى ، وليست الثتان بشيء ، لأن غير المخلول بها تبين بواحدة ، ولا عدة عليها » .

الوجه السادس

وقال مالك ، وربيعة ، وأهل المدينة ، والأوزاعي ، وابن أبي ليلى إذا قال لها ثلاث مرات أنت طالق : ندماً متتابعة ، حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره ، فإن هو سكت بين التطبيقين ، بانت بالأولى . ولم تلحقها الثانية . فصار في وقوع الثلاث بغير المخلول بها ثلاثة مذاهب للصحابة والتابعين ، ومن بعدهم :

أنها واحدة ، سواء قالها بلفظ واحد ، أو بثلاثة ألفاظ .

أحدها

أنها ثلاث ، سواء أوقع الثلاث بلفظ واحد ، أو بثلاثة ألفاظ .

الثاني

أنه إن أوقعها بلفظ واحد فهي ثلاث . وإن أوقعها بثلاثة ألفاظ فهي واحدة .

الثالث

الوجه السابع

أن هذا مذهب عمرو بن دينار في الطلاق قبل الدخول . قال ابن المنذر في كتاب الأوسط : وكان سعيد بن جبير ، وطاوس ، وأبو الشعثاء ، وعطاء ، وعمرو بن دينار يقولون : « من طلق البكر ثلاثاً فهي واحدة » .



الوجه الثامن

أنه مذهب سعيد بن جبير ، كما حكاه ابن المنذر وغيره عنه ، وحكاه الثعلبي عن سعيد بن المسيب وهو غلط عليه ، إنما هو مذهب سعيد بن جبير .



الوجه التاسع

أنه مذهب الحسن البصري الذي استقر عليه . قال ابن المنذر : واختلف في هذا الباب عن الحسن ، فروى عنه كما روينا عن أصحاب النبي - صلى الله تعالى عليه وآله وسلم - وذكر قتادة ، وحמיד ، ويونس عنه : أنه رجع عن قوله بعد ذلك ، فقال : واحدة بائنة . وهذا الذي ذكره ابن المنذر رواه عبد الرزاق في المصنف ، فقال : أخبرنا معمر عن قتادة قال : سألت الحسن عن الرجل يطلق البكر ثلاثاً ، فقال الحسن ^(١) وما بعد الثلاث فقال صدقت ، وما بعد الثلاث ، فأفنى الحسن بذلك زمناً ، ثم رجع فقال : واحدة تبينها . ويخطبها ، فقال به حياته ^(٢) .



الوجه العاشر

أنه مذهب عطاء بن يسار ، قال عبد الرزاق : أخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير عن يعمر بن أبي عياش قال : سألت رجل عطاء بن يسار عن الرجل يطلق البكر ثلاثاً ، فقال إنما طلاق البكر واحدة ، فقال له عبدالله بن عمرو بن العاص أنت قاص ، الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره . فذكر عطاء مذهبه ، وعبدالله بن عمرو مذهبه .

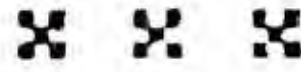


(١) في نسخة . ويخطبها مقالة جنابة . وكل حال فالبطلان غير واضحة ، فلتحرر .

(٢) وقد صحح نص الأثر من نسخة المصنف نفسه ٢٢١/٦ .

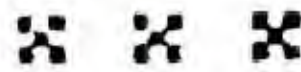
الوجه الحادى عشر

أنه مذهب خلاص بن عمرو ، حكاه بشر بن الوليد عن أبي يوسف عنه . .



الوجه الثانى عشر

أنه مذهب مقاتل الرازى^(١) حكاه عنه المازرى في كتابه « المعلم بقوائد مسلم » قال الخطيب : حدث عن عبدالله بن المبارك ، وهب بن العوام ، ووكيع بن الجراح ، وأبي عاصم النبيل ، روى عنه الإمام أحمد ، والبخارى في صحيحه وكان ثقة .



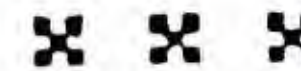
الوجه الثالث عشر

أنه إحدى الروايتين عن مالك . حكاه عنه جماعة من المالكية ، منهم التلمسانى صاحب شرح الخلاف ، وعزاها إلى ابن أبي زيد : أنه حكاه رواية عن مالك ، وحكاها غيره قولاً في مذهب مالك ، وجعله شاذاً .



الوجه الرابع عشر

أن ابن مغيث المالكي حكاه في كتاب « الوثائق » وهو مشهور عند المالكية ، عن بضعة عشر فقيهاً من فقهاء طليطلة المفتين على مذهب مالك ، هكذا قال ، واحتج لهم بأن قوله : أنت طالق ثلاثاً : كذب ، لأنه لم يطلق ثلاثاً ، ولم يطلق إلا واحدة . كما لو قال : حلفت ثلاثاً ، كانت يميناً واحدة ، ثم ذكر حججهم من الحديث .

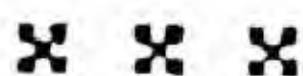


الوجه الخامس عشر

أن أبا الحسن علي بن عبدالله بن ابراهيم اللخمي المشيبي ، صاحب كتاب الوثائق الكبير الذي لم يصنف في الوثائق مثله ، حكى الخلاف فيها عن السلف والخلف حتى عن المالكية أنفسهم ، فقال : وأما من : قال أنت طالق ثلاثاً فقد بانت منه ، قال « البتة » أو لم يقل . قال : وقال بعض الموثقين — يريد المصنفين في الوثائق — اختلف أهل العلم بعد اجماعهم على أنه مطلق ، كم يازمه من الطلاق ؟ فالجمهور من

(١) قوله - مقاتل الرازى - كذا بالأصل المطبوع .

العلماء على أنه يلزمه الثلاث ، وبه القضاء ، وعليه الفتوى ، وهو الحق الذي لا شك فيه ، قال : وقال بعض السلف : يلزمه من ذلك طلاق واحدة ، وتابعهم على ذلك قوم من الخلف من المفتين بالأندلس ، قال : واحتجوا على ذلك بحجج كثيرة ، وأحاديث مسطورة أضربنا عنها ، واقتصرنا على الصحيح منها . فمنها : ما رواه داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس : أن رُكَّانَةَ طَلَّتْ زوجته عند رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ثلاثاً في مجلس واحد فقال له النبي - صلى الله عليه وسلم - : « إِنَّمَا هِيَ وَاحِدَةٌ » ، فَإِنْ شِئْتَ فَدَعْنَهَا ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَرْتَجِعْنَهَا » ثم ذكر حديث أبي الصهباء وذكر بعض تأويلاته التي ذكرناها .



أن أبا جعفر الطحاوي حكى القولين في كتابه « تهذيب الآثار » فقال : باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً - ثم ذكر حديث أبي الصهباء - ثم قال : فذهب قوم إلى أن الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً معاً ، فقد وقعت عليها واحدة ، إذا كانت في وقت سنة ، وذلك أن تكون طاهراً في غير جماع ، واحتجوا في ذلك بهذا الحديث وقالوا : لما كان الله عز وجل إنما أمر عباده أن يطلقوا لوقت على صفة ، فطلقوا على غير ما أمرهم به لم يقع طلاقهم . ألا ترى لو أن رجلاً أمر رجلاً أن يطلق امرأته في وقت فطلقها في غيره ، أو أمره أن يطلقها على شريطة فطلقها على غير تلك الشريطة أن طلاقه لا يقع إذ كان قد خالف ما أمر به .. ثم ذكر حجج الآخرين ، والجواب عن حجج هؤلاء على عادة أهل العلم والدين في إنصاف مخالفيهم والبحث معهم ، ولم يسلك طريق جاهل ظالم معتد ، يترك على ركبته ويفجر عينيه ويعول بمنصبه لا بعلمه ، وبسوء قصده لا بحسن فهمه ، ويقول : القول بهذه المسألة كفر يوجب ضرب الغتق ليهت خصمه ويمنعه عن بسط لسانه ، والبحري معه في مبداه ، والله تعالى عند لسان كل قائل ، وهو له يوم الوقوف بين يديه عما قاله سائل .

الوجه السادس عشر



أن شيخنا حكى عن جده أبي البركات : أنه كان يفتي بذلك أحياناً سرّاً ، وقال في بعض مصنفاته : هذا قول بعض أصحاب مالك وأبي حنيفة وأحمد . قلت : أما المالكية فقد حكينا الخلاف عنهم ، وأما بعض أصحاب أبي حنيفة فإنه محمد بن مقاتل من الطبقة الثانية من أصحاب أبي حنيفة ، وأما بعض أصحاب أحمد ، فإن كان أراد افتاء جده بذلك أحياناً ، وإلا فلم أقف على نقل لأحد منهم .

الوجه السابع عشر

الوجه الثامن عشر

قال أبو الحسن النسفي^(١) في وثائقه - وقد ذكر الخلاف في المسألة ثم قال : ومن بعض حججهم أيضاً في ذلك : أن الله سبحانه وتعالى أمر بتفريق الطلاق بين له تعالى : (الطلاقُ مَرَّتَانِ)^(٢) وإذا جمع الإنسان ذلك في كلمة ، كان واحدة وكان ما زاد عليها لغوا ، كما جعل مالك - رحمه الله - رمى السبع الجمرات في مرة واحدة جمرة واحدة ، وبني عليها أن الطلاق عندهم مثله ، قال : ومن نصر هذا القول من أهل الفتن بالاندلس : أصبح بن الحباب ، ومحمد بن بقي ، ومحمد بن عبد السلام الحنفي ، وابن زنباع ، مع غيرهم من نظرائهم هذا لفظه .



الوجه التاسع عشر

أن أبا الوليد هشام بن عبد الله بن هشام الأزدي القرطبي صاحب كتاب « مفيد الحكماء فيما يعرض لهم من النوازل والأحكام » ذكر الخلاف بين السلف والخلف في هذه المسألة ، حتى ذكر الخلاف فيها في مذهب مالك نفسه ، وذكر من كان يفتي بها من المالكية ، والكتاب مشهور معروف عند أصحاب مالك ، كثير الفوائد جداً .

ونحن نذكر نصه فيه بالفظه ، فنذكر ما ذكره عن ابن مغيث ، ثم نتبعه كلامه ، ليعلم أن النقل بذلك معلوم متداول بين أهل العلم ، وأن من قصر في العلم بآراءه ، وطال في الجهل والظلم ذراعه يبادر إلى الجهل والتكفير والعقوبة ، جهلاً منه وظلماً ، ويحق له وهو الدعي في العلم وليس منه أقرب رحماً .

قال ابن هشام : قال ابن مغيث : الطلاق ينقسم على ضربين : طلاق السنة ، وطلاق البدعة ، فطلاق السنة : هو الراقع على الوجه الذي ندب الشرع إليه . وطلاق البدعة : نقيضه ، وهو أن يطلقها في حبض أو نفاس ، أو ثلاثاً في كلمة واحدة ، فإن فعل لزمه الطلاق . ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق ، كم يلزمه من الطلاق ؟

فقال علي بن أبي طالب . وابن مسعود : يلزمه طاقة واحدة ، وقاله ابن عباس . وقال : قوله - ثلاثاً - لا معنى له : لأنه لم يطلق ثلاث مرات ، وإنما يجوز قوله في « ثلاث » إذا كان مخبراً عما مضى فيقول : طلقث ثلاثاً ، يخبر عن ثلاثة أفعال كانت منه في ثلاثة أوقات ، كرجل قال : قرأت أمس سورة كذا ثلاث مرات ، فذلك يصح . ولو قرأها مرة واحدة ، فقال : قرأتها ثلاث مرات ، لكان كاذباً ، وكذلك لو حلف بالله

(١) في نسخة الواسطي .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

تعالى ثلاثاً يردد الحلف ، كانت ثلاثة أيمان ، ولو قال : أحلف بالله ثلاثاً لم يكن حلف إلاً بمبناً واحدة . فالطلاق مثله ، ومثله .

قال الزبير بن العوام . وعبد الرحمن بن عوف - رضي الله تعالى عنهما - رويانا ذلك كله عن ابن وضاح وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع ، شيخ هدي . ومحمد بن بقي بن مخلد ، ومحمد بن عبد العلام الحنفي فقيه عصره ، وأصيب بن الحباب ، وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة .

وكان من حجة ابن عباس : أن الله تعالى فرق في كتابه لفظ الطلاق ، فقال تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فِإِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيعٍ بِإِحْسَانٍ)^(۱) يريد أكثر الطلاق الذي يمكن بعده الإمساك بالمعروف وهو الرجعة في العدة ، ومعنى قوله : « أَوْ تَسْرِيعٍ بِإِحْسَانٍ » يريد تركها بلا ارتجاع حتى تنقضي عدتها ، وفي ذلك إحسان إليه وإليها إن وقع ندم منهما ، قال الله تعالى : (لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)^(۲) يريد الندم على الفرقة ، والرغبة في المراجعة . وموقع الثلاث غير محسن لأنه ترك المتلوجة التي وسع الله تعالى بها ونبه عليها ، فذكر الله سبحانه وتعالى لفظ الطلاق مفرداً . فدل على أنه إذا جمع أنه لفظ واحد ، فتدبره .

وقد يخرج من غير ما مسألة من الديانة ما يدل على ذلك .

من ذلك قول الرجل : ما لي صدقة في المساكين : أن الثلث من ذلك يجزيه . . هذا كله لفظ صاحب الكتاب بحروفه . أفترى الجاهل الظالم المعتدي يجعل هؤلاء كلهم كفاراً مباحة دماؤهم ؟ سبحانه هذا بهتان عظيم ، بل هؤلاء من أكابر أهل العلم والدين ، وذنبهم عند أهل العمى ، أهل التقليد : كونهم لم يرضوا لأنفسهم بما رضي به المقلدون ، فردوا ما تنازع فيه المسلمون إلى الله ورسوله .

« وتلك شكاة ظاهر عنك عارها »



أن هذا مذهب أهل الظاهر : داود ، وأصحابه وذنبهم عند كثير من الناس أخذهم بكتاب ربهم وسنة نبيهم ، ونبتهم القياس وراء ظهورهم ، فلم يعبأوا به شيئاً ، وخالفهم أبو محمد بن حزم في ذلك ، فأباح جمع الثلاث وأوقعها .

الوجع العشرون

فهذه عشرون وجهاً في إثبات النزاع في هذه المسألة بحسب بضاعتنا المزجاة من الكتب ، وإلاً فالذي لم نقف عليه من ذلك كثير . وقد حكى ابن وضاح وابن مغيث ذلك عن علي ، وابن مسعود ، والزبير ، وعبد الرحمن بن عوف ، وابن عباس . ولعله إحدى الروايتين عنهم ، وإلاً فقد صح بلا شك عن ابن مسعود ،

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۲) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

وعلي وابن عباس : الإلزام بالثلاث لمن أوقعها جملة ، وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة . ولم تقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك . فلذلك لم نعد ما حكى عنهم في الوجوه المبينة للتزاع ، وإنما نعد ما وقفنا عليه في مواضعه ، ونعزوه إليها ، وبالله التوفيق .

■ وأما الآثار فتاوي أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - .

■ قال ابن أبي شبة في مصنفه : نا علي بن مسهر ، عن شقيق بن أبي عبد الله ، عن أنس قال : كان عمر إذا أتى برجل قد طلق امرأته ثلاثاً في مجلس أوجعه ضرباً وفرق بينهما .

■ ناوكيع ، عن سفيان ، عن سلمة بن كهيل ، عن زيد بن وهب ، أن رجلاً بطلاً كان بالمدينة طلق امرأته ألفاً فرجع إلى عمر فقال : إنما كنت ألعب فعلا عمر رأسه بالدرة وفرق بينهما .

■ ناوكيع ، والفضل بن دكين ، عن جعفر بن برقان ، عن معاوية بن أبي يحيى ، قال : جاء رجل إلى عثمان فقال : إني طلق امرأتى مائة قال : ثلاث تحرمها عليك وسبعة وتسعون عدوان .

■ ناوكيع عن الأعمش عن حبيب قال : جاء رجل إلى علي فقال : إني طلق امرأتى ألفاً ، قال : يانت منك ثلاث ، واقسم سائرهما بين نسائك .

■ نا ابن فضيل ، عن الأعمش ، عن حبيب ، عن رجل من أهل مكة ، قال : جاء رجل إلى علي فقال : إني طلق امرأتى ألفاً ، قال : الثلاث تحرمها عليك واقسم سائرهن بين أهلك .

■ نا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، عن عبد الله ، قال : أتاه رجل فقال : إني طلق امرأتى تسعة وتسعين مرة ، قال : فما قالوا لك قال : قالوا قد حرمت عليك ، قال : فقال عبد الله : لقد أرادوا أن يبقوا عليك . يانت منك ثلاث وسائرهن عدوان .

■ نا حفص ، عن الأعمش ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، عن عبد الله . أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطليقة ؟ قال : حرمتها ثلاث ، وسبعة وتسعون عدوان .

■ ناوكيع ، عن سفيان عن منصور والأعمش ، عن إبراهيم عن علقمة ، قال : جاء رجل إلى عبد الله فقال : إني طلق امرأتى مائة فقال : يانت منك ثلاث ، وسائرهن معصية .

■ نا محمد بن فضيل ، عن عاصم ، عن ابن سيرين ، عن علقمة عن عبد الله ، قال : أتاه رجل فقال : إنه كان بيني وبين امرأتى كلام فطلقته عدد النجوم ، قال : تكلمت بالطلاق ؟ قال : نعم . قال قال عبد الله قد بين الله الطلاق فمن أخذته ؟ فمن طلق كما أمره الله فقد تبين له ، ومن لبس على نفسه جعلنا به لبس . لا تلبسوا على أنفسكم ونحمله عنكم هو كما تقولون .

■ نا أسباط بن محمد ، عن أشعث ، عن نافع ، قال : قال ابن عمر : من طلق امرأته ثلاثاً فقد عصى ربه وبانت منه امرأته .

نا محمد بن بشر بن معشر قال : نا سعيد المقبري قال : جاء رجل إلى عبد الله بن عمر وأنا عنده فقال : يا أبا عبد الرحمن إنه طلق امرأته مائة مرة قال : بانت منك بثلاث ، وسبعة وتسعون يحاسبك الله بها يوم القيامة .

نا ابن نمير ، عن الأعمش ، عن مالك بن الحارث ، عن ابن عباس ، أناة رجل فقال : إن عمي طلق امرأته ثلاثاً فقال : إن عمك عصى الله فأندمه فلم يجعل له مخرجاً .

نا عباد بن العوام عن هارون ابن عثرة ، عن أبيه قال : كنت جالساً عند ابن عباس فأتاه رجل فقال : يا ابن عباس إنه طلق امرأته مائة مرة ، وإنما قلتها مرة واحدة فتبين مني بثلاث أم هي واحدة ؟ فقال : بانت بثلاث وعليك وزر سبعة وتسعين .

نا وكيع عن سفيان قال : حدثني عمرو بن مرة ، عن سعيد بن جبير ، قال : جاء رجل إلى ابن عباس فقال : إني طلق امرأتي ألفاً ومائة قال : بانت منك بثلاث ، وسائرهن وزر اتخذت آيات الله هزواً .

■ نا اسماعيل بن إبراهيم ، عن أيوب عن عمرو ، سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأته عدد النجوم ؟ فقال : يكفيك من ذلك رأس الجوزاء .

■ نا سهيل بن يوسف عن حميد عن واقع بن سحبان قال : سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس ؟ فقال : أتم بربه وحرمت عليه امرأته .

■ نا غندار ، عن شعبة عن طارق ، عن قيس بن أبي حازم ، أنه سمعه يحدث عن المغيرة بن شعبة أنه سئل عن رجل طلق امرأته مائة فقال : ثلاث بحرهنها عليه وسبعة وتسعون فضل .

وقال سعيد بن منصور^(١) : نا خالد بن عبد الله عن سعيد الجري ، عن الحسن ، أن عمر بن الخطاب كتب إلى أبي موسى الأشعري : لقد هممت أن أجعل إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس أن أجعلها واحدة ، ولكن أقرأهم جعلوا على أنفسهم فالزم كل نفس ما ألزم نفسه . من قال لامرأته أنت علي حرام ، فهي حرام ، ومن قال لامرأته أنت بائنة ، فهي بائنة ، ومن قال أنت طالق ثلاثاً ، فهي ثلاث . اهـ .

وقال ابن عبد المادي^(٢) : وقد جعل ابن رجب في آخر كتابه هذا في إحداهن عمر للطلاق وأنه مقبول قوله فقال : فصل - أخرج البخاري من طريق أبي سلمة عن أبي هريرة عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : « لَقَدْ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ الْأُمَمِ نَاسٌ مُعَدِّتُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ »

(١) سنن سعيد بن منصور القسم الأول المجلد الثالث / ٢٥٩ .

(٢) سير الحات / ٧٩ ، ٨٠ .

يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ ، وفي رواية ذكرها تعليقا أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : « لَقَدْ كَانَ لِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رِجَالٌ يَتَكَلَّمُونَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَقَعُمَرُ » ، وأخرج مسلم من حديث أبي سلمة عن عائشة عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : « لَقَدْ كَانَ فِي الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ مُحَدِّثُونَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَقَعُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ » ، وعنده قال ابن وهب محدثون « ملهمون » وقال الترمذي عن ابن عيينة : قال يعني مفهمين . وعن أبي سعيد عن النبي - صلى الله عليه وسلم - وزاد فيه يا رسول الله كيف مُحَدِّثٌ ؟ قال : « الْمَلَأْنِيكَ عَلَى لِسَانِهِ » ، والله أعلم .



فصل : قال ابن رجب في آخر كتابه اعلم أن ما قضى به عمر على قسمين :

أحدهما : ما لم يعلم للنبي - صلى الله عليه وسلم - فيه قضاء بالكلية ، وهذا على نوعين :

ما جمع فيه عمر الصحابة وشاورهم فيه فأجمعوا معه عليه ، فهذا لا يشك أنه الحق كهذه المسألة ، والعمريتين ، وكقضائه فيمن جامع في إحرامه أنه يمضي في نكحه وعليه القضاء والهدى ومسائل كثيرة .

الثاني : ما لم يجمع الصحابة فيه مع عمر بل مختلفين فيه في زمنه ، وهذا يسوغ فيه الاختلاف كمسائل الجدل مع الأخوة .

ما روى عن النبي - صلى الله عليه وسلم - فيه قضاء بخلاف قضاء عمر وهو على أربعة أنواع :

أحدها : ما رجع فيه عمر إلى قضاء النبي - صلى الله عليه وسلم - فهذا لا عبرة فيه بقول عمر الأول .

الثاني : ما روى عن النبي - صلى الله عليه وسلم - فيه حكمان ، أحدهما : ما وافق لقضاء عمر ، فإن الناسخ من النصين ما عمل به عمر .

الثالث : ما صح عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه رخص في أنواع من جنس العبادات ، فيختار عمر للناس ما هو الأفضل والأصلح ويلزمهم به ، فهذا يمنع من العمل بغير ما اختاره .

الرابع : ما كان قضاء النبي - صلى الله عليه وسلم - لعل ، فزال العلة فزال الحكم بزوالها ووجد ما نفع بمنع من ذلك الحكم .

قال : فهذه المسألة ، إما أن تكون من الثاني ، وإما أن تكون من الرابع

وقال : لا يعلم من الأمة أحد خالف في هذه المسألة مخالفة ظاهرة ، ولا حكماً ولا قضاء ولا علماً ولا داء ، ولم يقع ذلك إلا من نفر يسير جداً ، وقد أنكره عليهم من عاصره غاية الإنكار وكان أكثرهم بشخص بذلك ولا يظهره ، فكيف يكون اجماع الأمة على أخفى (١) دين الله الذي شرعه على لسان رسوله - صلى الله عليه وسلم - ؟ واتباعهم اجتهاد من خالفه برأيه في ذلك ، هذا لا يحل اعتقاده البتة ، وهذه الأمة كما أنها معصومة من الاجتماع على ضلالة فهي معصومة من أن يظهر أهل الباطل منهم على أهل الحق ولو كان ما قاله عمر في هذا حقاً (٢) للزم في هذه المسألة ظهور أهل الباطل على أهل الحق في كل زمان ومكان ، وهذا باطل قطعاً .

وقد أجاب ابن القيم - رحمه الله - عن فعل عمر رضي الله عنه ، وكذلك عن فتاوي الصحابة في ذلك : فقال (٣) : ولكن رأى أمير المؤمنين عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - أن الناس قد استهانوا بأمر الطلاق ، وكثر منهم إيقاعه جملة واحدة ، فرأى من المصلحة عقوبتهم بإحضارهم ، ليعلموا أن أحدهم إذا أوقعه جملة باتت منه المرأة وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره ، نكاح رغبة يراد للعوام لا نكاح تحليل فإنه كان من أشد الناس فيه . فإذا علموا ذلك كفوا عن الطلاق ، فرأى عمر أن هذا مصلحة لهم في زمانه ، ورأى أن ما كان عليه في عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - وعهد الصديق وصدر من خلافته كان الأليق بهم لأنهم لم يتابعوا فيه ، وكانوا يتقون الله في الطلاق ، وقد جعل الله لكل من انقاه مخرجاً ، فلما تركوا تقوى الله ، وتلاعبوا بكتاب الله ، وطلقوا على غير ما شرعه الله ، ألزمهم بما التزموه عقوبة لهم ، فإن الله تعالى إنما شرع الطلاق مرة بعد مرة ، ولم يشرعه كله مرة واحدة ، فمن جمع الثلاث في مرة واحدة فقد تعدى حدود الله وظلم نفسه ولعب بكتاب الله فهو حقيق أن يعاقب ، ويلزم بما التزمه ولا يقر على رخصة الله وسعته ، وقد صعبها على نفسه ولم يتق الله ويطلق كما أمره الله وشرعه له ، بل استعجل فيما جعل الله له الأناة فيه رحمة منه وإحساناً ولبس على نفسه واختار الأغلظ والأشد . فهذا مما تغيرت به الفتوى لتغير الزمان .

وعلم الصحابة - رضي الله عنهم - حسن سياسة عمر وتأديبه لرعيته في ذلك ، فوافقوه على ما ألزم به وصرحوا لمن استفنأهم بذلك

فقال عبد الله بن مسعود : من أتى الأمر على وجهه فقد بين له ، ومن لبس على نفسه جعلنا عليه لبسه ، والله لا تلبسون على أنفسكم وتحمله منكم هو كما تقولون .

فلو كان وقوع الثلاث ثلاثاً في كتاب الله وسنة رسوله - صلى الله عليه وسلم - لكان المطلق قد أتى الأمر على وجهه ، ولما كان قد لبس على نفسه ، ولما قال النبي - صلى الله عليه وسلم - لمن فعل ذلك « تَلَعَبَ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ » ، ولما توقف عبدالله بن الزبير في الإيقاع ، وقال للسائل : إن هذا الأمر ما لنا فيه قول فاذهب

(١) في المأثر لعل صوابه : أخفاء .

(٢) قوله : حقاً . كذا في المطبعة .

(٣) أعلام الموقعين ٣/ ٢٩-٣١ .

إلى عبدالله بن عباس وأبي هريرة ، فلما جاء إليهما قال ابن عباس لأبي هريرة : أفته فقد جاءتك معضلة ، ثم أفتياء بالوقوع .

فالصحابة - رضي الله عنهم - ومقدمهم عمر بن الخطاب لما رأوا الناس قد استهانوا بأمر الطلاق وأرسلوا ما بأيديهم منه ، ولبسوا على أنفسهم ، ولم يتقوا الله في التطلق الذي شرعه لهم ، وأخذوا بالتشديد على أنفسهم ولم يقفوا على ما حد لهم ألزمهم بما التزموا ، وامضوا عليهم ما اختاروه لأنفسهم من التشديد الذي وسع الله عليهم ما شرعه لهم بخلافه ، ولا ريب أن من فعل هذا حقيق بالعقوبة بأن ينفذ عليه ما أنفذه على نفسه إذ لم يقبل رخصة الله تعالى وتيسيره ومهلتة .

ولهذا قال ابن عباس لمن طلق مائة طلقة : عصيت ربك وبانت منك امرأتك ، إنك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً « وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً »^(١).

وأناه رجل فقال إن عمي طلق ثلاثاً فقال : إن عمك عصى الله فأنتمه ، وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً ، فقال : أفلا تحللها له ؟ فقال : من يخادع الله يخدعه ، فليتدبر العالم الذي قصده معرفة الحق واتباعه من الشرع والقدر في قبول الصحابة هذه الرخصة والتيسير على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وتقواسم ربهم تبارك وتعالى في التطلق فحرمت عليهم رخصة الله وتيسيره شرعاً وقدرأ .

فلما ركب الناس الأحموقه وتركوا تقوى الله ولبسوا على أنفسهم ، وطلقوا على غير ما شرعه لهم ، أجرى الله على لسان الخليفة الراشد والصحابة معه شرعاً وقدرأ إلزامهم بذلك وإنفاذه عليهم ، وإبقاء الإصر الذي جعلوه في أعناقهم كما جعلوه .

وهذه أسرار من أسرار الشرع والقدر لا تناسب عقول أبناء الزمان .

وقال أيضاً مبيناً عذر عمر - رضي الله عنه -^(٢) الناس طائفتان : طائفة اعتنرت عن هذه الأحاديث لأجل عمر - رضي الله عنه - ومن وافقه - وطائفة اعتنرت عن عمر - رضي الله عنه - ولم ترد الأحاديث فقالوا : الأحكام نوعان : نوع لا يتغير عن حالة واحدة هو عليها ، لا بحسب الأزمنة ولا الأمكنة ولا اجتهاد الأئمة ، كوجوب الواجبات وتحريم المحرمات والحدود المقدرة بالشرع على الجرائم ونحو ذلك ، فهذا لا يتطرق إليه تغيير ولا اجتهاد بخالف ما وضع عليه .

والنوع الثاني : ما يتغير بحسب اقتضاء المصلحة له زماناً ومكاناً وحالاً ، كقواعد التعزيرات وأجناسها وصفاتها ، فإن الشارع ينوع فيها بحسب المصلحة فشرع التعزير بالقتل للممن الحمر في المرة الرابعة - وساق - رحمه الله - طائفة من الأمثلة . ثم قال : ومن ذلك أنه - رضي الله عنه - لما رأى الناس قد أكثروا من الطلاق الثلاث

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

(٢) إغاثة المهفان ١/٣٣٠ وما بعدها .

ورأى أنهم لا ينتهون عنه إلا بعقوبة، فرأى إلزامهم بها عقوبة لهم ليكفروا عنها . وذلك إما من التعزير العارض الذي يفعل عند الحاجة ، كما كان يضرب في الحمر ثمانين ، ويحلق فيها الرأس وينفي عن الوطن ، وكما منع النبي - صلى الله عليه وسلم - الثلاثة الذين خلفوا عنه عن الاجتماع بنسائهم ، فهذا له وجه .

■ وإما ظناً أن جعل الثلاث واحدة كان مشروعاً بشرط وقد زال كما ذهب إلى ذلك في متعة الحج اما مطلقاً وإما متعة الفسخ فهذا وجه آخر .

■ وإما لقيام مانع قام في زمنه ، منع من جعل الثلاث واحدة ، كما قام عنده مانع من بيع أمهات الأولاد ومانع من أخذ الجزية من نصارى بني تغلب وغير ذلك فهذا وجه ثالث .

■ ومضى إلى أن قال : فلما رأى أمير المؤمنين أن الله - سبحانه - عاقب المطلق ثلاثاً ، بأن حال بينه وبين زوجته وحرماها عليه حتى تنكح زوجاً غيره ، علم أن ذلك لكراهته الطلاق المحرم ، وبغضه له فوافقه أمير المؤمنين في عقوبته لمن طلق ثلاثاً جديعاً بأن ألزمه بها ، وأمضاها عليه .

■ فإن قيل : فكان أسهل من ذلك أن يمنع الناس من إيقاع الثلاث ويحرمه عليهم ، ويعاقب بالضرب والتأديب من فعله ، لئلا يقع المحذور الذي يترتب عليه ؟ قيل : لعمر الله ! قد كان يمكنه ذلك ولذلك ندم عليه في آخر أيامه وود أنه كان فعله . قال الحافظ أبو بكر الإسماعيلي في مسند عمر : أخبرنا أبو يعلى ، حدثنا صالح ابن مالك ، حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك ، عن أبيه قال : قال عمر - رضي الله عنه - « ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث : أن لا أكون حرمت الطلاق ، وعلى أن لا أكون أنكحت الموالى ، وعلى أن لا أكون قتل النوائح » (١)

■ ومن المعلوم أنه - رضي الله عنه - لم يكن مراده تحريم الطلاق الرجعي ، الذي أباحه الله تعالى ، وعلم بالضرورة من دين رسول الله - صلى الله عليه وسلم - جوازه ، ولا الطلاق المحرم الذي أجمع المسلمون على تحريمه كالطلاق في الحيض وفي الطهر المجامع فيه ، ولا الطلاق قبل الدخول الذي قال الله تعالى فيه : (لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَكُمْ فَرِيضَةٌ) (٢) هذا كله من أئين المحال أن يكون عمر - رضي الله عنه - أراد فنعين قطعاً أنه أراد تحريم إيقاع الثلاث . فعلم أنه إنما كان أوقعها لاعتقاده جواز ذلك . ولذلك قال : « إن الناس قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم ؟ » وهذا كالتصريح في أنه غير حرام عنده ، وإنما أمضاه لأن المطلق كانت له فسخة من الله تعالى في التفريق ، فرغب عما فسخ الله تعالى له إلى الشدة والتغليظ ، فأمضاه عمر - رضي الله عنه - عليه فلما تبين له ما فيه من الشر والفساد ، ندم على أن لا يكون حرم عليهم إيقاع الثلاث ومنعهم منه ، وهذا هو مذهب الأكثرين : مالك وأحمد وأبي حنيفة - رحمهم الله - .

(١) في سند هذا الأثر خالد بن يزيد بن عبد الرحمن بن أبي مالك . قال في التفریب : خالد بن يزيد هذا ضعيف مع كونه فقيهاً وقد اتهمه ابن معين ، وأبو يزيد صدوق ربما وهم . اهـ . تفریب .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣٦ .

فراى عمر رضي الله عنه أن المفسدة تندفع بإلزامهم ، فلما بين له أن المفسدة لم تندفع بذلك وما زاد الأمر إلا شدة ، أخبر أن الأولى كان عدوله إلى تحريم الثلاث الذي يدفع المفسدة من أصلها، واندفاع هذه المفسدة بما كان عليه الأمر في زمن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، وأبي بكر ، وأول خلافة عمر - رضي الله عنهما - أولى من ذلك كله ولا يتدفع الشر والفساد بغيره البته. اهـ . ولشيخ الإسلام ابن تيمية جواب عن فعل عمر - رضي الله عنه - وكذلك من وافقه من الصحابة - ترك ذكره هنا ، وسيأتي كلامه في آخر البحث .

وأما القياس فقال ابن قدامة^(١) : ولأن النكاح ملك يصح إزالته متفرقاً فصح مجتمعا كسائر الأملاك. اهـ .

وقد أجاب ابن القيم عن هذا القياس فقال^(٢) وقولكم إن المطلق ثلاثاً قد جمع ما فصح له في تفريقه : هو إلى أن يكون حجة عليكم أقرب ، فإنه إنما أذن له فيه وملكه متفرقاً لا مجموعاً فإذا جمع ما أمر بتفريقه فقد تعدى حدود الله وخالف ما شرعه ولهذا قال من قال من السلف : رجل أخطأ السنة ، فبرد إليها فهذا أحسن من كلامكم وأبين وأقرب إلى الشرع والمصلحة ، ثم هذا ينتقض عليكم بسائر ما ملكه الله تعالى العبد، وأذن فيه متفرقاً ، فأراد أن يجمع ، كرمي الجمار الذي إنما شرع له مفرقاً ، واللعان الذي شرع كذلك ، وأيمان القسامة التي شرعت كذلك ، ونظير قياسكم هذا أن له أن يؤخر الصلوات كلها ويصلها في وقت واحد ، لأنه جمع ما أمر بتفريقه ، على أن هذا قد فهمه كثير من العوام يؤخرون صلاة اليوم إلى الليل ويصلون الجميع في وقت واحد ، ويحتجون بمثل هذه الحجة بعينها ، ولو سكتكم عن نصرة المسألة بمثل ذلك لكان أقوى لها .

وقال القرطبي^(٣) : وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جداً : وهو أن المطلقة ثلاثاً لا تحل للدخل حتى تنكح زوجاً غيره ، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعاً ، وما يتخيل من الفرق صوري الغاء الشارع اتفاقاً في النكاح والعتق والآقارب . فلو قال الولي : أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه ، وكذا في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام . نقله عنه ابن حجر العسقلاني^(٤)

ويرد عليه بأن^(٥) من قال : أحلف بالله ثلاثاً لا يعد حلفه إلاً بيميناً واحدة فليكن المطلق مثله ، وتعقب باختلاف الصيغتين فإن المطلق ينشئ ، طلاق امرأته وقد جعل أمر طلاقها ثلاثاً ، فإذا قال : أنت طالق ثلاثاً فكأنه قال أنت طالق جميع الطلاق ، وأما الحلف فلا أمد لعدد أيمانه . فافترقا اهـ .

(١) المني ومعه الشرح الكبير ٢١٢/٨ .

(٢) إقانة اللفظ ٣٠٦/١ .

(٣) فتح الباري ٢٦٥/٩ .

المذهب الثاني

إن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثاً بلفظ واحد وقعت واحدة دخل بها أولاً

■ قال ابن المصنف (١) : وقال قوم يقع به : واحدة وهو مروي عن ابن عباس - رضي الله عنهما - وبه قال إسحق ، ونقل عن طاوس وعكرمة أنهم يقولون خالف السنة فيرد إلى السنة .

■ قال الباجي (٢) : وحكى القاضي أبو محمد في إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلاق واحدة . . . وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة ومحمد بن إسحق . انتهى المقصود .

■ قال شيخ الإسلام - في أثناء الكلام على ذكر المذاهب في ذلك (٣) الثالث أنه محرم ولا يلزم منه إلا طلاق واحدة ، وهذا القول منقول عن طائفة من السلف والخلف من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مثل : أنزير بن العوام ، وعبد الرحمن بن عوف ، ويروى عن علي وابن مسعود وابن عباس القولان وهو قول كثير من التابعين ومن بعدهم مثل طاوس : وخلاس بن عمرو ، ومحمد بن إسحق . وهو قول داود وأكثر أصحابه ، ويروى ذلك عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وابنه جعفر بن محمد ، ولهذا ذهب إلى ذلك من ذهب من الشيعة ، وهو قول بعض أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد بن حنبل . اهـ

■ قال ابن القيم (٤) : وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية . اهـ .

■ قال المرداوي (٥) : وحكى - أي شيخ الإسلام ابن تيمية - عدم وقوع الطلاق الثلاث جملة بل واحدة ، في المجموعة أو المنفردة عن جده المجد وأنه كان يفني به سرّاً أحياناً . اهـ .

■ قال ابن القيم (٦) : المثال السابع : أن المطلق في زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - وزمن خليفته أبي بكر ، وصدر من خلافة عمر كان إذا جمع الطلقات الثلاث بقم واحد جعلت واحدة . . . وكل صحابي من لدن خلافة الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر كان على أن الثلاث واحدة فتوى أو إقراراً أو سكوتاً ، ولهذا ادعى بعض أهل العلم أن هذا إجماع قديم ، ولم تجمع الأمة والله الحمد على خلافه . بل لم يزل

(١) فتح القدير ٦٥/٣ .

(٢) المنتقى شرح الموطأ ٣/٤ .

(٣) مجموع الفتاوى ٨/٢٣ .

(٤) زاد المعاد ١٠٥/٤ .

(٥) الانصاف ١٥٣/٨ .

(٦) أعلام الموقعين ٢٤/٣ ، ٢٨ ، ٢٩ .

فيهم من يفتي به قرناً بعد قرن إلى يومنا هذا .
فأفتى به حبر الأمة وترجمان القرآن : عبدالله بن عباس ، كما رواه حماد بن زيد ، عن أيوب عن عكرمة عن
ابن عباس : إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفهم واحد فهي واحدة ، وأفتى أيضاً بالثلاث ، أفتى بهذا وهذا ، وأفتى
بأنها واحدة الزبير بن العوام ، وعبد الرحمن بن عوف ، حكاه عنهما ابن وضاح ، وعن علي كرم الله وجهه
وابن مسعود روايتان كما عن ابن عباس .

وأما التابعون فأفتى به عكرمة رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عنه ، وأفتى به طاوس .
أما اتباع التابعين فأفتى به محمد بن اسحق حكاه الإمام أحمد وغيره عنه ، وأفتى به خلاص بن عمرو
والخارث العكلي .

وأما أتباع تابعي التابعين فأفتى به داود بن علي وأكثر أصحابه حكاه عنهم أبو العكلي وابن حزم وغيرهما .
وأفتى به بعض أصحاب مالك حكاه التلمساني في شرح تفریع ابن الجلاب قولاً لبعض المالكية .

وأفتى به بعض الحنفية حكاه أبو بكر الرازي عن محمد بن مقاتل . وأفتى به بعض أصحاب أحمد حكاه
شيخ الإسلام ابن تيمية عنه قال : وكان يفتي به أحياناً .

وأما الإمام أحمد نفسه فقد قال الأثرم : سألت أبا عبدالله عن حديث ابن عباس كان الطلاق الثلاث على
عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأني بكر وعمر واحدة بأي شيء مرتدفعه : قال : يرواية الناس عن ابن
عباس من وجوه خلافه ، ثم ذكر عن عدة عن ابن عباس أنها ثلاث ، فقد صرح بأنه إنما ترك القول به
لمخالفة راويه له .

وأصل مذهبه وقاعدته التي بنى عليها ، أن الحديث إذا صح لم يرد له مخالفة روايه ، بل الأخذ عنده بما رواه
كما فعل في رواية ابن عباس وفتواه في بيع الأمة ، فأخذ بروايته أنه لا يكون طلاقاً وترك رأيه . وعلى
أصله بخرج له قول : أن الثلاث واحدة ، فإنه إذا صرح بأنه إنما ترك الحديث لمخالفة الراوي ، وصرح في
عدة مواضع أن مخالفة الراوي لا توجب ترك الحديث . خرج له في المسألة قولان ، وأصحابه يخرجون
على مذهبه أقوالاً دون ذلك بكثير . اهـ .

■ قال يوسف بن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الهادي (١) : انفصل الرابع - في أنه إنما يقع بالثلاث للفظ
الواحد واحدة ، وهذه رواية عن أحمد . روايتها باطلة ، لكنها قول في المذهب حكاه الشيخ شمس الدين
ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين . وذكره في القروع ، وقال : إنه اختيار شيخه ، وهو اختياره بلا خلاف ،
وهو الذي إليه جنح الشيخ شمس الدين بن القيم في كتبه . الهدى وأعلام الموقعين ، وإغاثة اللهفان ، وقواه
جدنا جمال الدين الإمام وقد صنف فيه مصنفات وهو اختيار شيخه الشيخ تقي الدين بن تيمية وحكاه

(١) سير الحث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة منية : ٨١ .

أيضاً عن جده الشيخ مجد الدين وغيره ٨١ .

وقال أيضاً (١) : انفصل الخامس - فيمن قال بهذا القول وأفتى به - وبعد أن ذكر ما سبق ذكره عن ابن القيم من أعلام الموقعين قال : قلت وقد كان يفتي به فيما يظهر لي ابن القيم ، وكان يفتي به شيخ الإسلام ابن تيمية - رضي الله عنه - بلا خلاف ، وكان يفتي به جدنا جمال الدين الإمام . ولم يرو عنه أنه أفتى بغيره .

قلت وقد كان يفتي به في زماننا الشيخ علي الدواليبي البغدادي ، وجرى له من أجله محنة ونكابة فلم يدعه ، وقد سمعت بعض شيوخنا يقويه ، وظاهر إجماع (٢) ابن حزم أنه إجماع لكن لم يصرح به ٨١ .

وقد استدلل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والإجماع والأثر والقياس .
 الدليل الأول : قال تعالى : **وَالْمُتَلَاقَاتُ بَرْتَضْنَ بِأَنَّهُنَّ ثَلَاثَةٌ قُرْءٌ** (٣) إلى قوله تعالى :
 (حتى تنكح زوجاً غيره) (٤)

وجه الاستدلال : قال ابن عبد الهادي (٥) : قال الشيخ جمال الدين الإمام في أول أحد كتبه : فقد حكم الله تعالى في هذه الآيات الكريمات في هذه المسألة ثلاثة أحكام : فمن فهمها وتصورها على حقيقة ما هي عليه - وقد أراد الله هدايته إلى قبول الحق إذا ظهر له - صح كلامه .

واعلم أن كتاب الله نص صريح ... أن الطلاق الثلاث واحدة شرعاً لا يحتمل خلافاً صحيحاً وهذا هو النص شرعاً ، فإن كل كلام له معنى لا يحتمل غيره فهو نص فيه ، فإن كان لا يحتمل غيره لغة فهو نص لغة ، وإن كان لا يحتمل غيره شرعاً فهو نص شرعاً ، وكتاب الله في هذه الآيات لا يحتمل شرعاً غير أن الطلاق الثلاث واحدة . . . والألف واللام في قوله (الطلاق مرتان) (٦) للعهد والمعهود هنا هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى : (**وَالْمُتَلَاقَاتُ بَرْتَضْنَ بِأَنَّهُنَّ ثَلَاثَةٌ قُرْءٌ**) (٧) وهو الرجعي بقوله : (**وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ**) فصار المعنى : الطلاق الذي الزوج أحق فيه بالرد مرتان فقط ، فقد تقيّد الرد الذي كان مطلئاً في كل مرة من الطلاق بمرتين منه فقط فلم يعرف (٨) ، ولا فرق في الآية بين قوله في كل مرة : طلقك واحدة ، أو ثلاثاً ، أو ثلاثين ألفاً .

■ ثم قال فصل : الكلام هنا على معنى الآيات الكريمات في حكم الطلاق الثلاث جملة سواء كانت ثلاث مرات أو مائة مرة أو ثلاثين ألفاً .

(١) سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة عليّة ٨٢-٨٣ .

(٢) قبله . وظاهر إجماع ابن حزم . الخ . هكذا بالأصل المطبوع .

(٣) الآية الكريمة من - سورة البقرة : ٢٢٨ .

(٤) الآية الكريمة من - سورة البقرة : ٢٣٠ .

(٥) سير الحاث / ٩٠ وما بعدها ويرجع إلى ما ذكره ابن القيم في الإغاثة : ١ / ٣٠١ .

(٦) الآية الكريمة من - سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٧) الآية الكريمة من - سورة البقرة : ٢٢٨ .

(٨) قوله « يعرف » كتب في الأصل المطبوع .

■ ثم قال : وذلك أن ضمير الآيات في قوله تعالى : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ)^(۱) أي : إن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له بعدها ، المفهوم من قوله : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ) لا يجوز فيه شرعاً غير ذلك وهذا الحكم مختص به شرعاً : أي بتحريم المطلقة عليه حتى تنكح زوجاً غيره ، ويلزم أن يكون التحريم فيما بعد المرتين الأوليين فإن كل واحدة من الأوليين له فيها الخيار بين الإمساك والتسريح بنص الآية ، فيكون التدبير : فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له ، هذا لا يحتمل خلافاً .

قلت : هذه الآية صريحها على هذا : أن الثلاث متفرقات والله أعلم .

■ ثم قال : ويدل على التدبير لزوم أنه لا يجوز في الآية أن يقال : فإن طلقها فلا تحل له لا يجوز أن يكون مستقلاً بنفسه ، منفصلاً عما قبله ، لما في ذلك من لزوم نسخ مشروعية الرجعة في الطلاق من دين الإسلام ولا قائل به . وذلك لما فيه من عود الضمير المطلق فيه إلى غير موجود في الكلام قبله ، معين له ، مختص بحكمه ، فيكون عاماً في كل مطلق ومطلقة ، ولا قائل به ، وذلك أن قوله تعالى : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ)^(۱) جملة مفيدة ، والجملة نكرة ، وهي في سياق شرط ونفي فتعم كل مطلق ومطلقة ، فيكون ذلك ناسخاً لمشروعية الرد في الطلاق في دين الإسلام ، ولا قائل به ، فتعين أن يكون قوله : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ)^(۲) إتماماً لما قبله أي متصلاً به ، ويكون الضمير فيه عائداً على موجود في الكلام قبله ، ومعين له ، مختص بحكم تحريمه في طلاقه إن طلق ، وليس فيما قبله ما يصلح عود هذا الضمير إليه ، واختصاصه بهذا الحكم من التحريم شرعاً إلا المطلق المفهوم من قوله : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ)^(۳) لأنه لو عاد إلى من يطلق في صورة المفاداة المذكورة قبله كان التحريم مختصاً بطلاق المفاداة ، ولا قائل به ، ولو عاد إلى من يطلق في صورة الإيلاء المذكورة قبل هذه الآيات كان التحريم مختصاً بطلاق المولى ولا قائل به . فتعين أن يكون الضمير عائداً إلى المطلق المفهوم من قوله : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ) وهو في نظم الكلام متعين له شرعاً ، لا يجوز عوده إلى غيره شرعاً ، وأما أن يكون تدبير الكلام : فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره ، وقد تبين أن معنى هذا الكلام وتقديره : أن الطلاق الرجعي مرتان ، فإن طلقها بعدهما مرة ثالثة فلا تحل له بعدهما حتى تنكح زوجاً غيره ، فلم يشرع الله التحريم إلا بعد المرة الثالثة من الطلاق ، والمرة الثالثة لا تكون إلا بعد مرتين شرعاً ولغة وعرفاً وإجماعاً ، إلا ما وقع في هذه المسألة بقضاء الله وقدره . انتهى .

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى والإجابة عنه في كلام الباجي - ص ۷ - وما ذكر عن

شيخ الإسلام في - ص ۱۱ - وكلام ابن القيم في - ص ۱۳- ۱۴ .

: قوله تعالى : (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ - إِلَى قَوْلِهِ - فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ)^(۴)

الدليل الثاني

قال ابن القيم : الاستدلال بالآية من وجوه

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۳۰ .

(۲) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۳۰ .

(۳) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۴) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

الوجوب الأول

أنه سبحانه وتعالى إنما شرع أن تطلق لعدتها أي لاستقبال عدتها فتطلق طلاقاً يعتبه شرعاً في العدة . ولهذا أمر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عبدالله بن عمر رضي الله عنهما لما طلق امرأته في حبضها أن يراجعها . وتلا هذه الآية تفسيراً للمراد بها . وأن المراد بها الطلاق في قبل العدة وكذلك كان يقرأها عبدالله بن عمر . ولهذا قال كل من قال بتحريم جمع الثلاث أنه لا يجوز له أن يردف الطلقة بأخرى في ذلك الطهر : لأنه غير مطلق للعدة فإن العدة قد استقبلت من حين الطلقة الأولى فلا تكون الثانية للعدة . ثم قال الإمام أحمد في ظاهر مذهبه ومن وافقه : إذا أراد أن يطلقها ثانية طلقها بعد عقد أو رجعة لأن العدة تنقطع بذلك . فإذا طلقها بعد ذلك أخرى طلقها للعدة . وقال في رواية أخرى عنه : له أن يطلقها الثانية في الطهر الثاني ، ويطلقها الثالثة في الطهر الثالث ، وهو قول أبي حنيفة ، فيكون مطلقاً للعدة أيضاً . لأنها تنبئ على ما مضى والصحيح هو الأول . وأنه ليس له أن يردف الطلاق قبل الرجعة أو العقد لأن الطلاق الثاني لم يكن لاستقبال العدة بل هو طلاق لغير العدة فلا يكون مأذوناً فيه ، فإن العدة إنما تجب من الطلقة الأولى لأنها طلاق العدة : بخلاف الثانية والثالثة . ومن جعله مشروعاً ، قال : هو الطلاق لتمام العدة . والطلاق لتمامها كالطلاق لاستقبالها وكلاهما طلاق للعدة .

وأصحاب القول الأول يقولون : المراد بالطلاق للعدة الطلاق لاستقبالها كما في القراءة الأخرى التي تفسر القراءة المشهورة : (فَطَلَّقُوهُنَّ فِي قَبْلِ عِدَّتِهِنَّ)^(١)

قالوا : فإذا لم يشرع إرداف الطلاق للطلاق قبل الرجعة أو العقد ، فإن لا يشرع جمعه معه أولى وأحرى فإن إرداف الطلاق أسهل من جمعه ولهذا يسوغ الإرداف في الأطهار من لا يجوز الجمع في الطهر الواحد . وقد احتج عبدالله بن عباس على تحريم الثلاث بهذه الآية - وساق الأثر عن ابن عباس وقد سبق .



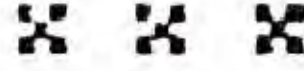
الوجوب الثاني

من الاستدلال بالآية ، قوله تعالى : (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ)^(١) وهذا إنما هو في الطلاق الرجعي ، فأما البائن فلا سكنى لها ولا نفقة لسترسول الله - صلى الله عليه وسلم - الصحيحة التي لا مطعن في صحتها الصريحة التي لا شبهة في دلالتها فدل على أن هذا حكم كل طلاق شرعه الله تعالى ما لم يسبقه طلقتان قبله ، ولهذا قال الجمهور : إنه لا يشرع له ولا يملك إبانته بطلقة واحدة بدون العرض .

وأبو حنيفة قال : يملك ذلك لأن الرجعة حقه وقد أسقطها

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١

والجمهور يقولون : ثبوت الرجعة وإن كان حقاً له ، فلها عليه حقوق الزوجية فلا يملك إسقاطها إلا بمخالصة أو باستيفاء العدد كما دل عليه القرآن .



الوجع الثالث

أنه قال : (وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ) ^(١) فإذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة فقد تعدى حدود الله فيكون ظالماً .

الوجع الرابع

أنه سبحانه قال : (لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا) ^(٢) وقد فهم أعلم الأمة بالقرآن - وهم الصحابة - أن الأمر مهنا هو الرجعة ، قالوا : وأي أمر يحدث بعد الثلاث .

الوجع الخامس

قوله تعالى : (فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ) ^(٣) فهذا حكم كل طلاق شرعه الله ، إلا أن يسبق بطلقتين قبله ، وقد احتج ابن عباس على تحريم جمع الثلاث بقوله تعالى : (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قَبْلِ عِدَّتِهِنَّ) ^(٤) كما تقدم - قصده رحمه الله الأثر الذي أشرنا إليه سابقاً - وهذا حق ، فإن الآية إذا دلت على منع إرداف الطلاق في طهر أو أطهار قبل رجعة أو عقد كما تقدم لأنه يكون مطلقاً في غير قبل العدة فلأن تدل على تحريم الجمع أولى وأحرى .

ومضى - رحمه الله - إلى أن قال : فهذه الوجوه ونحوها مما بين الجمهور أن جمع الثلاث غير مشروع هي بعينها تبين عدم الوقوع وأنه إنما يقع المشروع وحده وهي الواحدة . اهـ . . . وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى .

وأما المسنة

فقد استدلوا بالأدلة الآتية :

الدليل الأول : روى مسلم في صحيحه عن طريق ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس - رضي الله - عنهما قال : « كان الطلاق على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وستين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة » ، فقال عمر رضي الله عنه إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم .

وفي صحيحه أيضاً عن طاوس : أن أبا التيهان قال لابن عباس : هات من هتاتك ألم يكن الطلاق

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر واحدة ؟

فقال : قد كان ذلك ، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازهم عليهم وفي لفظ لأبي داود : أن رجلاً يقال له أبو الصهباء كان كثير السؤال لابن عباس قال : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من إمارة عمر - رضي الله عنهما - فقال ابن عباس : بلى ، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من إمارة عمر - رضي الله عنهما - فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال : أجروهم عليهم .. هكذا في هذه الرواية قبل أن يدخل بها .

وفي مستدرک الحاكم من حديث عبدالله بن المزمّل ، عن ابن أبي مليكة ، أن أبا الجوزاء أتى ابن عباس فقال : أتعلم أن الثلاث كن يرددن على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى واحدة ؟ قال : نعم وقال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد وهذه غير طريق طاوس عن أبي الصهباء ، وقد أجاب القائلون بأن الثلاث بلفظ واحد تقع ثلاثاً عن حديث ابن عباس بأجوبة :

الجواب الأول : : أنه منسوخ وهو قول الشافعي وأبي داود والطحاوي .

بعد مباحه الحديث أبي الصهباء وأثر ابن عباس في الذي طلق امرأته ألفاً وأفتاه بوقوع الثلاث ، والذي طلق مائة وقد سبقت ، قال بعد ذلك : فإن كان معنى قول ابن عباس من الثلاث كانت تحب على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - واحدة يعني أنه بأمر النبي - صلى الله عليه وسلم - فالذي يشبه - والله أعلم - أن يكون ابن عباس قد علم أن كان شيئاً فنسخ .

فإن قيل : فما دل على ما وصفت ؟ قيل : لا يشبه أن يكون يروى عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - شيئاً ثم يخالفه بشيء . لم يعلمه كان من النبي فيه خلافه .

فإن قيل : قلل هذا شيء روي عن عمر فقال فيه ابن عباس بقول عمر ، قيل : قد علمنا أن ابن عباس يخالف عمر في نكاح المتعة ، وبيع الدبنار بالدبنارين ، وفي بيع أمهات الأولاد وغيره ، فكيف يوافقه في شيء يروى عن النبي - صلى الله عليه وسلم - فيه خلافه ؟

فإن قيل : فلم لم يذكره ؟

قيل : فقد يسأل الرجل عن الشيء فيجيب فيه ولا ينقص فيه الجواب ، ويأتي على الشيء ويكون جائزاً نه كما يجوز له ، لو قيل : أصلى الناس على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى بيت المقدس ؟ أن يقول نعم ، وإن لم يقل ثم حولت القبلة .

(١) الأم - اختلاف الحديث : ٧ / ٣٠٥ - ٣١٠ .

قال : فإن قيل فقد ذكر على عهد أبي بكر وصلى من خلافة عمر ؟ قيل والله أعلم - وجوابه حين استفتي يخالف ذلك كما وصفت .

فإن قيل : فهل من دليل تقوم به الحجة في ترك أن تحسب الثلاث واحدة في كتاب أو سنة أو أمر آيين مما ذكرت ؟

قيل : نعم . أخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن أبيه قال قال الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنفذي عدتها كان ذلك له ، وإن طلقها ألف مرة . فعمد رجل إلى امرأة له فطلقها ثم أمهلها حتى إذا شارفت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها وقال : والله لا أويك . . ولا تخلين بداً ، فأنزل الله تعالى : (الطلاق مرتان فإمساكاً بمعروف أو تسريح بإحسان)^(١) فاستقبل الناس الطلاق جديداً من يومئذ ، من كان منهم طلق أو لم يطلق . وذكر بعض أهل التفسير هذا فلعل ابن عباس أجاب أن الثلاث والواحدة سواء ، وإذا جعل الله عدد الطلاق إلى الزوج وأن يطلق متى شاء ، فسواء الثلاث والواحدة وأكثر من الثلاث في أن يقضي بطلاقه .

قال الشافعي : وحكم الله في الطلاق أنه مرتان فإمساكاً بمعروف أو تسريح بإحسان . وقوله : (فإن طلقها) يعني - والله أعلم - الثلاث (فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره)^(٢) فدل حكمه أن المرأة تحرم بعد الطلاق ثلاثاً حتى تنكح زوجاً غيره ، وجعل حكمه بأن الطلاق إلى الأزواج يدل على أنه إذا حدث تحرير المرأة بطلاق ثلاث وجعل الطلاق إلى زوجها فطلقها ثلاثاً مجموعة أو مفرقة حرمت عليه بعد من حتى تنكح زوجاً غيره . كما كانوا مملكين عتق رقيقهم ، فإن اعتق واحداً أو مائة في كلمة لزمه ذلك كما يلزمه كلها ، جماع الكلام فيه أو فرقه مثل قوله لنسوة له : أنتن طواقي ، والله لا أقربكن ، وأنتن علي كظهر أمي ، وقوله : لفلان كذا ، ولفلان على كذا ، ولفلان على كذا ، فلا يسقط عنه جميع الكلام معنى من المعاني . جميعه كلام فيلزمه .

فإن قال قائل : فهل من سنة تدل على هذا قيل نعم . حدثنا الربيع قال : أخبرنا الشافعي قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن عروة بن الزبير عن عائشة أنه سمعها تقول :

جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت ثلاثي فتزوجت عبد الرحمن بن الزبير وأنا معه مثل هذبة الثوب فتبسم رسول الله وقال : أتريدن أن قرّجيني إلى رفاعة ، لا حتى يدوق عسلتك وقد ولي عيانتك ، قال وأبو بكر عند النبي وخالد بن سعيد بن العاص بالباب ينتظر أن يؤذن له فنأدى يا أبا بكر ألا تسمع ما تجهر به هذه عند رسول الله - صلى الله عليه وسلم - .

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣٠ .

قال الشافعي

فإن قيل : فقد يحتل أن يكون رفاة بت طلاقها في مرات . قلت : ظاهره في مرة واحدة (وبت) إنما هي ثلاث إذا احتملت ثلاثاً وقال رسول الله « أتريدون أن ترجعوني إلى رفاة لا حتى يذوق عسبلك » ولو كانت عائشة حسبت طلاقها بواحدة كان لها أن ترجع إلى رفاة بلا زوج .

فإن قيل : أطلق أحد ثلاثاً على عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - قيل : نعم . عويمر العجلاني طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يخبره النبي أنها تحرم عليه باللعان فلما أعلم النبي نهاه .

وقاطمة بنت قيس تحكي للنبي : أن زوجها بت طلاقها : تعني - والله أعلم - أنه طلقها ثلاثاً، وقال النبي : « ليس لك عليه نفقة »^(١) لأنه - والله أعلم - لا رجعة له عليها ، ولم أعلمه عاب طلاق ثلاث معاً، قال الشافعي : فلما كان حديث عائشة في رفاة موافقاً ظاهر القرآن، وكان ثابتاً، كان أولى الحديثين أن يؤخذ به - والله أعلم - وإن كان ليس بالبين فيه جداً .

قال الشافعي : ولو كان الحديث الآخر له مخالفاً كان الحديث الآخر يكون ناسخاً - والله أعلم - وإن كان ذلك ليس بالبين فيه جداً . ٨١ .

وقال أبو داود

في سننه : باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ، حدثنا أحمد بن سعيد المروزي حدثني علي بن حسين بن واقد عن أبيه عن يزيد النحوي ، عن عكرمة عن ابن عباس قال : (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن)^(١) وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعته وإن طلقها ثلاثاً فنسخ ذلك فقال : (الطلاق مرتان)^(٢) ثم أورد أبو داود في نفس الباب حديث ابن طاوس عن أبيه أن أبا الصهباء قال لابن عباس : أتعلم أن الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر ، وثلاثاً من إمارة عمر قال ابن عباس نعم .

وقال الطحاوي

في : باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً ، حدثنا روح بن الفرغ ، ثنا أحمد بن صالح قال : ثنا عبد الرزاق ، قال : أخبرنا ابن جريج ، قال : أخبرني ابن طاوس عن أبيه أن أبا الصهباء قال لابن عباس : أتعلم أن الثلاث كانت تجعل واحدة على عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وثلاثاً من إمارة عمر ، قال ابن عباس : نعم .

وقال الطحاوي

بعد استعراض بعض الآراء في المسألة : وفي حديث ابن عباس ما لو اكتبنا به كانت حجة قاطعة ، وذلك أنه قال : فلما كان زمان عمر رضي الله عنه قال : أيها الناس قد كانت لكم في الطلاق أناة وأنه من تعجل أناة الله في الطلاق ألزمناه إياه ، حدثنا بذلك ابن أبي عمير .

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٨ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٣) شرح معاني الآثار ٣٢/٢ .

قال : لنا اسحق بن أبي اسرائيل قال : أخبرنا عبد الرزاق - ح - وحدثنا عبد الحميد بن عبد العزيز قال : ثنا أحمد بن منصور الرمادي قال : ثنا عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس مثل الحديث الذي ذكرناه في أول هذا الباب ، غير أنهما لم يذكرنا أبا الصهباء ولا سؤاله ابن عباس - رضي الله عنهما - وإنما ذكرنا مثل جواب ابن عباس - رضي الله عنهما - الذي في ذلك الحديث ، وذكرنا بعد ذلك من كلام عمر - رضي الله عنه - ما قد ذكرناه قبل هذا الحديث ، فخطب عمر - رضي الله عنه - بذلك الناس جميعاً وفيهم أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ورضي عنهم ، الذين قد علموا ما تقدم من ذلك في زمن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فلم ينكروا عليه منهم منكر ، ولم يدفعه دافع فكان ذلك أكبر الحجة في نسخ ما تقدم من ذلك لأنه لما كان فعل أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - على آله وسلم - جميعاً فعلاً يجب به الحجة كان كذلك أيضاً إجماعهم على القول إجماعاً يجب به الحجة ، وكما كان إجماعهم على النقل بريئاً من الوهم والزلل كان كذلك إجماعهم على الرأي بريئاً من الوهم والزلل ، وقد رأينا أشياء قد كانت على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - على معاني فجعلها أصحابه - رضي الله عنهم - من بعده على خلاف تلك المعاني ، لما رأوا فيه مما خفي على من بعدهم ، فكان ذلك حجة ناسخاً لما تقدمه . من ذلك تدوين الدواوين ، والمنع من بيع أمهات الأولاد ، وقد كن يبعن قبل ذلك ، والتوقيت في حد الحرم ولم يكن فيه توقيت قبل ذلك ، فلما كان ما عملوا به من ذلك ووقفنا عليه لا يجوز لنا خلافه إلى ما قد رأيناه مما تقدم فعلهم له ، كان كذلك ما وقفنا عليه من الطلاق الثلاث الموقع معاً أنه يلزم لا يجوز لنا خلافه إلى غيره مما قد روى أنه كان قبله على خلاف ذلك . اهـ المراد من كلام الطحاوي .

بعد كلامه في النسخ^(١) : ثم هذا ابن عباس - رضي الله عنهما - قد كان من بعد ذلك يفتي من طلق امرأته ثلاثاً معاً أن طلاقه قد لزمه وحرمها عليه .

وقال الطحاوي

حدثنا ابراهيم بن مرزوق قال : ثنا أبو حذيفة قال : ثنا سفيان عن الأعمش عن مالك ابن الحارث قال : جاء رجل إلى ابن عباس فقال : إن عمي طلق امرأته ثلاثاً ؟ فقال : إن عمك عصى الله فأثمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً . فقلت : كيف ترى في رجل يحلها له ؟ فقال : من يخادع الله بخادعه . حدثنا يونس قال : أخبرنا ابن وهب أن مالكا أخبره عن ابن شهاب عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ، عن محمد بن إياس بن البكير قال : طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها ، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له أبا هريرة وعبد الله بن عباس عن ذلك فقالا : لا نرى أن تنكحها حتى تتزوج زوجاً غيرك . فقال : إنما كان طلاقاً إياها واحدة ، فقال ابن عباس : إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل . حدثنا يونس قال : أخبرنا ابن وهب أن مالكا أخبره عن يحيى بن سعيد أن بكير بن الأشج أخبر عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري أنه كان جالساً مع عبد الله بن الزبير وعاصم بن عمر فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال : إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تربان ؟ فقال ابن الزبير إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول ، فاذهب

(١) شرح معاني الآثار ٢/٢٢٢ .

إلى عبد الله ابن عباس وأبي هريرة - رضي الله عنهم - فأسألهما ثم اتنا فأخبرنا. فذهب . سألهما فقال ابن عباس لأبي هريرة : أفته يا أبا هريرة فقد جاءتك معضلة، فقال أبو هريرة : الواحدة بينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره . حدثنا ربيع المؤذن، قال : ثنا خالد بن عبد الرحمن قال : أخبرني ابن أبي ذئب عن الزهري عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ، عن محمد بن إياس بن البكير ، أن رجلاً سأل ابن عباس وأبا هريرة وابن عمر عن طلاق البكر ثلاثاً وهو معه فكلهم قالوا : حرمت عليك . حدثنا يونس قال أخبرنا سفیان عن الزهري عن أبي سلمة عن أبي هريرة وابن عباس أنها قالوا في الرجل يطلق البكر ثلاثاً : لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره . حدثنا أبو بكرة، قال ثنا مؤمل قال ثنا سفیان عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير أن رجلاً سأل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال : ثلاث تحرمها عليه وسبعة وتسمون في رقبتة إنه اتخذ آيات الله هزواً حدثنا علي بن شيبه حدثنا أبو نعيم قال ثنا إسرائيل عن عبد الأعلى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس مثله .

■ حدثنا ابن مرزوق ثنا ابن وهب قال قال ثنا شعبة عن ابن أبي نجیح وحيد الأعرج عن مجاهد : أن رجلاً قال لابن عباس : رجل طلق امرأته مائة فقال : عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تنق الله فيجعل لك مخرجاً «وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً» قال الله تعالى : (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ فِي قَبْلِ عِدَّتَيْنِ) ^(١) انتهى المراد من كلام الطحاوي .

■ ومن ارتضى هذا المسلك الذي هو مسلك النسخ - الحافظين حجر العقلا في نهاية بحثه الطويل في هذه المسألة قال ^(٢) : وفي الحملة فالذي وقع في هذه المسألة نظير ما وقع في مسألة المتعة سواء أعني قول جابر أنها كانت تفعل في عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ، قال : ثم نهاها عمر عنها فانتبهنا ، فالراجع في الموضعين تحريم المتعة وإيقاع الثلاث للإجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك . ولا يحفظ أن أحداً في عهد عمر خالفه في واحدة منهما وقد دل إجماعهم على وجود ناسخ وإن كان خفي عن بعضهم قبل ذلك ، حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر ، فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له ، والجمهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق . اهـ .

■ واعترض المازري على ذلك قال : « زعم بعضهم أن هذا الحكم منسوخ وهو غلط فإن عمر لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادر الصحابة إلى انكاره . وإن أراد القائل أنه نسخ في زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - فلا يمتنع لكن بخرج عن ظاهر الحديث لأنه لو كان كذلك لم يحز للراوي أن يخبر ببقاء الحكم في خلافة أبي بكر وبعض خلافة عمر قال : فإن قيل فقد يجمع الصحابة ويقبل منهم ذلك ، قلنا : إنما يقبل ذلك لأنه يستدل بإجماعهم على ناسخ وأما أنهم ينسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذ الله ، لأنه إجماع على الخطأ ، وهم معصومون عن ذلك . قال : فإن قيل : فلعل النسخ إنما ظهر في زمن عمر ، قلنا : هذا أيضاً غلط لأنه يكون قد حصل الإجماع على الخطأ في زمن أبي بكر وليس انقراض العصر شرطاً في صحة الإجماع على الراجع . هذا ما أورده المازري ، وأجاب

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

(٢) فتح الباري ٢٩٩/٩ .

عليه الحافظ بقوله ^(١) : « هو متعقب في مواضع :

أن الذي ادعى نسخ الحكم لم يقل إن عمر هو الذي نسخ حتى يلزم منه ما ذكر، وإنما قال ما تقدم « يشبه أن يكون علم شيئاً من ذلك نسخ « أي اطلع على ناسخ الحكم الذي رواه مرفوعاً ، ولذلك أفتى بخلافه ، وقد سلم المازري في أثناء كلامه أن إجماعهم يدل على ناسخ وهذا هو مراد من ادعى النسخ .

أحدهما

إنكاره الخروج عن الظاهر عجيب، فإن الذي يحاول الجمع بالتأويل يرتكب خلاف الظاهر حتماً .

الثاني

أن تغليظه من قال المراد ظهور النسخ عجيب أيضاً لأن المراد بظهوره انتشاره ، وكلام ابن عباس أنه يفعل في زمن أبي بكر محمول على أن الذي كان يفعله من لم يبلغه النسخ، فلا يلزم ما ذكر من إجماعهم على الخطأ ، وما أشار إليه من مسألة انقراض العصر لا يجيء هنا لأن عصر الصحابة لم ينقض في زمن أبي بكر بل ولا عمر ، فإن المراد بالعصر الطبقة من المجتهدين وهم في زمن أبي بكر وعمر بل وبعدهما طبقة واحدة . اهـ كلام الحافظ .

الثالث

وقد أجاب ابن القيم عن دعوى النسخ فقال ^(٢) : وأما دعواكم لنسخ الحديث فموقوف على ثبوت معارض بمقارن متراخ فإين هذا ؟ .

وأما حديث عكرمة عن ابن عباس في نسخ المراجعة بعد الطلاق الثلاث فلو صح لم يكن فيه حجة فلأنما فيه « أن الرجل كان يطلق امرأته ويراجعها بغير عدد « فنسخ ذلك ، وقصر على ثلاث فيها تنقطع الرجعة . فأين في ذلك الإلزام بالثلاث بغير واحد ؟ ثم كيف يستمر المنسوخ على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر لا تعلم به الأمة ، وهو من أهم الأمور المتعلقة بحل الفروج ؟ ثم كيف يقول عمر : « إن الناس قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة » وهل للأمة أناة في المنسوخ بوجه ما ؟ ثم كيف يعارض الحديث الصحيح بهذا الذي فيه علي بن الحسين بن واقد وضعفه معلوم .

وقد أجاب عن ذلك الشيخ محمد الأمين الشنقيطي فقال ^(٣) : وأوضح دليل يزيل الإشكال عن القول بالنسخ المذكور وقوع مثله واعتراف المخالف به في نكاح المتعة، فإن مسلماً روى عن جابر - رضي الله عنه - أن متعة النساء كانت تفعل في عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر . قال : ثم نهانا عمر عنها فأنتهينا وهذا مثل ما وقع في طلاق الثلاث طبقاً . . . فمن الغريب أن يسلم منصف إمكان النسخ في أحدهما ويدعي استحالة في الأخرى مع أن كلا منهما روى مسلم فيها عن صحابي جليل أن ذلك الأمر

(١) فتح الباري ٢/٢٩٨ .

(٢) زاد المسند ٤/١١٧ ، ١١٨ .

(٣) أضواء البيان ١/١٨٦-١٨٧ .

كان يفعل في زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر في مسأنة تتعلق بالفروج ثم غيره عمر . ومن أجاز نسخ نكاح المتعة وأحال جعل الثلاث واحدة . يقال له ما ليالك نجس وبائي لا نجس ؟ .

■ فإن قيل : نكاح المتعة صح النص بنسخه ؟ قلنا قد رأيت الروايات المتقدمة بنسخ المراجعة بعد الثلاث .

■ ومن جزم بنسخ جعل الثلاث واحدة الإمام أبو داود - رحمه الله تعالى - ورأى أن جعلها واحدة إنما هو في الزمن الذي كان يرنجع فيه بعد ثلاث تطليقات وأكثر قال في سنته : « باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث » ثم ساق بسنده حديث ابن عباس في قوله تعالى : (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ ^(١)) الآية وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثاً فنسخ ذلك . وقال (الطلاق مرتان ^(٢)) الآية ، وأخرج نحوه النسائي ، وفي إسناده على بن الحسين بن واقد ، قال فيه ابن حجر في التقريب صلوق بينهم .

■ وروى مالك في الموطأ عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال : كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضي عدتها كان ذلك له ، وإن طلقها ألف مرة ، فعاد رجل إلى امرأته فطلقها حتى إذا أشرفت على انقضاء عدتها راجعها ، ثم قال : لا آويك ولا أطلقك ، فأنزل الله (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان ^(٣)) فاستقبل الناس الطلاق جديداً من يومئذ من كان طلق منهم أو لم يطلق .

■ ويؤيد هذا أن عمر لم ينكر عليه أحد من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إيقاع الثلاث دفعة مع كثرتهم وعلمهم وورعهم .

■ ويؤيده أن كثيراً من الصحابة الأجلاء العلماء صح عنهم القول بذلك كابن عباس وعمر وابن عمر وخلق لا يحصى . والناسخ الذي نسخ المراجعة بعد الثلاث قال بغض العلماء إنه قوله تعالى : (الطلاق مرتان) كما جاء مبيناً في الروايات المتقدمة ، ولا مانع عقلاً ولا عادة من أن يجهل مثل هذا الناسخ كثير من الناس إلى خلافة عمر ، مع أنه - صلى الله عليه وسلم - صرح بنسخها وتحريمها إلى يوم القيامة في غزوة الفتح وفي حجة الوداع أيضاً كما جاء في رواية عند مسلم ومع أن القرآن دل على تحريم غير الزوجة والسرية بقوله تعالى : (وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفْرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ^(٤)) ومعلوم أن المرأة المتنع بها ليست بزوجة ولا سرية والذين قالوا بالنسخ قالوا معنى قول عمر : إن الناس استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، أن المراد بالأناة أنهم كانوا يتأنون في الطلاق فلا يوقعون الثلاث في وقت واحد ، ومعنى استعجالهم أنهم صاروا يوقعونها بلفظ واحد ، على القول بأن ذلك هو معنى الحديث ، وقد قلنا أنه لا يتعين كونه هو معناه وامتنازه له عليهم إذن هو اللازم ، ولا ينافيه قوله فلو أمضيناه عليهم ، يعني ألزمناهم بمقتضى ما قالوا ،

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٨ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٣) الآية الكريمة من سورة المؤمنون : ٦٥ .

ونظيره قول جابر عند مسلم في نكاح المتعة فنهانا عنها عمر ، فظاهر كل منهما أنه اجتهد من عمر والنسخ ثابت فيهما كما رأيت ، وليست الأناة في المنسوخ وإنما هي في عدم الاستعجال بإيقاع الثلاث دفعة . . . أما كون عمر كان يعلم أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان يجعل الثلاث بلفظ واحد واحدة فتعمد مخالفة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وجعلها ثلاثاً ولم ينكر عليه أحد من الصحابة فلا يخفى بعده ، والعلم عند الله تعالى . انتهى .



الجواب الثاني

حمل الحديث على أن الناس اعتادوا في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر إيقاع المطلق المطلقة الواحدة ثم بدعها حتى تنقضي عدتها ثم اعتادوا الطلاق الثلاث جملة وتتابعوا فيه . فمعنى الحديث على هذا كان الطلاق الذي يوقعه المطلق الآن ثلاثاً يوقعه المطلق على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة ، فالحديث على هذا اخبار عن الواقع لا عن المشروع .

وهذا جواب أبي زرعة ، والباجي ، والقاضي أبي محمد عبد الوهاب ، ونقل القرطبي عن الكيا الطبري أنه قول علماء الحديث ورجحه ابن العربي ، وذكره ابن قدامة .

أما أبو زرعة الرازي فقد نقله عنه البيهقي بسنده إلى عبد الرحمن بن أبي حاتم قال ^(١) : سمعت أبا زرعة يقول : « معنى هذا الحديث عندي أن ما تطلقون أنتم ثلاثاً كانوا يطلقون واحدة في زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وعمر - رضي الله عنهما - .

وأما الباجي فقال ^(٢) : « معنى الحديث أنهم كانوا يوقعون طليقة واحدة بدل إيقاع الناس ثلاث طلاقات - قال : وبدل على صحة هذا التأويل أن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - قال : « إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة » فانكر عليهم أن أحدثوا في الطلاق استعجال أمر كان لهم فيه أناة فلو كان حالهم ذلك من أول الإسلام في زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - ما قاله وما عاب عليهم أنهم استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، وبدل لصحة هذا التأويل ما روى عن ابن عباس من غير طريق أنه أفنى بلزوم الطلاق الثلاث لمن أوقعها مجتمعة ، فإن كان معنى حديث ابن طاوس فهو الذي قلناه ، وإن حمل حديث ابن طاوس على ما يتأول فيه من لا يعياً بقوله فقد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع . . انتهى كلام الباجي .

(١) السنن الكبرى : ٢٣٨/٧ .
(٢) التنقيح : ١/١ .

■ وأما القاضي فقد نقل عنه القرطبي أنه قال (١) : و معناه أن الناس كانوا يقتصرون على طلقة واحدة ثم أكثروا أيام عمر من إيقاع الثلاث - قال - قال القاضي : وهذا هو الأشبه بقول الراوي إن الناس في أيام عمر استعملوا الثلاث فعجل عليهم معناه ألزمهم حكمها . انتهى .

■ وأما ما نسب إلى علماء الحديث فقد قال القرطبي بعد ذكره تأويل الباجي حديث ابن عباس وما أوله به أبو زرعة ، قال : قلت ما تأوله الباجي هو الذي ذكر معناه الكيا الطبري عن علماء الحديث أي أنهم كانوا يطلقون طلقة واحدة هو الذي تطلقون ثلاثاً أي ما كانوا يطلقون في كل قرء طلقة وإنما كانوا يطلقون في جميع العدة واحدة إلى أن تبين وتنقضي العدة . انتهى كلام القرطبي . وأما ترجيح ابن العربي فقد نقله عنه ابن حجر (٢) .

وأما ذكر ابن قدامة له فقد قال (٣) : قيل معنى حديث ابن عباس أن الناس كانوا يطلقون واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وإلا فلا يجوز أن يخالف عمر ما كان في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر، ولا يسوغ لابن عباس أن يروي هذا عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ويفتي بخلافه .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (٤) : وأما قول من قال : إن معناه كان وقوع الطلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - واحدة ، فإن حقيقة هذا التأويل كان الناس على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يطلقون واحدة وعلى عهد عمر صاروا يطلقون ثلاثاً ، والتأويل إذا وصل إلى هذا الحد كان من باب اللغز والتحريف لا من باب بيان المراد ولا يصح ذلك بوجه ما ، فإن الناس ما زالوا يطلقون واحدة وثلاثاً ، وقد طلق رجال نساءهم على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ثلاثاً فممنهم من رد إلى واحدة كما في حديث عكرمة عن ابن عباس ، ومنهم من أنكر عليه وغضب وجعله متلاعياً بكتاب الله ، ولم يعرف ما حكم به عليهم ، وممنهم من أقره لتأكيد التحريم الذي أوجبه اللعان ، ومنهم من ألزمه بالثلاث لكون ما أنى به من الطلاق آخر الثلاث . فلم يصح أن يقال : إن الناس ما زالوا يطلقون واحدة إلى أثناء خلافة عمر فطلقوا ثلاثاً ، ولا يصح أن يقال : إنهم قد استعملوا في شيء كانت لهم فيه أناة فنمضيه عليهم ولا يلزم هذا الكلام الفرق بين عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وبين عهده بوجه ما . فإنه ما مضى منكم على عهده بعد عهده ، ثم إن في بعض ألفاظ الحديث الصحيحة ، ألم تعلم أنه من طلق ثلاثاً جعلت واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ؟ ولفظه : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جماعاً واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ؟ فقال ابن عباس بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر

(١) تفسير القرطبي: ١٣٠/٣ .

(٢) الفتح ٢٩٩/٩ .

(٣) المنى ومنه الشرح ٣٠٤/٧ .

(٤) زاد المعاد ١١٩/٤ .

من إماره عمر قلنا رأى الناس - يعني عمر - قد تابعوا فيها قال اجيزوهم عليهم ، هذا لفظ الحديث وهو بأصح إسناد وهو لا يحتمل ما ذكرتم من التأويل بوجه ما . ولكن هذا كله عمل من جعل الأدلة تبعاً للمذهب فاعتقد ثم استدلل ، وأما من جعل المذهب تبعاً للدليل واستدل ثم اعتقد لم يمكنه هذا العمل . اهـ .



حمل الحديث على غير المدخول بها :



قد سلك أبو عبد الرحمن النسائي في سنته في الحديث مسلماً آخر وقوي جانبها عنده فقال : باب الطلاق الثلاث المنفردة قبل الدخول بالزوجة ، ثم ساقه فقال : حدثنا أبو داود حدثنا أبو عاصم عن ابن جريج عن ابن طاوس عن أبيه أن أبا الصهباء جاء إلى ابن عباس - رضي الله عنهما - فقال : يا ابن عباس ، ألم تعلم أن الثلاث كانت على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ترد إلى الواحدة قال : نعم .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال ^(١) : وأنت إذا طابقت بين هذه الترجمة وبين لفظ الحديث وجدتها لا يدل عليها ولا يشعر بها بوجه من الوجوه بل الترجمة لون والحديث لون آخر وكأنه لما أشكل عليه لفظ الحديث جملة على ما إذا قال لغير المدخول بها : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق طلقت واحدة ، ومعلوم أن هذا الحكم لم يزل ولا يزال كذلك ولا يتقيد ذلك بزمان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر - رضي الله عنه - ، ثم يتغير في خلافة عمر - رضي الله عنه - ، ويمضي الثلاث بعد ذلك على المطلق بالحديث لا يتدفع بمثل هذا البتة . اهـ .

وهناك توجه آخر للحديث قال ابن حجر ^(٢) : وهو جواب إسحق بن راهويه وجماعة وبه جزم زكريا الساجي من الشافعية .

ووجهه بأن غير المدخول بها تين إذا قال لها زوجها : أنت طالق ، فإذا قال ثلاثاً لغير المدخول بقرع بعد النيوة .

وتعقبه القرطبي بأن قوله أنت طالق ثلاثاً كلام متصل غير منفصل فكيف جملة كلمتين ؟ وتعطي كل كلمة حكماً ؟

وقال النووي أنت طالق معناه : أنت ذات الطلاق ، وهذا اللفظ يصح تفسيره بالواحدة وبالثلث وغير ذلك . انتهى كلام ابن حجر .

(١) إغاثة المفان : ٢٩٨ .
(٢) فتح الباري : ٣١٣/٩ .

وأجاب ابن القيم عن الرواية التي فيها ذكر غير المدخول بها فقال ^(١) : ورواية طاوس نفسه عن ابن عباس ليس في شيء منها قبل الدخول ، وإنما حكى ذلك طاوس عن سؤال أبي الصهباء لابن عباس فأجابه ابن عباس بما سأله عنه ولعله إنما بلغه جعل الثلاث واحدة في حق مطلق قبل الدخول ، فسأل عن ذلك ابن عباس وقال : « كانوا يجعلونها واحدة ؟ » فقال له ابن عباس « نعم » أي الأمر ما قلت وهذا لا مفهوم له فإن التقييد في الجواب وقع في مقابلة تقييد السؤال ومثل هذا لا يعتبر مفهوماً .

نعم لو لم يكن السؤال مقيداً فتقيد المسؤول الجواب كان مفهوماً معتبراً ، وهذا كما إذا مثل عن فارة وقعت في سمن فقال « إذا وقعت الفارة في السمن فألقوها وما حرلها وكلوه » لم يدل ذلك على تعيين الحكم بالسمن خاصة ، وبالحملة فغير المدخول بها فرد من أفراد النساء فذكر النساء مطلقاً في أحد الحديثين وذكر بعض أفرادهن في الحديث الآخر لا تعارض بينهما .

وقال الشيخ محمد الأمين الشنيطي ^(٢) : وحجة هذا القول أن بعض الروايات كرواية أبي داود جاء فيها التقييد بغير المدخول بها ، والمقرر في الأصول هو حمل المطلق على المقيد ولا سيما إذا اتحد الحكم والسبب كما هنا ، قال في مراقي السعود :

وحمل مطلق على ذاك وجب إن فيهما اتحد حكم والسبب

وما ذكره الأبي - رحمه الله - من أن الإطلاق والتقييد إنما هو في حديثين ، أما في حديث واحد من طريقين فمن زيادة العدل فردود بأنه لا دليل عليه ولأنه مخالف لظاهر كلام جماعة العلماء ولا وجه للفرق بينهما ، وما ذكره الشوكاني - رحمه الله - في نيل الأوطار من أن رواية أبي داود التي فيها التقييد بعدم الدخول فرد من أفراد الروايات العامة ، وذكر بعض أفراد العام بحكم العام لا يخصه ، لا يظهر ، لأن هذه المسألة من مسائل المطلق والمقيد ، لا من مسائل ذكر بعض أفراد العام ، فالروايات التي أخرجها مسلم مطلقاً عن قيد الدخول ، والرواية التي أخرجها أبو داود مقيدة بعدم الدخول كما ترى ، والمقرر في الأصول حمل المطلق على المقيد ، ولا سيما إن اتحد الحكم والسبب كما هنا .

نعم لقائل أن يقول : إن كلام ابن عباس في رواية أبي داود المذكورة وارد على سؤال أبي الصهباء ، وأبو الصهباء لم يسأل إلا عن غير المدخول بها فجواب ابن عباس لا مفهوم مخالفته له ، لأنه إنما خص غير المدخول بها لمطابقة الجواب للسؤال .

وقد تقرر في الأصول أن من موانع اعتبار دليل الخطاب أعني مفهوم المخالفة كون الكلام وارداً جواباً لسؤال ، لأن تخصيص المنطوق بالذكر لمطابقة السؤال فلا يتعين كونه لإخراج المفهوم عن المنطوق ، وأشار

(١) إغاثة المفان: ٢٨٥/١ - ٢٨٦ .

(٢) أسواء البيان: ١٩٦/١ - ١٩٧ - ١٩٨ .

إليه في مراقي السعود في ذكر موانع اعتبار مفهوم المخالفة بقوله :

وجهل الحكم والنطق انجلب للزوال أو جرى على الذي غلب

ومحل الشاهد منه قوله : أو النطق انجلب للزوال .

وقد قلنا أن رواية أبي داود المذكورة عن أيوب السخيتاني عن غير واحد عن طاوس ، وهو صريح في أن من روى عنهم أيوب مجهولون ، ومن لم يعرف من هو لا يصح الحكم بروايته ، ولذا قال النووي في شرح مسلم ما نصه : وأما هذه الرواية لأبي داود فضعيفة رواها أيوب عن قوم مجهولين عن طاوس عن ابن عباس فلا يحتج بها ، والله أعلم . انتهى منه بلفظه .

وقال المنذري في مختصر سنن أبي داود بعد أن ساق الحديث المذكور ما نصه : الرواية عن طاوس مجاهيل . انتهى منه بلفظه . وضعف رواية أبي داود هذه ظاهر كما ترى للجعل بمن روى عن طاوس فيها ، وقال العلامة ابن القيم - رحمه الله تعالى - في زاد المعاد بعد أن ساق نفي هذه الرواية ما نصه : وهذا لفظ الحديث وهو بأصح إسناد . انتهى محل الغرض منه بلفظه فانظره مع ما تقدم . انتهى كلام الشيخ محمد الأمين الشنقيطي .



ليس في الحديث ما يدل على أن الرسول - صلى الله عليه وسلم - هو الذي جعل ذلك ولا إنه علم به وأقر عليه وهذا جواب ابن المنذر وابن حزم ومن وافقهما .

الجواب الرابع

قال ابن القيم^(١) : وأما ابن المنذر فقال : لم يكن ذلك عن علم النبي - صلى الله عليه وسلم - ولا عن أمره ، قال : وغير جائز أن يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي - صلى الله عليه وسلم - شيئاً ثم يفتي بخلافه ، فلما لم يميز ذلك دل فتيا ابن عباس - رضي الله عنه - على أن ذلك لم يكن عن علم النبي - صلى الله عليه وسلم - ولا عن أمره ، إذ لو كان ذلك عن علم النبي - صلى الله عليه وسلم - ما استحلت ابن عباس أن يفتي بخلافه أو يكون ذلك منسوخاً استدلالاً بفتيا ابن عباس .

وقال ابن حزم^(٢) : وأما حديث طاوس عن ابن عباس الذي فيه أن الثلاث كتب واحدة وترد إلى واحدة وتجعل واحدة ، فليس في شيء منه أنه - عليه الصلاة والسلام - هو الذي جعلها واحدة أوردتها إلى واحدة

(١) إغاثة الهمم ١/٢٩١ .
(٢) المل ١٠/١٦٨ ، ١٦٩ .

ولأنه - عليه الصلاة والسلام - علم بذلك فأقره ، ولا حجة إلا فيما صح أنه - عليه الصلاة والسلام - قاله أو فعله أو علمه فلم ينكره وإنما يازم هذا الخبر من قال في قول أبي سعيد الخدري : كنا نخرج زكاة الفطر على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - صاعاً من كذا وأما نحن فلا . انتهى كلام ابن حزم .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (١) : سبحانه هذا بهتان عظيم أن يستمر هذا الجعل الحرام المتضمن لتغيير شرع الله ودينه وإباحة الفرج لمن هو عليه حرام وتحريمه على من هو عليه حلال على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأصحابه خير الخلق وهم يفعلونه ولا يعلمونه ولا يعلمه هو ، والوحي ينزل عليه وهو يقرهم عليه ، فهب أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لم يكن يعلمه ، وأصحابه يعلمونه ويبدلون دينه وشرعه والله يعلم ذلك ولا يوجهه إلى رسوله ولا يعلمه به ، ثم يتوفى الله رسوله والأمر على ذلك فيستمر هذا الضلال العظيم والخطأ المبين عندكم مدة خلافة الصديق كلها ويعمل به ولا يغيره إلى أن فارق الصديق الدنيا ، واستمر الخطأ والضلال المركب صدرأ من خلافة عمر حتى رأى بعد ذلك رأيه أن يلزم الناس بالصواب ، فهل بالجهل بالصحابة وما كانوا عليه في عهد نبيهم وخلفائه أقبح من هذا ؟ وتالله لو كان جعل الثلاث واحدة خطأ محضاً لكان أسهل من هذا الخطأ الذي ارتكبهتموه ، والتأويل الذي تأولتموه ، ولو تركتم المألة بهياتها لكان أقوى لشأنها من هذه الأدلة والأجوبة .

وذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (٢) : ضعف هذا الجواب لأن جماهير المحدثين والأصوليين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - له حكم المرفوع ، وإن لم يصرح بأنه بلغه - صلى الله عليه وسلم - وأقره .



ما ذكره المجد قال : وتأوله بعضهم على صورة تكرير لفظ الطلاق بأن يقول : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق فإنه يلزمه واحدة إذا قصد التوكيد وثلاثاً إذا قصد تكرير الإيقاع ، فكان الناس في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر على صلواتهم وسلامتهم وقصدتهم في الغالب الفضيلة والاختيار ، لم يظهر فيهم خب ولا خداع ، وكانوا يصدقون في إرادة التوكيد فلما رأى عمر في زمانه أموراً ظهرت وأحوالاً تغيرت وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ لا يحتمل التأويل ألزمهم الثلاث في صورة التكرير إذ صار الغالب عليهم قصدتها ، وقد أشار إليه بقوله : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة . انتهى كلام المجد .

(١) زاد المعاد ٤/ ١٢٠ .

(٢) أنسواء البيان ١/ ١٩٦ .

وهذا جواب ابن سريج كما قاله ^(١) الخطابي والمنذري ^(٢).

وقال ابن حجر ^(٣) : هذا الجواب ارتضاه القرطبي وقواه بقول عمر : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، وكذا قال النووي إنه أصح الأجوبة .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال ^(٤) : وأما حملكم الحديث على قول المطلق : أنت طالق ، أنت طالق أنت طالق ، ومقصوده التأكيد بما بعد الأول فيباق الحديث من أوله إلى آخره يردّه فإن هذا الذي أولتم الحديث عليه لا يتغير بوفاة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لا يختلف على عهده وعهد خلفائه ، وهلم جراً ... آخر الدهر ، ومن يتوهم في قصد التأكيد لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب بل يردّه إلى نيته ، وكذلك من لا يقبله في الحكم لا يقبله مطلقاً برأ كان أو فاجراً .

وأيضاً فإن قوله : « إن الناس قد استعجلوا وتتابعوا في شيء كانت لهم فيه أناة فلو أمضيته عليهم » إخبار من عمر بأن الناس قد استعجلوا ما جعلهم الله في فسخه منه وشرعه مترخياً بعضه عن بعض رحمة بهم ورفقاً وأناة لهم لئلا يندم مطلق فيذهب حبيب من يده من أول وهلة فيز عليه تداركه فجعل له أناة ومهلة يستعبه فيها ويرضيه ، ويزول ما أحدثه الغضب الداعي إلى الفراق ويراجع كل منهما الذي عليه بالمعروف ، فاستعجلوا فيما جعل لهم فيه أناة ومهلة وأوقعوه بنفم واحد ، فرأى عمر أن يلزمهم ما التزموا عقوبة لهم فإذا علم المطلق أن زوجته وسكنته تحرم عليه من أول مرة يجمعه الثلاث كف عنها ورجع إلى الطلاق المشروع للأذون فيه وكان هذا من تأديب عمر لرعيته لما أكثروا من الطلاق الثلاث . . . هذا وجه الحديث الذي لا وجه له غيره فأين هذا من تأويلكم المستنكر المستبعد الذي لا توافقه ألفاظ الحديث بل تنبو عنه وتنافره .

ويمكن أن يجاب عن جواب ابن القيم بما قاله الشيخ محمد الأمين الشنقيطي قال ^(٥) : وللمجهور عن حديث ابن عباس هذا عدة أجوبة . الأول - أن الثلاث المذكورة فيها التي كانت تجعل واحدة ليس في شيء من روايات الحديث ، التصريح بأنها دفعة بلفظ واحد ، ولفظ كلامه الثلاث لا يلزم منه لغة ولا عقلاً ولا شرعاً أن تكون بلفظ واحد ، فمن قال لزوجته : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق ثلاث مرات في وقت واحد فطلاقه هذا طلاق الثلاث ، لأنه صريح بالطلاق فيه ثلاث مرات . وإذا قيل لمن جزم بأن المراد في الحديث لإيقاع الثلاث بكلمة واحدة من أين أخذت كونها بكلمة واحدة ، فهل في لفظ من ألفاظ الحديث أنها بكلمة واحدة ؟ وهل يمنع إطلاق الطلاق الثلاث على الطلاق بكلمات متعددة ؟

فإن قال : لا يقال له طلاق الثلاث إلا إذا كان بكلمة واحدة ، فلا شك في أن دعواه هذه غير صحيحة ،

(١) معالم السنن ٢٧/٣ .

(٢) المختصر المنذري ١١٢٦/٣ .

(٣) الفتح ٢٩٨/٩ .

(٤) زاد المساد ١١٨/٤ ، ١١٩ .

(٥) أضواء البيان : ١٨٣-١٨٠ .

وإن اعترف بالحق وقال : يجوز إطلاقه على ما أوقع بكلمة واحدة وعلى ما أوقع بكلمات متعددة وهو أشد بظاهر اللفظ ، قيل له ، وإذا فجزمك بكونه بكلمة واحدة لا وجه له ، وإذا لم يتعين في الحديث كون الثلاث بلفظ واحد سقط الاستدلال به من أصله في محل النزاع .

■ ومما يدل على أنه لا يلزم من لفظ طلاق الثلاث في هذا الحديث كونها بكلمة واحدة أن الإمام أبا عبد الرحمن النسائي مع جلالة وعلمه وشدة فهمه ما فهم من هذا الحديث إلا أن المراد بطلاق الثلاث لفظه أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق بتفريق الطلقات لأن لفظ الثلاث أظهر في إيقاع الطلاق ثلاث مرات ولذا ترجم في سننه لرواية أبي داود المذكورة في هذا الحديث وقد سبق في الوجه الثالث ثم قال : فترى هذا الإمام الجليل صرح بأن طلاق الثلاث في هذا الحديث ليس بلفظ واحد بل بألفاظ متفرقة ويدل على صحة ما فهمه النسائي - رحمه الله - من الحديث ما ذكره العلامة ابن القيم - رحمه الله - في زاد المعاد في الرد على من استدل لوقوع الثلاث دفعة بحديث عائشة ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت - الحديث ، فإنه قال فيه ما نصه : ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد ؟ بل الحديث حجة لنا فإنه لا يقال فعل ذلك ثلاثاً ، وقال ثلاثاً إلا من فعل وقال مرة بعد مرة وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم ، كما يقال قذفه ثلاثاً وشتمه ثلاثاً وسلم عليه ثلاثاً . اهـ . بلفظه .

■ وهو دليل واضح لصحة ما فهمه النسائي - رحمه الله - من الحديث ، لأن لفظ الثلاث في جميع رواياته أظهر في أنها طلقات ثلاث واقعة مرة بعد مرة كما أوضحه ابن القيم في حديث عائشة آنفاً - وبعد أن نقل كلام ابن سريج وأن القرطبي ارتضى هذا الجواب ونقل عن النووي جوابه عنه وقد سبقت الإشارة إلى ذلك . كله في أول الجواب ثم قال - قال مقيده عفا الله عنه : وهذا الوجه لا إشكال فيه لجواز تغيير الحال عند تفسير القصد لأن الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى ، وظاهر اللفظ يدل لهذا كما قلنا .

■ وعلى كل حال فادعاء الجزم بأن معنى حديث طاوس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد ادعاء خال من دليل كما رأيت ، فليتق الله من تجرأ على عزو ذلك إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - مع أنه ليس في شيء من روايات حديث طاوس كون الثلاث المذكورة بلفظ واحد ، ولم يتعين ذلك من اللغة ولا من الشرع ولا من العقل كما ترى . قال مقيده - عفا الله عنه - وبديل لكون الثلاث المذكورة ليست بلفظ واحد ما تقدم من حديث ابن اسحق عن داود بن الحصين عن عكرمة ، عن ابن عباس ، عن أحمد وأبي يعلى ، من قوله طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد وقوله - صلى الله عليه وسلم - « كَبَيْفَ طَلَّقْتَهَا ؟ » قال ثلاثاً في مجلس واحد لأن التعبير بلفظ المجلس يفهم منه أنها ليست بلفظ واحد ، إذ لو كان اللفظ واحداً لقال بلفظ واحد ولم يحتاج إلى ذكر المجلس ، إذ لا داعي لذكر الوصف الأعم وترك الأخص بلا موجب كما هو ظاهر . انتهى كلام الشيخ الشافعي .



الجواب السادس

عن حديث طاوس عن ابن عباس أن سائر أصحاب ابن عباس رووا عنه افتاءه بخلاف ذلك وما كان ابن عباس ليروي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - شيئاً ثم يخالفه إلى رأي نفسه، بل المعروف عنه أنه كان يقول: أنا أقول لكم سنة رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وتقولون قال أبو بكر وعمر قاله في فسخ الحج وغيره، ولهذا اتجه الإمام أحمد بن حنبل إلى دفع حديث طاوس هذا بما رواه سائر أصحاب ابن عباس عن ابن عباس، قال الأثرم: سألت أبا عبد الله عن حديث ابن عباس: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر وعمر - رضي الله تعالى عنهما - طلاق الثلاث واحدة بأي شيء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه وكذلك نقل عنه ابن منصور، ذكر جميع ذلك الإمام ابن القيم^(١) وجاء في مسودة آل تيمية ما نصه^(٢):

« وفيه - أي معالي الحديث للأثرم - أيضاً في حديث ابن عباس: كان الطلاق على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال أبو عبد الله: أدفع هذا الحديث بأنه قد روى عن ابن عباس خلافه من عشرة وجوه، أنه كان يرى طلاق الثلاث ثلاثاً، اهـ.

وقال البيهقي في باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك،^(٣) هذا الحديث أحد ما يختلف فيه البخاري ومسلم فأخرجه مسلم وتركه البخاري وأظنه إنما تركه لمخالفته سائر الروايات عن ابن عباس. ومنها ما أخبرنا أبو زكريا بن أبي اسحاق، نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا الربيع، نا الشافعي، نا مسلم وعبد المجيد، عن ابن جريج قال: أخبرني عكرمة بن خالد أن سعيد بن جبير أخبره، أن رجلاً جاء إلى ابن عباس فقال: طلق امرأتي ألفاً، فقال: تأخذ ثلاثاً وتدع تسعمائة وسبعة وتسعين، ورواه عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أنه قال لرجل طلق امرأتك ثلاثاً حرمت عليك.

وأخبرنا أبو زكريا بن أبي اسحاق وأبو بكر بن الحسن قالا: نا أبو العباس، نا الربيع، نا الشافعي، نا مسلم بن خالد وعبد المجيد عن ابن جريج عن مجاهد قال: قال رجل لابن عباس طلق امرأتي مائة قال: تأخذ ثلاثاً وتدع سبعمائة وتسعين.

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ: نا أبو عمرو بن مطر، نا يحيى بن محمد، نا عبيد الله بن معاذ، نا أبي، نا شعبة عن ابن أبي نجيح وحيد الأعرج، عن مجاهد قال: مثل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تنق الله فيجعل لك مخرجاً (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً) (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عيدهن)^(٤) وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ وعبيد بن محمد بن محمد بن مهدي قالا: نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا يحيى بن أبي طالب، نا عبد الوهاب بن عطاء، نا ابن جريج، عن عبد

(١) إغاثة المفان ١/١٥٨-١٥٩.

(٢) السورة - ٢٤٢.

(٣) السنن الكبرى ٧/٣٢٧-٣٢٨.

(٤) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١.

الحميد بن رافع ، عن عطاء أن رجلاً قال لابن عباس طلقتُ امرأتى مائة فقال : تأخذُ ثلاثاً وتدعُ سبعةً ونسعين ، وأخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ وأحمد بن الحسن القاضي قالا : نا أبو العباس محمد بن يعقوب ، نا محمد بن اسحاق أنا حسين بن محمد ، نا جرير بن حازم ، عن أيوب عن عمر بن دينار ، أن ابن عباس مثل عن رجل طلق امرأته عدد النجوم فقال : إنما يكفيك رأس الجوزاء .

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ ، نا أبو العباس محمد بن يعقوب ، نا الحسن بن علي بن عفان ، نا ابن نمير عن الأعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس قال : أنا في رجلٍ فقال : إن عمي طلق امرأته ثلاثاً فقال : إن عمتك عصي الله فأنذمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً . قال : أفلا يحلُّها له رجل ؟ فقال : من يخادع الله بخدعته . .

أخبرنا أبو أحمد المهرجاني ، أنا أبو بكر بن جعفر المزكي ، نا محمد بن ابراهيم البوشنجي ، نا ابن بكير ، نا مالك عن ابن شهاب ، عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ، عن محمد بن إياس بن البكير أنه قال : طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها فجاء يستخفي فذهبت معه أسأل له فقال أبا هريرة وعبد الله بن عباس عن ذلك فقالا له : لا نرى أن تنكحها حتى تزوج زوجاً غيرك . قال : فإنما كان طلاقاً لبأها واحدة فقال ابن عباس : إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل .

فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء ابن أبي رباح ومجاهد وعكرمة وعمر بن دينار ومالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير ، وروية عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري كلهم عن ابن عباس ، أنه أجاز الطلاق بالثلاث وأمضاهن . . اهـ . كلام البيهقي رحمه الله تعالى .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال : ^(١) لا يترك الحديث الصحيح المعصوم لمخالفة راويه له فإن مخالفته ليست بمعصومة . وقد قدم الشافعي رواية ابن عباس في شأن بريرة على فتواه التي تخالفها في كون بيع الأمة طلاقاً ، وأخذ هو وأحمد وغيرهما بحديث أبي هريرة : من استقاء لعلية القضاء . وقد خالفه أبو هريرة وأفتى بأنه لا قضاء عليه — وذكر جملة أمثلة نسبها إلى الحنابلة والحنفية والمالكية والشافعية إلى أن قال — رحمه الله — والذي ندين الله به ولا يسعنا غيره وهو القصد في هذا الباب أن الحديث إذا صح عن رسول الله — صلى الله تعالى عليه وسلم — ولم يصح عنه حديث آخر ينسخه ، أن الفرض علينا وعلى الأمة الأخذ بحديثه وترك ما خالفه ولا نتركه لخلاف أحد من الناس كائناً من كان لا راويه ولا غيره ، إذ من الممكن أن ينسى الراوي الحديث ، أو لا يحضره وقت الفتيا أو لا يتفطن لدلالته على تلك المسألة ، أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً ، أو يقوم في ظنه ما يعارضه ، ولا يكون معارضاً في نفس الأمر أو يقلد غيره في فتواه بخلافه لاعتقاده أنه أعلم منه وأنه إنما خالفه لما هو أقوى منه . ولو قدر انتفاء ذلك كله ولا سبيل إلى العلم بانتقائه ولا ظنه لم يكن الراوي معصوماً ولم توجب مخالفته لما رواه سقوط عدالته حتى تغلب سيئاته حسناته ، وبخلاف هذا الحديث الواحد لا يحصل له

(١) أعلام الموقعين ٣/٣١ وما بعدها .

ذلك . اهـ .

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي تعليقاً على هذا الوجه^(١) : قال مقيله - عفا الله عنه - : فهذا إمام المحدثين وسيد المسلمين في عصره الذي تبارك به الإسلام بعد ما كاد تنزل قواعده وتغير عقائده أبو عبد الله أحمد ابن حنبل - رحمه الله تعالى - قال للأثرم وابن منصور : أنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك ، وهذا الإمام محمد بن إسماعيل البخاري - وهو هو - ذكر عنه الحفاظ البيهقي أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذي تركه من أجله الإمام أحمد ، ولا شك أنها ما تركاه إلا لموجب يقتضي ذلك .

فإن قيل رواية طاوس في حكم المرفوع ورواية الجماعة المذكورين موقوفة على ابن عباس والمرفوع لا يعارض بالموقوف . فالجواب أن الصحابي إذا خالف ما روى فيه للعلماء قولان وهما روايتان عن أحمد رحمه الله ، الأولى : أنه لا يحتج بالحديث لأن أعلم الناس به راويه وقد ترك العمل به وهو عدل عارف وعلى هذه الرواية فلا إشكال .

■ وعلى الرواية الأخرى التي هي المشهورة عند العلماء أن العبرة بروايته لا بقوله فإنه لا تقدم روايته إلا إذا كانت صريحة المعنى أو ظاهرة فيه ظهوراً يضعف معه احتمال مقابله ، أما إذا كانت محتمة لغبر ذلك المعنى احتمالاً قوياً فإن مخالفة الراوي لما روى تدل على أن ذلك المحتمل الذي ترك ليس هو معنى ما روى ، وقد قلنا أن لفظ طلاق الثلاث في حديث طاوس المذكور محتمل احتمالاً قوياً لأن تكون الطلقات مفرقة كما جزم به النسائي وصححه النووي والقرطبي وابن سريج .

فالخلاصة أن ترك ابن عباس لجعل الثلاث بضم واحد واحدة يدل على أن معنى الحديث الذي روى ليس كونها بلفظ واحد واعلم أن ابن عباس لم يثبت عنه أنه أفتى بالثلاث بضم واحد أنها واحدة ، وما روى عنه أبو داود من طريق حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال إذا قال أنت طالق ثلاثاً بضم واحد فهي واحدة فهو معارض بما رواه أبو داود عنه من طريق إسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس ، ونرجح رواية إسماعيل بن إبراهيم على رواية حماد بموافقة الحفاظ لإسماعيل في أن ابن عباس يجعلها ثلاثاً لا واحدة . انتهى

X X X

حمل الثلاث فيه على أن المراد بها لفظ البتة ، وكان يراد بها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - كأرادها ركائز ثم تنابح الناس فأرادوا بها الثلاث فألزمهم عمر إياها

المجواب السابع

(١) أنوار البيان ١/ ١٨٩ - ١٩١ .

وهذا جواب الخطابي وقوة ابن حجر قال الخطابي ^(١) ويشبه أن يكون معنى الحديث منصرفاً إلى طلاق البتة لأنه قد روى عن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - في حديث ركاة أنه جعل البتة واحدة ، وكان عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - يراها واحدة ، ثم تنابح الناس في ذلك فآلزمهم الثلاث وإليه ذهب غير واحد من الصحابة - رضي الله تعالى عنهم - روى عن علي بن أبي طالب - رضي الله تعالى عنه - أنه جعلها ثلاثاً ، وكذلك روى عن ابن عمر وكان يقول : أبت الطلاق طلاق البتة ، وإليه ذهب سعيد بن المسيب وعروة وعمر بن عبد العزيز والزهرري ، وبه قال مالك والأوزاعي وابن أبي ليلى وأحمد بن حنبل ، وهذا كصنيعه بشارب الحمر فإن الحد كان في زمان النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر أربعين ، ثم أن عمر لما رأى الناس تشابحوا في الحمر واستخفوا بالعقوبة فيها قال : أرى أن تبلغ فيها حد المقرري ، لأنه إذا سكر هذى وإذا هذى انقضى وكان ذلك على ملام من الصحابة فلا ينكر أن يكون الأمر في طلاق البتة على ما كتبه . انتهى كلام الخطابي .

وقال ابن حجر ^(٢) هو قوي ويؤيده إدخال البخاري في هذا الباب الآثار التي فيها البتة ، والأحاديث التي فيها التصريح بالثلاث كأنه يشير إلى عدم الفرق بينهما ، وأن البتة إذا أطلقت حملت على الثلاث إلا أن أراد المطلق واحدة فيقبل فكان بعض رواته حمل لفظ (البتة) على الثلاث لاشتغال التوبة بينهما فرواها بلفظ الثلاث وإنما المراد لفظ البتة وكانوا في العصر الأول ، يقبلون ممن قال أردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر أمضى الثلاث في ظاهر الحكم .. انتهى كلام الحافظ بن حجر .



حمل الحديث على أنه شاذ وقد حمله على ذلك جماعة من أهل العلم فقال ابن عبد الهادي **الجواب الثامن** قال ابن رجب في كتابه مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة ، وساق حديث ابن عباس ثم قال ^(٣) : فهذا الحديث لأئمة الإسلام فيه طريقان :

أحدهما وهو مسلك الإمام أحمد ومن وافقه ويرجع الكلام في إستاد الحديث بشنوده وانفراد طاوس به ، وأنه لم يتابع عليه ، وانفراد الراوي بالحديث وإن كان ثقة هو علة في الحديث يوجب التوقف فيه وأن يكون شاذاً ومنكراً إذا لم يرو معناه من وجه يصح وهذه طريقة أئمة الحديث المتعلمين ، كالإمام أحمد ويحيى القنطاري ويحيى بن معين وعلي بن المديني وغيرهم ، وهذا الحديث لا يرويه عن ابن عباس غير طاوس قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور : كل أصحاب ابن عباس يعني روى عنه خلاف ما روى طاوس .

(١) مسام السنن ١٢٦/٣ .

(٢) فتح الباري - ٢٩٩/١ .

(٣) سير الخات - ٧٤ .

وقال اجوزجاني : هو حديث شاذ ، قال وقد عنت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً
قال المصنف ومنى أجمع الأمة على إطراح العمل بحديث وجب اطراحه وترك العمل به ، وقال ابن مهدي
لا يكون إماماً في العلم من عمل بالشاذ .

وقال النعمي : كانوا يكرهون الغريب من الحديث . وقال يزيد بن أبي حبيب : إذا سمعت الحديث فأنشده
كما تنشد الضالة فإن عرف وإلا فدهه ، وعن مالك قال : « شر العلم الغريب » وخير العلم الظاهر الذي قد رواه
الناس وفي هذا الباب شيء كثير لعدم جواز العمل بالغريب وغير المشهور . قال ابن رجب : وقد صح عن
ابن عباس - وهو راوي الحديث - أنه أنفى بخلاف هذا الحديث ولزوم الثلاث المجردة ، وقد علل بهذا
أحمد والشافعي كما ذكره في المغني وهذه أيضاً علة في الحديث باتقاردها فكيف وقد ضم إليها علة الشذوذ
والإنكار وإجماع الأمة .

وقال القاضي إسماعيل في كتاب « أحكام القرآن » : طاوس مع فضله وصلاحه يروي أشياء منكورة منها
هذا الحديث ، وعن أبوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاوس .

وقال ابن عبد البر : شذ طاوس في هذا الحديث .

قال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاوس ما ينفرد به من شواذ الآفاويل . انتهى المقصود .

الثاني : أنه منسوخ - وقد سبق ما بغني عن إعادته .

ونقل القرطبي عن ابن عبد البر أنه قال (١) : رواية طاوس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار
بالحجاز والشام والمغرب - قال - وقد قيل : إن أبا الصهباء لا يعرف في موالى ابن عباس .

ونقل الشيخ محمد الأمين الشقيطي عن ابن العربي المالكي ما يختص بحديث ابن عباس هذا فقال (٢) .
فإن قيل ففي صحيح مسلم عن ابن عباس وذكر حديث أبي الصهباء المذكور ؟ قلنا هذا لا متعلق فيه من خمسة
أوجه :

أنه حديث مختلف في صحته ، فكيف يقدم على إجماع الأمة ولم يعرف لها في هذه المسألة
خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين ، وقد سبق العصران الكريمان والاتفاق على
لزوم الثلاث ، فإن روي ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل
عن العدل ، ولا تجدد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً .

أن هذا الحديث لم يرد إلا عن ابن عباس ولم يرو عنه إلا عن طريق طاوس فكيف يقبل
ما لم يروه من الصحابة إلا واحد وما لم يروه عن ذلك الصحابي إلا واحد ، وكيف خفي
على جميع الصحابة وسكتوا عنه إلا ابن عباس ، وكيف خفي على أصحاب ابن عباس
إلا طاوس ؟ انتهى محل الغرض من كلام ابن العربي . انتهى .

الأول

الثاني

(١) تفسير القرطبي ١٢٩/٣

(٢) أضواء البيان ١٩٢

وقال ابن حجر (١) : الجواب الثاني دعوى شنود ورواية طاوس وهي طريقة البيهقي فإنه ساق الروايات عن أبي عباس بلزوم الثلاث ، ثم نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بأبي عباس أن يحفظ عن النبي - صلى الله عليه وسلم - شيئاً ويفتي بخلافه ، فيتعين المصير إلى الترجيح والأخذ بقول الأكثر أولى من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم . انتهى .

وقال ابن التركماني وطاوس يقول : إن أبا الصهباء مرلاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه ، وهم عمر وعثمان وعلي وابن مسعود وابن عمر وغيرهم . انتهى .

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال بعد عرضه لهذا المسلك (٢) : وهذا أفسد من جميع ما تقدم ، ولا ترد أحاديث الصحابة وأحاديث الأئمة الثقات بمثل هذا ، فكم من حديث تفرد به واحد من الصحابة لم يروه غيره وقبلته الأمة كلهم فلم يردده أحد منهم ، وكم من حديث تفرد به من هو دون طاوس بكثير ولم يردده أحد من الأئمة ولا نعلم أحداً من أهل العلم قديماً ولا حديثاً قال : إن الحديث إذا لم يروه إلا صحابي واحد لم يقبل ، وإنما يحكى عن أهل البدع ومن تبعهم في ذلك أقوال لا يعرف لها قائل من الفقهاء .

قد تفرد الزهري بنحو ستين سنة ، لم يروها غيره ، وعلمت بها الأمة ولم يردوها بتفرد هذا مع أن عكرمة روى عن ابن عباس - رضي الله عنهما - حديث ركائة وهو موافق لحديث طاوس عنه ، فإن قدح في عكرمة أبطل وتناقض ، فإن الناس احتجوا بعكرمة ، وصحح أئمة الحفاظ حديثه ، ولم يلتفتوا إلى قدح من قدح فيه . فإن قيل : فهذا هو الحديث الشاذ ، وأقل أحواله أن يتوقف فيه ولا يجزم بصحته عن رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - . قيل : ليس هذا هو الشاذ ، وإنما الشنود : أن يخالف الثقات فيما روه فيشذ عنهم بروايته ، فأما إذا روى الثقة حديثاً منفرداً به ، لم يرو الثقات خلافه فإن ذلك لا يسمى شاذاً . وإن اصطلاح على تسميته شاذاً بهذا المعنى ، لم يكن هذا الاصطلاح موجباً لرده ، ولا مسرعاً له .

قال الشافعي : « وليس الشاذ أن يفرد الثقة برواية الحديث ، بل الشاذ أن يروي خلاف ما رواه الثقات » قاله في مناظرته لبعض من رد الحديث بتفرد الراوي به . . ثم إن هذا القول لا يمكن أحداً من أهل العلم ، ولا من الأئمة ، ولا من أتباعهم طرده ، ولو طردوه لبطل كثير من أقوالهم وفتاويهم . والعجب أن الرادين لهذا الحديث يمثل هذا الكلام قد بنوا كثيراً من مذاهبهم على أحاديث ضعيفة ، انفرد بها رواها لا تعرف عن سواهم وذلك أشهر وأكثر من أن يعد .

وبعد ما ذكر الشيخ محمد الأمين الشنيطي كلاماً يتفق مع ما سبق ذكره عن ابن القيم قال (٣) : نعم لنائل

(١) الفتح ٣٦٣/٩ .

(٢) إغاثة اللهفان ٢٩٥/١ - ٢٩٦ .

(٣) أضواء البيان ١٩٣/١ - ١٩٥ .

أن يقول : إن خبر الآحاد إذا كانت الدواعي متوفرة إلى نقله ولم ينقله إلا واحد ونحوه ، أن ذلك يدل على عدم صحته ، ووجهه أن توفر الدواعي يلزم منه النقل تواتراً والاشتهار ، فإن لم يشتهر دل على أنه لم يقع ، لأن انتفاء اللازم يقتضي انتفاء الملزوم ، وهذه قاعدة في الأصول أشار إليها في مرآتي السعود بقوله عاطفاً على ما يحكم فيه بعدم صحة الخبر ، وخبر الآحاد في النسخ .

حيث دواعي نقله تواترا نرى له لو قاله تقررا

وجزم بها غير واحد من الأصوليين ، وقال صاحب جمع الجوامع عاطفاً على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر والمنقول آحاداً فيما تتوفر الدواعي إلى نقله خلافاً للرافضة . اهـ منه بلفظه .

ومراداه أن ما يجزم بعدم صحته الخبر المنقول آحاداً مع توفر الدواعي إلى نقله ، وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولي مسألة : إذا انفرد واحد فيما تتوفر الدواعي إلى نقله وقد شاركه خلق كثير ، كما لو انفرد واحد بقتل خطيب على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعاً خلافاً للشيعة اهـ . محل الغرض منه بلفظه . وفي المسألة مناقشات وأجوبة عنها معروفة في الأصول .

قال مقيدة - عفا الله عنه - : ولا شك أنه على القول بأن معنى حديث طاوس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد كانت تجعل واحدة على عهد النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر ثم إن عمر غير ما كان عليه رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - والمسلمون في زمن أبي بكر وعامة الصحابة أو جلهم يعلمون ذلك ، فالدواعي إلى نقل ما كان عليه رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - والمسلمون من بعده متوفرة تواتراً لا يمكن إنكاره لأن^(١) يرد بذلك التغيير الذي أحدثه عمر فسكوت جميع الصحابة عنه ، وكون ذلك لم ينقل منه حرف عن غير ابن عباس ، يدل دلالة واضحة على أحد أمرين :

أن حديث طاوس الذي رواه عن ابن عباس ليس معناه أنها بلفظ واحد بل بثلاثة ألفاظ **أحدهما** في وقت واحد كما قدمنا ، وكما جزم به النسائي وصححه النووي والقرطبي وابن سريج . وعليه فلا إشكال ، لأن تغيير عمر للحكم مبني على تغيير قصدهم ، والنبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - قال : **« إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى »** ، فمن قال : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق . ونوى التأكيذ فواحدة ، وإن نوى الاستئناف بكل واحدة فثلاث ، واختلاف محامل اللفظ الواحد لاختلاف نيات اللافظين به لا إشكال فيه لقوله - صلى الله تعالى عليه وسلم - **« وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى »** .

(١) قوله : لأن ، كذا بالأصل المطبوع

والثاني

أن يكون الحديث غير محكوم بصحته لنقله آحاداً مع توفر الدواعي إلى نقله . والأول أولى وأخف من الثاني ، وقال القرطبي في المفهم في الكلام على حديث طاوس المذكور : وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم أن معظمهم كانوا يرون ذلك ، والعادة في مثل هذا أن يفشو الحكم ويتشر فكيف يفرد به واحد عن واحد ؟ قال : فهذا الوجه يقتضي التوقف عن العمل بظاهره إن لم يقتض القطع بطلانه . هـ منه بواسطة نقل ابن حجر في فتح الباري عنه وهو قوي جداً بحسب المقرر في الأصول كما ترى . انتهى . .



الجواب السابع

أن الحديث مضطرب ، نقل هذا الجواب ابن حجر عن القرطبي ^(١) وذكر ابن القيم هذا الجواب وناقشه فقال : وسلك آخرون في رد الحديث مسلماً آخر فقالوا هو حديث مضطرب لا يصح ، ولذلك أعرض عنه البخاري ، وترجم في صحيحه على خلافه فقال : « باب فيمن جوز الطلاق الثلاث في كلمة لقوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) : ثم ذكر حديث اللعان وفيه قطعتها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - ولم يغير عليه النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وهو لا يقر على باطل » .

قالوا : ووجه اضطرابه : أنه تارة يروي عن طاوس عن ابن عباس ، وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس ، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس فهذا اضطرابه من جهة السند .

وأما المتن فإن أبا الصهباء تارة يقول : « ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جملوها واحدة » وتارة يقول : « ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكرٍ وصدر من خلافة عمر واحدة » . فهذا يخالف اللفظ الآخر وهذا المسلك من أضعف المسالك ورد الحديث به ضرب من التعت ولا يعرف أحد من الحفاظ قدح في هذا الحديث ولا ضعفه ، والإمام أحمد لما قيل له : بأي شيء تردده ؟ قال : برواية الناس عن ابن عباس خلافه .

ولم يردده بتضعيف ولا قدح في صحته ، وكيف يتهاى القدح في صحته ، ورواته كلهم أئمة حفاظ ، حدث به عبد الرزاق وغيره عن ابن جريج بصيغة الإخبار ، وحدث به كذلك ابن جريج عن ابن طاوس ، وحدث به ابن طاوس عن أبيه ، وهذا إسناد لا مطعن فيه لطاعن ، وطاوس من أخص أصحاب ابن عباس ، ومذهبه : أن الثلاث واحدة ، وقد رواه حماد بن زيد عن أيوب عن غير واحد عن طاوس ، فلم يفرد به عبد الرزاق ولا ابن

(١) فتح الباري ٩/٣٦٤ .

(٢) إفتاة اللفهان ١/٢٩٣-٢٩٥ .

جریج، ولا عبدالله بن طاوس فالحدیث من أصح الأحادیث، وترك رواية البخاري له لا يوهنه وله حكم أمثاله من الأحادیث الصحيحة التي تركها البخاري لئلا يطول كتابه فإنه سماه : الجامع المختصر الصحيح، ومثل هذا العذر لا يقبله من له حظ من العلم .

وأما رواية من رواه عن أبي الجوزاء فإن كانت محفوظة فهي مما يزيد الحديث قوة وإن لم تكن محفوظة - وهو الظاهر - فهي وهم في الكنية انتقل فيها عبدالله بن المؤمل عن ابن أبي مليكة عن أبي الصهباء، إلى أبي الجوزاء، فإنه كان سيء الحفظ، والحفاظ قالوا : أبو الصهباء، وهذا لا يوهن الحديث، وهذه الطريق عند الحاكم في المستدرک وأما رواية من رواه مقبداً قبل الدخول، فإنه تقدم أنه لا تناقض رواية الآخرين على أنها عند أبي داود عن أيوب عن غير واحد ورواية الإطلاق عن معمر عن ابن جريج عن ابن طاوس عن أبيه، فإن تعارضاً فهذه الرواية أولى، وإن لم يتعارضاً فالأمر واضح .

وحديث داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - صريح في كون الثلاث واحدة في حق المدخول بها وعامة ما يقدر في حديث أبي الصهباء أن قوله : « قبل الدخول » زيادة من ثقة فيكون الأخذ بها أولى، وحيث قد فسد أحد حديثي ابن عباس على أن هذا الحكم ثابت في حق البكر، وحديثه الآخر على أنه ثابت في حكم الثيب أيضاً، فأحد الحديثين يقوى الآخر ويشهد بصحته، وبالله التوفيق .



أن حديث ابن عباس معارض بالإجماع والإجماع أقوى من خبر الواحد كما ذكر ذلك الشافعي، وغيره وقد سبق استدلال الجمهور بالإجماع مع ذكر أدلتهم لمذهبهم ويان من قال به ومناقشة ابن القيم له، فاكتفى بذلك عن الإعادة هنا .

الحواشي

ما رواه الإمام أحمد في المسند قال : حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال حدثني داود بن الحصين عن عكرمة - مولى ابن عباس - عن ابن عباس قال : « طلق ركاة ابن عبد بريد - أخو بني المطلب - امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً، قال : فسأله رسول الله - صلى الله عليه وسلم - « كَيْفَ طَلَّقْتَهَا ؟ » - قال : طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ فَقَالَ : « فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ؟ » قال : نعم، فقال : « فَلَمَّا نِلْتَ وَاحِدَةً فَارْجِعْهَا إِنَّ شَيْئًا » قال : فراجعها فكان ابن عباس يروى الطلاق عند كل طهر .

الفتاوى

قال ابن القيم (١) وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه، فقال في حديث عمرو بن شعيب عن

(١) أعلام الموقعين ٢/١٠٠ .

أبيه عن جدّه ، أن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - رد ابنته على ابن أبي العاص بمهر جديد، ونكاح جديد .
 هذا حديث ضعيف أو قال واه لم يسمعه الحجاج عن عمرو بن شعيب وإنما سمعه من محمد بن عبد الله العزمي ،
 والعزمي لا يساوي حديثه شيئاً والحديث الذي رواه أن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - أقرها على النكاح الأول
 وإسناده عنده هو إسناده حديث ركاة بن عبد يزيد ؟ هذا وقد قال الترمذي فيه ليس بإسناده بأس فهذا إسناده
 صحيح عند أحمد وليس به بأس عند الترمذي فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده
 ما هو نظيره أو أقوى منه ؟ ثم ساق رواية أبي داود وسناني وهي الدليل الثالث ثم قال ابن القيم : قال شيخنا
 - رضي الله عنه - : وأبو داود لما لم يرو في سننه الحديث الذي في مسند أحمد يعني الذي ذكرناه آنفاً فقال :
 حديث البتة أصح من حديث ابن جريج أن ركاة طاق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته ولكن الأئمة الأكابر
 العارفين بعلم الحديث والفقه كالإمام أحمد وأبي عبيد والبخاري ضعفوا حديث ألبتة وبينوا أنه رواية
 قوم مجاهيل لم تعرف عدالتهم وضبطهم وأحمد أثبت حديث الثلاث وبين أنه الصواب وقال حديث ركاة
 لا يثبت أنه طلق امرأته البتة وفي رواية عنه : حديث ركاة في البتة ليس بشيء لأن ابن إسحاق يرويه عن
 داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس - رضي الله عنه - أن ركاة طلق امرأته ثلاثاً وأهل المدينة
 يسمون الثلاث البتة . قال الأثرم : قلت لأحمد حديث ركاة في البتة فضعفه . انتهى .

وقد سبق الكلام على رواية الإمام أحمد لحديث ركاة وكذلك رواية الزبير بن سعيّد، ورواية نافع بن عجير
 عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور في المسألة الثانية .

الدليل الثالث قال أبو داود حدثنا أحمد بن صالح ، قال حدثنا عبد الرزاق أخبرنا ابن جريج ، قال
 أخبرني ~~أحمد بن~~ أبي رافع ، مولى النبي - صلى الله عليه وسلم - عن عكرمة مولى
 ابن عباس ، قال : « طلق يزيد امرأته ركاة وإخوته أم ركاة ونكح امرأة من مزرعة فجاءت النبي - صلى
 الله تعالى عليه وسلم - فقالت : ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني
 وبينه فأخذت النبي - صلى الله عليه وسلم - حمية فدعى بركاة وإخوته ، ثم قال لجلسائه : « أترون فلاناً يشبه
 منه كذا وكذا من عبد يزيد وفلاناً لابنه الآخر يشبه منه كذا وكذا ؟ » قالوا نعم
 فقال النبي - صلى الله عليه وسلم - لعبد يزيد « طلقنها » ففعل فقال « راجع امرأتك أم ركاة
 وإخوته » فقال : « إني طلقنها ثلاثاً يا رسول الله » قال : « وتلا » يا أيها النبي إذا طلقتم النساء
 فطلقوهن لعيدهن^(١) »

وقد سبقت مناقشة رواية أبي داود عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور في المسألة الثانية فاكتمى
 بما هناك عن إعادته هنا .

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق

الدليل الرابع

ما جاء في بعض روايات حديث ابن عمر من أنه طلق امرأته في الحيض ثلاثاً فاحتسب بواحدة وقد سبقت مناقشة حديث ابن عمر برواياته وأن الصحيح أنه إنما طلقها واحدة وذلك عند الكلام على الدليل السادس فاكثفى بما ذكر هناك عن إعادته هنا .

وأما الاجماع فمن ذكره شيخ الاسلام ابن تيمية وابن القيم وغيرهما من العلماء، فقد بينوا أن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة في عهد أبي بكر وثلاث سنين من خلافة عمر ويمكن أن يجاب عنه بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة في أن الثلاث بلفظ واحد تكون ثلاثاً وقد سبقت .

وأما القياس فقد قال ابن القيم ^(١) : وأما القياس فإن الله سبحانه وتعالى قال : (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ) ^(٢) . ثم قال : (وَيَذَرُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ) ^(٣) فلو قال : أشهد بالله أربع شهادات أنني صادق ، وقالت أشهد بالله أربع شهادات أنه كاذب كانت شهادة واحدة ولم تكن أربعاً ، فكيف يكون قوله أنت طالق ثلاثاً ثلاث تطليقات وأي قياس أصح من هذا ؟ وهكذا كل ما يعتبر فيه العدد من الإقرار ونحوه ولهذا لو قال المقر بالزنا : إني أقر بالزنا أربع مرات كان ذلك مرة واحدة ، وقد قال الصحابة لما عزم : إن أقررت أربعاً رجعتك رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فلو قال : أقر به أربع مرات كان مرة واحدة فهكذا الطلاق سواء .

وقد أجاب الشيخ محمد الأمين الشنقيطي عن هذا القياس فقال ^(٤) : وقياس أنت طالق ثلاثاً على إيمان اللعان في أنه لو حلفها بلفظ واحد لم تجز ، قياس مع وجود الفارق ، لأن من اقتصر على واحدة من الشهادات الأربع المذكورة في آية اللعان أجمع العلماء على أن ذلك كما لو لم يأت بشيء منها أصلاً ، بخلاف الطلقات الثلاث فمن اقتصر على واحدة منها اعتبرت إجماعاً وحصلت بها البيوتة بانقضاء العدة إجماعاً .

وأما الآثار فما جاء عن الصحابة في ذلك، فقد روى طاوس وعكرمة عن ابن عباس الإفتاء بذلك ورواية طاوس عند جعفر النخعي في النسخ والمنسوخ ورواية عكرمة عند أبي داود من رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس ، وحكى ابن وضاح وعنه ابن مغيث الإفتاء بكون الطلاق الثلاث في كلمة واحدة واحدة عن علي وابن مسعود والزبير وعبد الرحمن بن عوف . وجاء عن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - ما رواه الحافظ أبو بكر الاسماعيلي في مسند عمر قال : أخبرنا أبو يعلى حدثنا صالح بن مالك ، حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك عن أبيه قال قال عمر - رضي الله تعالى عنه - : ما ندمتُ على شيء ندامتي على ثلاث أن لا أكون حرمتُ الطلاق ، وعلى أن لا أكون أنكحتُ الموالي ، وعلى أن لا أكون قتلُ التوائح ، وكذلك ما نقل من الآثار عن أهل البيت .

(١) إغاثة المفان ٢٨٩/١ .

(٢) الآية الكريمة من سورة النور : ٦ .

(٣) الآية الكريمة من سورة النور : ٨ .

(٤) أنسواء البيان ١٩٥/١ - ١٩٦ .

■ ويضاف إلى هذه الآثار ما سبق ذكره من الآثار مما لم يذكر هنا وذلك في الكلام على رد استدلال الجمهور بالإجماع .

وأجيب عن تلك الآثار بما يأتي :

أما ما روى طاووس عن ابن عباس أن من قال لامرأته : أنت طالق ثلاثاً إنما تلزمه طلاقاً واحدة فقد اعتد به أبو جعفر النحاس من مناكير طاووس التي خولف فيها طاووس^(١) قال : وطاوس وإن كان رجلاً صالحاً فعنده عن ابن عباس مناكير يخالف عليها ولا يقبلها أهل العلم ، منها أنه روى عن ابن عباس أنه قال في رجل قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً إنما تلزمه واحدة ولا يعرف هذا عن ابن عباس إلا من رواه ، والصحيح عنه وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنهما أنها ثلاث كما قال الله تعالى (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ)^(٢) أي الثالثة .

وأما ما روى حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس أنه قال : « إذا قال أنت طالق ثلاثاً بضم واحد فهي واحدة » فقد تعقبه أبو داود في مسنده بقوله : ورواه اسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة هذا قوله ولم يذكر ابن عباس وجعله قول عكرمة ، وعلى فرض ثبوتها فقد رجع ابن عباس عن ذلك كما صرح أبو داود قال^(٣) وصار قول ابن عباس فيما حدثنا أحمد بن صالح ومحمد بن يحيى وهذا حديث أحمد قال : نا عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف ومحمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن محمد بن إياس أن ابن عباس وأبا هريرة وعبد الله بن عمرو بن العاص سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً فكلهم قالوا : لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره : قال أبو داود وروى مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن الأشج عن معاوية بن أبيه عباس أنه شهد هذه القصة حين جاء محمد بن إياس بن البكر إلى ابن الزبير وعاصم بن عمر فسالهما عن ذلك فقالا : لاذهب إلى ابن عباس وأبي هريرة فإني تركتهما عند عائشة - رضي الله عنها - ثم ساق هذا الخبر . قال أبو داود وقول ابن عباس هو أن الطلاق الثلاث يبينها من زوجها ملخولاً بها أو غير ملخول بها لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره . هذا مثل خبر انصرف قال فيه ثم إنه رجع عنه يعني ابن عباس . اهـ .^(٤)

■ وقد ساق في الباب الذي أورد فيه ذلك وهو باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث آثاراً عن سائر أصحاب ابن عباس بخلاف ما ذكر عن طاووس وعكرمة حيث قال : حدثنا حميد بن مسعدة ، نا اسماعيل أنا أيوب ، عن عبد الله بن كثير عن مجاهد قال : كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال : إنه طلق امرأته ثلاثاً قال فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه ثم قال : ينطلق أحدكم فيركب الحسوة ثم يقول : يا ابن عباس

(١) النسخ والنسوخ ٧١ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٣٠ .

(٣) سنن أبي داود بشرح حرم المنبر ٢/ ٢٢٦-٢٢٧ .

یا ابن عباس وإن الله قال : (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا)^(۱) وإنك لم تتق الله فلا أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك وإن الله تعالى قال : (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِمِ قَبْلِ عِدَّتِهِنَّ)^(۲) قال أبو داود: روى هذا الحديث حميد الأعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس ورواه شعبة عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، وأبوب وب بن جريج جميعاً عن عكرمة بن خالد عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس وابن جريج، عن عبد الحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس، ورواه الأعمش عن قالك بن الحارث، عن ابن عباس وابن جريج عن عمرو بن دينار عن ابن عباس كلهم قالوا في الطلاق الثلاث: إنه أجازها، قال: وبانت منك، نحو حديث اسماعيل عن أيوب عن عبد الله بن كثير . . . ۱۱ .

وقال الباجي بخصوص ما نقل عن ابن عباس من فتواه بأن الثلاث بضم واحد واحدة^(۳) ما نصه: قد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع . ۱۱ .

وأما ما نقله أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث الطليطلي عن ابن وضاح، من أن علي بن أبي طالب والزبير ابن العوام وعبد الرحمن بن عوف وعبد الله بن مسعود - رضي الله تعالى عنهم - قد أفتوا بأن من طلق ثلاثاً في كلمة واحدة لا يلزمه سوى طلقة واحدة، فينوقف الاستدلال به على ثبوت السند إليهم بذلك ولم يثبت .

■ وقد تعقبه أبو بكر بن العربي في كتابه النسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم قال^(۴): قال تعالى: (الطَّلَاقُ)^(۵) هـ زل قوم في آخر الزمان فقالوا: إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبد الرحمن بن عوف وابن مسعود وابن عباس، وعزوه إلى الحجاج ابن أرمطة الضعيف المتزلة المغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل، وغوى قوم من أهل المسائل فتبعوا الأهواء المتدعة فيه وقالوا: إن قوله أنت طالق ثلاثاً كذب لأنه لم يطلق ثلاثاً كما لو قال: طلقت ثلاثاً ولم يطلق إلا واحدة وكما لو قال: أحلف ثلاثاً كانت يميناً واحدة - ومر أبو بكر بن العربي إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أضل له في كتاب ولا رواية له عن أحد وقد أدخل مالك في موطنه عن علي أن الحرام ثلاث لازمة في كلمة فهذا في معناها فكيف إذا صرح بها! وأما حديث الحجاج بن أرمطة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة .

■ قال ابن العربي لم يعرف في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق المصنران الكريمان بالاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم؛ نقل العدل عن العدل ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً . ۱۱ .

(۱) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۲ .

(۲) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ۱ .

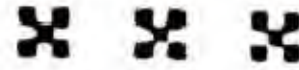
(۳) المنتقى ۱/۱ .

(۴) مختصر سنن أبي داود رحمه الله في تهذيب المعالم ج ۳ ص ۱۲۸ .

(۵) الآية الكريمة من سورة البقرة: ۲۲۹ .

وفي العمل ابن القيم ذلك في إغاثة اللهفان ص ۱۷۹ بقوله : و لعله إحدى الروايتين عنهم وإلا فقد صح بلا شك عن ابن مسعود وعلي وابن عباس الإلزام بالثلاث إن أوقعها جملة وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة ولم تقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك، فلذلك لم نعد ما حكى عنهم في الوجوه الميئة للتزاع وإنما نعد ما وقفنا عليه في مواضعه ونعزوه إليها ، وبالله التوفيق ، اهـ . كلام ابن القيم .

وقال البيهقي في السنن الكبرى في عزو ذلك إلى أمير المؤمنين علي بن أبي طالب - رضي الله تعالى عنه - (۱) أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد الماليني ، أنا أبو أحمد عبدالله بن عدى الحافظ ، ثنا محمد بن عبد الوهاب ابن هشام نا علي بن سلمة اللبقي ، ثنا أبو أسامة عن الأعمش قال : كان بالكوفة شيخ يقول سمعت علي بن أبي طالب - رضي الله تعالى عنه - يقول : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة والناس عتفاً واحداً إذ ذلك يأتونه ويسمعون منه قال فأتيته فقرعت عليه الباب فخرج إلي شيخ فقلت له : كيف سمعت علي بن أبي طالب - رضي الله تعالى عنه - يقول : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد ؟ قال سمعت علي بن أبي طالب يقول : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة ، قال فقلت له : أين سمعت هذا من علي - رضي الله تعالى عنه - ؟ قال : أخرج إليك كتاباً فأخرج فإذا فيه : بسم الله الرحمن الرحيم ، هذا ما سمعت علي بن أبي طالب - رضي الله تعالى عنه - يقول : إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره . قال : فقلت ويحك هذا غير الذي تقول ، قال : الصحيح هو هذا ولكن هؤلاء أرادوني على ذلك ، اهـ .



وأما ما روى أبو يعلى عن عمر بن الخطاب - رضي الله تعالى عنه - من قوله : « ما قدمت على شيء ندامتي على ثلاث : أن لا أكون حرمت الطلاق » الخ فلا يصلح الاحتجاج به على أن عمر قد ندم آخر حياته على امضاء الثلاث لأمرين :

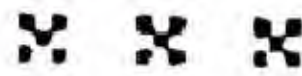
أحدهما أن يزيد بن أبي مالك لم يدرك عمر بن الخطاب - رضي الله تعالى عنه - وقد قال الحافظ الذهبي في (ميزان الاعتدال) في يزيد بن أبي مالك : صاحب تدليس وإرسال عن لم يدرك . وذكره الحافظ بن حجر في تعريف أهل التدليس بالموصوفين بالتدليس ، وقال - وصفه أبو مسهر بالتدليس .

الثاني أن خالد بن يزيد بن أبي مالك وماء ابن معين وقال أحمد : ليس بشيء ، وقال النسائي : غير ثقة وقال الدارقطني : ضعيف ، وقال ابن عدى عن ابن أبي عصمة عن أحمد بن أبي يحيى : سمعت أحمد بن حنبل يقول : خالد بن يزيد بن أبي مالك ليس بشيء ، وقال ابن أبي الحواري سمعت ابن معين يقول بالعراق : كتاب بنيني أن بدفن : كتاب الديات لخالد بن يزيد بن أبي مالك ، لم يرص أن يكذب على أبيه

(۱) السنن الكبرى ج ۷ ص : ۲۳۹ - ۲۴۰ .

حتى كذب على الصحابة ، قال أحمد بن أبي الخوارى : سمعت هذا الكتاب من خالد ثم أعطته العطار فأعطى الناس فيه حوائج . وفي « تهذيب التهذيب » للحافظ بن حجر ، قال ابن حبان : كان صدوقاً في الرواية ولكنه كان يخطئ كثيراً وفي حديثه مناكير لا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد عن أبيه ، وقال أبو داود : ضعيف وقال مرة : متروك الحديث ، وذكره ابن الجارود والساجي والعقيلي في الضعفاء . اهـ .

■ وأجيب عما نقل عن أهل البيت النبوي في اعتبار الطلاق الثلاث في كلمة واحدة ، واحدة بما رواه البيهقي ^(١) قال : أخبرنا أبو عبدالله الحافظ ، نا أبو عمر وعثمان بن أحمد بن السمان ببغداد ، نا حنبل بن اسحاق بن حنبل ، نا محمد بن عمران بن محمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى ، نا مسلمة بن جعفر الأحمسي ، قال : قلت لجعفر بن محمد : إن قوماً يزعمون أن من طلق ثلاثاً بجهالة رد إلى السنة يجعلونها واحدة يروونها عنكم ؟ قال معاذ الله ما هذا من قولنا ، من طلق ثلاثاً فهو كما قال ، وأخبرنا أبو عبدالله ، نا أبو محمد الحسن بن سليمان الكوفي ببغداد ، نا محمد ابن عبدالله الحضرمي ، نا اسماعيل بن بهرام ، نا الأشجعي عن بسام الصيرفي قال : سمعت جعفر بن محمد يقول : من طلق امرأته ثلاثاً بجهالة أو علم فقد بانت منه . اهـ . ونقل السياني عن صاحب الآمالي أنه قال ^(٢) : حدثنا أبو كريب عن حفص بن غياث قال : سمعت جعفر بن محمد يقول : من طلق ثلاثاً فهي ثلاث وهو قولنا أهل البيت ، ثم ذكر رواية البيهقي عن شيخه الحاكم المتقدمة . وقال السباغي من الروض النضير في وقوع الطلاق بائناً بإرساله ثلاثاً بلفظ واحد قال ^(٣) : وهو مذهب جمهور أهل البيت كما حكاه محمد بن منصور عنهم في الآمالي بأسانيد ، وروى في الجامع الكافي عن الحسن بن يحيى قال رويناه عن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وعن علي - عليه السلام - وعلي بن الحسين ، وزيد بن علي ، ومحمد بن علي الباقر ، ومحمد بن عمر بن علي ، وجعفر ابن محمد وعبدالله بن الحسن ، ومحمد بن عبدالله وخيار آل رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - ثم قال الحسن أجمع آل الرسول على أن الذي يطلق ثلاثاً في كلمة واحدة أنها قد حرمت عليه وسواء كان قد دخل بها الزو أو لم يدخل ورواه في (البحر) عن ابن عباس وابن عمر وعائشة وأبي هريرة وعن علي - عليه السلام - والناج والمؤيد بالله وتخريجه ، والإمام يحيى والقرطبي ومالك وبعض الأمامية ، قال ابن القيم : وهو قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة اهـ . وذهب إليه بن حزم في المحلى وأطال الاحتجاج عليه . اهـ المراد من الروض النضير .



المذهب الثالث يقع في المدخول بها ثلاثاً وبغير المدخول بها واحدة ، وذكر ابن القيم أنه أخذ

(١) السنن الكبرى ٣٤٠/٧ .

(٢) الروض النضير ٣٨٧/٤ .

(٣) الروض النضير ٣٧٩/٤ .

بالحديث الوارد في التفرقة : اسحاق بن راهويه وخلق من السلف جعلوا الثلاث واحدة في غير المدخول بها . وهذا المذهب مبني على ما رواه أبو داود في سننه أن رجلاً يقال له أبو الصهباء وكان كثير السؤال لابن عباس قال : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من إمارة عمر - رضي الله تعالى عنهما - فقال ابن عباس : بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من إمارة عمر - رضي الله تعالى عنهما - فلما رأى الناس قد ثابروا فيها قال : أجروهن عليهم . قال ابن القيم : رأى هؤلاء أن إلزام عمر بالثلاث هو في حق المدخول بها ، وحديث أبي الصهباء في غير المدخول بها قالوا ففي هذا التفریق موافقة المنقول من الجاهليين وموافقة القياس . انتهى .

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في الجواب الثالث من الأجوبة على حديث ابن عباس وهو الدليل الأول للمذهب الثاني . .



المذهب الرابع عدم وقوع الطلاق مطلقاً لأن إيقاع الطلاق على ذلك الوجه بدعة محرمة فهو مردود لحديث : « مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ » : وقد حكى هذا القول للإمام أحمد فأنكره وقال : هو قول الرافضة ، كما نص عليه ابن القيم في زاد المعاد وذكر بأن القول بعدم الوقوع جملة هو مذهب الإمامية ، قال : وحكوه عن جماعة من أهل البيت وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في رسالة الفرق بين الطلاق الحلال والحرام أن القول بعدم الوقوع محدث مبتدع ، قاله بعض المعتزلة والشيعة ولا يعرف عن أحد من السلف . اهـ .

وقال ابن رجب في كتابه جامع العلوم والحكم في شرحه لحديث : « مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ » . قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث وشئ عن قال لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال : هذا قول سوء ردي ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض ، وقال أبو عبيد : الوقوع هو الذي عليه العلماء مجتمعون في جميع الأمصار حجازهم ونهامهم ، وبمنهم وشامهم ، وعراقهم ، ومصرهم ، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم إلا ناساً من أهل البدع لا يعتد بهم . اهـ .

وفيما يلي كلام مجمل لابن تيمية في المسألتين :

قال (١) : « الأصل الثاني » أن الطلاق المحرم الذي يسمى « طلاق البدعة » إذا أوقعه الإنسان هل يقع . أم لا ؟ فيه نزاع بين السلف والخلف . والأكثر يقولون بوقوعه مع القول بتحريمه . وقال آخرون : لا يقع مثل طاوس ، وعكرمة ، وخلاس ، وعمر ، ومحمد بن إسحاق ، وحجاج بن أرطاة ، وأهل الظاهر كداود وأصحابه . وطائفة من أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد ، ويروى عن أبي جعفر الباقر ، وجعفر بن

(١) مجموع الفتاوى ج/ ٢٢/ ٨٨-٩٨ .

محمد الصادق ، وغيرهما من أهل البيت ، وهو قول أهل الظاهر : داود وأصحابه . لكن منهم من لا يقول بتحريم الثلاث . ومن أصحاب أبي حنيفة ومالك وأحمد من عرف أنه لا يقع مجموع الثلاث إذا أوقعها جميعاً ، بل يقع منها واحدة .

ولم يعرف قوله في طلاق الحائض ولكن وقوع الطلاق جميعاً قول طوائف من أهل الكلام والشيعة . ومن هؤلاء من يقول : إذا أوقع الثلاث جملة لم يقع به شيء أصلاً ، لكن هذا قول مبتدع لا يعرف لقائله سلف من الصحابة والتابعين لم يلاحظوا ، وطوائف من أهل الكلام والشيعة ، لكن ابن حزم من الظاهرية لا يقول بتحريم جمع الثلاث ، فلذا يوقعها ، وجمهورهم على تحريمها وأنه لا يقع إلا واحدة .

ومنهم من عرف قوله في الثلاث ولم يعرف قوله في الطلاق في الحيض ، كمن ينقل عنه من أصحاب أبي حنيفة ومالك . وابن عمر روى عنه من وجهين أنه لا يقع ، وروى عنه من وجوه أخرى أشهر وأثبت أنه يقع . وروى ذلك عن زيد . . .

وأما « جمع الثلاث » فأقوال الصحابة فيها كثيرة مشهورة : روى الوقوع فيها عن عمر ، وعثمان ، وعلي ، وابن مسعود ، وابن عباس ، وابن عمر ، وأبي هريرة وعمران بن الحصين وغيرهم . وروى عدم الوقوع فيها عن أبي بكر ، وعن عمر صدرا من خلافته ، وعلي بن أبي طالب وابن مسعود ، وابن عباس أيضاً ، وعن الزبير ، وعبد الرحمن بن عوف . - رضي الله تعالى عنهم أجمعين - .

قال أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث في كتابه الذي سماه : « المقنع في أصول الوثائق وبيان ما في ذلك من الدقائق » : وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً في كلمة واحدة ، فإن فعل لزمه الطلاق . . ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق كم يلزمه من الطلاق ؟ فقال علي بن أبي طالب ، وابن مسعود - رضي الله تعالى عنهما - : يلزمه طلاق واحدة ، وكذا قال ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - وذلك لأن قوله : « ثلاثاً » لا معنى له ، لأنه لم يطلق ثلاث مرات : لأنه إذا كان مخبراً عما مضى فيقول : طلقت ثلاث مرات ، يخبر عن ثلاث طلاقات أتت منه في ثلاثة أفعال كانت منه ، فذلك يصح . ولو طلقها مرة واحدة فقال : طلقته ثلاث مرات لكان كاذباً .

وكذلك لو حلف بالله تعالى ثلاثاً يردد الحلف كانت ثلاثة أيمان ، وأما لو حلف بالله تعالى فقال : أحلف بالله تعالى ثلاثاً لم يكن حلف إلاً بيمين واحدة ، والطلاق مثله . قال : ومثل ذلك قال الزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف روينا ذلك كله عن ابن وضاح يعني الإمام محمد بن وضاح الذي يأخذ عن طبة أحمد بن حنبل وابن أبي شيبة ، ويحيى بن معين ، وسحنون بن سعيد ، وطبقتهم قال : وبه قال من شيوخ قرطبة أبو زنباع شيخ همدى ، ومحمد بن عبد السلام الخشني فقيه عصره ، وابن بقي بن مخلد ، وأصبغ بن الحباب وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة ، وذكر هذا عن بضعة عشر فقيهاً من فقهاء طليطلة المتعبدين على مذهب مالا ابن أنس .

■ قلت : وقد ذكره التلمساني رواية عن مالك ، وهو قول محمد بن مقاتل الرازي من أئمة الحنفية حكاه عن المازني وغيره ، وقد ذكر هذا رواية عن مالك ، وكان يفتي بذلك أحياناً الشيخ أبو البركات ابن تيمية ، وهو وغيره يحتجون بالحديث الذي رواه مسلم في صحيحه وأبو داود وغيرهما عن طاوس ، عن ابن عباس أنه قال : كان الطلاق على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر - رضي الله تعالى عنهما - طلاق الثلاث واحدة ، فقال عمر بن الخطاب : إن الناس قد استعجلوا أمراً كان لهم فيه أناة ، فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم . وفي رواية : أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هنالك لم يكن طلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر واحدة ؟ قال : قد كان ذلك ، فلما كان في عهد عمر تنابح الناس في الطلاق فأمضاه عليهم وأجازه .

■ والذين ردوا هذا الحديث تأولوه بتأويلات ضعيفة ، وكذلك كل حديث فيه : أن - النبي صلى الله تعالى عليه وسلم - ألزم الثلاث يمين أوقعها جملة ، أو أن أحداً في زمنه أوقعها جملة فألزمه بذلك : مثل حديث يروى عن علي ، وآخر عن عبادة بن الصامت ، وآخر عن الحسن عن ابن عمر ، وغير ذلك ، فكلها أحاديث ضعيفة باتفاق أهل العلم بالحديث ، بل هي موضوعة ، ويعرف أهل العلم بتقد الحديث أنها موضوعة ، كما هو مبسوط في موضعه .

■ وأقوى ما ردوه به أنهم قالوا : ثبت عن ابن عباس من غير وجه أنه أفق بلزوم الثلاث . وجواب المستدلين أن ابن عباس روى عنه من طريق عكرمة أيضاً أنه كان يجعلها واحدة ، وثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاوس مرفوعاً إلى النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وموقوفاً على ابن عباس ، ولم يثبت خلاف ذلك عن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - فالمرفوع أن ركاة طلق امرأته ثلاثاً ، فردها عليه النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - قال الإمام أحمد بن حنبل في مسنده : حدثنا سعيد بن إبراهيم ، حدثنا أبي : عن ابن إسحاق ، حدثني داود بن الحصين ، عن عكرمة مولى ابن عباس ، قال : طلق ركاة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد ، فحزن عليها حزناً شديداً قال : فسأله رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - : « كَيْفَ طَلَّقْتَهَا » ؟ قال : فقال : طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا ، قال : « فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ » ؟ قال : نعم قال : « فَإِنَّهَا بِلَيْكٍ وَاحِدَةٍ فَأَرْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ » قال : فراجعتها ، وكان ابن عباس يقول : إنما الطلاق عند كل طهر .

■ قلت وهذا الحديث قال فيه ابن إسحاق حدثني داود ، وداود من شيوخ مالك ورجال البخاري ، وابن إسحاق إذا قال . حدثني ، فهو ثقة عند أهل الحديث ، وهذا إسناده جيد ، وله شاهد من وجه آخر رواه أبو داود في السنن ، ولم يذكر أبو داود هذا الطريق الجيد ، فلذلك ظن أن تطليقة واحدة باتناً أصح ، وليس الأمر كما قاله ، بل الإمام أحمد رجح هذه الرواية على تلك وهو كما قال أحمد . وقد بسطنا الكلام على ذلك في موضع آخر .

■ وهذا المروي عن ابن عباس في حديث ركاة من وجهين ، وهو رواية عكرمة عن ابن عباس من وجهين عن عكرمة ، وهو أثبت من رواية عبد الله بن علي بن يزيد بن ركاة ، ونافع بن عجير : أنه طلقها البتة ،

و « أن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - استخلفه ، فقال : « مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً » ، فإن هؤلاء مجاهيل لا تعرف أحوالهم ، وليسوا فقهاء ، وقد سمعت حديثهم أحمد بن حنبل وأبو عبيد وابن حزم ، وغيرهم . وقال أحمد ابن حنبل : حديث ركاة في البتة ليس بشيء . وقال أيضاً : حديث ركاة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة لأن ابن اسحاق يرويه عن داود بن الحصين ، عن عكرمة ، عن ابن عباس « أن ركاة طلق امرأته ثلاثاً ، وأهل المدينة يسمون « ثلاثاً » البتة . فقد استدل أحمد على بطلان حديث البتة بهذا الحديث الآخر الذي فيه أنه طلقها ثلاثاً ، وبين أن أهل المدينة يسمون من طلق ثلاثاً طلق البتة ، وهذا يدل على ثبوت الحديث عنده ، وقد بينه غيره من الحفاظ وهذا الاسناد وهو قول ابن اسحاق : حدثني داود بن الحصين ، عن عكرمة ، عن ابن عباس : هو إسناد ثابت عن أحمد وغيره من العلماء .

■ وبهذا الإسناد روى : أن النبي - صلى الله عليه وسلم - « رد ابنته زينب على زوجها بالنكاح الأول » وصحح ذلك أحمد وغيره من العلماء وابن اسحاق إذا قال : حدثني . فحديثه صحيح عند أهل الحديث إنما يخاف عليه التدليس إذا عنعن ، وقد روى أبو داود في سننه هذا عن ابن عباس من وجه آخر ، وكلاهما يوافق حديث طاوس عنه ، وأحمد كان يعارض حديث طاوس بحديث فاطمة بنت قيس أن زوجها طلقها ثلاثاً ، ونحوه .

■ وكان أحمد يرى جمع الثلاث جائزاً ، ثم رجع أحمد عن ذلك ، وقال : تدبرت القرآن فوجدت الطلاق الذي فيه هو الرجعي . أو كما قال . واستقر مذهبه على ذلك ، وعليه جمهور أصحابه ، وتبين من حديث فاطمة أنها كانت مطلقة ثلاثاً متفرقات ، لا مجموعة ، وقد ثبت عنده حديثان عن النبي - صلى الله عليه وسلم - : أن من جمع ثلاثاً لم يلزمه إلا واحدة . وليس عن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - ما يخالف ذلك ، بل القرآن يوافق ذلك ، والنهي عنده يقتضي الفساد . فهذه النصوص والأصول الثابتة عنه تقتضي من مذهبه أنه لا يلزمه إلا واحدة ، وعدوله عن القول بحديث ركاة وغيره كان أولاً لما عارض ذلك عنده من جواز جمع الثلاث ، فكان ذلك يدل على النسخ ، ثم إنه رجع عن المعارضة ، وتبين له فساد هذا المعارض ، وأن جمع الثلاث لا يجوز : فوجب على أصله العمل بالنصوص البالة عن المعارض ، وليس يعمل بحديث طاوس بنفياً عن ابن عباس بخلافه ، وهذا علمه في إحدى الروايتين عنه ، ولكن ظاهر مذهبه الذي عليه أصحابه أن ذلك لا يفسد في العمل بالحديث ، لا سيما وقد بين ابن عباس عن عمر بن الخطاب - رضي الله تعالى عنه - في الإلزام بالثلاث . وابن عباس عنده هو العذر الذي ذكره عن عمر - رضي الله تعالى عنه - ، وهو أن الناس لما تابعتوا فيما حرم الله تعالى عليهم استحقوا العقوبة على ذلك فعوقبوا بلزومه ، بخلاف ما كانوا عليه قبل ذلك ، فلأنهم لم يكونوا مكثرين من فعل المحرم .

■ وهذا كما أنهم لما أكثروا شرب الخمر واستخفوا بحدوها كان عمر يضرب فيها ثمانين ، وينفي فيها ، ويحلق الرأس ، ولم يكن ذلك على عهد النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وكما قاتل علي بعض أهل القبلة ولم يكن ذلك على عهد النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - والتفريق بين الزوجين هو مما كانوا يعاقبون به أحياناً : إما مع بقاء النكاح ، وإما بدونه . فالنبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - فرق بين الثلاثة الذين خلفوا وبين نسائهم حتى تاب الله عليهم من غير طلاق ، والمطلق ثلاثاً حرمت عليه امرأته حتى تنكح زوجاً غيره عقوبة له ليستع

عن الطلاق .

■ وعمر بن الخطاب ومن وافقه كمالك وأحمد في إحدى الروايتين حرّموا المنكوحه في العدة على النكاح أبداً ، لأنه استعجل ما أحله الله فعوقب بنقيض قصده ، والحكمان لما عند أكثر السلف أن يفرقا بينهما بلا عوض إذا رآيا الزوج ظالماً معتدياً ، لما في ذلك من منعه من الظلم ودفع الضرر عن الزوجة ودل على ذلك الكتاب والسنة والآثار ، وهو قول مالك وأحد القولين في مذهب الشافعي وأحمد ، والزام عمر بالثلاث لما أكثروا منه : إما أن يكون رآه عقوبة تستعمل وقت الحاجة ، وإما أن يكون رآه شرعاً لازماً ، لا اعتقاده أن الرخصة كانت لما كان المسلمون لا يوقعونه إلا قليلاً .

وهكذا كما اختلف كلام الناس في تنبيه عن المتعة : هل كان تنبي اختيار ، لأن أفراد الحج بسفرة والعمرة بسفرة كان أفضل من التمتع ، أو كان قد تنهى عن الفسح ، لا اعتقاده أنه كان مخصصاً بالصحابة ؟ وعلى التقديرين فالصحابة قد نازعوه في ذلك ، وخالفه كثير من أئمتهم من أهل الشورى وغيرهم : في المتعة وفي الإلزام بالثلاث . وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول . كما أن عمر كان يرى أن المتعة لا تفقة لما ولا سكنى ، ونازعه في ذلك كثير من الصحابة ، وأكثر العلماء على قولهم . وكان هو وابن مسعود يريان أن الجنب لا يتيمم ، وخالفهما عمار وأبو موسى وابن عباس وغيرهم من الصحابة ، وأطبق العلماء على قول هؤلاء ، لما كان معهم الكتاب والسنة . والكلام على هذا كثير مبسوط في موضع آخر . والمقصود هنا التنبيه على ما أخذ الناس به .

والذين لا يرون الطلاق المحرم لازماً يقولون : هذا هو الأصل الذي عليه أئمة الفقهاء : كمالك ، والشافعي وأحمد ، وغيرهم ، وهو : أن إيقاعات العقود المحرمة لا تنفع لازمة : كالبيع المحرم ، والنكاح المحرم ، والكتابة المحرمة ، ولهذا أبطلوا نكاح الشغار ، ونكاح المحلل ، وأبطل مالك وأحمد البيع يوم الجمعة عند النداء ، وهذا بخلاف الظهار المحرم ، فإن ذلك نفسه محرم ، كما يحرم القذف وشهادة الزور ، واليمين الغدوس ، وسائر الأقوال التي هي في نفسها محرمة : فهذا لا يمكن أن ينقسم إلى صحيح وغير صحيح ، بل صاحبها يستحق العقوبة بكل حال ، فعوقب المظاهر بالكفارة ، ولم يحصل ما قصده به من الطلاق ، فلم يتم كائناً بفصلون به الطلاق وهو موجب لفظه ، فأبطل الشارع ذلك ، لأنه قول مخزم ، وأوجب فيه الكفارة .

وأما الطلاق فجنه مشروع : كالنكاح والبيع ، فهو بحل تارة ، ويحرم تارة فينقسم إلى صحيح وفاسد ، كما ينقسم البيع والنكاح . والنهي في هذا الجنس يقتضي فساد المنهي عنه ، ولما كان أهل الجاهلية يطلقون بالظهار فأبطل الشارع ذلك ، لأنه قول محرم : كان مقتضى ذلك أن كل قول محرم لا يقع به الطلاق ، وإلا فهم كانوا يفصلون الطلاق بلفظ الظهار ، كلفظ الحرام . وهذا قياس أصل الأئمة مالك ، والشافعي ، وأحمد .

■ ولكن الذين خالفوا قياس أصولهم في الطلاق خالفوه لما بلغهم من الآثار . فلما ثبت عن ابن عمر أنه اعتد بتلك التولية التي طلق امرأته وهي حائض قالوا : هم أعلم بقصته ، فاتبعوه في ذلك . ومن نازعهم يقول : ما زال ابن عمر وغيره يروون أحاديث ولا تأخذ العلماء بما فهموه منها ، فإن الاعتبار بما روه ،

لا بما رآه وفهموه . وقد ترك جمهور العلماء قول ابن عمر الذي فسر به قوله : « فاقلدوا له » وترك مالك وأبو حنيفة وغيرهما تفسيره لحديث « التَّبَعِينَ بِالْحَيَاةِ » مع أن قوله هو ظاهر الحديث . وترك جمهور العلماء تفسيره لقوله تعالى : (فَاتُّوا حَرَائِكُمْ أَنْتُمْ شَيْئُكُمْ)^(١) : وقوله نزلت هذه الآية في كذا . وكذلك إذا خالف الراوي ما رواه ، كما ترك الأئمة الأربعة وغيرهم قول ابن عباس : أن بيع الأمة طلاقها ، مع أنه روى حديث بريرة وأن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - خيرها بعد أن بيعت وعتقت ، فإن الاعتبار بما رَوَاهُ ، لا ما رآه وفهموه .

■ ولما ثبت عندهم عن أئمة الصحابة أنهم ألزموا بالثلاث المجموعة قالوا : لا يلزمون بذلك إلا ذلك معصي الشرع ، واعتقد طائفة لزوم هذا الطلاق وأن ذلك إجماع ، لكونهم لم يعلموا خلافاً ثابتاً ، لا سيما وصار القول بذلك معروفاً عن الشيعة الذين لم ينفردوا عن أهل السنة بحق .

قال المستدلون : هؤلاء الذين هم بعض الشيعة وطائفة من أهل الكلام يقولون جامع الثلاث لا يقع به شيء : هذا القول لا يعرف عن أحد من السلف ، بل قد تقدم الإجماع على بعضه وإنما الكلام هل يلزمه واحدة ؟ أو يقع ثلاث ؟ والتزاع بين السلف في ذلك ثابت لا يمكن رفعه . وليس مع من جعل ذلك شرعاً لازماً للأمة حجة يجب اتباعها : من كتاب ، ولا سنة ، ولا إجماع ، وإن كان بعضهم قد احتج على هذا بالكتاب ، وبعضهم بالسنة ، وبعضهم بالإجماع ، وقد احتج بعضهم بحجتين أو أكثر من ذلك ، لكن المنازع يبين أن هذه كلها حجج ضعيفة ، وأن الكتاب والسنة والاعتبار إنما تدل على نفي اللزوم ، وتبين أنه لا إجماع في المسألة ، بل الآثار الثابتة عن ألزم الثلاث مجموعة عن الصحابة تدل على أنهم لم يكونوا يجعلون ذلك مما شرعه النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - لأمته شرعاً لازماً ، كما شرع تحريم المرأة بعد الطلقة الثالثة ، بل كانوا مجتهدين في العقوبة يلزم ذلك إذا كثرت ولم ينته الناس عنه .

وقد ذكرت أن الألفاظ المنقولة عن الصحابة تدل على أنهم ألزموا بالثلاث لمن عصى الله تعالى بإيقاعها جملة ، فأما من كان يتقى الله فإن الله يقول : (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً . وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ)^(٢) فمن لا يعلم التحريم حتى أوقعها ، ثم لما علم التحريم تاب والتزم أن لا يعود إلى المحرم فهذا لا يشق أن يعاقب ، وليس في الأدلة الشرعية : الكتاب ، والسنة ، والإجماع ، والقياس ، ما يوجب لزوم الثلاث له ، وتكاحه ثابت ييقن . وامرأته محرمة على الغير بيقين ، وفي التزامه بالثلاث إباحتها للغير مع تحريمها عليه وفريضة إلى تكاح التحليل الذي حرمه الله ورسوله .

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٣ .

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ - ٣ .

■ و نكاح التحليل ، لم يكن ظاهراً على عهد النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - وخلفائه ، ولم ينقل قط أن امرأة أعيدت بعد الطلقة الثالثة على عهدهم إلى زوجها بنكاح تحليل . بل : « لعن النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - المحلل والمحلل له » : « لعن آكل الربا ، وموكله ، وشاهديه وكاتبه » ، ولم يذكر في التحليل الشهود ولا الزوجة ولا الولي ، لأن التحليل الذي كان يفعل كان مكتوماً بقصد المحلل ، أو بتواطؤ عليه هو والمطلق المحلل له . والمرأة ووليها لا يعلمون قصده ولو علموا لم يرضوا أن يزوجه ، فإنه من أعظم المستقبحات والمنكرات عند الناس ، ولأن عاداتهم لم تكن بكتابة الصداق في كتاب ، ولا إظهاره عليه ، بل كانوا يتزوجون ويعطون النكاح ، ولا يلتزمون أن يشهدوا عليه شاهدين وقت العقد ، كما هو مذهب مالك وأحمد في إحدى الروايتين عنه وليس عن النبي - صلى الله عليه وسلم - في الإظهار على النكاح حديث صحيح . هكذا قال أحمد بن حنبل وغيره .

■ فلما لم يكن على عهد عمر - رضي الله تعالى عنه - تحليل ظاهر ، ورأى في إنفاذ الثلاث زجراً لهم عن المحرم : فعل ذلك باجتهاده - أما إذا كان القاعل لا يستحق العقوبة ، وإنفاذ الثلاث يفضي إلى وقوع التحليل المحرم بالنص وإجماع الصحابة ، والاعتقاد وغير ذلك من المفاسد ، لم يجز أن يزال مفصلة حقيقة بمفاسد اغلظ منها ، بل جعل الثلاث واحدة في مثل هذا الحال كما كان على عهد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - وأبي بكر أولى ، ولهذا كان طائفة من العلماء مثل أبي البركات يفتون بلزوم الثلاث في حال دون حال ، كما نقل عن الصحابة . وهذا : إما لكونهم رأوه من « باب التعزير » الذي يجوز فعله بحسب الحاجة ، كالزيادة على أربعين في الخمر والنفي فيه ، وحلق الرأس . وإما لاختلاف اجتهادهم : فرأوه تارة لازماً وتارة غير لازم .

■ وبالحجة فما شرعه النبي - صلى الله عليه وسلم - لأئمة شرعاً لازماً ، إنما لا يمكن تغييره لأنه لا يمكن نسخ بعد رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - ولا يجوز أن يظن بأحد من علماء الساميين أن يقصد هذا : لا سيما الصحابة ، لا سيما الخلفاء الراشدون ، وإنما يظن ذلك في الصحابة أهل الجهل والضلال : كالرافضة والخوارج الذين يكفرون بعض الخلفاء أو يفتقونه ، ولو قدر أن أحداً فعل ذلك لم يقره المسلمون على ذلك ، فإن هذا إقرار على أعظم المنكرات والأمة معصومة أن تجتمع على مثل ذلك ، وقد نقل عن طائفة : كعبى ابن أبان وغيره من أهل الكلام والرأي من المعتزلة وأصحاب أبي حنيفة ومالك : أن الاجماع ينسخ به نصوص الكتاب والسنة .

■ وكنا تناول كلام هؤلاء على أن مرادهم أن الاجماع يدل على نص ناسخ ، فوجدنا من ذكر عنهم أنهم يجعلون الاجماع نفسه ناسخاً ، فإن كانوا أرادوا ذلك فهذا قول يجوز تبديل المسلمين دينهم بعد نبيهم ، كما تقول النصارى من : أن المسيح سوغ لعلمائهم أن يحرموا ما رأوا تحريره مصلحة ، ويجلوا ما رأوا تحاييله مصلحة ، وليس هذا دين المسلمين ولا كان الصحابة يسوغون ذلك لأنفسهم . ومن اعتقد في الصحابة أنهم كانوا يستحلون ذلك فإنه بتتاب كما بتتاب أمثاله ، ولكن يجوز أن يجتهد الحاكم والمفتي فيصيب فيكون له أجران . ويخطيء فيكون له أجر واحد .

■ وما شرعه النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - شرعاً معلقاً بسبب ، إنما يكون مشروعاً عند وجود السبب : كإعطاء المؤلفة قلوبهم ، فإنه ثابت بالكتاب والسنة ، وبعض الناس ظن أن هذا نسخ لما روى عن عمر : أنه ذكر أن الله أغنى عن التألف ، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر ، وهذا الظن غلط ، ولكن عمر استغنى في زمنه عن إعطاء المؤلفة قلوبهم ، فترك ذلك لعدم الحاجة إليه ، لا لنسخه ، كما لو فرض أنه عدم في بعض الأوقات ابن السبيل ، والغارم ونحو ذلك .

■ و « متعة الحج » قد روى عن عمر أنه نهى عنها ، وكان ابنه عبد الله بن عمر وغيره يقولون : لم يحرمها ، وإنما قصد أن يأمر الناس بالأفضل ، وهو أن يعتد أحدهم من دويرة أهله في غير أشهر الحج ، فإن هذه العمرة أفضل من عمرة المتنع والقارن باتفاق الأئمة ، حتى أن مذهب أبي حنيفة وأحمد منصوص عنه : أنه إذا اعتد في غير أشهر الحج وأفرد الحج في أشهره : فهذا أفضل من مجرد التمتع والقران ، مع قولهما بأنه أفضل من الإفراد المجرد . ومن الناس من قال : إن عمر أراد فسخ الحج إلى العمرة . قالوا : إن هذا محرم به لا يجوز ، وأن ما أمر به النبي - صلى الله عليه وسلم - أصحابه من الفسخ كان خاصاً بهم ، وهذا قول كثير من الفقهاء : كأبي حنيفة ، ومالك ، والشافعي . وآخرون من السلف والخلف قبلوا هذا ، وقالوا : بل الفسخ واجب ، ولا يجوز أن يحج أحد إلا متمتعاً : مبتدئاً ، أو فاسخاً ، كما أمر النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - أصحابه في حجة الوداع ، وهذا قول ابن عباس وأصحابه ومن اتبعه من أهل الظاهر والشيعة . و « انقول الثالث » : أن الفسخ جائز وهو أفضل . ويجوز أن لا يفسخ ، وهو قول كثير من السلف والخلف : كأحمد بن حنبل وغيره من فقهاء الحديث ، ولا يمكن الإنسان أن يحج حجة مجتمعة عليها إلا أن يحج متمتعاً ابتداء من غير فسخ .

■ فأما حج المفرد والقارن : ففيه نزاع معروف بين السلف والخلف كما تنازعوا في جواز الصوم في السفر ، وجواز الإتمام في السفر ، ولم يتنازعوا في جواز الصوم والتقصير في الجملة .

■ وعمر لما نهى عن المتعة خالفه غيره من الصحابة ، كعمران بن حصين ، وعلي بن أبي طالب ، وعبد الله ابن عباس ، وغيرهم ، بخلاف نهيه عن متعة النساء ، فإن علياً وسائر الصحابة وافقوه على ذلك ، وأنكر على علي ابن عباس إباحة المتعة ، قال : إنك امرؤ تائه ، إن رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - حرم متعة النساء ، وحرم لحوم الحرم الأهلية عام خير ، فأنكر علي بن أبي طالب على ابن عباس إباحة الحرم ، وإباحة متعة النساء ، لأن ابن عباس كان يبيع هذا وهذا ، فأنكر عليه علي ذلك . وذكر له : « أن رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - حرم المتعة ، وحرم الحرم الأهلية » : ويوم خير كان تحريم الحرم الأهلية . . وأما تحريم المتعة ، فإنه عام فتح مكة . كما ثبت ذلك في الصحيح ، وظن بعض الناس أنها حُرمت ، ثم أبيحت . ثم حُرمت . فظن بعضهم أن ذلك ثلاثاً ، وليس الأمر كذلك .

■ فقول عمر بن الخطاب - رضي الله تعالى عنه - : « إن الناس قد استعجروا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أفتنناهم عليهم فأنفذهم عليهم » : هو بيان أن الناس أحدثوا ما استحقوا عنده أن ينفذ عليهم الثلاث . فهذا

إما أن يكون كالنهي عن متعة الفسخ ، لكون ذلك كان مخصوصاً بالصحابة وهو باطل ، فإن هذا كان على عهد أبي بكر - رضي الله تعالى عنه - ولأنه لم يذكر ما يوجب اختصاص الصحابة بذلك ، وبهذا أيضاً تبطل دعوى من ظن ذلك منسوخاً كنسخ متعة النساء ، وإن قلر أن عمر رأى ذلك لازماً فهو اجتهاد منه اجتهد في المنع من فسخ الحج لظنه أن ذلك كان خاصاً .

وهذا قول مرجوح قد أنكره غير واحد من الصحابة ، والحجة الثابتة هي مع من أنكره . وهكذا الإلزام بالثلاث . من جعل قول عمر فيه شرعاً لازماً قيل له : فهذا اجتهاده قد نازعه فيه غيره من الصحابة ، وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول ، والحجة مع من أنكر هذا القول المرجوح .

■ وإما أن يكون عمر جعل هذا عقوبة تفعل عند الحاجة ، وهذا أشبه الأمرين بعمر ، ثم العقوبة بذلك يدخلها الاجتهاد من وجهين ، من جهة أن العقوبة بذلك : هل تشرع ؟ أم لا ؟ فقد يرى الإمام أن يعاقب بتوع لا يرى العقوبة به غيره ، كتحريق علي الزنادقة بالنار ، وقد أنكره عليه ابن عباس ، وجمهور الفقهاء مع ابن عباس . ومن جهة أن العقوبة إنما تكون لمن يستحقها فمن كان من المتقين ، استحق أن يجعل الله له فرجاً ومخرجاً ، لم يستحق العقوبة ، ومن لم يعلم أن جمع الثلاث محرم ، فلما علم أن ذلك محرم تاب من ذلك اليوم أن لا يطلق إلا طلاقاً سنياً فإنه من المتقين . فمثل هذا لا يتوجه إلزامه بالثلاث مجموعة بل يلزم بواحدة منها وهذه المسائل عظيمة وقد بسطنا الكلام عليها في موضع آخر من مجلدين وإعانبها عليها هنا تنبيهاً لطيفاً .

■ والذي يحمل عليه أقوال الصحابة أحد أمرين : إما أنهم رأوا ذلك من باب التعزير الذي يجوز فعله بحسب العادة : كالزيادة على أربعين في الخمر . وإما لاختلاف اجتهادهم فرأوه لازماً ، وقارة غير لازم ، وإما القول بكون لزوم الثلاث شرعاً لازماً ، كسائر الشرائع : فهذا لا يقوم فيه دليل شرعي . وعلى هذا القول الراجح لهذا الموضع أن يلتزم طلاقاً واحدة ويراجع امرأته ، ولا يلزمه شيء لكونها كانت حائضاً ، إذا كان من اتقى وتاب من البدعة .



الخلاصة

الفقهاء على أن طلاق السنة بالنسبة لعدد الطلاق ، أن يطلق الرجل زوجته طلاقاً واحدة مدخولاً بها أم غير مدخول بها ، ثم له أن يملك المدخول بها فيراجعها ما دامت في العدة وله أن يتركها ، فلا يراجعها حتى تنقضي عدتها فتبين منه وهذا هو التسريح لما بإحسان ، واتفقوا أيضاً على أنه إذا عاد إلى مطلقه



برجعة أو عقد ثم طلقها طلقه واحدة فطلاقه طلاق سنة ، ولو فعل مثل هذا مرة ثالثة كان طلاقه طلاق سنة باتفاق .

واختلفوا فيما لو طلق امرأته ثلاثاً بأن قال لها : أنت طالق ثلاثاً مثلاً هل هو طلاق بدعة أو لا ؟ واختلفوا أيضاً فيما لو طلق المدخول بها طلقه ثم أتبعها أخرى في نفس الطهر أو الطهر الثاني أو الثالث قبل أن يراجعها ، هل هو طلاق بدعة أو لا ؟

ومحل البحث ما لو قال لها في لفظ واحد : أنت طالق ثلاثاً مثلاً ، هل هو بدعة ممنوعة أو لا ؟ وهل يعتد به أو لا ؟ فهاتان مسألتان في كل منهما خلاف بين العلماء ، وفيما يلي خلاصة القول فيهما :

المسألة الأولى في حكم الإقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة - وفيه قولان -

١ - القول الأول : أنه بدعة ممنوعة ، وهو قول الحنفية والمالكية وإحدى الروايتين عن أحمد وقول ابن تيمية وابن القيم ، وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والإجماع والمعنى والقياس .

أما القرآن فنه قوله تعالى : (فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ)^(١) إلى قوله : (فَإِذَا بَلَغَتِ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ)^(٢) قبل المراد الأمر بتفريق الطلقات الثلاث على أطهار العدة الثلاثة ، والأمر بالتفريق نهي عن الجمع نهي تحريم أو نهي كراهة ، فكان جمع الثلاث في طهر واحد بدعة ممنوعة^(٣) .

وذكر ابن تيمية أن الله لم يبيح في هذه الآية إلا الطلاق الرجعي لقوله تعالى : (لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)^(٤) والأمر هو السدم على الطلاق ، والرغبة في الرجعة ، ولقوله تعالى : (فَإِذَا بَلَغَتِ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقِيهِنَّ بِمَعْرُوفٍ)^(٥) فخير سبحانه بين الرجعة قبل انقضاء العدة دون مضارة للزوجة وبين تركها حتى تنقضي عدتها فتبين منه ، وأنه سبحانه لم يبيح فيها إلا الطلاق للعدة ، فلرداف الطلاق للطلاق في العدة ولو في طهر آخر ممنوع لقوله تعالى (فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ)^(٦) إذ المعنى الأمر بطلاقهن مستقبلات عدتهن ، ومن طلق زوجته الطلقة الثانية في طهرها الثاني ، والثالثة في طهرها الثالث بنت مطلقته على ما مضى من عدتها ولم تتأنف العدة للثاني ولا للثالث ، فلم يكن طلاقاً للعدة ، فكان غير مشروع .^(٧)

(١) الآية الكريمة من - سورة الطلاق : ١

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢

(٣) من البحث .

(٤) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١

(٥) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢

(٦) من البحث .

■ ومنه قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(۱) ووجه الاستدلال أن هذه الجملة خبرية لفظاً طلبية معنى ، لئلا يلزم الخلف في خبره تعالى ، ولهذا نظائر في الكتاب والسنة ولغة العرب . فالمعنى إذا عزمتم الطلاق فطلقوا مرة بعد مرة ، إذ لا يقال لمن دفع درهمين لإنسان دفعة أنه أعطاه مرتين إلى غير هذا من النظائر ، والأمر بالتفريق نهى عن الجمع فكان ممنوعاً .^(۲)

■ فإن قيل : إذا كان كل الطلاق في دفعتين كان الواقع منه في دفعة طلقين ، وفي الأخرى طلقة ، فكان الجمع بين طلقين مشروعاً ، وإذاً يكون الجمع بين الثلاث مشروعاً ، إذ لا فرق .

■ فالجواب أن الآية أمرت بتفريق الطلقتين من الثلاث لا بتفريق الثلاث بدليل ما ذكر بعد من مشروعية الرجعة .^(۳) وفي معناه ما قيل : من أن المراد أوقعوا الطلاق الرجعي المذكور في قوله تعالى : (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ)^(۴) الآية . مرة بعد مرة ، ومن طلق ثلاثاً أو طلقين دفعة لم يفعل ما أمر به فكان مبتدعاً في طلاقه ، كما أن من قال : سبحان الله ثلاثاً وثلاثين والحمد لله ثلاثاً وثلاثين والله أكبر ثلاثاً وثلاثين عقب المكتوبات مكتفياً بذكر اسم العدد عن تكرار كل من التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثاً وثلاثين مرة لم يكن آتياً بما أمر به كما أمر ، فكان مبتدعاً .

■ وقيل في وجه الاستدلال بالآية : إن المراد الإخبار عن صفة الطلاق الشرعي ، والألف واللام في الطلاق للحصر فيقتضي ذلك المنع من الطلاق على غير هذه الصفة ، لكونه بدعة مخالفة للشرع .

■ فإن قيل : المراد الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان ، وما زاد فليس برجعي ، يدل عليه قوله بعد ذلك (فَإِنْ سَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ)^(۵) أوجب بأنه لو كان المراد ما ذكرتم لقال : الطلاق طلقتان ، سواء أوقعهما الزوج مجتمعين أم مفترقين ، فلما قال : مرتان - اقتضى إيقاعه مفترقاً ، وثبت أن المراد الإخبار عن صيغة إيقاعه .

■ فإن قيل : لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به تضعيف العدد دفعة دون تكرار الفعل كما في قوله تعالى : (نُؤْتِيهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ)^(۶) ونحوها ، فإن المراد تضعيف العدد لا تفريق الأجر . أوجب بأن المراد نؤها أجرها مرة بعد مرة كما روى عن بعض السلف ، وعلى تقدير أن المراد في الآية تضعيف العدد دفعة يقال : إن الأصل فيما ذكر تكرار الفعل . إلا إذا دل دليل على إرادة تضعيف العدد فيعدل إليه استثناء ، كما في آية (نُؤْتِيهَا أَجْرَهَا

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۲) ص - من البحث .

(۳) ص - من البحث .

(۴) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۸ .

(۵) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۶) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ۳۱ .

مَرَّتَيْنِ (١) وما علاه يبقى على الأصل ، على أنه لو أريد بقوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) (٢) تضعيف العدد دفعة ، لمنع الزوج من إيقاع طلقة مفردة ، وهذا باطل بإجماع (٣).

■ وأجيب أيضاً بأن الفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان ، فلا يتصور فيه الجمع كآية الطلاق ، وبين ما يكون مثلين وجزأين ومرتين في المضاعفة فيتصور فيه الجمع كما في آية (تَوْبَتَاهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ) (٤) وآية (مَتَّعْتُ بِهِمْ مَرَّتَيْنِ) (٥) ونحوهما .

■ ومنه قوله تعالى : (وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ، فَبَلِّغْنِ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ) (٦) الآية ، وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث ، وهو يعم كل طلاق ، لوقوعه في حيز الشرط ، فعلم أن جمع الثلاث غير مشروع (٧).

ومن السنة حديث «تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا» الخ - قيل نهى عن الطلاق لأمر ملازم له لا لعينه ، لأنه بقي معتبراً شرعاً في حق الحكم بعد النهي ، والمراد - والله أعلم - الجمع بين طلقين أو أكثر في طهر والطلاق في الحيض ، ولكن هذا الحديث ضعيف فلا يشتغل بمناقشته (٨).

■ ومنها ما روى مخرمة بن بكير عن أبيه : قال سمعت محمود بن لبيد قال أخبر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً ، فقال : «فعلته لأعياً» ثم قال : «تَلْعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيِّنٌ أَظْهَرُكُمْ» ، حتى قام رجل ، فقال يا رسول الله ألا أقنله ؟ واسناده على شرط مسلم ، ودلالة منته على المنع ظاهرة . واعترض عليه أولاً : بأن مخرمة لم يسمع من أبيه وإنما هو كتاب ، وعورض ذلك بقول من قال سمع من أبيه ، ومعه زيادة علم وإثبات فيقدم ، وعلى تقدير أنه لم يسمع من أبيه ، وإنما رواه من كتابه وكان كتاب أبيه عنده محفوظاً مضبوطاً ، فقد انعقد الإجماع على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عند رواية أنه من كتابه شيخه ، بل الرواية من الكتاب المصون أوثق ، فإن الحفظ يخون والنسخة الثابتة المحفوظة لا تخون . وقد أطال ابن القيم الكلام على توثيق مخرمة واعتبار الرواية من الكتاب وصحة الاحتجاج بها (٩).

■ واعترض ثانياً بأن محمود بن لبيد وإن كان صحابياً إلا أنه لم يثبت له سماع من النبي - صلى الله عليه وسلم - فروايته عنه مرسل ، وأجيب بأن مرسل الصحابي مقبول ، فصح الاحتجاج بالحديث .

(١) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ٢١ .

(٢) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

(٣) من البحث .

(٤) الآية الكريمة من سورة التوبة : ١٠١ .

(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٢ .

(٦) من البحث .

(٧) من البحث : ذكره السيوطي في الجامع الصغير وضعفه .

(٨) من البحث .

■ ومنها حديث عبادة بن الصامت : أن قوماً جاءوا إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقالوا : إن أبانا طلق امرأته ألفاً فقال : « بَانَاتُ إِمْرَأَاتِهِ بِثَلَاثٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَبَنَاقِي يَسْعُمَاتٍ وَسَبْعَةٌ وَيَسْعُونَ وَزَوْجاً فِي عُنُقِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ » وأجيب بأن في سننه رجالاً مجهولين وضعفاء ، فلا يصلح للاحتجاج به .^(۱)

■ ومنها حديث علي قال : سمع النبي - صلى الله عليه وسلم - رجلاً طلق البتة فغضب ، وقال : « اتَّخَذُونِ آيَاتِ اللَّهِ هُزُؤاً أَوْ دِينَ اللَّهِ هُزُؤاً أَوْ لَعِباً ، مَنْ طَلَّقَ الْبَتَّةَ الزَّمَنَاءُ لَكَلَالاً لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ » فدل غضبه على المنع من جمع الثلاث بلفظ صريح أو كناية ، وأجاب الدارقطني بأن في سننه اسماعيل بن أمية القرشي ، وهو ضعيف ، وقال ابن القيم في سننه مجاهيل وضعفاء ، فلا يصح الاحتجاج به .

■ ومنها أن ابن عمر لما طلق امرأته في الحيض وأمره النبي - صلى الله عليه وسلم - بمراجعتها قال : أرأيت لو طلقته ثلاثاً أكانت تحل لي ، قال : « لا » ، بَانَاتُ مِنْكَ ، وَهِيَ مَعْصِيَةٌ ، وأجيب بأن في سننه شعيب ابن رزيق وقد تكلموا فيه ، وتفرد في هذا الحديث عن الثقات بزيادة قوله : أرأيت لو طلقته ثلاثاً . الخ . فلم يأت أحد منهم في روايته لهذا الحديث بما أتى به ، ولذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح ولا السنن .^(۲)

■ وأما الإجماع فقد أنذر عمر من يأتيه وقد طلق امرأته ثلاث تطليقات مجموعة بأن يوجعه ضرباً ، وحكم كثير من الصحابة بأن من يطلق ثلاثاً مجموعة أو أكثر فقد عصي ربه واستكروا ذلك من فاعله وجعلوه متعلياً لحُدود الله ، وانتشر ذلك عنهم دون تكبر ، فكان إجماعاً على المنع من جمع ثلاث طلقات فأكثر دفعة .

وأما المعنى فمن وجهين :

الاول - أن النكاح عقد مصلحة ، والطلاق إبطال له ، فكان مفسدة ، والله لا يحب الفساد .

الثاني - أن النكاح عقد مسنون بل واجب ، وفي الطلاق قطع للسنة أو نفويت للواجب ، فكان الأصل فيه الحظر أو الكراهة ، إلا أنه رخص فيه للدواعي الطارئة كتوقع مفسدة من استمرار النكاح أشد من مفسدة الطلاق . فيرتكب أخف المفسدين تفادياً لأشدهما^(۳) لكن يقتصر من ذلك على طقة واحدة ، إذ بها تندفع المفسدة ، وما زاد عليها فيبقى على الأصل ، وهو المنع وبشهاد لكون الأصل في الطلاق الحظر حديث : « أَيَّمَا امْرَأَةٍ سَأَلْتَ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ مِنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَأْيُهُ الْجَنَّةُ » .
رواه أحمد وأبو داود والترمذي وحسنه . وأما القياس فلأن التطلق ثلاثاً دفعة فيه تحريم البضع من غير حاجة فأشبه الظهار ، فكان ممنوعاً ، ولأن فيه ضرراً وإضراراً بنفسه وبامرأته ، فأشبه الطلاق في الحيض فكان ممنوعاً .

(۱) من البحث .

(۲) من البحث .

(۳) من البحث .

القول الثاني

أن جمع الطلاق الثلاث في كلمة ليس بمحرم ولا بدعة ، وبه قال الشافعي وأبو ثور وأحمد في إحدى الروايتين عنه ، وجماعة من أهل الظاهر ، واستدلوا لذلك بالكتاب والسنة والآثار والمعنى .

أما الكتاب فقوله تعالى : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ)^(۱) وقوله تعالى : (إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا)^(۲) . وقوله تعالى : (وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالمَعْرُوفِ)^(۳) فهذه نعم إباحة الثلاث والاثنتين فإنه تعالى لم يخص مطلقة طلقة واحدة من مطلقة ثلاثاً ، فليس لأحد أن يخصها إلاً بدليل . ويمكن أن يقال : إن المقصود في الحمل الشرطية الحكم بما تضمنه الجواب على تقدير تحقق فعل الشرط ، بقطع النظر عن كون فعل الشرط مطلوب الحصول أو مباحاً أو ممنوعاً ، وعلى هذا يكون القصد من آية (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ)^(۴) الحكم بتحريم الزوجة على زوجها الذي طلقها المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره ، وقد يكون طلاقها المرة الثالثة مأذوناً فيه كما لو طلقها في طهر لم يمسه فيه طلقة ، وقد يكون محرماً كما لو طلقها المرة الثالثة في حيض مثلاً ، ويكون القصد من آية (إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا)^(۵) عدم وجوب العدة على تقدير حصول الطلاق قبل الدخول ، أما كون طلاقها مباحاً أو محرماً فيفهم من أمر آخر ، وأما آية (وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِينَ)^(۶) فالتقصدها إثبات المنفعة للمطلقة ، وجوباً أو ندباً ، لا بيان حكم الطلاق ، فقد يكون محرماً وتثبت لها المنفعة وقد يكون مباحاً كما تقدم .



وبهذا يتبين أن الآيات الثلاث ليست أدلة في محل النزاع .

وأما السنة

فمنها حديث فاطمة بنت قيس ، وفيه أن زوجها طلقها ثلاثاً أو طلقها البتة وهو غائب وبعث إليها وكيله بشعير نفقة لها ، فسخطته ، فقال : والله ما لك علينا من شيء ، فذكرت ذلك للنبي - صلى الله عليه وسلم - فقال : ليس لك عليه نفقة ، فلم يعب - صلى الله عليه وسلم - الثلاث مع الإجمال فيما بلغه من خبر الطلاق ولم يستفسر عن كيفيته ، ولفظ البتة هنا مراد به الثلاث ، وإلاً لم تسقط نفقتها ولا سكنها . وأجيب برواية الزهري هذا الخبر عن أبي سلمة وفيه ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات ،

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۳۰ .

(۲) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ۴۹ .

(۳) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۴۱ .

(۴) الآية الكريمة من سورة الأحزاب : ۴۹ .

(۵) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۴۱ .

وبرواية الزهري أيضاً عن عبيد الله بن عبد الله بن مسعود أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها ، فذكر الخبر وفيه أن مروان أرسل إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر ، فكان هذا تفسيراً لما في الثلاث أو البتة من الإجمال ، وأن ذلك لم يكن مجموعاً ، وأعل ابن حزم الرواية الثانية بالانقطاع ، لعدم التصريح بالتحديث أو السماع ، ويمكن أن يقال : إن ظاهرها الإنصال ، لأنها في حكم الرواية بها لمتعة ونحوها ، فصلحت تفسيراً للإجمال ، وقال ابن حزم أيضاً : إن كلا الخبرين ليس فيهما أن النبي - صلى الله عليه وسلم - أخبر بذلك ، ويمكن أن يقال : إن الأصل بيان السائل الثقة الورع لواقع أمره ، وخاصة الصحابة مع النبي - صلى الله عليه وسلم - وذلك لتطمئن النفس إلى موافقة الجواب للواقع ، وعلى تقدير الاحتمال في حديث فاطمة ، فحمله على ما كان شائعاً كثيراً ، وهو أفراد الطلاق أول من حملة على النادر وهو جمع الثلاث في كلمة ، ومنها حديث تلاعن عويمر وامراته ، وفيه أنه طلقها ثلاثاً بعد اللعان قبل أن يأمره النبي - صلى الله عليه وسلم - فلو كان جمع الثلاث ممنوعاً ليين له النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه عاص يجمع الثلاث ، وعلمه الطلاق المشروع .

■ وأجيب بأنه لما لم يصادف طلاقه محلاً لم ينكر عليه ، فإنها صارت أجنبية منه لا تحل له أبداً بشتم اللعان لا بالطلاق الثلاث وإلاً لحلت له بعد أن تنكح زوجاً آخر ، وقد أيد ذلك فيما سبق في حديث محمود بن لبيد من إنكاره - صلى الله عليه وسلم - على من طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً وبهذا يجمع بين خبري الإنكار والسكرت بحمل أحدهما على طلاق صادم محلاً والآخر على ما إذا لم يصادف محلاً ، وأما قول سهل : فأثقفه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقوله : فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما . فبأني الكلام عليه في موضعه من المسألة الثانية .

■ ومنها حديث المرأة التي طلقها زوجها ثلاثاً ، والأخرى التي بت زوجها طلاقها وقد تزوجت كلا منهما بعد ذلك ثم طلقت قبل أن يمامها ، وأرادت أن ترجع إلى زوجها الأول فقال النبي - صلى الله عليه وسلم - « لا . حَتَّى تَذُوقِي عُسْبَلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسْبَلَتَكَ » فدل عدم نقل الإنكار من النبي - صلى الله عليه وسلم - طلاق الرجل امرأته ثلاثاً أو بت طلاقها على جواز الجمع بين الثلاث ، إذ لو كان ممنوعاً لأنكره ، ولو أنكره لنقل . أجيب أن اللفظ محتمل أن تكون الثلاث مجتمعة وأن تكون مفرقة ، ولفظ البتة يعبر به عن الثلاث ، وقد ثبت أن كلا منهما قد طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات ، فليس في ذلك دليل لجواز جمع الثلاث .

■ وأما الآثار : فمنها ما روى أن عمر - رضي الله عنه - استغنى فيمن طلق امرأته البتة ، فاستحلقت عما أراد فحلف أنه أراد واحدة فردها إليه ، ولم يقل له لو أردت ثلاثاً لعصبت ربك . وأجيب بأنه عمر أنكر عليه بقوله : ما حملك على هذا ، ويتلوة قوله تعالى : (وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ غَيْرَ آلِهِمْ وَأَشَدَّ تَنَبُّيًّا)^(١) ورد الجواب بأنه أنكر عليه عدوله في الطلاق عن اللفظ الصريح إلى لفظ مشكل محتمل وهو البتة .

(١) الآية الكريمة من سورة التيسار : ٦٦ .

■ ومنها أن عثمان لم ينكر على عبد الرحمن بن عوف طلاقه امرأته ثلاثاً . ومنها أن أبا هريرة وابن عباس وعبد الله بن عمر ، وعائشة وعبد الله بن الزبير لم ينكروا على من استفتى في طلاق الثلاث ولم يعيبوا عليه ذلك ولم يقل أحد منهم لمن استفتاه في ذلك بشئ ما صنعت ، وما روى من إنكار ابن عباس وغيره من الصحابة على من طلق امرأته مائة أو ألفاً قلنا إنكاره لما زاد عما جعل إليه من الثلاث ، وروى ما يوافق ذلك عن شريح الشعبي وغيرهما من التابعين^(١) وقد يقال : يرد هذا ما روى عن عمر وابن عمر وابن عباس وعمران بن حصين أنهم أثنوا من طلق ثلاثاً . وقالوا : إنه عصي ربه ، وتعدوا من يطلق ثلاثاً في مجلس واحد بالأذى كما روى عنهم ذلك فيمن تجاوز الثلاث في طلاقه ، وإذا فليس الإنكار خاصاً بما زاد على الثلاث .^(٢)

■ وأما المعنى فإن الشرع قد جعل الطلاق إلى الزوج بمضي منه ما شاء وبقي ما شاء . دون أن يكون عليه في ذلك حرج . كما أنه لا يحرم عليه أن يعتق ما شاء من عبده ويتصدق بما شاء من ماله . وبقي من ذلك ما شاء بل له أن يأتي على ذلك كله . وأجيب بأن الأصل فيما ذكر أنه من القربات ، فله أن يفعل من ذلك ما شاء وبؤجر عليه ما لم يضر نفسه . بخلاف الطلاق فإن الأصل فيه الحظر لما تقدم ، ولأنه أبغض الحلال إلى الله وقد شرع على صفة معينة ، فينبغي التزامها في إيقاعه .



المسألة الثانية : فيما يترتب على إشاع الطلاق الثلاث بنفط واحد وفيه مذاهب

المذهب الأول أنه يقع ثلاثاً ، وهو مذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم . وقد استدلووا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والآثار والإجماع والقياس .

أما الكتاب فمنه قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَلَمَّا أَثَبَّكُ بِمَقْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ)^(٣) فإنه يدل على أنه إذا قال الزوج لامرأته : أنت طالق ، أنت طالق ، في طهر لزمه اثنتان ، وإذا قيل لزمه اثنتان إذا أوقعهما معاً في سنة واحدة^(٤) لأنه لم يفرق بين ذلك أحد ، وأيضاً حكم الله بتحريمها عليه بعد الثالثة في قوله : (فَإِنْ طَلَّقَهَا ...) الآية . ولم يفرق أحد بين إيقاعها في طهر أو أطهار ، فوجب إلزامه بالجميع على أي وجه أوقعه ، مباح أو محظور . واعتراض بأن المراد بالآية الطلاق المأذون فيه ، وإيقاع الثلاث معاً غير مأذون فيه ، فكيف يستدل بها في الإلزام بطلاق وقع على غير الوجه المباح وهي لم تتضمنه ؟

(١) ص - - من الحديث

(٢) ص - - من الحديث

(٣) الآية الكريمة من سورة البقرة ٢٢٩

(٤) وكما اثنتان إذا أوقعها معاً

وأجيب بأنها دلت على الأمر بتفريق الطلاق ، ولا مانع من دلالتها على الإلزام به من جهة أخرى إذا وقع على غير الوجه المأمور به .

واعترض أيضاً بأن قوله تعالى : (فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ) بين المراد من آية الاستدلال ، وأن الطلاق إنما يكون للعدة ، فمنى خالف ذلك لم يقع طلاقه .

وأجيب بأنها ثبتت حكم كل من الآيتين فنثبت بآية (فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ) أن الطلاق المسنون ما كان للعدة ، ونثبت بآية (الطَّلَاقُ مَبْرُتَانِ) أن من طلق لغير العدة أو جمع بين الثلاث لزمه ما فعل ، وبذلك نكون قد أخذنا بحكم كل من الآيتين ، على أن آخر آية الطلاق للعدة وهو قوله تعالى : (وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ...) الآية ، يدل على وقوع الطلاق لغير العدة ، فإنه لو لم يلزمه لم يكن ظالماً لنفسه بإيقاعه ولا بطلاقه ، كما أن قوله تعالى : (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً)^(١) يدل على ذلك ، وسيأتي لهذا زيادة بيان في الدليل الثاني إذ شاء الله .

واعترض أيضاً بأن الزوج لو وكل من يطلق طلاقاً مفرقاً على الأطهار فجمع الثلاث في طهر لم يقع لكونه غير مأمور به فكذا الزوج . وأجيب بالفرق بينهما ، فإن الزوج يملك الطلاق الثلاث ، وإيقاعه على غير الوجه المشروع لا يمنع من الزامه به كالظهار والردة ، أما الوكيل فلا يملك من الطلاق إلا ما ملكه موكله ولا يملك إيقاعه إلا على الوجه الذي وصفه له موكله ، إذ هو معبر عن موكله وتلزمه حقوق ما يوقعه^(٢) وسيأتي لهذا مزيد بحث . واستدل أيضاً بعموم قوله تعالى في الآية : (أَوْ تَسْرِعْ بِإِحْسَانٍ) على أنه يتناول إيقاع الثلاث دفعة ، وأجيب عن وجوه الاستدلال بالآية :

أولاً بأن تسريع المطلقة طلاقاً رجعياً بإحسان تركها بلا مضارة لما حتى تنقضي عدتها ، لا طلاقها مرة أخرى قبل رجعتها ، وما روى مرفوعاً من تفسير التسريع بالإحسان بطلاقها الثالثة فمرسل .

ثانياً بأن من العلماء من فرق بين إيقاع الطلاق مفرقاً في طهر أو مجموعاً وبين إيقاعه مفرقاً في أطهار دون سبق رجعة ، وإيقاعه مفرقاً في أطهار مع سبق كل برجعة ، فدعوى عدم الفرق مخالفة للواقع .

ثالثاً بأن الله جعل الطلاق إلى الزوج لكن على أن يوقعه مفرقاً مرة بعد مرة على صفة خاصة ، ولم يشرع سبحانه إيقاع الطلاق ثلاثاً جملة حكمة في تشريعه ورحمة بعباده ، فإيقاعه ثلاثاً مجموعة مخالف لأمر الله وشرعه ، وأما قياس الثلاث مجموعة على الظهار فيبطل قولكم ويثبت قول مخالفكم ، فإن الله لم يلزم المظاهر بما التزم من تحريم زوجته وجعلها كأمه أو أخته مثلاً بل لم يزل زوجته ، وعاقبه بشيء آخر على جريمة الظهار هو الكفارة ، فإذا أدى ما شرع من الكفارة حلت له ماسنتها ، فمقتضى قياسكم أن لا يلزم بشيء من الثلاث ويعاقب بأمر آخر على جريمة الجمع بين الثلاث ، وكذا القول في قياسكم جمع الثلاث على الردة ، وإذا ليست الآية دليلاً على إلزام الثلاث أو الثنتين إذا أوقعها مجموعة ، بل تدل على خلافه .

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

(٢) ص - من البحث .

ومنه قوله تعالى : (وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا)^(۱) ومن طلق ثلاثاً مجموعة فقد تعدى حدود الله ، لإيقاعه الطلاق على غير الوجه المشروع ، وظلم نفسه بتعجله فيما كانت له فيه أناة ، وحرمانه من رجعة زوجته ، إذ لو لم يلزم بالثلاث من طاق ثلاثاً مجموعة لم يكن ظالماً لنفسه ولا محروماً من زوجته ، لتمكنه من رجعتها .

ويؤيده أن ابن عباس أفى بإلزام الثلاث من طلق ثلاثاً . وعاب على من جمع الثلاث ورماه بالحماقة ، واستشهد بالآية ، وأجيب بمنع دلالة الآية على الإلزام بالثلاث ، لأن ركائنه لما طلق امرأته ثلاثاً أمره النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يراجعها ، وتلا هذه الآية ، ولو كانت دليلاً على إلزام الثلاث من طلق ثلاثاً مجموعة لما استدل بها - صلى الله عليه وسلم - ، وسنأتي مناقشة حديث ركائنه .

وكما روى عن ابن عباس الإلزام بالثلاث والاستشهاد بالآية روى عنه اعتبارها واحدة^(۲) .

ويمكن أن يقال : بحمل تعدي حدود الله في الآية وظلم المطلق لنفسه على الطلاق لغير العدة وإخراج الزوج مطلقته طلاقاً رجعياً من بينها الذي كانت تسكنه قبل الطلاق وخروجها منه أيام العدة ، دون الطلاق الثلاث ، وقد يساعد على هذا سابق الكلام ولاحقه ، وفي هذا أيضاً جمع بين الأدلة .

ومنه قوله تعالى : (وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا)^(۳) ذكر عن الحسن أنها نزلت قمين كان يطلق ويزوج ابنته ويعتق عبده ، ويدعى أنه كان لاعباً ، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - « ثَلَاثٌ مَنْ قَالَهُنَّ لَا عِيَا جَائِزَاتٌ : الْعِيَاقُ وَالطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ » وأجيب بأنه لا دليل في الآية ولا في الحديث على المطلوب ، لأنه لم يذكر فيها طلاق الثلاث أصلاً ، وإنما فيهما النهي عن اللعب في الطلاق ونحوه على أن ما ذكر من مراسيل الحسن .

حديث تلاعن عويمر العجلاني وامرأته ، فإن النبي - صلى الله عليه وسلم - فرق بينهما بإتفاذ الطلاق الثلاث لا باللعان ، يؤيد هذا قول سهل : فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فأنفذها رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ... الخ . وبهذا يعلم أن طلاق عويمر اعتبر ثلاثاً ، وبانت منه امرأته بذلك ، ثم أكد ذلك بتأييد تحريمها عليه في اللعان خاصة ، وقد يقال : بأن إتفاذ الطلاق الثلاث دفعة على الملاعن خاص باللعان لما فيه من تأييد التحريم بخلاف غيره ، بدليل حديث محمود بن لبيد . ويحاجب بأن حديث محمود بن لبيد وإن صحح ليس فيه إتفاذ الثلاث ولا عدم إتفاذها ، وحديث اللعان فيه إتفاذها فيقدم بل قيل إن حديث محمود بن لبيد دليل على اعتبار إيقاع الثلاث دفعة ثلاثاً ، لأن الزوج طلق ثلاثاً يظنها لازمة له فلو كانت غير لازمة ليين له - صلى الله عليه وسلم - لعدم جواز تأخير البيان عن وقت الحاجة .^(۴)

وَأَمَّا السَّنَةُ فَأَوَّلًا

(۱) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

(۲) ص - من البحث .

(۳) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۱ .

(۴) ص - - من البحث .

وقد أجيب عن تأويل الاستدلال بأن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنفذ تطليقات عويمر على الوجه الذي كان معروفاً في عهده من اعتبارها واحدة رجعية ، ثم حرمها عليه تحريماً أبدياً بدليل قوله في الحديث : قمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما . فإن التفريق يتأني مع بقاء النكاح بخلاف ما إذا اعتبرت تطليقات عويمر ثلاثاً فإنها تكون أجنبية منه بذلك محرمة عليه حتى تنكح زوجاً غيره .^(١)

وكذلك يقال فيما أمضاه على المطلق في حديث محمود بن لبيد ، فإن حمله على ما كان معروفاً في عهده - صلى الله عليه وسلم - أقرب من حمله على الثلاث بل هر المتعين .

ثانياً حديث من طلقها زوجها ثلاثاً وأبى النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يبيحها لزوجها الأول حتى يطأها الثاني ، قالوا : الظاهر أنه طلقها ثلاثاً مجبوعة فأمضاها عليه النبي - صلى الله عليه وسلم - وإلاً لملت للأول دون أن تنفوق عيلة الثاني ، وأجيب بأنه ورد في بعض الروايات أن الأول طلقها آخر ثلاث تطليقات . وعلى تقدير تعدد القصة وأن هذه الرواية كانت في إحداها فكل منهما ليس فيها ما يدل على أن التطليقات كانت مجبوعة ، بلحواز أن تكون متفرقة ، بل في الحديث ما يدل على تفرقها فإنه لا يقال طلق ثلاثاً إلا لمن فعل ذلك مرة بعد مرة كما يقال : سلم ثلاثاً ، وسبح ثلاثاً ، ومع هذا فقد كان المشهور في عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - إيقاع الطلاق متفرقاً ، أما إيقاعه مجبوعاً فقد كان قليلاً ومنكراً ، وحمل اللفظ على الكثير الحق أقرب من حمله على القليل المنكر .^(٢)

ثالثاً حديث فاطمة بنت قيس ، فإن زوجها طلقها ثلاثاً مجبوعة ، وقد تقدم الكلام فيه وفي مثله توجيهاً وإجابة ، إلا أنه ذكر هنا زيادة في رواية مجالد بن سعيد عن الشعبي أن زوجها طلقها ثلاثاً جميعاً ، وأجيب عنها بأنها قد تفرد بها مجالد عن الشعبي وهو ضعيف ، وعلى تقدير الصحة فكلمة جميع في الغالب لتأكيد العدد فالمعنى حصول الطلاق الذي يملكه جميعه لا اجتماعه كما في قوله تعالى : (وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعاً)^(٣) فالمراد حصول الإيمان من جميعهم لا حصوله منهم في وقت واحد .^(٤) وذكر بعضهم أن تعبير فاطمة بنت قيس عن كيفية طلاقها مختلف الصيغة ولم يفرق بينها الصحابة في الحكم وإلاً لاستفسروا عما فيها من إجمال . وأجيب بأن الإجمال زال برواية طلقها آخر ثلاث تطليقات ، ورواية أرسل إليها بطلقة كانت بقيت لها .^(٥)

رابعاً حديث ركاة فإنه طلق امرأته سُهيمَةَ البثة ، واستفسره النبي - صلى الله عليه وسلم - عما أراد ، واستحلفه عليه فحلف ما أراد إلاً واحدة ، فردها عليه ، فدل على أنه لو أراد أكثر لأمضاه عليه ،

(١) ص - من البحث .

(٢) ص - من البحث .

(٣) الآية الكريمة من سورة يونس : ٩٩ .

(٤) ص - من البحث .

إذ لو لم يفرق الحكم لما استفسره ولا استحلّفه ، وهذا الحديث وإن تكلم فيه من أجل الزبير ابن سعيد فقد صححه بعض العلماء ، وحسنه بعضهم وذكر الحاكم له متابعاً من بيت ركاة

وأجيب بأن الإمام أحمد ضعف حديث طلاق ركاة زوجته البتة من جميع طرقه ، وضعفه البخاري وقال مضطرب فيه ، تارة قيل فيه ثلاثاً ، وتارة قيل فيه واحدة . وعلى ذلك ترك الروابتان المتعارضتان ، ويرجع إلى غيرهما . هذا وقد روى حديث تطليق ركاة امرأته ثلاثاً وجعلها واحدة من طريقين إحداهما : عند الإمام أحمد من طريق سعد بن إبراهيم بسنده إلى ابن عباس مرفوعاً ، والثانية : في سنن أبي داود من طريق ابن صالح بسنده إلى ابن عباس مرفوعاً فوجب المصير إلى ذلك ، وأجيب عن الأولى بأنها لا تقوم بها الحجة ، لمخالفتها فتيا ابن عباس وستأتي مناقشة ذلك . وأجيب عن الثانية بأن في سندها مقالاً لأن ابن جريج روى هذا الحديث عن بعض بني أبي رافع ، ولأبي رافع بنون ليس فيهم من يحتج به إلا عبيد الله ، وسائرهم مجهولون وقد رجح أبو داود في سننه رواية نافع بن عجير في طلاق ركاة زوجته البتة على رواية بعض بني أبي رافع أن عبد يزيد طلق امرأته ثلاثاً لذلك ، ولفظ ابن جريج في تحية المطلق عبد يزيد مع أن عبد يزيد لم يدرك الإسلام ، ولأن أهل بيت ركاة أعلم بحاله .

وقد أجاب ابن القيم بما خلاصته : سقوط رواية كل من نافع بن عجير وبعض بني أبي رافع لجهالة كل منهما ، أما أن يرجح أحد المجهولين أو من هو أشد جهالة على الآخر فكلا ، ويعدل إلى رواية الإمام أحمد من طريق سعد بن إبراهيم بسنده إلى ابن عباس لسلامته ، فإن أحمد وغيره احتجوا به في مسائل النكاح والعرايا وغيرها ، وقد ذكر فيه أن ركاة طلق امرأته سهيمة ثلاثاً فجعلها - صلى الله عليه وسلم - واحدة . (١) وستأتي لهذا زيادة بحث إن شاء الله .

خامساً حديث ابن عمر في تطليق زوجته في الحيض وفي آخره : فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقنها ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها ، قال : لا ، كَانَتْ تَبِينُ مِنْكَ وَتَكُونُ مَعْصِيَةً . فإنه ظاهر في إمضاء الثلاث مجموعة ، وأجيب أولاً : بأن في سنده شعب بن زريق الشامي عن عطاء الخرساني وقد وثق الدارقطني شعيماً ، وذكره ابن حبان في الثقات وحكى عنه ابن حجر أنه قال : يعتبر بحديثه من غير روايته عن عطاء الخرساني ، وقال الأزدي : فيه لين ، وقال ابن حزم : ضعيف ، أما عطاء الخرساني فقد ذكره البخاري في الضعفاء ، وقال ابن حبان كان رديء الحفظ يخطئ ولا يعلم فبطل الاحتجاج به ، ووثقه ابن سعد وابن معين وأبو حاتم ، ومع ذلك فقد انفرد شعب عن الأئمة الأئمة بالثبات بهذه الزيادة فإنه لم يعرف عن أحد منهم ذكرها .

سادساً حديث عبادة بن الصامت في تطليق بعض آياته امرأته ألفاً ، فلما سأل بنوه النبي - صلى الله عليه وسلم - قال : « بَكَتْ مِنْهُ بِثَلَاثٍ عَلَى غَيْرِ السُّنَّةِ وَيَسْعُمَالَةٌ وَسَبْعَةٌ وَيَسْمَعُونَ إِثْمَ فِي عُنُقِهِ » ، أجيب بأن في سنده رواية مجهولين وضعفاء .

سابعاً

بحديث : « مَنْ طَلَّقَ لِلْبِدْعَةِ وَاحِدَةً أَوْ اثْنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثاً أَلْزَمْنَاهُ بِدَعَّتِهِ » .
وأجيب بأن في سنده اسماعيل بن أمية الذراع ، وقد قال فيه الدارقطني بعد روايته لهذا الحديث ضعيف
متروك الحديث .

ثامناً

حديث على أن النبي - صلى الله عليه وسلم - سمع رجلاً طلق امرأته البتة فأنكر ذلك
وقال : « مَنْ طَلَّقَ الْبَتَّةَ أَلْزَمْنَاهُ ثَلَاثاً لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ » .
وأجيب بأن في سنده اسماعيل ابن أمية القرشي ، قال فيه الدارقطني : كوفي ضعيف ، وقال ابن القيم في
إسناد هذا الحديث مجاهيل وضعفاء .^(١)

وأمّا

الإجماع فقد نقل كثير من العلماء الإجماع على إمضاء الثلاث في الطلاق الثلاث بكلمة واحدة
منهم : الشافعي وأبو بكر الرازي وابن العربي والباجي وابن رجب وقالوا : إنه مقدم على خبر
الواحد ، قال الشافعي : الإجماع أكثر من الخبر المنفرد ، وذلك أن الخبر مجوز الخطأ والوهم على راويه ،
بخلاف الإجماع فإنه معصوم ، وأجيب بأنه قد روى عن جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم القول
برد الثلاث المجموعة إلى الواحدة منهم : أبو بكر وعمر وصدور من خلافته ، وعلي وابن مسعود وابن عباس ،
والزبير ، وعبد الرحمن بن عوف ، وطاوس ، والحنن البصري ، وسعيد بن جبير ، وعطاء بن أبي رباح ،
ومحمد بن اسحاق ، وابن تيمية المجد ، وأصبغ بن الحباب ، ومحمد بن بقي ، ومحمد بن عبد السلام الحشني ،
وعطاء بن يسار وابن زباع ، وخلاس بن عمرو ، وأهل الظاهر ، وخالفهم في ذلك ابن حزم ، وغاية الأمر أن
يقال : أن بعض من نقل عنهم الإلزام بالثلاث إذا كانت مجموعة نقل عنهم أيضاً جعلها واحدة فيكون لهم
في المسألة قولان . والقصد أن الخلاف في الإلزام بها مجموعة لم يزل قائماً ثابتاً ، ومن حكى الخلاف في ذلك
عن السلف والخلف أبو الحسن علي بن عبد الله اللخمي ، وأبو جعفر الطحاوي في تهذيب الآثار وغيرهم ،
وبهذا يتبين أنه ليس في المسألة إجماع .^(٢)

وأما الآثار المروية من الصحابة وغيرهم في إمضاء الثلاث على من طلق زوجته ثلاثاً في مجلس واحد
فكثيرة منها : ما روى عن عمر وعثمان وعلي وابن عباس وابن مسعود وابن عمر وعمران بن الحصين وأبي
هريرة وغيرهم ، فإن سلم اعتبارها في الاحتجاج لكونها أقوال صحابة ثبت المطلوب ، وخاصة أن فيهم ثلاثة
من الخلفاء : عمر الملهم وعثمان وعلي وحبر الأمة ابن عباس - رضي الله عنهم - وإلا فالحجة في إجماعهم ،
فإن فتواهم اشتهرت عنهم ، ولم يعرف عن لم يفت بذلك إنكار لفتواهم به ، فكان إجماعاً وقد تقدم .

(١) ص - من البحث .

(٢) ص - من البحث .

وأجيب بأن عمر - رضي الله عنه - أمضى عليهم الثلاث عقوبة لهم لما رآه من المصلحة في زمانه ليكنفوا عما تتابعوا فيه من جمع الطلاق الثلاث ، ويرجعوا إلى ما جعل الله لهم من الفسحة والأناة رحمة منه بهم ، ولما علم الصحابة منه حسن سياسته لرعيته واقدره على ذلك وأفتوا به رعاية لما رآه من المصلحة ، ولذا صرحوا لمن استفتاهم في هذا الأمر بأنه عصى ربه ولم يتفه فلم يجعل له مخرجاً ، ولم يجعل ذلك الإمضاء شرعاً لازماً مستمراً لأنه ما تنغير الفتوى به بتغير الزمان والأحوال بل جعل العقوبة به تقريراً لمن خالف ما أمر به كالنفي ، ومنعه - صلى الله عليه وسلم - المخلفين الثلاثة من نساءهم مدة من الزمن ، والضرب في الحمر ، ونحو هذا مما يختلف التعزير فيه باختلاف الزمان والأحوال وكان هذا من الخليفة اجتهاداً .^(١)

وأما القياس فهو أن النكاح ملك للزوج فتصح إزالته مجتمعاً كما صحت إزالته متفرقاً وأن الله جعله بيده يزيل منه ما شاء ويبقى ما شاء ، كالعتق وعقد النكاح . وأجيب بأنه قياس مع الفارق فإن الضلاق جعل إليه ليوقعه متفرقاً على كيفية معينة ، ومنعه من جمعه لما تقدم في المسألة الأولى فلا يصح قياس جمعه على تفريقه ، ولا على العتق ، ولا عقد النكاح على أكثر من واحدة وما أشبهها ، مما شرع له إيقاعه مجتمعاً ومتفرقاً .^(٢)



المذهب الثاني

ان الطلاق الثلاث دفعة واحدة يعتبر طلقة واحدة ، دخل بها الزوج أم لا . وهو قول أبي بكر وعمر ، عسدر من خلفته ، وعلي وابن مسعود وابن عباس والزيير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف ، وكثير من التابعين ومن بعدهم كطلوس وخلاس بن عمرو ومحمد بن اسحاق ، وداود الظاهري ، وأكثر أصحابه ، وهو اختيار ابن تيمية ، وابن القيم^(٣) ، واستدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة ، والآثار ، والإجماع ، والقياس .

أما الكتاب فقول تعالى : (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّنَّ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَ قُرُوءٍ)^(٤) إلى قوله تعالى : (حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ)^(٥) وبيانه أن الألف واللام في قوله : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ)^(٦) للعهد

(١) ص - من البحث .

(٢) ص - من البحث .

(٣) ص - من البحث .

(٤) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٨ .

(٥) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

والمعهود هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ)^(۱) وهو رجعي لقوله تعالى: (وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ)^(۲) فالمعنى الطلاق من الذي يكون للزوج فيه حق الرجعة مرتان ، مرة بعد مرة ، ولا فرق في اعتبار كل مرة منهما واحدة بين أن يقول في كل مرة . . طلقتك واحدة أو ثلاثاً أو ألفاً . فكل مرة منهما طلاق رجعية لما سبق . ولقوله تعالى بعد: (فَإِنْ سَأَلْتَهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ)^(۳) وأما قوله تعالى: (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ)^(۴) فالضمير المرفوع والمنصوب فيه عائدتان إلى المطلق والمطلقة فيما سبق لئلا يخلو الكلام عن مرجع لها . ولأن الطلاق وقع بعد الشرط والحل بعد النفي فدل على العموم ، فلو كانت هذه الجملة مستقلة عما قبلها للزم تحريم كل مطلقة ولو طلقة أو طلقين حتى تنكح زوجاً آخر ، وهو باطل بإجماع . وإذا فُهم معنى الآية : فإن طلقها مرة ثالثة بلفظ واحد طلقة أو ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح غيره . وبهذا يدل عموم الآية على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة ، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل .^(۵)

ثانياً قوله تعالى: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ)^(۶) إلى قوله: (فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ)^(۷) ويبيانه أن الجمهور استدلوا بها من وجوه على تحريم جمع الثلاث ، وإذا فلا يقع منها مجموعة إلا ما كان مشروعاً وهو الواحدة .^(۸) وأجيب بأن التحريم لا يناقض إمضاء الثلاث فكم من عبادة أو عقد مشروع ارتكب فيه مخالفة فقبل لصاحبه عصي وصحت عبادته ومضى عقده وعلى تقرير المناقضة فهو يمنع من إمضاء الواحدة أيضاً ، لوقوع الطلاق على خلاف ما شرع الله وذلك ما لا يقول به أحد من الجمهور .

وأما السنة فمنها - أولاً - ما رواه مسلم في صحيحه من طريق ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنهما - قال : كان الطلاق على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وستين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر - رضي الله عنه - : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، فلو أمضيته عليهم فأمضاه عليهم . وأجيب عن الاستدلال به بما يأتي :

أولاً : أنه حديث منسوخ ، لأن ابن عباس أفتى بخلافه ، فدل ذلك على أنه علم ناسخاً له فاعتمد عليه في فتواه ، ونوقش بأنه يمكن أن يكون اجتهد فوافق اجتهداه عمر - رضي الله عنهما - في إمضاء الثلاث تعزيراً للمصلحة كما تقدم ، وأيضاً لو علم ناسخاً لذكره ، مع وجود الدواعي إليه ولم يكتف بمثل ما كان

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۸ .

(۲) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۸ .

(۳) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۴) ص - من البحث .

(۵) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۱ .

(۶) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ۲ .

(۷) ص - - - - من البحث .

يعمل به في فتواه ، وأيضاً الصواب أن العبرة بما رواه الراوي لا بقوله ، قالوا أيضاً يدل على نسخ الحديث ما ذكر في سبب نزول قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) ^(۱) من أن المطلق كان له الحق في الرجعة ولو طلق ألف مرة ، ما دامت مطلقته في العدة . فأنزل الله الآية منعاً لهم من الرجعة بعد المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً آخر ، ونوقش أولاً : بأنه روى مرسلًا من طريق عروة بن الزبير ومتصلًا من طريق عكرمة عن ابن عباس لكن في سنده علي بن حسين بن واقد وهو ضعيف ، وثانياً : بأنه استدلال في غير محل النزاع فإنه ليس فيه الإلزام بالثلاث في لفظ واحد .

■ وقالوا أيضاً يدل على نسخه حديث امرأة رفاعه وحديث اللعان ، وحديث فاطمة بنت قيس وقد سبق الاستدلال بها ومناقشتها . ^(۲)

■ وقالوا أيضاً: يدل على نسخه إجماع الصحابة زمن عمر - رضي الله عنهم - على إمضاء الثلاث ، فإنه لا يكون إلا عن علم بالناسخ ، ونوقش بأنه لا يتأتى مع قول عمر : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم ، فلو كان اعتمادهم على العلم بالناسخ لذكروه ولم يعمل عمر بذلك . وأيضاً كيف يستمر العمل بالمنسوخ في عهده - صلى الله عليه وسلم - وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر - رضي الله عنهما؟ مع كون الأمة معصومة في إجماعها عن الخطأ ، ونوقش استمرار العدل بالمنسوخ في العهد الثلاثة بأنه إنما نعله من لم يبلغه النسخ ، فلما كان زمن عمر انتشر العلم بالناسخ فأجمعوا على إمضاء الثلاث كما حصل في متعة النكاح سواء . ^(۳) ونوقش بأن متعة النكاح كان الخلاف فيها مستمراً بين الصحابة لعدم معرفة بعضهم بالناسخ المنقول نقلاً صحيحاً إلى أن أعلمهم به عمر في خلافته ، ونهاهم عنها ، بخلاف جعل الثلاث في لفظ واحد طلقة واحدة فإنه ثابت في عهده - صلى الله عليه وسلم - ولم يزل العدل عليه عند كل الصحابة في خلافة الصديق إلى سنتين أو ثلاث من خلافة عمر - رضي الله عنهما - إما فتوى أو إقراراً أو سكوتاً ولهذا ادعى بعض أهل العلم أنه إجماع قديم ، لم تجمع الأمة على خلافه بعد ، بل لم يزل في الأمة من يقضي بجعل الثلاث واحدة ^(۴) . ولم ينقل حديث صحيح يصلح أن يعتمد عليه في نسخ حديث ابن عباس ويكون مستنداً لما ذكر من الإجماع بل الذي روى في ذلك إما في غير الموضوع وإما في الموضوع لكنه ضعيف أو مكشوب ، ومع هذا فقد ثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاوس مرفوعاً وموقوفاً على ابن عباس ، فالمرفوع هو أن ركافة طلق امرأته ثلاثاً فردها عليه النبي - صلى الله عليه وسلم - ولم يثبت ما يخالفه مرفوعاً ، وقد سبقت مناقشة حديث ركافة وستأتي بقيتها ^(۵) ولا تنكارة في إمضاء عمر للثلاث باجتهاده ، ولا على غيره من الصحابة ممن وافق اجتهادهم اجتهاده في إمضائها ، وقد بين عمر وابن عباس وغيرهما وجه ذلك بأن الناس لما تابعوا فيما حرم الله عليهم من تطليقتهم ثلاثاً مجموعة وكثر منهم ذلك على خلاف

(۱) الآية الكريمة من سورة البقرة : ۲۲۹ .

(۲) ص - من البحث .

(۳) ص - من البحث .

(۴) ص - من البحث .

(۵) ص - من البحث .

ما كانوا عليه قبل الزموا بالثلاث عقوبة لهم ، ونظير هذا كذا تتغير فيه الفتوى بتغير الأحوال والأزمان والأمكنة كالعقوبة في الحمر ، والتفريق بين المدين خلفوا ونسائهم ، وقتال علي لبعض أهل القبلة متأولاً ، ولم يكن الإمضاء شرعاً مستمراً إنما كان رهن ظروفه .^(۱)

وأجيب ثانياً : بتأويل حديث طاوس عن ابن عباس بأن الطلاق الذي كان الناس يوقعونه واحدة في عهده - صلى الله عليه وسلم - وعهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر اعتادوا إيقاعه بعد ذلك ثلاثاً ، ويشهد لهذا قول عمر - رضي الله عنه - : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة . الخ .

ونوقش بأنه تأويل يخالف الواقع في العهود الثلاثة الأولى ، فإن الطلاق ثلاثاً جملة قد وقع فيها من الصحابة كما تقدم في حديث محمود بن لبيد ، وحديث اللعان ، وكما يأتي في حديث ركانة ، وأيضاً يمنع منه ما ورد في بعض روايات الحديث من أنها جعلت واحدة أو ردت إلى الواحدة .^(۲)

وأجيب ثالثاً : بحمل الحديث على غير المدخول بها بدليل ذكر ذلك في الرواية الأخرى فإن الزوج إذا قال لها : أنت طالق ، أنت طالق ، أنت طالق ، بانت بالأولى ، فكان الثلاث واحدة ونوقش هذا ولم يزل ماضياً ولم يتقيد بعهد ولا زمان . وما نحن فيه تغير حكمه في أيام عمر - رضي الله عنه - عما كان عليه قبل ، وقد وجه بعضهم الجواب بتوجيه آخر ، وهو أن زوجها إذا قال لها : أنت طالق ثلاثاً بانت بقوله أنت طالق ، ولغى قوله : ثلاثاً ، ونوقش بأنه كلام متصل ، فكيف يفصل بعضه من بعض ويحكم لكل بحكم ؟ .

ونوقش أصل الجواب بأن حديث طاوس نفسه عن ابن عباس مطلق ليس فيه ذكر لغير المدخول بها ، وجواب ابن عباس في الرواية الأخرى وارد على سؤال أبي الصهباء عن تطليق غير المدخول بها ثلاثاً ، فخص ابن عباس غير المدخول بها ليطابق الجواب السؤال ، ومثل هذا ليس له مفهوم مخالفة .^(۳)

وأجيب رابعاً : بأن جعل الثلاث واحدة لم يكن عن علم منه - صلى الله عليه وسلم - ولا عن أمره وإلا ما استحل ابن عباس أن يفتي بخلافه .

ونوقش بأن جدها هير المحدثين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهده - صلى الله عليه وسلم - له حكم . فإنه على تقدير أن النبي - صلى الله عليه وسلم - لم يحكم بذلك يستبعد أن يفعله الصحابة وهم خير الخلق ، ولا يعلمه - صلى الله عليه وسلم - والوحي ينزل ، ثم كيف يستمر العمل من الأمة على خطأ في عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر ، والأمة معصومة من إجماعها على الخطأ .^(۴)

وأجيب خامساً : بحمل الحديث على صورة تكرير لفظ الطلاق فإنه يعتبر واحدة مع قصد التوكيد ،

(۱) ص - من البحث .

(۲) ص - من البحث .

(۳) ص - من البحث .

(۴) ص - من البحث .

وثلاثاً مع قصد الإيقاع . وكان الصحابة خياراً أمناء فصدقوا فيما قصدوا فلما تغيرت الأحوال وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ واحد ألزمهم عمر الثلاث في صورة التكرار إذ صار الغالب عليهم قصدتها .

■ ونوقش بأن حمل الحديث على ذلك خلاف الظاهر ، فإن الحكم لم يتغير في صورة التكرار فيما بعد عما كان عليه في حياة النبي - صلى الله عليه وسلم - وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر ، بل الأمر لم يزل على اعتباره وأحدة في هذه الصورة عند قصد التوكيد ، ومن ينويه لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب ، ومن لا ينويه في الحكم لا يقبل منه مطلقاً برأ أم فاجراً ، وأيضاً قول عمر : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة . الخ - يرد حمل الحديث على هذه الصورة ، فإن معناه أن الناس استعجلوا فيما شرعه الله لهم متراخياً بعضه عن بعض رحمة منه بهم ، فأوقعوه بلفظ واحد . فهذا يدل على أن لفظ الثلاث في الحديث مراد به جمع الثلاث دفعة ، وإن كان في نفسه محتملاً^(١) .

وأجيب سادساً : بمخالفة فتوى ابن عباس لروايته ، فإنه لم يكن لبروي حديثاً ثم يخالفه إلى رأي نفسه ، ولذلك لما سئل أحمد بأي شيء تدفع حديث ابن عباس قال برواية الناس عنه من وجوه خلافه ، ونوقش بأن الصواب من القولين في مخالفة الراوي لروايته أن الحديث الصحيح المعصوم لا يترك لمخالفة رواية ، وهو غير معصوم ، إذ من الممكن أن ينسى الراوي الحديث أو أنه لا يحضره الحديث وقت الفتيا ، أو لا ينتظن لدلالته على المسألة التي خالفه فيها أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً ، أو يقوم في ظنه ما يعارضه ولا يكون معارضاً له في الواقع ، أو يقلد غيره في فتواه بخلافه ، لثقة به واعتقاده أنه إنما خالفه لدليل أقوى منه ، وعلى هذا الأصل بني المالكية والشافعية والحنابلة فروعاً كثيرة حيث قدموا العمل برواية الراوي على فتواه ، وأيضاً كما نقل عن ابن عباس إمضاء الثلاث ، وروى عنه اعتبار الثلاث مجموعة طلاقة واحدة ، وإذا تعارضت الروايتان عدل عنهما إلى الحديث ، لكن هذه المناقشة مردودة بأمرين الأول أن رواية الراوي إنما تقدم على قوله إذا كانت صريحة أو ظاهرة في معنى قال بخلافه ، وإلا قدم قوله ، لأنه يدل على أن الاحتمال الذي خالفه قوله غير مراد من الحديث ، وحديث ابن عباس هنا محتمل أن يكون في الطلاق ثلاثاً بلفظ واحد ، وأن يكون مفرقاً كما في الصورة التي في الجواب الخامس عن الحديث ، فدللت فتواه على إرادة صورة التفريق لا صورة الاجتماع . الثاني : أن ما رواه حماد بن زيد عن أبيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال : إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفهم واحد فهي واحدة معارض بما رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أبيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس ، ورواية اسماعيل مقدمة لموافقة الثقة في أن ابن عباس يجعلها ثلاثاً لا واحدة^(٢) .

وقد يقال في الأمر الأول : إن لفظ الطلاق الثلاث في الحديث ظاهر فيها مجموعة ، وإلا لم يقل عمر - رضي الله عنه - إن الناس استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة . الخ - اعتذاراً منه في الحكم على خلاف ظاهره ، وبه اعتذر ابن عباس وغيره في إمضاء الثلاث ، وقد سبق الكلام في هذا عند مناقشة الجواب عن الحديث

(١) ص - من البحث .

(٢) ص - من البحث .

بالسخ .

ويقول في الأمر الثاني : أنه لا مانع من ثبوت القول بجعل الثلاث بلفظ واحدة عن كل من ابن عباس وعكرمة . وعلى تقدير تعارض الروايتين بالنفي والإثبات ، فالمثبت مقدم على النافي ، على أن حماد بن زيد أثبت في أيوب من كل من روى عن أيوب كما قال يحيى بن معين ، فيقدم على اسماعيل بن إبراهيم .^(١)

وأجيب سابعاً : بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة ، فرواه بعض رواة بالمعنى فعبّر بالثلاث بدلاً من البتة وفي هذا جمع بين الروايات ، وكان يراد بها واحدة كما أراد بها ركاة ، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث بها ألزمهم إياها عمر - رضي الله عنه - ونظيره زيادته الضرب في شرب الخمر حين تتابع الناس فيه .^(٢)

وقد يقال : إن هذا تأويل على خلاف الظاهر بلا دليل ، وأيضاً تقدم في كلام الشافعي أن كلمة البتة مستحدثة .^(٣)

وعلى ذلك لا يجوز حمل لفظ الطلاق الثلاث في الحديث عليها .

وأجيب ثامناً : بأنه حديث شاذ ، لانفراد طاوس به عن ابن عباس ، وانفراد الراوي بالحديث - وإن كان ثقة - علة توجب التوقف فيه إذا لم يرو معناه من وجه يصح .^(٤)

■ ونوقش بأن مجرد انفراد الثقة برواية الحديث ليس علة توجب رده أو التوقف ، ولا يسمى هذا شنوذاً عند علماء الحديث إنما الشنوذ الذي يكون علة في رد الحديث هو أن يخالف الثقة الثقة مخالفة لا يمكن معها الجمع ولم يخالف طاوس في رواية هذا الحديث أحداً من الرواة الثقة عن ابن عباس في هذا الموضوع ، وإنما وقعت المخالفة بين ما رواه وما أفتى به ، وقد مضى الكلام في ذلك .^(٥) لكن لقائل أن يقول : إن استمرار العمل في زمن النبي - صلى الله عليه وسلم - وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر يجعل الطلاق الثلاث بلفظ واحد طاقة واحدة وتغيير عمر لذلك على علم من الصحابة مما تتوفر الدواعي على نقله ، فنقله آحاداً يوجب رده ، اللهم إلا أن يحمل الحديث على ما تقدم من أن الطلاق كان على وجه التكرار مع قصد التأكيد أو قد كان بلفظ البتة فاختلف الحكم فيه لاختلاف النية .^(٦)

■ وقد يناقش ألا يراد بمنع أن يكون ما ذكر مما تتوفر الدواعي على نقله ، وأنه على تقدير أن يكون من

(١) تهذيب التهذيب .

(٢) ص - من البحث .

(٣) ص - من البحث .

(٤) ص - من البحث .

(٥) ص - من البحث .

(٦) ص - من البحث .

ذاك، فللمستدل أن يقول : إن الحديث قد اشتهر نقله وصح سنده ولم يجرؤ أحد على تكذيبه أو تضعيفه بوجه يعتبر مثله كما اشتهر نقل مخالفة فتوى عمر وابن عباس لظاهره ، ويشهد لهذا اشتغال العلماء سلفاً وخلفاً بالأمرين ، فبعضهم يؤول الحديث ليتفق مع الفتاوى ، وبعضهم يذهب إلى بيان وجه مخالفة الفتاوى له ويقيه على ظاهره ، ويعتذر عن الفتوى بخلافه ، وبعضهم يعارضه بفتوى ابن عباس ويقدم العمل بها عليه ، إلى غير هذا مما يدل على شهرة النقل للأمرين ، وعلى تقدير عدم الشهرة فكهم من أمر تنوفر الدواعي على نقله قد نقل آحاداً وعمل به جمع من أئمة الفقهاء ورده آخرون بهذه الدعوى .

وأجيب تاسعاً : بأن الحديث مضطرب سنداً وممتناً ، أما اضطراب سنده فلروايته نارة عن طاوس عن ابن عباس ، ونارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس ، ونارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس ، وأما اضطراب متنه فإن أبا الصهباء نارة يقول : ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جماعاً واحدة ؟ ونارة يقول : ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رسل من خلافة عمر واحدة ؟

■ ونوقش بأن الإضطراب إنما يحكم به على الحديث إذا لم يمكن الجمع ولا الترجيح وكلاهما ممكن فيما نحن فيه ، فإن الرواية عن أبي الجوزاء وهم فيها عبدالله بن المؤمل حيث انتقل في روايته الحديث عن ابن أبي مليكة من أبي الصهباء إلى أبي الجوزاء ، وقد كان سيء الحفظ فلا تعارض بها رواية الثقة عن أبي الصهباء ، وأما روايته عن طاوس عن ابن عباس وعن طاوس عن أبي الصهباء وعن ابن عباس فكلاهما ممكن فلا تعارض ولا اضطراب ، وأما اختلاف المتن فتقدم بيان الجمع بين الروایتين فلا اضطراب .^(١)

وأجيب عاشرأً بتعارضه بالإجماع والإجماع معصوم فيقدم . وقد تقدمت مناقشة ذلك .^(٢) ومن السنة أيضاً ما رواه الإمام أحمد في مسنده عن سعد بن إبراهيم ، حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال : حدثني داود بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال : طلق رُكَّاةُ بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فحزن عليها حزناً شديداً ، قال : فسأله رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كيف طلقتهما ؟ قال : طلقتهما ثلاثاً ، قال : فقال : « في مجلس واحد » ؟ قال : نعم ، قال : « فلأنما تلك واحدة فارجعهما إن شئت » ، قال : فراجعها ، فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر . وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد واستدل بما روى به في رد ابنته - صلى الله عليه وسلم - على زوجها ابن أبي العاص بالنكاح الأول وقدمه على ما يخالفه فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده نظيره أو ما هو أقوى منه ، ودلالة متنه ظاهرة في اعتبار الطلاق ثلاثاً في مجلس واحد واحدة .

■ ونوقش بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتهارها في الثلاث عند أهل المدينة فرواه بعض

(١) م - من البحث .

(٢) م - من البحث .

رواه بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة ، وفي هذا جمع بين الروايات ، وكانت يراد بها واحدة أولاً ، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث ألزمهم إياها عمر - رضي الله عنه - ، ونظيره زيادة الضرب في شرب الخمر ونحوه . مما تغير فيه الحكم لتغير أحوال الناس وقد تقدم هذا في الجواب السابع عند الاستدلال بحديث طاوس عن ابن عباس في جعل الثلاث المجموعة واحدة مع مناقشته .

ونوقش أيضاً بأن لفظ طلقها ثلاثاً يحتمل أن يكون بلفظ واحد ، وأن يكون مفرقاً ، وأجيب بأن احتمال تفريقه خلاف الظاهر ، لقوله في الحديث في مجلس واحد ، والغالب فيما كان كذلك أن يكون بلفظ واحد .

ونوقش أيضاً بمعارضته للإجماع ، وقد تقدم مناقشة الإجماع عند الكلام على الاستدلال به على إمضاء الثلاث .

■ ونوقش أيضاً بمعارضته لحديث نافع بن عجير في إمضائه ثلاثاً ، وأجيب بترجيح هذه الرواية على رواية نافع بن عجير لسلامتها وضعف نافع ، وقد سبق شرح ذلك ، إلى غير هذا من المناقشات التي سبقت عند الإجابة . الاستدلال بحديث ابن عباس في اعتبار الثلاث واحدة .

■ ومن السنة أيضاً حديث بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس أن يزيداً أبا ركانة وإخوته طلق أم ركانة وتزوج امرأة أخرى فشكت ضعفه إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فأمره بطلاقها فطلقها ، وقال له « راجع أم ركانة » ، فقال : إني طلقها ثلاثاً ، فقال : « قد علمت » ، راجعها ، وقد سبق نص الحديث مع مناقشته .

■ ومن السنة أيضاً حديث ابن عمر وفيه أنه طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض فردها النبي - صلى الله عليه وسلم - إلى السنة . ورد أولاً : بأن رواية هذا الحديث شعبة ، وثانياً : بأن في سنده ظريف بن ناصح وهو شيعي لا يكاد يعرف ، وثالثاً : بأنه مع ما ذكر مخالف لما رواه الثقات الأثبات : أن ابن عمر طلق امرأته في الحيض تطليقة واحدة ، فهو حديث منكر^(١) .

■ واستدلوا بالإجماع ، قالوا : إن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة ، إلى ثلاث سنين من خلافة عمر .

ويمكن أن يجاب بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة من أن الثلاث بلفظ واحد تمضي ثلاثاً .^(٢) وقد سبق ذكرها في استدلال من يقول بإمضاء الثلاث . لكن للمستدل أن يقول : إن الآثار التي وردت فيها الفتوى بخلاف هذا الدليل بدأت في عهد عمر بضرب من التأويل ، يدل على تأخير بدئها ظاهر حديث طاوس

(١) ص - - من البحث .

(٢) ص من البحث .

عن ابن عباس ، وقد تقدم مع المناقشة .

■ واستدلوا بالقياس ، قالوا : كما لا يعتبر قول الملاعن وقول الملاعنة : أشهد بالله أربع شهادات - بكذا ، أربع شهادات - لا يعتبر قول الزوج لامرأته : أنت طالق ثلاثاً بلفظ واحد ثلاث تطبيقات وكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول أو الفعل من تسبيح وتحميد وتكبير وتهليل وإقرار .

ونؤلف بأنه قياس مع الفارق ، للإجماع على اعتبار الطلقة المفردة في الطلاق ، وبينونة المعتدة منها بانتهاء العدة ، وعدم اعتبار الشهادة الواحدة من الأربع في اللعان .^(١)

■ وللمستدل أن يقول : هذا الفارق مسلم ، ومعه فوارق أخرى بينهما ، انفرد كل من الطلاق واللعان بشيء منها ، لكنها ليست في مورد قياس المستدل هنا ، فإنه وارد فيما يعتبر فيه تكرار الفعل أو القول ، ولا يعتد فيه بالاكتفاء بذكر اسم العدد ، وليس من شرط سلامة القياس اشتراك المقيس والمقيس عليه في جميع صفاتها ، بل إن اعتبار هذا لا يتأني معه قياس ، لأن كل شيئين لا بد أن ينفرد كل منهما عن الآخر بخاصة أو خصاص ، وإلا كان عينه .

■ واستدلوا بما روى من الآثار في الإفتاء بذلك عن ابن عباس وعلى وابن مسعود والزيير وعبد الرحمن ابن عوف وغيرهم من الصحابة ومن بعدهم .^(٢)

ونؤلف بأن ما روى من ذلك عن طاوس عن ابن عباس مردود ، فإن لطاوس عن ابن عباس مناكير منها روايته هذه الفتوى عن ابن عباس ، وأجيب بأن طاوس بن كيسان قد وثقه ابن معين ، ومثل أبيها أحب إليك طاوس أم سعيد بن جبير ؟ فلم يخير بينهما ، وقال قيس بن سعد : كان طاوس فينا مثل ابن سيرين بالبصرة ، وقال الزهري : لو رأيت طاوساً علمت أنه لا يكذب ، وروى له أصحاب الكتب الستة في أصولهم .^(٣)

■ فعلى من ادعى روايته للمناكير عن ابن عباس أن يثبت ذلك بشواهد من رواياته عنه في غير هذه المسألة أما فيما رواه في هذه المسألة فهو مجرد دعوى في محل النزاع ، وما ذكر من مخالفة غيره له في هذه المسألة فتأنيته أن يكون لابن عباس فيها قولان ، روى كل من الفريقين عنه قولاً منهما ، ولذلك قدرتم رجوعه عنها على تقدير صحة روايتها ، ثم أن عكرمة تابع طاوساً في روايته هذا الأثر عن ابن عباس وهو من رجال السنة .

■ ونؤلف بأن رواية حماد بن زيد عن أبوب عن عكرمة عن ابن عباس معارضة برواية اسماعيل بن إبراهيم

(١) ص من البحث .

(٢) ص من البحث .

(٣) تهذيب التهذيب .

عن أيوب أن هذا الأثر من قول عكرمة ، وأجيب أولاً : بأنه لا معارضة لجواز أن يكون روى عن كل منهما وثانياً : أنه على تقدير المعارضة فرواية حماد بن زيد مقلعة على رواية اسماعيل ابن ابراهيم ، فإن حماداً أثبت في الرواية عن أيوب من كل من روى عنه .^(١)



المذهب الثالث

أن الطلاق الثلاث يمضي ثلاثاً في المدخول بها وواحدة في غير المدخول بها . واستدلوا لمذهبهم في المدخول بها بما استدل به الجمهور ، وقد تقدم منع مناقشته ، واستدلوا لمذهبهم في غير المدخول بها بحديث أبي الصهباء الذي قال فيه لابن عباس : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصديق من إماره عمر ، قال : بلى . وقد تقدم الحديث قالوا : إن التفصيل بين المدخول بها وغير المدخول بها فيه جمع بين الروايات وإثبات حكم كل منها في حال ، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل .^(٢)



المذهب الرابع

أنه لا يعتد به مطلقاً ، لأن إيقاعه ثلاثاً بلفظ واحد بدعة محرمة ، فكان غير معتبر شرعاً ، لحديث : « مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ » ورد بأنه لا يعرف القول به عن أحد من السلف ، وأن أهل العلم في جميع الأمصار مجمعون على اعتباره والاعتداد به ، وإن اختلفوا فيما يمضي منه ، ولم يخالف فيه إلا ناس من أهل البدع ممن لا يعتد بهم في انعقاد الإجماع . وقد يستدل لهم أيضاً بأنه كالظهار فإنه لما كان محرماً لم يعتبر طلاقاً مع قصد المظاهر الطلاق فكذا الطلاق ثلاثاً مجموعة ، وأجيب بالفرق ، فإن الظهار محرم في نفسه على كل حال ، فكان باطلاً ولزمت فيه العقوبة على كل حال . بخلاف الطلاق فإن جنسه مشروع كالنكاح والبيع ، ولذا امتنع في حال دون حال ، وانقسم إلى صحيح وباطل أو فاسد .^(٣)

هذا ما نيسر إعداده ، وبالله التوفيق ، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم . . .

حرر في ١٩/٩/١٣٩٣ هـ

البحرنة العلامة للبحرنة العلمية والإفتاء

رئيس اللجنة

نائب الرئيس

عضو

عضو

عبد الشير سليمان بن شبيب عبد الشير عبد الرحمن بن غديان عبد الرزاق عفيفي ابراهيم بن محمد آل الشيخ

(١) تهذيب التهذيب .
(٢) ص من البحث .

مصادر بحث الطلاق الثلاث بلفظ واحد

- ۱ - تفسير القرطبي طبع مطبعة دار الكتب المصرية عام ۱۳۵۴ هـ .
- ۲ - أحكام القرآن لأحمد بن علي الرازي «الخصاص» طبع بمطبعة البهية المصرية سنة ۱۳۴۷ هـ .
- ۳ - أضواء البيان .
- ۴ - صحيح البخاري ومعه فتح الباري طبع المطبعة السلفية بترقيم عبد الباقي وإشراف محيي الدين الخطيب
- ۵ - عمدة القاري للعيني طبع المطبعة المنيرية .
- ۶ - صحيح مسنم وعليه النووي الطبعة الأولى طبع بالمطبعة الأزهرية سنة ۱۳۴۷ هـ .
- ۷ - مختصر سنن أبي داود ومعها المتالم للخطابي وتهذيبها لابن القيم طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية عام ۱۳۶۷ هـ .
- ۸ - جامع الترمذي .
- ۹ - عارضة الأحوذى على الترمذي لابن العربي .
- ۱۰ - شرح الزرقاني على الموطأ طبع بمطبعة الاستقامة بالقاهرة سنة ۱۳۷۳ هـ .
- ۱۱ - مسند الإمام أحمد بتعليق أحمد شاكر طبع دار المعارف سنة ۱۳۶۹ هـ .
- ۱۲ - مستدرک الحاكم وعليه تلخيصه للذهبي الطبعة الأولى سنة ۱۳۴۰ هـ طبع بمطبعة حيدرآباد .
- ۱۳ - نيل الأوطار طبعة حلية الطبعة الثانية عام ۱۳۷۱ هـ .
- ۱۴ - جامع العلوم والحكم طبعة حلية عام ۱۳۸۲ هـ الطبعة الثالثة .
- ۱۵ - سنن ابن ماجه الطبعة الأولى بالمطبعة النازية .
- ۱۶ - سنن سعيد بن منصور .
- ۱۷ - سنن الدارقطني طبع دار المحاسن للطباعة طبع عام ۱۳۸۶ هـ .
- ۱۸ - السنن الكبرى للبيهقي الطبعة الأولى بمطبعة حيدرآباد .
- ۱۹ - المصنف لعبد الرزاق الطبعة الأولى .
- ۲۰ - شرح المواهب اللدنية للزرقاني المالكي الطبعة الأولى بالمطبعة الأزهرية سنة ۱۳۲۵ هـ .
- ۲۱ - شرح معاني الآثار طبع مطبعة الأنوار المحمدية .
- ۲۲ - المنتقى للباجي طبع مطبعة السعادة الطبعة الأولى عام ۱۳۳۲ هـ .
- ۲۳ - الجرح والتعديل الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن عام ۱۳۷۱ هـ .
- ۲۴ - تهذيب التهذيب الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن عام ۱۳۲۷ هـ .

- ٢٥ - خلاصة تهذيب تهذيب الكمال الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٢٣ هـ .
- ٢٦ - الإصابة ومعها الاستيعاب طبع بمطبعة مصطفى محمد .
- ٢٧ - المستفاد من جهات المتن والإسناد طبع مطابع الرياض .
- ٢٨ - بدائع الصنائع للكاساني طبع بمطبعة الجمالية بمصر الطبعة الأولى عام ١٣٢٨ هـ .
- ٢٩ - المبسوط للسرخي طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة مصر الطبعة الأولى .
- ٣٠ - فتح القدير لابن الهمام الطبعة الأولى بالمطبعة الكبرى الأميرية عام ١٣١٥ هـ .
- ٣١ - المدونة انطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية سنة ١٣٢٤ هـ ومعها المقدمات .
- ٣٢ - المقدمات لابن رشد ومعها المدونة .
- ٣٣ - مواهب الجليل للخطاب ملتمز الطبع مكتبة النجاح : ليبيا .
- ٣٤ - الأم الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٣١ هـ .
- ٣٥ - المهذب الطبعة الحلبية .
- ٣٦ - المغنى والشرح الكبير الطبعة الأولى بمطبعة المنار سنة ١٣٤٦ هـ .
- ٣٧ - الكافي الطبعة الأولى سنة ١٣٨٢ هـ طبع المكتب الإسلامي .
- ٣٨ - الإنصاف طبع بمطبعة السنة المحمدية عام ١٣٧٧ هـ .
- ٣٩ - مجموع فتاوى شيخ الإسلام .
- ٤٠ - زاد المعاد طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية .
- ٤١ - أعلام المرقعين الطبعة المنيرية .
- ٤٢ - إغاثة اللهفان طبعة حلبية عام ١٣٥٧ هـ .
- ٤٣ - مسودة آل تيمية .
- ٤٤ - سير الحاث إلى علم الطلاق الثلاث ليوسف بن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الهادي طبعه محمد نصيف ضمن مجموعة رأس الحسين .
- المحل لابن حزم الطبعة الأولى .
- التجريد في أسماء الصحابة للذهبي الطبعة الأولى في مطبعة دائرة المعارف النظامية بحيدرآباد الدكن .
- الناسخ والمنسوخ لابن النحاس الطبعة الأولى .

X X X

القرار

بعد الاطلاع على البحث المقدم من الأمانة العامة لهيئة كبار العلماء
والمعد من قبل اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء في موضوع
«الطلاق الثلاث بلفظ واحد» .

وبعد دراسة المسألة وتداول الرأي واستعراض الأقوال التي قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد
توصل المجلس بأكثرية إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً ، وذلك لأمر أهمها ما يلي :

لقوله تعالى (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ) (١) .
إلى قوله تعالى : (وَيَلِكْ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ
لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا) (٢) . فإن الطلاق الذي شرعه الله هو
ما يتعقبه عدة وما كان صاحبه مخيراً بين الإمساك بمعروف - والتسريح بإحسان ، وهذا
متصف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلم يكن طلاقاً للعدة وفي فحوى هذه الآية
دلالة على وقوع الطلاق لغير العدة إذ لو لم يقع لم يكن ظالماً لنفسه بإيقاعه لغير العدة

أولاً

(١) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١ .

(٢) الآية الكريمة من سورة الطلاق : ٢ .

ولم یسد الباب أمامه حتى یحتاج إلى المخرج الذي أشارت إلیه الآیة الکریمة (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا)^(۱) وهو الرجعة حسبما تأوله ابن عباس - رضي الله عنه - حين قال للائل الذي سأله وقد طلق ثلاثاً : أن الله تعالى یقول : (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً عصیت ربك وبانت منك امرأتك .

ولا خلاف فی أن من لم یطلق للعدة بأن طلق ثلاثاً مثلاً فقد ظلم نفسه فعلى القول بأنه إذا طلق ثلاثاً فلا یقع من طلاقه إلا واحدة فما هی التقوی التي بالتزاهها یكون المخرج والبسر وما هی عقوبة هذا الظالم نفسه المتعدی لحدود الله حیث طلق بغير العدة فلقد جعل الشارع على من قال قولاً بنكراً لا یترب علیه مقتضى قوله المنکر عقوبة له على ذلك كعقوبة المظاهر من امرأته بكفارة الظهار فظهر والله أعلم أن الله تعالى عاقب من طلق ثلاثاً بإنفاذها علیه وسد المخرج أمامه حیث لم یتق الله فظلم نفسه وتعدى حدود الله .

ثانياً

ما فی الصحیحین عن عائشة - رضي الله عنها - أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسئل النبي - صلى الله علیه وسلم - أتحل للأول؟ قال : « لا حتى یتدوق عسبلتها كما ذاق الأول » . فقد ذكره البخاری رحمه الله تحت ترجمة « باب من أجاز الطلاق ثلاثاً » واعترض على الاستدلال به بأنه مختصر من قصة رفاعه بن وهب التي جاء فی بعض رواياتها عند مسلم أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات ، ورد الحافظ بن حجر - رحمه الله - الاعتراض ، بأن غیر رفاعه قد وقع له مع امرأته نظیر ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد . فإن كلا من رفاعه القرظي ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبد الرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن یمسها ثم قال : وبهذا یتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعه بن سحر هو رفاعه بن وهب . أد .

وعند مقابلة هذا الحديث بحديث ابن عباس الذي رواد عنه طاوس « كان الطلاق على عهد رسول الله - صلى الله علیه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الخ فإن الحال لا تخلو من أمرين : إما أن يكون معنى الثلاث فی حديث عائشة وحديث طاوس أنها مجتمعة أو متفرقة : فإن كانت مجتمعة فحديث عائشة متفق علیه فهو أولى بالتقديم وفيه التصريح بأن تلك الثلاث تحرمها ولا تحل إلا بعد زوج ، وإن كانت متفرقة فلا حجة فی حديث طاوس على محل النزاع فی وقوع الثلاث بلفظ واحد واحدة . وأما اعتبار الثلاث فی حديث عائشة متفرقة وفي حديث طاوس مجتمعة فلا وجه له ولا دليل علیه .

(۳) الآیة الکریمة من سورة الطلاق : ۴ .

ثالثا

١١ وجه به بعض أهل العلم كابن قدامة - رحمه الله - حيث يقول: ولأن النكاح ملك يصح إزالته متوقفاً فصح مجتمعاً كسائر الأملاك . والقرطبي - رحمه الله - حيث يقول : وحجة الجمهور من جهة لزوم من حيث النظر ظاهرة جداً وهو أن المطلق ثلاثاً لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره ، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعاً وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقاً في النكاح والعنق والأقارب . فلو قال المولى أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه ، وكذلك في العنق والإقرار وغير ذلك من الأحكام . أه ، وغاية ما يمكن أن يتجه على المطلق بالثلاث لومه على الإسراف برفع نفاذ تصرفه .

رابعا

لما أجمع عليه أهل العلم إلا من شذ في إيقاع الطلاق من المازل استناداً إلى حديث أبي هريرة وغيره مما نقلته الأئمة بالقبول ، من أن ثلاثاً جدهن جد وهن جد : الطلاق والنكاح والرجعة . ولأن قلب المازل بالطلاق عمد ذكره كما ذكر ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية - رحمه الله - في تعليقه القول بوقوع الطلاق من المازل حيث قال : ومن قال لا لغو في الطلاق فلا حجة معه بل عليه لأنه لو سبق لسانه بذكر الطلاق من غير عمد القلب لم يقع به وفاقاً وأما إذا قصد اللفظ به هازلاً فقد عمد قلبه ذكره . أه . فإن ما زاد على الواحدة لا يخرج عن مسمى الطلاق بل هو من صريحه ، واعتبار الثلاث واحدة إعمال لبعض عدده دون باقيه بلا مسوغ ، اللهم إلا أن يكون المستند في ذلك حديث ابن عباس ويأتي الجواب عنه إن شاء الله

خامسا

إن القول بوقوع الثلاث ثلاثاً قول أكثر أهل العلم فلقد أخذ به عمر وعثمان وعلي والعبادة ابن عباس وابن عمر وابن عمرو وابن مسعود وغيرهم من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقال به الأئمة الأربعة : أبو حنيفة ومالك والشافعي وأحمد وابن أبي ليلى والأوزاعي وذكر ابن عبد الحادي عن ابن رجب - رحمه الله - بقوله : اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سبق بلفظ واحد . أه وقال شيخ الإسلام ابن تيمية في معرض بحثه الأقوال في ذلك : الثاني - أنه طلاق محرم ولازم وهو قول مالك وأبي حنيفة وأحمد في الرواية المتأخرة عنه ، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين . أه وقال ابن القيم : واختلف الناس فيها ، أي في وقوع الثلاث بكلمة واحدة - على أربعة مذاهب أحدها : أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة . أه وقال القرطبي : قال علمائنا - وانفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف .

وقال ابن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم - رحمه الله - في تهذيب السنن : قال تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) ^(١) زل قوم في آخر الزمان فقالوا إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم . وجعاهوا واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبد الرحمن بن عوف وابن مسعود وابن عباس ، وعزوه إلى الحجاج ابن أرقطة الضعيف المنزلة والمغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل - إلى أن قال : وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد - إلى أن قال : وأما حديث الحجاج بن أرقطة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة . أد .

سادس

لتوجه الإيرادات على حديث ابن عباس - رضي الله عنه - كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة إلى آخر الحديث مما يضعف الأخذ به والاحتجاج بما يدل عليه . فإنه يمكن أن يجاب عنه بما يلي :

■ - ما قيل من أن الحديث مضطرب سنداً ومثلاً أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاوس عن ابن عباس وتارة عن طاوس عن أبي الصهباء عن ابن عباس وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس ، وأما اضطراب مثله فإن أبا الصهباء تارة يقول : ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة . وتارة يقول : ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة .

■ - قد تفرد به عن ابن عباس طاوس وطاروس متكلم فيه من حيث روايته المنسكبة عن ابن عباس قال القاضي اسماعيل في كتابه (أحكام القرآن) طاوس مع فضله وصلاحه يروي أشياء منكورة منها هذا الحديث . وعن أبيه أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاوس . وقال ابن عبد البر شذ طاوس في هذا الحديث . وقال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاوس ما ينفرد به من شواذ الأقاويل . ونقل القرطبي عن ابن عبد البر أنه قال : رواية طاوس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب .

■ - ما ذكره بعض أهل العلم من أن الحديث شاذ من طريقين : أحدهما تفرد طاوس بروايته وأنه لم يتابع عليه . قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور : كل أصحاب ابن عباس

(١) الآية الكريمة من سورة البقرة : ٢٢٩ .

رووا عنه خلاف ما روى طاوس . وقال الجوزجاني هو حديث شاذ : وقال ابن رجب ونقله عنه ابن عبد الهادي : وقد عنت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً .

الثاني ما ذكره البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي - صلى الله عليه وسلم - شيئاً ويفتي بخلافه ، وقال ابن الترمذي وطاوس يقول إن أبا الصهباء مولاه سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه : وأو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه وهم عمر وعثمان وعلي وابن مسعود وابن عمر وغيرهم . اهـ .

فلما في هذا الحديث من الشذوذ فقد أعرض عنه الشيخان الحليان أبو عبد الله أحمد بن حنبل فقد قال للأثرم وابن منصور بأنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد ، لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك ، والإمام محمد بن اسماعيل البخاري ذكر عنه البيهقي أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذي تركه من أجله الإمام أحمد ولا شك أنهما لم يتركاها إلاً لموجب يقتضي ذلك .

■ - إن حديث ابن عباس يتحدث عن حالة اجتماعية مفروض فيها أن تكون معلومة لدى جمهور معاصريها ، وتوفر الدواعي لنقلها بطرق متعددة مما لا ينبغي أن يكون موضع خلاف ، ومع هذا لم تنقل إلاً بطريق آحادي عن ابن عباس فقط ولم يروها عن ابن عباس غير طاوس الذي قيل عنه بأنه يروي المناكير . ولا يخفى ما عليه جماهير علماء الأصول من أن خبر الآحاد إذا كانت الدواعي لنقله متوفرة ولم ينقله إلاً واحد ونحوه أن ذلك يدل على عدم صحته . فقد قال صاحب جمع الجوامع عطفاً على ما يحزم فيه بعدم صحة الخبر : والمتنول آحاداً فيما تتوفر الدواعي إلى نقله خلافاً للرافضة . اهـ وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولي : إذا انفرد واحد فيما تتوفر الدواعي إلى نقله وقد شاركه خلق كثير كما لو انفرد واحد بقتل خطيب على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعاً خلافاً للشيعة . اهـ .

فلا شك أن الدواعي إلى نقل ما كان عليه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - والمسلمون بعده في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر من أن الطلاق الثلاث كانت تجعل واحدة متوفرة توافراً لا يمكن إنكاره . ولا شك أن سكوت جميع الصحابة عنه حيث لم ينقل عنهم حرف واحد في ذلك غير ابن عباس يدل دلالة واضحة على أحد أمرين : إما أن المقصود بحديث ابن عباس ليس معناه بلفظ واحد ، بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد ، وإما أن الحديث غير صحيح لنقله آحاداً مع توفر الدواعي لنقله .

■ - ما عليه ابن عباس - رضي الله عنه - من التقى والصلاح والعلم والاستقامة والتقى بالافتداء

والقوة في الصدع بكلمة الحق التي يراها، يمنع القول بانقياده إلى ما أمر به عمر - رضي الله عنه - من إمضاء الثلاث والحال أنه يعرف حكم الطلاق الثلاث في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر من أنه يجعل واحدة

فلا يخفى خلافة مع عمر رضي الله عنهما في متعة الحج وبيع الدينار بالدينارين وفي بيع أمهات الأولاد وغيرها من مسائل الخلاف فكيف يوافق في شيء يروى عن النبي - صلى الله عليه وسلم - فيه خلافة ، وإلى قوله - رضي الله عنه - في الصدع بكلمة الحق التي يراها، تشير كلمته المشهورة في مخالفة عمر في متعة الحج زعمي قوله : يوشاك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله ويقولون قال أبو بكر وعمر .

و - على فرض صحة حديث ابن عباس فإن ما عليه أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من التقى والصلاح والاستقامة وتمام الاقتداء بما عليه الحال المعتمدة شرعاً في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر يمنع القول بانقيادهم إلى أمر عمر - رضي الله عنه - في إمضاء الثلاث، والحال أنهم يعرفون ما كان عليه أمر الطلاق الثلاث في ذلك العهد . ومع هذا فلم يثبت بسند صحيح أن أحداً منهم أفتى بمقتضى ما عليه الأمر في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وصدر من خلافة عمر حسبما ذكره ابن عباس في حديثه .

ز - ما في حديث ابن عباس من الدلالة على أن عمر أمضى الثلاث عقوبة للناس لأنهم قد استعجوا أمراً كان لهم فيه أناة ، وهذا مشكل ووجه الإشكال كيف بقر عمر - رضي الله عنه - وهو هو تقى وصلاً وعلماً وفقهاً - بمثل هذه العقوبة التي لا تقتصر آثارها على من استحقها وإنما تتجاوزها إلى طرف آخر ليس له نصيب في الإجماع، ونفني بالطرف الآخر الزوجات حيث يترتب عليها إحلال فرج حرام على طرف ثالث ، وتحريم فرج حلال بمقتضى عقد الزواج ، وحقوق الرجعة ، مما يدل على أن حديث طاوس عن ابن عباس فيه نظر ، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم .



وجہ نظر المخالفين

نرى أن الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة ، وقد سبقنا إلى القول بهذا ابن عباس في رواية صحيحة ثابتة عنه ، وأفقى به الزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف وعلي بن أبي طالب وعبد الله بن مسعود من الصحابة في رواية عنهم وأفقى به عكرمة وطاوس وغيرهما من التابعين وأفقى به ممن بعدهم محمد بن اسحاق وخلاس ابن عمرو والحارث العكلي، والمجد بن تيمية، وشيخ الإسلام أحمد بن عبد الحلیم بن تيمية، وتلميذه شمس الدين ابن القيم وغيرهم . . وقد استدل على ذلك بما يأتي :

الدليل الأول

قوله تعالى : (الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَمِنْ سَكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ)^(۱) وبيانه : أن الطلاق الذي شرع للزوج فيه الخيار بين أن يسترجع زوجته أو يتركها بلا رجعة حتى تقضى عدتها فتبين منه - مرتان مرة بعد مرة ، سواء طلق في كل مرة منهما طلقة أو ثلاثاً مجموعة ، لأن الله تعالى قال : (مَرَّتَانٍ) : ولم يقل طلقتان ، ثم قال تعالى في الآية التي تليها : (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ)^(۲) فحكم بأن زوجته تحرم عليه بتطليقه إياها المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره ، سواء نطق في المرة الثالثة بطلقة واحدة أم بثلاث مجموعة ، فدل على أن الطلاق شرع مفرقاً على ثلاث مرات ، فإذا نطق بثلاث في لفظ واحد كان مرة واعتبر واحدة .

الدليل الثاني

ما رواه مسلم في صحيحه من طريق طاوس عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال : كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر وستين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة ، فقال عمر رضي الله عنه : إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة ، فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم . وفي صحيح مسلم أيضاً عن طاوس عن ابن عباس أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هاتيك ، ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأبي بكر واحدة ، قال : قد كان ذلك ، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازهم عليه . فهذا الحديث واضح الدلالة على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وعلى أنه لم ينسخ لا استمرار العمل به في عهد أبي بكر وستين من خلافة عمر ، ولأن عمر علل إمضاه ثلاثاً بقوله : « إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة » ولم يدع النسخ ولم يعلل الإمضاء به ، ولا بظهوره بعد خفائه ، ولأن عمر استشار الصحابة في إمضائه ثلاثاً ، وما كان عمر لـ يستشير أصحابه في العدول عن العمل بحديث علم أو ظهر له أنه منسوخ . . وما أجيب به عن حديث ابن عباس فهو إما تأويل متكلف ، وحمل للفظه على

(۱) الآية التكرية من سورة البقرة : ۲۰۹ .

(۲) الآية التكرية من سورة البقرة : ۲۳۰ .

خلاف ظاهره بلا دليل ، وإما طعن فيه بالشذوذ والاضطراب وضعف طاوس ، وهذا مردود بأن مسلماً رواه في صحيحه وقد اشترط ألا يروى في كتابه إلا الصحيح من الأحاديث . ثم إن الطاعنين فيه قد احتجوا بقول عمر في آخره « إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم ، فأمضاه عليهم » فكيف يكون آخره حجة مقبولة ويكون صدره مردوداً لاضطرابه وضعف راويه ، وأبعد من هذا ما ادعاه بعضهم من أن العمل كان جارياً على عهد النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - يجعل الطلاق الثلاث واحداً لكنه صلى الله عليه وسلم - لم يعلم بذلك ، إذ كيف تصح هذه الدعوى والقرآن ينزل والنوحى مستمر ، وكيف تستمر الأمة على العمل بالخطأ في عهده وعهد أبي بكر وستين أو ثلاث من خلافة عمر ، وكيف يعتذر عمر في عدوله عن ذلك إلى إمضائه عليهم بما ذكر في الحديث من استعجال الناس في أمر كانت لهم فيه أناة ، ومن الأمور الواهية التي حاولوا بها رد الحديث معارضته بفتوى ابن عباس على خلافه ، ومن المعلوم عند علماء الحديث وجمهور الفقهاء أن العبرة بما رواه الراوي متى صحت الرواية لا برأيه وقتواه بخلافه لأمر كثيرة استندوا إليها في ذلك ، وجمهور من يقول بأن الطلاق الثلاث بلفظ واحد يعتبر ثلاثاً يقراون بهذه القاعدة ، ويبنون عليها الكثير من الفروع الفقهية وقد عارضوا الحديث أيضاً بما ادعوه من الإجماع على خلافه بعد سنتين من خلافة عمر - رضي الله عنه - مع العلم بأنه قد ثبت الخلاف في اعتبار الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً واعتباره واحدة بين السلف والخلف ، واستمر إلى يومنا ، ولا يصح الاستدلال على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً بحديث عائشة - رضي الله تعالى عنها - في تحريم الرمى - صلى الله تعالى عليه وسلم - زوجة رفاعه القرظي عليه حتى تنكح زوجاً غيره لتطبيقه إياها ثلاثاً ، لأنه ثبت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات ، كما رواه مسلم في صحيحه فكان الطلاق مفزقاً ولم يثبت أن رفاعه بن وهب النضري جرى له مع زوجته مثل ما جرى لرفاعة القرظي حتى يقال بتعدد القصة ، وأن إحداهما كان الطلاق فيها ثلاثة مجموعة ولم يحكم ابن حجر بتعدد القصة بل قال : إن كان محفوظاً - يعني حديث رفاعه النضري - فالواضح تعدد القصة ، واستشكل ابن حجر تعدد القصة في كتابه الإصابة حيث قال : لكن المشكل اتحاد اسم الزوج الثاني عبد الرحمن بن الزبير .

الدليل الثالث

ما رواه الإمام أحمد في مسنده ، قال : حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا أبي عن محمد بن إسحاق . قال حدثني داود بن الحصين عن عكرمة بن عمار عن ابن عباس ، عن ابن عباس قال : طلق رُكَّانة ابن عبد يزيد - أخو بني المطلب - امرأته ثلاثاً في مجلس واحد ، فحزن عليها حزناً شديداً ، قال : فسأله رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - : « كَيْفَ طَلَّقْتَهَا » ، قال : طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ : فَقَالَ : « فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ » قال : نعم ، فقال : « فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ » ، قال : فراجعتها ، قال : فكان ابن عباس يرى أن الطلاق عند كل طهر قال ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين : « وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه » ، وضعف أحمد وأبو عبيد والبخاري ما روى من أن رُكَّانة طلق زوجته بلفظ - البتة - .

الدليل الرابع

بالإجماع ، وبينه ابن تيمية وابن القيم وغيرهما بأن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة في عهد أبي بكر وستين أو ثلاث من خلافة عمر ، وأن ما روى عن الصحابة من الفتوى بخلاف ذلك فإنما كان من بعضهم بعدما أمضاه عمر ثلاثاً تعزيراً وعقوبة ، لما استعجلوا أمراً كان لهم فيه أناة ، ولم يرد عمر بإمضاء الثلاث أن يجعل ذلك شرعاً كلياً مستمراً وإنما أراد أن يلزم به ما

ما دامت الدواعي التي دعت إليه قائمة كما هو الشأن في الفتاوى التي تتغير بتغير الظروف والأحوال وللإمام أن يعزر الرعية عند إساءة التصرف في الأمور التي لهم فيها الخيار بين الفعل والترك بقصرهم على بعضها ومنعهم من غيره ، كما منع النبي - صلى الله عليه وسلم - الثلاثة الذين خلفوا من زواجهم مدة من الزمن عقوبة لهم على تخلفهم عن غزوة تبوك مع أن زواجهم لم يستثن ، وكالزيادة في عقوبة شرب الخمر ، وتحديد الأسعار عند استغلال التجار مثلاً للظروف وتواضعهم على رفع الأسعار دون مسوغ شرعي إقامة للعدل ، وفي معنى هذا تنظيم المرور ، فإن فيه منع الناس من المرور في طرق قد كان مباحاً لهم السير فيها من قبل محافظة على النفوس والأموال ، وتيسيراً للسير مع أمن وسلام .

الدليل الخامس قياس الطلاق الثلاث على شهادات اللعان ، قالوا كما لا يعتبر قول الزوج في اللعان : أشهد بالله أربع شهادات أنني رأيتها تزني إلا شهادة واحدة لا أربعاً ، فكذا لو قال لزوجته : أنت طالق ثلاثاً لا يعتبر إلا طلاق واحدة لا ثلاثاً ، ولو قال : أقر بالزنا أربعاً مكتبياً بذكر اسم العدد عن تكرار الإقرار لم يعتبر إلا واحدة عند من اعتبر التكرار في الإقرار . فكذا لو قال لزوجته : أنت طالق ثلاثاً مكتبياً باسم العدد عن تكرار الطلاق لم يعتبر إلا واحدة ، وهكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول لا يكفي فيه عن التكرار ذكر اسم العدد كالسبح والتحميد والتكبير عقب الصلوات المكتوبة ، والله ولي التوفيق ، وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم . . .

حرر في ١٢/١١/٩٣ هـ



باب الایلاء

بیوی سے چار ماہ تک بات نہ کی:

سوال: زید نے غصہ کے اندر اپنی زوجہ سے چار پانچ ماہ تک بات نہیں کی مگر نان نفقہ دیتا رہا تو ایلاء ہوا یا نہیں؟ اور کسی قسم کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں ایلاء نہیں ہوا، اور کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ اگر زید نے قسم کھائی کہ چار ماہ یا زیادہ مدت تک بیوی کے پاس نہیں جائے گا یا اور کوئی ایسا لفظ کہا جو صیغہ ایلاء صریح یا کنایہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، یعنی اس سے حرمت جماع مفہوم ہو، یا بیوی کے ساتھ صحبت کو کسی ایسے فعل کے ساتھ معلق کیا جس میں مشقت ہے، مثلاً یوں کہا کہ ”اس سے صحبت کروں تو اس کو طلاق“ تو یہ ایلاء ہے، اس صورت میں چار ماہ تک صحبت نہ کرنے سے طلاق بائن واقع ہو جائیگی قال فی التنبیہ والہلف علی ترک قربانہما الی قولہ وحکمہ وقوع طلقہ بائنہ انہ بر والکفارة او الجزاء ان حنث واقلہا اللعنة اربعة اشهر الخ رد المحتار ص ۵۹۳، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، یوم العرنة ۸۳ھ

جب تک بیوی کے گھر والے معافی نہ مانگیں وہ حرام ہے:

سوال: زید شافعی العقیدہ ہے، اس نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا جو حنفی العقیدہ ہے

”آج سے میرا اور تمہارا میاں بیوی کا تعلق ختم ہوا، اور اس وقت تک تمہارے ساتھ سونا حرام ہو جب تک تمہارے گھر والے مجھ سے معافی نہ مانگیں“ تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید نے دو جملے خط کشیدہ کیے ہیں، پہلا جملہ کنایہ طلاق ہے، جس سے وقوع طلاق نیت یا مذکر طلاق پر موقوف ہے، مگر یہاں دوسرا جملہ اس کی وضاحت کر رہا ہے کہ پہلے جملہ سے طلاق

ایلاہ کرتا ہوں" سے ایلاہ ہو جاتا ہے :

سوال: کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے ایلا کرتا ہوں، کیا صرف اتنا لفظ کہنے سے ایلا ہو جائے گا؟ جبکہ صحبت نہ کرنے پر کوئی قسم نہیں اٹھائی، بینوا تو جروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

ایلا کے معنی ہی قسم کے ہیں، لہذا ان الفاظ سے ایلا ہو جائے گا، قال ابن نجیم رحمہ
 اللہ تعالیٰ وهو لغة اليمين وشعاعا قوله هو الحلف على ترك قربانها اربعة اشهر او
 اكثر اى الزوجة وهو تعريف لاحد قسمي الالاء الحقيقي وهو ما اشتمل على القسم بقوله
 البت ان لا اقربك او حلفت او والله او ما يؤل اليه كقوله انا منك مول قاصدا به
 الايجاب او انت مثل امرأة فلان وقد كان فلان الى من امرأته لان معناه
 انا منك حالف رابح الرائق ص ۶۰ ج ۴) فقط والله تعالی اعلم

۳ شعبان ۱۲۰۵ھ

باب الخلع

حکم خلع فضولی :

سوال : ایک عورت کی طرف سے اجنبی شخص نے شوہر سے خلع کیا تو کیا یہ خلع صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر اجنبی اپنے مال سے خلع کرے یا خود ضامن بنے تو خلع صحیح ہو گیا اور مال اس پر لازم ہو گیا اور اگر عورت کے مال پر خلع کیا یا کسی کا بھی مال معین نہ کیا اور خود ضامن بھی نہ ہوا، تو یہ خلع بیوی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر اس نے اجازت نہ دی تو مال واجب نہ ہوگا، طلاق ہو جائے گی، خلع میں بائن اور طلاق علی مال میں رجعی ہوگی، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ وکن) (الکبیرۃ الخ) وفي الفصولین اذا ضمنه الاب او الاجنبی وقع الخلع ثم ان اجازت نفع علیہا رالی قولہ، وان لم یضمن توقف الخلع علی اجازتہا فان اجازت جاز وبری الزوج عن المهر والا لم یجز قال فی الذخیرۃ ولا تطلق وقال غیرہ یدنی ان تطلق لانه معلق بالقبول وقد وجد اھ ای بقبول المخالغ وفي البزازیۃ وان لم یضمن توقف علی قبولہا فی حق المال قال وھذا دلیل علی ان الطلاق واقع وقیل لا یقع الا باجازتہا ام رسد المختار ص ۶۱۸ ج ۲، وفي الدر لو كان بلفظ الطلاق یقع رجعیاً رسد المختار ص ۶۱۸ ج ۲ فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۹ رذی الحجہ ۱۲۷۲ھ

حکم خلع والد :

سوال : اور اگر عورت کی طرف سے اس کا باپ خلع کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

باپ کے خلع کا بھی وہی حکم ہے جو اجنبی کے خلع کا، جس کی تفصیل سوال سابق کے جواب میں

۱۹ رذی الحجہ ۱۲۷۲ھ

گذری، فقط والله تعالیٰ اعلم،

حکم خلع والدہ :

سوال : اگر کسی عورت کی طرف سے اس کی والدہ اس عورت کے شوہر سے خلع کرے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا!

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس میں بھی باقی تفصیل تو وہی ہے جو فضولی کے حکم میں گزری، مگر اتنا فرق ہے کہ اگر اس کی والدہ نے نہ اپنے مال پر خلع کیا اور نہ ہی خود رضا من ہوئی، اور عورت نے بھی اجازت نہ دی تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، قال فی الشامیة (قوله ولا یصح من الام الخ) قال فی البحر قید بالاب لانه لو جرى الخلع بین زوج الصغیرة وامها فان اضافت الام البذل الی مانفسها او ضمنت تم الخلع کالاجنبی والا فلا رواية فیہ والصحیح انه لا یقع الطلاق بخلاف الاب (رد المحتار ص ۶۱، ۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

خلع والد مسقط مہر نہیں :

سوال : آجنگاب نے جوہارا فیصلہ طے فرمایا تھا اس کے متعلق مجھے بعد میں خیال آیا کہ خلع اور مباراتہ مسقط مہر ہیں، تسکین قلب کے لئے یہ سوال ہے، امید ہے کہ اس پر غور فرمائیں گے؟ بینوا تو جروا!

الجواب ومنه الصدق والصواب

عورت کی طرف سے بدون اس کے اذن کے اگر کوئی اس کا رشتہ دار یا اجنبی شخص خلع کرے تو مہر ساقط نہیں ہوتا قال فی شرح التتویر فان خالعا الاب علی مال ضامنہ ای ملتزم مال کفیلا لعدم وجوب المال علیہا صح والمال علیہ کالخلع مع الاجنبی فالاب اولی بلا سقوط مہر لانه لم یدخل تحت ولاية الاب وفي الشامیة تحت (قوله بلا سقوط مہر) ای سواء کان الخلع علی المہر او علی الف مثلا لکن اذا کان علی المہر فلہا ان ترجع بہ علی الزوج والزوج یرجع بہ علی الاب لضانہ اما لو کان علی الف فانہا اذا رجعت بالمہر علی الزوج لا یرجع بہ علی الاب لانه لم یضمن لہ المہر بل ضمن الف وکلام الفتح محمول علی ہذا التفصیل (الترغیب والترہیب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳/ رمضان ۱۴۲۲ھ

خلع کے بعد طلاق :

سوال : ایک شخص نے خلع کیا، اس کے بعد دو طلاقیں دیں، خلع حالت حمل میں ہوا ہے؟

اس کے بعد اب فرزند پیدا ہوا ہے، اب مرد اور عورت دونوں پشیمان ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر نکاح ہو جائے شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا تو جرؤا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع سے طلاق صریح بائن واقع ہوئی، اس کے بعد عدت میں دو طلاقیں دینے سے مغلف ہو گئی اس لئے اب کوئی گنجائش نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ویلحق المائتین) کما لو قال انت بائن او خالعا علی مال ثم قال انت طالق او هذه طالق بعرض البزازیة (رد المحتار ص ۵۰۹ ج ۲) ثم قال بعد وفتین تحت (قوله ویستثنی الخ) قال فی الزہر فی المنصوری شرح المسعودی المختلعة يلحقها صریح الطلاق اذا كانت فی العلاء (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۳ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

خلع میں قبول و رجوع کی تفصیل :

سوال : زوجین میں سے کسی ایک نے خلع کا ایجاب کیا تو دوسری جانب سے قبول اسی مجلس میں ہونا لازم ہے یا کہ مجلس بدلنے کے بعد بھی قبول کرنا صحیح ہے؟ نیز قبول سے پہلے ایجاب سے رجوع صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جرؤا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع جانب زوج میں نذر یعنی طلاق معلق ہے، اس لئے اگر ایجاب جانب زوج سے ہے تو وہ قبول زوجہ سے قبل بھی رجوع نہیں کر سکتا، اور زوج کی مجلس بدلنے سے خلع باطل نہ ہوگا، اور جانب زوجہ میں خلع بیع و شراء وغیرہ کی طرح معاوضہ ہے، اس لئے اس کی طرف سے قبول میں یہ شرط ہے کہ بوقت ایجاب حاضر تھی تو اپنی اسی مجلس میں قبول کرے، اور غائب تھی تو مجلس علم کے اندر قبول کرے اور اس کی مجلس بدلنے سے خلع باطل ہو جائے گا، البتہ اگر زوج نے قبول زوجہ کے لئے کوئی مدت معین کر دی تو اس مدت کے اندر اس کو قبول کرنے کا اختیار ہوگا،

اور اگر ایجاب زوجہ کی طرف سے ہو تو وہ قبول زوج سے قبل رجوع کر سکتی ہے، اور قبول زوج سے قبل زوجین میں سے کسی ایک کی مجلس بدل گئی تو خلع باطل ہو گیا، اور زوج کو قبول کا حق نہ رہا، قال فی شرح التنویر ہو یسین فی جانبہ لانہ تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعه عنه قبل قبولها ولا یصح شرط الخيار له ولا یقتصر علی المجلس

ای مجلسہ و یقتصر قبولہا علی مجلس علمہا و فی جانبہا معاوضۃ بمال فصم رجوعہا قبل قبولہ و صم شرط الخيار لہا ولو اکثر من ثلاثۃ ایام بحر و یقتصر علی المجلس کا لیم، و فی الشامیۃ رقلہ فصم رجوعہا، ای اذا کان الابتداء منہا بان قالت اخلعت نفسی منک بکن اقلہا ان ترجع عنہ قبل قبول الزوج و یبطل بقیامہا عن المجلس و بقیامہ ایضا و لا یتوقف علی ما وراء المجلس بان کان الزوج غائبا حتی لو بلغہ و قبل لم یصح و لا یصح تعلیقہ و لا اضافۃ بدائع (رد المحتار ص ۱۰۷ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ رجب ۱۲۸۸ھ

خلع میں عدت کے نفقہ و سکنی کا حکم :

سوال : خلع میں نکاح کی وجہ سے واجب ہونے والے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں مگر ایام عدت کا نفقہ و سکنی ساقط نہیں ہوتا، اس کی تشریح فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خلع میں ایام عدت کے نفقہ و سکنی کا ذکر نہ آیا ہو تو یہ دونوں ساقط نہ ہوں گے، اور اگر ان دونوں کے سقوط کی تصریح کی ہو تو دونوں ساقط ہو جائیں گے، مگر چونکہ عدت اسی مکان میں گزارنا واجب ہے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اس لئے اگر بوقت طلاق زوج کے مکان میں سکونت تھی تو عدت گزرنے تک وہاں سے نکلنا جائز نہیں، بلکہ اسقاط سکنی کی وجہ سے زوج کو مکان کا کرایہ ادا کرنے، قال فی شرح التنویر الا نفقۃ العدة و سکناہا فلا یسقطان الا اذا نص علیہما فتسقط النفقة لا السکنی لانہما حق الشرع الا اذا ابرأتہ عن مؤنة السکنی فیصح فسخ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ لانہما حق الشرع، لان سکناہا فی غیر بیت الطلاق معصیۃ بحر عن الفتح، رقلہ الا اذا ابرأتہ عن مؤنة السکنی، بان کانت ساکنۃ فی بیت نفسہا او تعلی الاجرة من مالہا فیصح التزامہا ذلک فتح لکن مقتضی ہذا انہ لا بد من التصریح بمؤنة السکنی مع انہ ذکر فی الفتح وغیرہ فی فصل الاحد اد لو اخلعت علی ان لا سکنی لہا فان مؤنة السکنی تسقط عن الزوج ویلزمہا ان تکتري بیت الزوج ولا یحل لہا ان تخرج منہا تأمل (رد المحتار ص ۶۱۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ محرم ۱۲۸۸ھ

حکم بدل خلع :

سوال: زید نے ہندہ کے ساتھ شادی کی تھی، تقریباً نو ماہ گزر گئے اس دوران میں ہندہ بڑی خوشی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی، اب اتفاقاً والدین کے ساتھ اُن کے گھر ملنے کی غرض سے گئی تو دوبارہ زید کے پاس آنے سے انکار کر دیا، انکار کا سبب یہ بتاتی ہے کہ زید نامرد ہے، زید کا دعویٰ ہے کہ اس کے اندر مردانگی کا حصہ موجود ہے، زید نے پوری کوشش کی کہ ہندہ دوبارہ آجائے لیکن ہندہ کسی طرح آنے کو تیار نہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا زید کو یہ حق ہے کہ اس نے زید کی شکل میں جو ہر دیا تھا اس کے عوض میں خلع کرے، اس کے بغیر طلاق نہ دے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر کا قصور ہو تو طلاق کے عوض بیوی سے کچھ لینا حرام ہے، اور بیوی کا قصور ہو یا میاں بیوی دونوں قصور دار ہوں تو لینا جائز ہے، مگر شوہر نے جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ لینا خلاف اولیٰ ہے، قال فی شرح القنویروکوة تحریمًا اخذ شیء ویلیق بہ الابرء عما لہا علیہ ان نشتر وان نشتر لا ولومنه نشوز ایضا ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه فتم وصح الثمنی کراہۃ الزیادۃ وتعبیر الملتقی لا بأس یہ یفید انہما تنزیہیۃ وبہ یحصل التوفیق، وفی الشامیۃ ای بین مارجحہ فی الفتح من نفی کراہۃ اخذ الاکثر وهو رواۃ الجامع الصغیر و بین مارجحہ الثمنی من اثباتہا وروایۃ الاصل فیحصل الاول علی نفی التحریمیۃ والثانی علی اثبات التنزیہیۃ وھذا التوفیق مصرح بہ فی الفتح فانہ ذکر ان المسألة مختلفۃ بین الصحابة و ذکر النصوص من الجانبین ثم حقق ثم قال و علی ھذا یظهر کون رواۃ الجامع اوجہ نعم یكون اخذ الزیادۃ خلاف الاولیٰ والمنع محمول علی الاولیٰ اھ و مشی علیہ فی البحر ایضاً، رد المحتار ص ۲۶۹ (۲۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۳ ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ

خلع کے بعد دوبارہ نکاح جائز ہے :

سوال: میری بیوی نے کورٹ کی معرفت خلع کرا لیا تھا، اب ہم دوبارہ میاں بیوی بننا چاہتے ہیں، کیا حلالہ کے سوا کوئی صورت ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اس لئے اگر تین طلاقیں نہیں دیں تو دوبارہ نکاح

کریجے ہیں، قال فی التنبیہ الواقع بہ (الخلع) وبالطلاق علی مال طلاق بائن،
(رد المحتار ص ۲۰۸ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ ربیع الآخر ۱۲۹۷ھ

لفظ خلع طلاق صریح بائن ہے :

سوال : شوہر اپنی بیوی کو خلع کا لفظ کہلاتا ہے، ایک بار پھر دو بار پھر سہ بار، آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کونسی طلاق واقع ہوئی؟ اور شوہر کیلئے رجوع کی کیا صورت ہوگی؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ خلع عرفاً صریح طلاق کے لئے مستعمل ہے، اس لئے اس سے بلا نیت بھی طلاق صریح بائن واقع ہو جاتی ہے، اور طرز بائن کے بعد دوسری صریح بائن واقع ہو سکتی ہے، اس لئے سوال میں تین بار لفظ خلع کہلانے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں، اب رجوع کی کوئی صورت نہیں، تجدید نکاح کی بھی گنجائش نہیں، خلع سے بسبب نکاح واجب ہونے والے حقوق مالیہ حالیہ جانبین سے ساقط ہو جاتے ہیں، اس لئے بیوی نے مہر لیا ہو تو شوہر واپس نہیں لے سکتا، اور اگر بیوی نے تاحال مہر نہیں لیا تو ساقط ہو گیا، شوہر سے مطالبہ نہیں کر سکتی، البتہ ایام عدت کا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ ہے، اس لئے کہ یہ بوقت خلع واجب نہ تھا، بعد میں واجب ہوا ہے، اور خلع سے صرف حقوق حالیہ معاف ہوتے ہیں، فی خلع التنبیہ وہو من الکنايات فيعتبر فيه ما يعتبر فيها، وفي الشرح فيه إشارة إلى اشتراط النية وهو ظاهر الرواية إلا أن المشايخ قالوا تشترط النية ههنا لأنه بحكم غلبة الاستعمال صار كالصريح كما في القهستاني عن متفرقات طلاق المحيط، وفي الشامية رقبه ههنا، أي في لفظ الخلع (إلى قوله) وفيه إشارة إلى أن المبرأة لم يغلب استعمالها في الطلاق عرفاً بخلاف الخلع فإنه مشتهر بين الخاص والعام فافهم (رد المحتار ص ۲۰۸ ج ۲) شامیہ میں جامع الفصولین و خانہ سے نقل ہے کہ اس صورت میں طلاق بلا بدل واقع ہوگی و نصہا و اما ان يقول اخلعي ولم يزد عليه فخلعت فعند أبي يوسف رحمه الله تعالى لم يكن خلعا وعن محمد رحمه الله تعالى تطلق بلا بدل وبه أخذ كثير من المشايخ (رد المحتار ص ۲۰۸ ج ۲) مگر اب لفظ خلع عرب عام میں بمعنی خلع شرعی ہی مستعمل ہے جو مسقط ہر ہے، اس لئے صورت سوال میں مہر ساقط ہو جائے گا، کما قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعنوان (تنبیہ) فی التامر خانہ وغیرہا مطلق لفظ الخلع محمول علی الطلاق بعوض حتی لو قال لغيره اخلع

امراتی فخلع بلا عوض لایصح (رد المحتار ص ۲۰۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵ رجمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

خلع کے بعد تین طلاقیں:

سوال: مدعیہ نے خلع کا دعویٰ عدالت میں دائر کیا، جج نے عورت کے حق میں فیصلہ کیا اور جج کے سامنے ہی مرد نے تین طلاقیں دیدیں، کیا رجوع کی کوئی صورت عدت کے اندر یا عدت کے بعد شرعاً نکل سکتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع جانبین کی رضا مندی سے ہوتا ہے، اگر عدالت نے شوہر کی رضا کے بغیر فیصلہ کر دیا تو خلع نہیں ہوا، البتہ شوہر نے اسی مجلس میں خلع قبول کر لیا تو یہ خلع صحیح ہو گیا، دونوں صورتوں میں بعد میں تین طلاقیں دینے سے حرمت مغلظہ ہو گئی، لہذا شوہر رجوع نہیں کر سکتا، اور اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی بھی گنجائش نہیں، قال فی التئیر الواقع بہ وبالطلاق علی مال طلاق بائن (رد المحتار ص ۲۰۸ ج ۲) وفي العلائية الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة، وفي الشامية كما لو قال لها انت بائن او خالعا على مال ثم قال انت طالق او هذه طالق بحر عن البزازية (رد المحتار ص ۲۰۹ ج ۲) ثم قال بعد ورقتين تحت رقبته ويستثنى الخ قال فی النہر فی المنصوری شرح المسعودی المختلعة يلحقها صريح الطلاق اذا كانت فی العدة ۴ھ (رد المحتار ص ۲۰۱ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۱ رجمادی الآخرہ ۱۲۹۲ھ

خلع بلا ذکر مال:

سوال: میں مسیحی محمد شریف ولد محمد یوسف صاحب بہوش دھواں اپنی بیوی ساجدہ خاتون عورت کو ثر بنت صابر علی خاں صاحب کو جو مجھ سے کورٹ کے ذریعہ خلع مانگ رہی ہے، خلع بخوشی دے رہا ہوں، اس طرح یہ مقدمہ ختم ہو جائے گا، ساجدہ خاتون نے بھی خلع قبول کر لیا ہے اور مجھے لکھ کر دیدیا ہے کہ خلع کے بعد وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گی، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خلع کی وجہ سے ایک طلاق صریح بائن ہو گئی، قال فی العلائية ان المشايخ قالوا لا تشترط النية ههنا لانه بحكم غلبة الاستعمال صار كالصريح كما في الفتاویٰ

عن متفرقات المحيط (رد المحتار ص ۳۸۰) مہر دیا جا چکا ہے تو شوہر واپس نہیں لے سکتا، اور اگر ابھی تک اور نہیں کیا تو بیوی کو مطالبہ کا حق نہیں،

یہاں عقد خلع میں اگرچہ مہر وغیرہ بدل خلع کا کوئی ذکر نہیں مگر آجکل عرف عام میں لفظ خلع صرف اسقاط مہر ہی کے معنی میں مستعمل ہے، اس لئے خلع بلا ذکر عوض بھی مسقط مہر ہے، قال فی الشامیۃ (رتبیہ) فی التاترخانیۃ وغیرہا مطلق لفظ الخلع محمول علی الطلاق بعوض حتی لو قال لغیرہ اخلع امرأتی فخلع بلا عوض لا یشح (رد المحتار ص ۲۰۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ شوال ۱۴۰۰ھ

نابالغ کا خلع صحیح نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی بالغ لڑکی کا نکاح نابالغ لڑکے سے کر دیا، کچھ مدت کے بعد لڑکی نے عدالت میں خلع کا دعویٰ کر دیا، عدالت نے لڑکی کے حق میں فیصلہ دیدیا، جبکہ لڑکا اس پر راضی نہیں، اس بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے:

- ① نابالغ کی طلاق تو غیر معتبر ہے، نابالغ کے خلع کا کیا حکم ہے؟ چونکہ خلع میں نابالغ کو عوض مل رہا ہے اس لئے بیع صغیر پر قیاس کر کے اس کا جواز نکل سکتا ہے؟
- ② لڑکے کی رضا کے بغیر عدالت کے فیصلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① نابالغ کی طلاق کی طرح اس کا خلع بھی صحیح نہیں، قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ وشرطہ كالطلاق، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وشرطہ كالطلاق) وهو اہلیۃ الزوج وكون المرأة مخلاً للطلاق منجزاً او معلقاً علی الملك (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۲) وفي طلاق العلاءۃ واهل ذوج عاقل بالغ مستیقط، وفي الشامیۃ احتراز بالزوج عن سید العبد ووالد الصغیر (الی قولہ) وبالبالغ عن الصبی لومراہقار (رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۲)
- ② عدالت کا فیصلہ غلط ہے، عدالت بالغ شوہر کو بھی خلع پر مجبور کرنے کی مجاز نہیں، حالانکہ وہ خلع وطلاق کا اہل ہے، نابالغ میں تو خلع وطلاق کی اہلیت ہی نہیں، وہ اپنی رضا سے بھی خلع نہیں کر سکتا، اس کے خلاف خلع کا فیصلہ سراسر ظلم اور شریعتِ مقدسہ کی مخالفت ہے، دلائل کی تفصیل میرے رسالہ ”جبری خلع“ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۲ محرم ۱۴۰۰ھ



جبری خلع

- ★ خلع میں رضائے زوجین شرط ہے،
- ★ کلام اللہ تعالیٰ،
- ★ حدیث و رسول صلی اللہ علیہ وسلم،
- ★ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ،
- ★ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلے،
- ★ اجماع اُمت،
- ★ مذاہب اربعہ،
- ★ حکم حکمائن میں جبراً تفریق جائز نہیں،
- ★ کلام اللہ تعالیٰ،
- ★ ائمہ تفسیر وفقہ کی تشوعات،
- ★ تفسیر مذاہب مالکیہ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جبری خلع

خلع میں رضائے زوجین شرط ہے:

سوال: ہفتہ بیداری نسوان کے اختتام پر خواتین نے مطالبات پیش کئے ہیں، ان میں ایک مطالبہ خلع کا بھی ہے، جس کا حق حکومت اس معنی میں خواتین کو دینا چاہتی ہے کہ جو خاتون چاہے ہر وقت خلع کا حق رکھتی ہے، اور قاضی یا مجسٹریٹ کو یہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ تحقیق کرے کہ آیا اس خاتون کا مطالبہ حقائق پر مبنی ہے یا نہیں؟ بس یہ کافی ہے کہ خاتون خلع لینا چاہتی ہے، لہذا اسے ملنا چاہیے، اس کو اسلام کے مطابق اور حق بجانب ثابت کرنے کے لئے مضامین لکھے جا رہے ہیں، اس مسئلہ پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ یہ قانون کے طور پر اسمبلی میں پاس ہونے کے لئے پیش ہونے والا ہے، اس بارے میں آپ سے مفصل فیصلہ درکار ہے کہ آیا ان حالات میں خلع جائز ہے؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس نوعیت کے جو سوالات بھی ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں خلع اور فسخ نکاح کو ایسا خلط کر دیا جاتا ہے کہ گویا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خلع اور فسخ نکاح دونوں بالکل الگ ہیں۔ خلع ایک عقد ہے جو دوسرے عقود بیع، اجارہ اور نکاح وغیرہ کی طرح جانبین کی کامل رضامندی پر موقوف ہے، خلع کے لئے عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ زوجین اپنے طور پر اپنی صوابدید کے مطابق عوض خلع متعین کر کے معاملہ کر سکتے ہیں، یہ الگ بحث ہے کہ شوہر کے لئے کن صورتوں میں عوض لینا جائز ہے، اور عوض کی کتنی مقدار کا جواز ہے، اس تفصیل سے قطع نظر جس صورت میں بھی اور جتنی رقم پر بھی جانبین نے معاملہ طے کر لیا وہ نافذ ہو جائے گا، عدت گزرنے کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے،

فسخ نکاح میں عوض نہیں ہوتا، اور اس کا اختیار صرف حکومت کو ہے، جو مندرجہ ذیل صورتوں میں منحصر ہے:

① عتین؛ جبکہ شوہر نکاح سے پہلے ہی مکمل نامرد ہو، جماع پر ایک بار بھی قدرت نہ ہوئی ہو،

اور بیوی کو بوقت نکاح اس کا علم نہ ہو، اور علم ہونے کے بعد اس کے ساتھ رہنے پر رضا کا کبھی اظہار نہ کیا ہو،

② متعنت؛ وہ شخص جو بیوی کو نہ نفقہ دیتا ہو اور نہ ہی طلاق پر راضی ہو، حاکم کے کہنے پر بھی دونوں صورتوں میں سے کوئی قبول نہ کرے،

③ غائب؛ وہ شخص جو نہ نفقہ دیتا ہو نہ طلاق، اور نہ ہی عدالت میں جواب دہی کے لئے حاضر ہو،

④ معسر؛ جو تنگدستی کی وجہ سے نفقہ پر قادر نہ ہو اور طلاق بھی نہ دے،

⑤ مفقود؛ ایسا لاپتہ کہ انتہائی تلاش اور تمام تر ذرائع جستجو استعمال کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہ لگ سکا ہو،

⑥ مجنون؛ جبکہ وہ نفقہ پر قادر نہ ہو، یا اس سے قتل کا خوف ہو، یا اس کے ساتھ رہنا ناقابل برداشت ہو،

ان صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں حکومت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، ان صورتوں میں بھی صحت فسخ چند شرائط کے ساتھ مقید ہے، بعض شرائط صحت دعویٰ کی ہیں، بدون ان کے عورت کا دعویٰ ناقابل سماع قرار دے کر خارج کر دیا جائے گا، اور بعض صحت قضاء کی شرائط ہیں، ان دونوں قسم کی شرائط میں سے اگر کوئی ایک شرط مفقود ہوئی تو حاکم کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، اگر بدون رعایت شرائط حاکم نے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو وہ شرعاً غیر معتبر ہوگا، اس صورت میں عورت بدستور اسی شوہر کے نکاح میں رہے گی، اور اس کے لئے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا حرام اور بیکم زنا ہوگا، ان شرائط کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، (احسن الفتاویٰ کی اسی جلد میں باب اختیار الفسخ میں ملاحظہ ہو، تب) اس پر ائمہ مسلمہ کے تمام مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ خلع زوجین کی باہمی رضا پر موقوف ہے، حاکم خلع پر مجبور نہیں کر سکتا، اس پر مذاہب اربعہ کے علاوہ اہل ظاہر کا بھی اتفاق ہے، ان مذاہب کی تصریحات ملاحظہ ہوں:-

مذہب حنفی؛

① قال شمس الائمۃ السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی حتمل الفسخ بالتراضی ایضاً ذلک بالخلع واعتبر هذه المعاوضة المحتملة للفسخ بالبيع والشراء فی جواز فسخها بالتراضی (مبسوط ص ۱۷۱ ج ۶)

② وقال ایضاً والخلع جائز عند السلطان وغیره لانه عقد یعمل التراضی کسائر

العقود (مبسوط ص ۱۷۱)

③ قال الامام الكاساني رحمه الله تعالى واما ركنه فهو الايجاب والقبول لانه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفقرة ولا يستحق العوض بدون القبول،

(ردائع الصنائع ص ۱۴۵ ج ۳)

④ قال الامام الزليعي رحمه الله تعالى لا ولاية لاحد هما في الزام صاحبه بدون رضاه (تبيين الحقائق ص ۲۷۱ ج ۲)

⑤ نقل العلامة ابن عابد بن رحمه الله تعالى ايضا عبارة الزليعي المتقدمة تحت قول الشارح لانه تعويض (رد المحتار ص ۶۱۱ ج ۲)

⑥ قال الامام ابو بكر الجصاص الرازي رحمه الله تعالى لو كان الخلع الى السلطان شاء الزوجان او ابيا اذا علم انها لا يقيمان حدود الله لم يسألها النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك ولا خاطب الزوج بقوله اخلعها بل كان يخلعها منه ويرد عليه حديثه وان ابيا او واحد منهما كما لما كانت فرفة المتلاعنين الى الحاكم لم يقل لللاعن خل سبيلها بل فرق بينهما (احكام القرآن ص ۳۹۵ ج ۱)

مذهب مالكي:

① قال العلامة ابوالوليد الباجي رحمه الله تعالى في شرحه لموطا الامام مالك رحمه الله تعالى وتجب على الرجوع اليه ان لم يرد فراقها بخلع او غيره (المنتقى ص ۶۱۶ ج ۲)

② قال العلامة ابن رشد رحمه الله تعالى واما ما يرجع الى الحال التي يجوز فيها الخلع من التي لا يجوز فان الجمهور على ان الخلع جائز مع التراضي اذا لم يكن سبب رضاها بما تعطيه اضرة بها رتبة اية المجتهد، (ص ۲۸ ج ۲)

علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت کے چند سطر بعد فرماتے ہیں: والفقہ ان الفداء انما جعل للمرأة في مقابلة ما بيد الرجل من الطلاق فانه لما جعل الطلاق بيد الرجل اذا فرك المرأة جعل الخلع بيد المرأة اذا فركت،

اس عبارت کے مفہوم کی تعیین کے لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسلوب بیان سمجھنا ضروری ہے، فقہاء کا دستور یہ ہے کہ وہ احکام اور ان کی علل بیان فرماتے ہیں، احکام کی حکمتیں و مصلحتیں نہیں بتاتے مگر کبھی شاذ و نادر لفظ ”الفقہ فیہ“ یا ”السر فیہ“ کے تحت حکمت بھی بیان

فرمادیتے ہیں، حکمت مدار حکم نہیں ہوتی، علت مدار حکم ہوتی ہے، حکمت کہیں کامل پائی جاتی ہے کہیں ناقص اور کہیں بالکل معدوم ہوتی ہے، اس عبارت میں حکم خلع کی علت کا بیان نہیں بلکہ حکمت کا قصہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی حد تک بیوی کے لئے بھی اختیار تفریق کی صورت موجود ہے، وہ یہ کہ وہ شوہر کو مال کی ترغیب دے کہ خلع پر راضی کر سکتی ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ”بیوی اختیار تفریق میں شوہر کے برابر ہے جس طرح شوہر بیوی کی رضا کے بغیر طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی شوہر کی رضا کے بغیر خلع کر سکتی ہے“ یہ مطلب بوجہ ذیل باطل ہے:

① یہ مطلب خود علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اُس تصریح کے خلاف ہے جو اس عبارت سے چند سطور پہلے تحریر ہے،

② اس مطلب کی بناء پر بیوی کو بلا عوض بھی طلاق واقع کرنے کا حق ہونا چاہئے، اس لئے کہ شوہر کے ساتھ برابری تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جیسے شوہر بلا عوض طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی بھی بلا عوض طلاق دے سکے اور اس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں،

③ جیسے شوہر اقلع طلاق میں عدالت کی طرف رجوع کا محتاج نہیں از خود طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی بذریعہ عدالت خلع حاصل کرنے کی پابند نہیں کرنا چاہئے، حالانکہ دور حاضر کے فتنہ میں مبتلا لوگ بدون عدالت بیوی کو یہ حق نہیں دے رہے،

مذہب شافعی:

① قال الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وان قال لا افارقھا ولا اعدل لھا اجبر علی القسم لھا ولا يجبر علی فراقھا (كتاب الام ص ۱۸۹ ج ۵)

② وقال ايضا وليس له (العاكم) ان يأمرهما بالعکین، يفترقان ان رأيا الا بامر الزوج ولا يعطيان من مال المرأة الا باذنهما (كتاب الام، ص ۱۹۲ ج ۵)

③ وقال ايضا وانما جعلناھا تطليقة لان الله تعالى يقول الطلاق مرتان فعملنا من الله تعالى ان ذلك انما يقع بايقاع الزوج وعلما ان الخلع لم يقع الا بايقاع الزوج (كتاب الام ص ۱۹۸ ج ۵)

④ وقال ايضا وكن لك سيد العبدان خالع عن عبده بغير اذنه لان الخلع طلاق فلا يكون لاحد ان يطلق عن احد اب ولا سيد ولا ولي ولا سلطان انما يطلق المرء عن نفسه او يطلق عليه السلطان بما الزمه من نفسه اذا امتنع هو ان يطلق وكان

من له طلاق وليس الخلع من هذا المعنى بسبيل (كتاب الام ص ۲۰۰ ج ۵)
 ⑤ وقال العلامة ابواسحق الشيرازی رحمه الله تعالى لانه رفع عقد بالتراضی
 جعل لدفع الضرر فجاز من غیر ضرر کلا قاله فی البیع (المهذب ص ۲۷۱ ج ۲)
مذہب حنبلی:

① قال العلامة مرفق الدین ابن قدامة رحمه الله تعالى ولانه معاوضة فلم
 يقتصر الى السلطان كالبيع والنكاح ولانه قطع عقد بالتراضی اشبه الاقالة (المغنی ص ۲۲۲ ج ۴)
 ② وقال الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالى وفي تسميته صلى الله عليه وسلم الخلع فدية
 دليل على ان فيه معنى المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين (زاد المعاد ص ۲۳۸ ج ۲)
مذہب ظاہری:

① قال العلامة ابن حزم رحمه الله تعالى ليس في الآية ولا في شيء من
 السنن ان للحكمين ان يفرقا ولا ان ذلك للحاكم (المحل ص ۸۸ ج ۱)
 ② وقال ايضا الخدم وهو الا فتد اكرهت المرأة
 زوجها فخافت ان لا توفيه حقه ارخافت ان يبغضها فلا يوفيهما حقها فلها ان تفتدي منه
 ويطلقها ان رضى هو والا لم يجبر هو ولا اجبرت هي، انما هي يجوز بتراضيهما ولا يجعل
 الا فتدء الا باحد الوجهين المذكورين او باجتماعهما فان وقع بغيرهما فهو باطل ويرد
 عليهما ما اخذه منها وهي امرأته كما كانت وسجل طلاقه ويسمى من ظلمها فقط (المحل ص ۲۳۵ ج ۲)
 یہ اجماع قرآن کریم کے ارشادات اور حضرات اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہم کے فیصلوں پر مبنی ہے جو درج ذیل ہیں:-

① قال الله تعالى: وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَوْتٍ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ تَخَافَا
 أَنْ لَا يَقْبَلَهُمَا وَدَّ اللَّهُ بِانْخِفْتُمْ أَنْ لَا يَقْبَلَهُمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ
 اس آیت میں تین دلائل ہیں:

۱) إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يَقْبَلَهُمَا وَدَّ اللَّهُ بِانْخِفْتُمْ أَنْ لَا يَقْبَلَهُمَا حُدُودَ اللَّهِ، اس میں واضح دلیل ہے کہ یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے
 جبکہ میاں بیوی دونوں کو حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کا خطرہ ہو، اس لئے وہ دونوں خلع
 کرنا چاہتے ہوں،

۲) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا، یہ جملہ بھی زوجین کی تراضی کو ثابت کر رہا ہے، اس کا مطلب واضح ہے

مکڑ و جین خلع پر راضی ہیں، مگر ان کو مال کے لین دین کے جواز میں شبہ ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، کوئی ادنیٰ فہم رکھنے والا بھی اس جملہ سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ شوہر خلع پر راضی نہ ہو تو حاکم اس کو خلع پر مجبور کر سکتا ہے،

(۳) فَيَمَّا افْتَتَحَتْ بِهِ، اس میں بدل خلع کو "فدیہ" قرار دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ خلع عقد معاوضہ ہے، اس لئے اس میں فریقین کی رضامندی شرط ہے، اور "مذہب حنبلی" کے تحت حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مضمون نقل کیا جا چکا ہے،

فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ تَلَاَّ يَقِيْمًا حُدُودَ اللَّهِ فِي خُطَابِ كَسْ كَوْهٍ؟ اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ حکام مخاطب ہیں، دوسرا یہ کہ زوجین اگر خطاب حکام کا قول لے لیا جائے تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حاکم شوہر کو خلع پر مجبور کر سکتا ہے، یہ جملہ ایسے تینوں جملوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے جن میں سے ہر ایک میں تراوی زوجین پر واضح دلیل موجود ہے، علاوہ ازیں فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ تَلَاَّ يَقِيْمًا حُدُودَ اللَّهِ پر تفریع ہے، اور یہ پہلا جملہ تراوی زوجین کی صورت میں ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لہذا اس پر متفرع ہونے والا جملہ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ تَلَاَّ يَقِيْمًا حُدُودَ اللَّهِ بھی اسی صورت تراوی سے متعلق ہوگا، اور فلا جناح علیہما کے تحت بھی اس کی کچھ وضاحت گزر چکی ہے، اگر اس جملہ سے اس پر استدلال صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ حاکم جبراً بذریعہ خلع نکاح فسخ کر سکتا ہے تو حاکم کے لئے یہ اختیار میاں بیوی دونوں یا صرف بیوی کی رضا کے بغیر بھی ثابت ہوگا، حالانکہ فتنہ حاضرہ کے علم پر داران دونوں صورتوں میں حاکم کو اختیار نہیں دیتے، صرف شوہر پر جبر کے قائل ہیں، بیوی پر نہیں، پس اس جملہ سے جس طرح پہلی دو صورتوں یعنی میاں بیوی دونوں یا صرف بیوی پر جبر کیلئے استدلال صحیح نہیں بعینہ اسی طرح شوہر پر جبر کے لئے بھی استدلال صحیح نہیں،

رہا یہ سوال کہ اگر حاکم کو جبر کا اختیار نہیں تو عدالت میں جانے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نظر شرع میں حاکم کا کام صرف جبراً حکم مسلط کرنا ہی نہیں بلکہ وہ جانبیں کا ہی خواہ و مشیر صلاح و خیر بھی ہے، بسا اوقات ایسی شخصیت کی طرف رجوع سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جانبین میں موافقت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس شخص کے ذہن میں بعض مرتبہ تراوی طرفین کی کوئی ایسی صورت آجاتی ہے جو خصمین کے ذہن میں نہیں تھی، دوسری وجہ یہ کہ اس کی محبت و عقیدت یا اس کی دجاہت کے تحت جانبین اس کا مشورہ قبول کر لیتے ہیں، دنیا میں ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ فریقین اپنے طور پر مصالحت میں ناکام رہے مگر کسی مشفق و مہربان کے

پاس جائیے مسئلہ حل ہو گیا، یا تو اس نے کوئی ایسی صورت بتادی جو جانبین کے لئے قابل قبول ہو، یا اس کے ساتھ محبت و عقیدت کی وجہ سے جانبین نے اس کا مشورہ بطیب خاطر قبول کر لیا، یا اس کی وجہ کی بنا پر بادلِ نحواستہ راضی ہو گئے،

⑤ وقال تعالى: وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً مِمَّا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس آیت میں الَّذِي بَيْنَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد شوہر ہے، عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ولي عقدة النكاح الزوج رواه الدارقطني (تفسير القرطبي ص ۲۰۶ ج ۳) اس حدیث کی سند درجہ حسن سے کم نہیں، اسی مضمون کی دوسری مرفوع حدیث بسند حسن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے، (روح المعانی ص ۱۳۳ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ عقد نکاح کے بعد اس کا کلی اختیار صرف شوہر ہی کے قبضہ میں ہے، اس کی رضا کے بغیر اس کو کسی طرح بھی فسخ نہیں کیا جاسکتا، بعض مفسرین نے الَّذِي بَيْنَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ سے عورت کا دلی مراد لیا ہے جو بوجہ ذیل باطل ہے،

- (۱) یہ خیال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ تفسیر کے خلاف ہے،
- (۲) حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت مفصل و مدلل بحث کے بعد اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (تفسیر ابن جریر ص ۳۱۸ ج ۲)
- (۳) قال القاضي أبو السعود رحمه الله تعالى إن الأدل أن نسب لقوله تعالى وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ أَوْلَى لِلتَّقْوَى فإِنْ اسقاط حق الصغيرة ليس في شيء من التقوى (تفسير ارشاد العقل السليم ص ۱۱ ج ۱) یعنی الَّذِي بَيْنَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ سے عورت کا دلی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عورت کی اجازت کے بغیر ولی ہر معاف کر سکتا ہے، اور یہ ایسی آیت کے اگلے جملہ وان تعفوا أقرب للتقوى کے خلاف ہے، کیونکہ ولی کا ہر معاف کر دینا کسی حیثیت سے تقویٰ نہیں ہو سکتا، اس لئے یہاں شوہر ہی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایثار کر کے پورا ہر دیدے تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے،

۳) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ان امرأة ثابت بن قيس رضي الله تعالى عنه اتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله ثابت بن قيس ما اعتب عليه في خلق ولادين ولكني اكره الكفر في الاسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتردين عليه حديقته؟ قالت نعم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبل الحديقة وطلقها تطليقة (صحيح بخاری ص ۹۲، ج ۲) وفي رواية النسائي فارسل الى ثابت فقال له خذ الذي لها عليك وخل سبيلها قال نعم (سنن نسائي ص ۹۳، ج ۲ عدة المختلعة) وفي رواية ابی داؤد قال (ثابت بن قيس) ويصلح ذلك يا رسول الله قال نعم (ابوداؤد ص ۲۲۱، ج ۲) وفي رواية الدارقطني والبيهقي ومصنف عبد الرزاق فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم ماله وخل سبيلها فلما بلغ ثابت بن قيس رضي الله تعالى عنه قال قبلت قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم (دارقطني ص ۲۵۵، ج ۲، البيهقي ص ۳۱۲، ج ۲) مصنف عبد الرزاق ص ۵۰۲، ج ۱) قال الدارقطني اسناده صحيح (زاد المعاد ص ۲۳۷، ج ۲) اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ حاکم کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، اگر حاکم کو اختیار ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیوی سے استرجعین علیہ حد یقتہ؟ سے استفہام اور شوہر کو طلق یا خلع سبیلہا نہ فرماتے بلکہ خود نکاح فسخ فرمادیتے، اس استدلال کی تقریر اوپر مذہب حنفی کے تحت امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی جا چکی ہے،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ تراویحی طرفین سے تھا، خلع پر جبر نہ تھا، روایات مذکورہ میں مختلف جملے اس پر شاہد ہیں جیسا کہ بیوی سے استفہام استرجعین علیہ حد یقتہ؟ پھر بیوی کا قول "نعم" اور روایت نسائی میں شوہر کا قول "نعم" اور روایت ابوداؤد میں ویصلح ذلك يا رسول الله اور روایت دارقطني میں قبلت قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم علاوہ ازیں مدعا علیہ کی عدم موجودگی میں قضاء مستقل دلیل ہے کہ یہ جبری قضاء نہ تھی، لعدم جب انقضائے علی الغائب، اس لئے یہ قضاء رضائے مدعی علیہ کے تیقن پر مبنی تھی، روایت مصنف عبد الرزاق کے الفاظ مذکورہ سب روایات سے زیادہ واضح ہیں، فقالت انا ارد انیہ حد یقتہ، قال او تفعلین؟ قالت نعم، فد عازوجہا فقال انما تردين عليك حديقتك، قال او ذلك لي؟ قال نعم، قال فقد قبلت يا رسول الله فقال النبي صلى الله عليه وسلم اذهبا فمئ واحدة ثم نکحت بعد وفاعة

العابدی فضر بها فجاءت عثمان فقالت انا ارح اليه صداقه فدعاها عثمان فقبل الحديث (مصنف عبد الرزاق ص ۲۸۲ ج ۱) اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہوا مرار شاد و اصلاح لا ایجاب، (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۹)

④ قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه اذا اراد النساء الخلع فلا تكفروهن
والسنن الكبرى للبيهقي ص ۳۱۵ ج ۷) اس سے ثابت ہوا کہ خلع طرفین کی رضا پر موقوف ہے، حاکم
کو جبر کا اختیار نہیں، اگر حاکم کو یہ اختیار ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردوں کو یہ ارشاد نہ فرماتے
بلکہ خود ہی جبراً بذریعہ خلع نکاح فسخ کر دیا کرتے، آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ بیوی خلع چاہے تو
اس کا اتمام شوہر کے قبول پر موقوف ہے، اسی لئے آپ نے مردوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ قبول کر لیا کریں،
حکم حکمین:

زوجین میں مصالحت سے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا
حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا، اس سے
متعلق ائمہ تفسیر وفقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تشریحات درج ذیل ہیں:-

قال الامام ابو بكر الجصاص رحمه الله تعالى ويدل ايضا قوله فابعثوا حكما من اهله
وحكما من اهلها على ان الذي من اهله وكيل له والذي من اهلها وكيل لها كانه قال
فابعثوا رجلا من قبله رجلا من قبلها فهذا يدل على بطلان قول من يقول ان للحكمين ان يجعلا
ان شاء او ان شاء افرقا بغیر امر ہمار و بعد اسطر ان الحكمين ينبغي ان يكونا وكيلين
لهما احدهما وكيل المرأة والاخر وكيل الزوج وكذا روى عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى
عنه وروى ابن عيينة عن ايوب عن ابن سيرين عن عبيدة قال اتى عليا رجل
وامرأته مع كل واحد منهما فقام من الناس فقال علي ما شأن هذين قالوا بيننا
شقاق قال فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدوا اصلاحا يوفق الله
بينهما فقال علي تدريان ما عليكما عليكما ان رأيتما ان تجعلا وان رأيتما ان
تفرقا فقالت المرأة رضيت بكتاب الله فقال الرجل اما الفرقه فلا فقال علي كذبت
والله لا تنفلت مني حتى تقر كما اقربت فاخبر علي ان قول الحكمين انما يكون برضا
الزوجين فقال اصحابنا ليس للحكمين ان يفرقا الا ان يرضى الزوج وذلك لانه
لا خلاف ان الزوج لو اقربا لاساءة اليها لم يفرق بينهما ولم يجبره الحاكم على طلاقها

قبل تحكيم الحكيم وكذلك لو اقرت المرأة بالنشوز لم يجبرها الحاكم على خلع ولا على رد مهرها فاذا كان كذلك حكمهما قبل بعث الحكيم فكذلك بعد بعثهما لا يجوز ايقاع الطلاق من جهتهما من غير رضا الزوج وتوكيله ولا اخراج المهر عن ملكها من غير رضاها فلذلك قال اصحابنا انهما لا يجوز خلعهما الا برضى الزوجين فقال اصحابنا ليس للحكيم ان يفرقا الا برضى الزوجين لان الحاكم لا يملك ذلك فكيف يملك الحكمان واذما لمكان وكيلان لهما احدهما وكيل المرأة والاخر وكيل الزوج في الخلع او في التفريق بغير جعل ان كان الزوج قد جعل اليه ذلك (احكام القرآن ص ١٩١ ج ٢) وقال ايضا فكيف يجوز للحكيم ان يوقعا خلعاً او طلاقاً من غير رضاها وقد نص الله على انه لا يحل له اخذ شيء مما اعطى الا بطيبة من نفسها ولا ان تفتدى به فالتأمل بان للحكيم ان يجعلوا بغير توكيل من الزوج مخالفت لنص الكتاب وقال الله تعالى يا ايها الذين امنوا لا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منكم، فمنع كل احد ان يأكل مال غيره الا برضا وقال الله تعالى ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل وتدلوها الى الحكام فاخبر تعالى ان الحاكم وغيره سواء في انه لا يملك اخذ مال احد ودفعه الى غيره وقال النبي صلى الله عليه وسلم لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيبة من نفسه وقال صلى الله تعالى عليه وسلم فمن قضيت له من حق اخيه شيء فانهما اقطع له قطعة من النار فثبت بذلك ان الحاكم لا يملك اخذ مالها ودفعه الى زوجها ولا يملك ايقاع طلاق على الزوج بغير توكيله ولا رضاه وهذا حكم الكتاب والسنة واجماع الامة في انه لا يجوز للحاكم في غير ذلك من الحقوق اسقاطه ونقله عنه الى غيره من غير رضا من هو له (احكام القرآن ص ١٩٢ ج ٢) وقال ايضا فاذا جعل كل واحد منهما الى الحكم الذي من قبله ماله من التفريق والخلع كانا مع ما ذكرنا من امرهما وكيلين جائز لهما ان يخلعا ان رأيا وان يجمعا ان رأيا ذلك صلاحاً فلهما في حال شاهدان وفي حال مصلحان وفي حال امران بمعروف وناهيان عن منكر وتوكيلان في حال اذا فرض اليهما الجمع والتفريق واما قول من قال انهما يفرقان ويخلعان من غير توكيل من الزوجين فهو تعسف خارج عن حكم الكتاب والسنة والله اعلم بالصواب (احكام القرآن ص ١٩٣ ج ٢)

وقال الامام ابو جعفر الطحاوى رحمه الله تعالى وليس للحكمين في الشقاق ان يفرقا الا ان يجعل ذلك اليهما الزوج (مختصر الطحاوى ص ١٩١)

وقال الامام مالك رحمه الله تعالى وذلك احسن ما سمعت من اهل العلم ان الحكمين يجوز قولهما بين الرجل وامرأته في الفرقة والاجتماع (موطأ مالك ص ٥٢)

وقال العلامة ابن رشد رحمه الله تعالى اتفق العلماء على جواز بعث الحكمين اذا وقع التشاجر بين الزوجين وجمعت احوالهما في التشاجر اعني المحق من البطل لقوله تعالى (وان خفتن شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها) الآية، واجمعوا على ان الحكمين لا يكونان الا من اهل الزوجين، احدهما من قبل الزوج، والاخر من قبل المرأة الا ان لا يوجد في اهلها من يصلح لذلك فيرسل من غيرهما واجمعوا على ان الحكمين اذا اختلفا لم ينفذ قولهما، واجمعوا على ان قولهما في الجمع بينهما نافذ بغير توكيل من الزوجين واختلفوا في تفريق الحكمين بينهما اذا اتفقا على ذلك هل يحتاج الى اذن من الزوج، او لا يحتاج الى ذلك فقال مالك واصابعه رحمهم الله تعالى يجوز قولهما في الفرقة والاجتماع بغير توكيل الزوجين ولا اذن منهما في ذلك، وقال الشافعي وابو حنيفة واصحابهما رحمهم الله تعالى ليس لهما ان يفرقا الا ان يجعل الزوج اليهما التفريق، وحجة مالك رحمه الله تعالى ما رواه من ذلك عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه انه قال في الحكمين اليهما التفرقة بين الزوجين والجمع وحجة الشافعي وابي حنيفة رحمهما الله تعالى ان الاصل ان الطلاق ليس بيد احد سوى الزوج او من يوكله الزوج (الى قوله)، واختلف اصحاب مالك رحمهم الله تعالى في الحكمين يطلقان ثلاثا، فقال ابن القاسم تكون واحدة، قال اشهب والمغيرة تكون ثلاثا ان طلقاها ثلاثا فالاصل ان الطلاق بيد الرجل الا ان يقوم دليل على غير ذلك وقد احتج الشافعي وابو حنيفة رحمهما الله تعالى بما روى في حديث علي رضي الله تعالى عنه هذا انه قال للحكمين هل تدريان ما عليكما ان رأيكما ان تجمعا جمعتهما وان رأيكما ان تفرقا ففرقتهما، فقالت المرأة رضييت بكتاب الله وبما فيه لي وعلى فقال الرجل اما الفرقة فلا فقال علي رضي الله تعالى عنه لا والله لا تنقلب حتى تقر بمثل ما اقرت به المرأة، قال فاعتبر في ذلك اذنه، ومالك رحمه الله تعالى يشبه الحكمين

بالسلطان والسلطان يطلق بالضرر عند ذلك اذ تبين (بداية المجتهد من ج ١٢)
وقال العلامة الباجي رحمه الله تعالى ومن صفة الحكمين التي هي شرط في
صحة كونها حكمين الاسلام والبلوغ والحرية والذكورة فان عدم شيء من ذلك
لم يجز تحكيمهما برضا الزوجين ولا بيعته السلطان قاله مالك رحمه الله تعالى
وكذلك العدالة ولهما صفات اخرى من صفة كمالهما ان يكونا من اهلها وان
يكونا فقيهين، فقد قال ابن القاسم ان جعل ذلك الزوجان ووليا اليتيمين الى من
لا يجوز ان يكون حكمهما لم يجز لان ذلك من باب القدر

ولو جعل الزوجان ذلك الى رجل واحد جاز اذا كان من اهل الحكم قاله
ابن القاسم في المدونة قال القاضي ابراهيم بن الوليد رضي الله تعالى عنه ووجه ذلك
عندي ان يكون من جهة الزوجين لان الحق في ذلك لا يخرج عنهما ولا يجوز
للسلطان ولا لولي اليتيم لان ذلك اسقاطا لحق الزوجين ولا يجوز ذلك في
جزاء الصيد لانه حق الله تعالى ولم يأمر فيه الا بحكمين،

وسبب تحكيم الحكمين ان يفتح ما بين الزوجين ويظهر الشقاق بينهما، قال القاضي
ابو محمد اعلم ان كان ذلك من احدهما امر يازالته وان جعل ذلك بعث الحاكم حكمين
وسواء بنى بها الزوج او لم يبن بها قاله ابن المراز لان التقابح قد يقع بينهما قبل البناء،
واذا نزع احد الزوجين او نزع جميعا قبل حكم الحكمين فلا يخلو ان يبعث الحكمين
السلطان او غيره فان بعثهما السلطان لم يكن لهما نزوع لان تحكيمهما
حكم من السلطان فليس لهما نقضه فان بعثهما غير السلطان جاز لهما النزوع ما لم يستوعب
الكشف عن امرهما فلا نزوع لواحد منهما ويلزم حكمهما قاله ابن المراز وجه ذلك ما لا يخفى
به من ان رجلين لو حكما بينهما رجلا فلما ظهر وجه الحق وعلم احدهما انه محكوم عليه
واراد النزوع لم يكن له ذلك،

وما يحكم به الحكمان فعلى وجه الحكم لا على وجه الوكالة والنيابة فينفذ
حكمهما وان خالف من ذهب الحاكم الذي انفذ سواء جمعا او فرقا وبه قال النخعي
والشافعي وغيرهم رحمهم الله تعالى خلافا لابي حنيفة رحمه الله تعالى واحد قولي الشافعي
انهما ان جمعا جاز ذلك وان فرقا لم يلزم ذلك الزوج والدليل على ذلك قوله تعالى

فابعدوا حكماً من أهله وحكماً من أهلها فسيماها حكيم والحكم لا يحتاج فيهما
يوقعه من الطلاق إلى أذن الزوج كالوإلى،

ومن حكم الحكمين أن يكونا فقيهين ليعلمهما واقع الحق ليحكمابه ويكون
أحدهما من أهله والثاني من أهلها لأن الأهل أعلم بباطن أمرهما وأعرف بوجوده
منافعهما ويكونان عدلين ليؤمن جورهما فإن لم يكن من أهلها من هذه الصفة
جاز أن يكونا اجنبيين والله أعلم (المنتقى شرح موطأ مالك ص ١١٣، ١١٤ ج ٢)

وقال العلامة الخرخشي رحمه الله تعالى (ص) من أهلها أن أمكن (ش) أي
ويشترط وجوباً كون الحكمين من أهل الزوجين مع الإمكان ولا يجوز للحاكم
أن يبعث اجنبيين مع وجود الأهل ولو واحداً أو هل ينتقض الحكم إذا بعث
القاضي اجنبيين مع وجودهما من أهل أم لا ترد في ذلك اللغوي، قال في
التوضيح ظاهر الآية أن كونهما من الأهلين مع الوجدان واجب شرطاً فلا يمكن
إقامة الأهل من أحد الزوجين دون الآخر فهل يتعين كونهما اجنبيين أو
يقااً الذي من الأهل واجنبي من الجانب الآخر على الأول ابن الحاجب وعلى الثاني
اللغوي وهو موافق لكلام المؤلف لأن مفهوم أن أمكن عدم الإمكان من الجانبين
أو أحدهما، (الخرشي على مختصر خليل ص ٨ ج ٢)

وقال العلامة الدسوقي رحمه الله تعالى (قوله تردد) أي تحير اللغوي
والظاهر نقض الحكم لأن ظاهر الآية أن كونهما من أهلها مع الوجدان واجب
شرطاً كما في التوضيح ولا يقال أن ظاهر المصنف عدم البطلان حيث لم يعد ذلك من
مبطلات حكمها الآتية لأننا نقول المصنف لم يعد حصر البطلان في الأمور الآتية
فحكمه بالبطلان بها لا ينافي البطلان بغيرها كما إذا كانا اجنبيين مع وجود الأهل
(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ص ٢٢٢ ج ٢)

وقال العلامة الصاوي رحمه الله تعالى (فإن لم يمكن فاجنبيين) فإن بعث
اجنبيين مع الإمكان ففي نقض حكمهما تردد والظاهر نقضه لأن ظاهر الآية أن
كونهما من أهلها واجب شرطاً كما في التوضيح (حاشية الصاوي على شرح
الدرديري ص ٥١٣ ج ٢)

وقال الامام الشافعي رحمه الله تعالى وليس لها ان يأمرهما يفترقان ان رأيا
الابا من الزوج ولا يعطيا من مال المرأة الا باذنها قال فان اُصطلح الزوجان والا كان
على الحاكم ان يحكم لكل واحد منهما على صاحبه بما يلزمه من حق في نفس ومال واذ
قال وذلك ان الله عز وجل انما ذكر انهما ان يريد اصلاحا يوفق الله بينهما ولم
يذكر تفريقا قال واختار للامام ان يسأل الزوجين ان يتراضيا بالحكمين ويكلاهما
معافيو كلهما الزوج ان رأيا ان يفرقا بينهما فراقا على ما رأيا من اخذ شيء او غير اخذه
كتاب الام ص ١٩٣ ج ٥ وقال ايضا ولا يجبر الزوجان على توكيلهما ان لم يركلا
كتاب الام ص ١٩٥ ج ٥

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى وقد اجمع العلماء على ان الحكمين لهما
الجمع والتفرقة حتى قال ابراهيم النخعي ان شاء الحكمان ان يفرقا بينهما بطلقة او
بطلقتين او ثلاث فعلا وهو رواية عن مالك وقال الحاكم البصري الحكمان يحكمان
في الجمع لا في التفرقة وكذا قال قتادة وزيد بن اسلم وبيه قال احمد بن حنبل
وابو ثور ودأود وما أخذهم قوله تعالى ان يريد اصلاحا يوفق الله بينهما ولم يذكر
التفريق واما اذا كانا وكيلين من جهة الزوجين فانه ينفذ حكمهما في الجمع والتفرقة
بلا خلاف وقد اختلف الاثمة في الحكمين هل هما منصوبان من جهة الحاكم
فيحكمان وان لم يرض الزوجان او هما وكيلان من جهة الزوجين على قولين و
الجمهور على الاول لقوله تعالى (فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها) فسماهما حكمين
ومن شأن الحكم ان يحكم بغير رضا المحكوم عليه وهذا ظاهر الآية والجديد من مذهب
الشافعي وهو قول ابي حنيفة واصحابه الثاني منهما القول على رضى الله تعالى عنه للزوج
حين قال اما الفرقة قال كذبت حتى تقربا اقرت به قالوا فلو كانا حكمين لهما افتقر
الى اقرار الزوج والله اعلم (تفسير ابن كثير ص ٣٩٣ ج ١)

وقال الامام الفخر الرازي رحمه الله تعالى قال الشافعي رحمه الله تعالى المستحب
ان يبعث الحاكم عدلين ويجعلهما حكمين والا ولى ان يكون واحد من اهله وواحد
من اهلها لان اقاربهما اعرف بحالهما من الاجانب واشد طلبا للصالح فان كانا
اجنبيين جاز (تفسير كبير ص ٩٣ ج ٩)

وقال العلامة ابن قدامة رحمه الله تعالى قال الزوجان اذا وقعت بينهما
العداوة ونحش عليهما ان يخرجهما ذلك الى العصيان بعث الحاكم حكما من اهله و
حكما من اهلها مأمونين برضا الزوجين وتوكيلهما بان يجمعوا اذارأيا ويفرقا فاما
فعلا من ذلك لزمهما وجبلة ذلك ان الزوجين اذا وقع بينهما شقاق نظر الحاكم فان
بان له انه من المرأة فهو نشر قد مضى حكمه وان بان انه من الرجل اسكنهما الى
جانب ثقة يسنعه من الاضرار بها والتعدى عليها، وكذلك ان بان من كل واحد منهما
تعدى او ادعى كل واحد منهما ان الاخر ظلمه اسكنهما الى جانب من يشرف عليهما و
يلزمهما الانصاف، فان لم يتهيأ ذلك وتماذى الشر بينهما وخيف الشقاق عليهما
والعصيان بعث الحاكم حكما من اهله وحكما من اهلها فنظرا بينهما، وفعلا ما يري
المصلحة فيه من جمع او تفريق لقول الله تعالى "وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما
من اهله وحكما من اهلها ان يريد الاصلاحا فوق الله بينهما" واختلف الرواية
عن احمد رحمه الله تعالى في الحكمين ففي احدى الروايتين عنه انهما وكيلان لهما
لا يملكان التفريق لهما الا باذنهما، وهذا مذهب عطاء واحد قولي الشافعي، وحكي ذلك
عن الحسن وابي حنيفة لان البضع حقه والمال حقها وهما مشيدان فلا يجوز لغيرهما
التصرف فيه الا بوكالة منهما او ولاية عليهما، والثانية انهما حاكمان ولهما ان
يفعلا ما يريان من جمع وتفريق بعرض وغير عرض ولا يحتاجان الى توكيل الزوجين
والارضاهما، وروى نحو ذلك عن علي وابن عباس وابي سلمة بن عبد الرحمن والشعبي
والنخعي وسعيد بن جبيرة ومالك والاوزاعي واسحق وابن المنذر لقول الله تعالى
فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها، فسماهما حكيمين ولم يعتبر برضا الزوجين
ثم قال (ان يريد الاصلاحا) فخطب الحكمين بذلك وروى ابو بكر باسناده عن
عبيدة السلماني ان رجلا وامراة اتيا عليا رضي الله تعالى عنه مع كل واحد منهما ثئام من
الناس فقال علي رضي الله تعالى عنه ابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها، فبعثوا
حكيمين ثم قال علي رضي الله تعالى عنه للحكيم هل تدريان ما عليكما من الحق
عليكما من الحق ان رأيتهما ان تجعلا جمعتهما وان رأيتهما ان تفرقا ففرقتهما، فقالت
المرأة رضيت بكتاب الله علي ولي، فقال الرجل، اما الفرقة، فقال علي رضي الله تعالى

عنه كذبت حتى ترصني بمراضيت به وهن ايدل على انه اجبره على ذلك، ويروى ان عقيلاً تزوج فاطمة بنت عتبة فتخاصما فجمعت ثيابها ومضت الى عثمان رضى الله تعالى عنه فبعث حكما من اهله عبد الله بن عباس رضى الله تعالى عنهما وحكما من اهلها معاوية رضى الله تعالى عنه، فقال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما لا فرق بينهما وقال معاوية رضى الله تعالى عنه ما كنت لا فرق بين شيخين من بنى عبد مناف فلما بلغا الباب كانا قد اغلقا الباب واصطاحا، ولا يستمع ان تثبت الولاية على الرشيد عند امتناعه من اداء الحق كما يقضى الدين عنه من ماله اذا امتنع ويطلق الحاكم على المولى اذا امتنع (المغنى ص ۳۲۰ ج ۷) وقال ايضا والاولى ان يكونا من اهلها الامر الله تعالى بذلك ولا نهما اشفق واعلم بالحال فان كانا من غير اهلها جاز لان القرابة ليست شرطاً في الحكم ولا الوكالة فكان الامر بذلك ارشاداً واستحباباً (المغنى ص ۳۲۱ ج ۷) وقال الحافظ ابن القيم رحمه الله تعالى وقد اختلف السلف والخلف في الحكمين هل هما حاکمان او وكيلان على قولين احدهما انهما وكيلان وهو قول ابى حنيفة رحمه الله تعالى والشافعي رحمه الله تعالى في قول واحمد رحمه الله تعالى في رواية والثاني انهما حاکمان وهذا قول اهل المدينة ومالك رحمه الله تعالى واحمد رحمه الله تعالى في الرواية الاخرى والشافعي رحمه الله تعالى في القول الآخر (براد المعاد ص ۲۳۳ ج ۲) وقال العلامة ابن حزم رحمه الله تعالى ليس في الآية ولا في شيء من السنن ان الحكمين ان يفرقا ولا ان ذلك للحاكم (المحلى ص ۸۸ ج ۱۰)

ان تشریحات سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور اہل ظاہر رحمہم اللہ تعالیٰ سب اس پر متفق ہیں کہ زوجین میں تفریق بلا عوض یا خلع کے لئے ان کو توکیل حکمین پر مجبور کرنا، یا حکمین کو ان پر جبراً مسلط کرنا جائز نہیں، حکمین نے زوجین کی رضا کے بغیر خلع کا فیصلہ کر دیا، یا بدون رضائے زوج تفریق بلا عوض کر دی تو ان کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا، خلع میں رضائے زوجین ضروری ہے اور تفریق بلا عوض میں صرف رضائے زوج شرط ہے،

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول اول میں حکمین کو تفریق کا اختیار ہے، مگر آخری قول یہی ہے کہ اختیار تفریق نہیں، یہی قول ان کا مختار ہے، چنانچہ انھوں نے خود ”کتاب الام“ میں صرف یہی قول تحریر فرمایا ہے،

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے دونوں روایتیں ہیں، المغنی میں علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے اختیارِ فسخ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، مگر متن میں رضائے زوجین کی شرط تحریر ہے، اصولِ ترجیح کے مطابق روایتِ متن راجح ہے،

صرف امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے قائل ہیں کہ حاکم کی طرف سے متعین حکمین کو بدون رضائے زوجین بھی خلع یا تفریق بلا عوض کا اختیار ہے، البتہ زوجین نے خود حکمین کو وکیل بنایا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کا جرم واضح و ثابت ہو جانے کے بعد اس کو فسخ تو کیل کا اختیار نہیں، بلکہ حکمین کا فیصلہ واجب القبول ہوگا، البتہ وضوحِ حق سے قبل نجابت کو فسخ تو کیل کا اختیار ہے،

مذہبِ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں حکمین کے حکم خلع یا تفریق بلا عوض کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:-

① حکمین میں سے ایک کا اہل زوج سے ہونا اور دوسرے کا اہل زوجہ سے ہونا، البتہ ان کے اہل میں ایسے افراد نہ ہوں تو اجانب بھی ہو سکتے ہیں، امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ امر استحبابی ہے، لازم نہیں، مگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں واجب ہے، البتہ اس کی شرطیت میں مالکیہ میں اختلاف ہے، علامہ باجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المنتقى شرح الموطا میں اس کو صفاتِ کمال میں شمار فرمایا ہے، اس سے نفی وجوب مراد نہیں بلکہ نفی شرطیت مقصود ہے، جیسا کہ پوری عبارت سے واضح ہے، اور آگے فان لم یکن من اہلہما من ہذا صفتہ جازان ینکون اجنبیین میں وجوب کی تصریح ہے، غرضیکہ عند المالکیہ وجوب متفق علیہ ہے کما ترجمہ العلامة ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ، البتہ عند بعض شرط نہیں، اکثر شرطیت کے قائل ہیں وہو الصحیح،

اگر زوجین کسی فرد واحد کی تحکیم پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے، مگر حاکم کی طرف سے فرد واحد کی تحکیم جائز نہیں، تعدد شرط ہے،

② فیصلہ پر حکمین دونوں متفق ہوں،

③ ضرورتِ شدیدہ ہو مثلاً باہمی نزاع و شقاق کا فتنہ بہت خطرناک صورت اختیار کر گیا ہو، اور حکمین کی طرف سے ان کو فہمائش اور ذرائعِ حکومت سے رفعِ ظلم کی ہر ممکن کوشش، اس مقصد کے لئے اُن پر کسی نگران کی تعین وغیرہ سب تدابیر ناکام ہو گئی ہوں، شوہر کی صورت یا سیرت کی وجہ سے بیوی

کو نفرت، یا شوہر کی مار پٹائی وغیرہ کی بناء پر حکم تفریق جائز نہیں
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، علاوہ
ازیں بیوی کو ان کی شکل و صورت سے بھی بے حد نفرت تھی، اس کے باوجود ان کے قصہ سے متعلق
علامہ باجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقولہا لا انا ولا ثابت بن قیس، ظاہرہ الامتناع منہ و
حکمہ حکم النشوز وتجبر علی الرجوع الیہ ان لم یرد فرا قہا بخلع او غیرہ، زالمنتقی شرح
موطأ مالك ص ۲۶۱ ج ۲)

ہاتھ ٹوٹنے کی روایات ابوداؤد ص ۲۲۱ ج ۲، نسائی ص ۹۳ ج ۲، مصنف عبدالرزاق
ص ۲۸۲ ج ۱ میں اور شکل و صورت سے متعلق روایات سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸، مصنف عبدالرزاق
ص ۲۸۳ ج ۱ میں ہیں، وقال الحافظ رحمه الله تعالى (قوله في خلق ولادين) بضم الخاء
المعجمة واللام ويجوز اسكانها اي لا اريد مفارقتها لسوء خلقه ولا لتفصلن دينه،
زاد في رواية ايوب المذكورة ولكن لا اطيقه كذا فيه ام ينكر مميزات الطائفة
وبينه الاسماعيلي في روايته ثم اليه في بلفظ لا اطيقه بغضا وهذا ظاهري انه لم يصح
بها شيئا يقتضي الشكوى منه بسببه لكن تقدم من رواية النسائي انه كسر يد ها فيحمل
على انها ارادت انه شيء الخلق لكنها ما تعيبه بذلك بل بشيء اخر وكذا وقع في قصة
حبيرة بنت سهل عند ابی داؤد انه ضربها فكسر بعضها لكن لم تشك واحدة منها بسبب
ذلك بل وقع التصريح بسبب اخر وهو انه كان دميم الخلقه ففي حديث عمرو بن شعيب
عن ابيه عن جده عند ابن ماجه كانت حبيرة بنت سهل عند ثابت بن قيس وكان
رجلا دميما فقالت والله لولا مخافة الله اذ ادخل على لبصقت في وجهه واخرج عبد الرزاق
عن معمر قال بلغني انها قالت يا رسول الله بي من الجمال ما ترى وثابت رجل دميم
وفي رواية معمر بن سليمان عن فضيل عن ابی جرير عن عكرمة عن ابن عباس اول
خلع كان في الاسلام امرأة ثابت بن قيس اتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت
يا رسول الله لا يجتمع رأسي ورأس ثابت ابد الا اني رفعت جانب الخباء فرأيت
اقبل في عدة فاذا هو اشد هم سوادا واقصر هم قامة واقبحهم وجهاف قال
انتردين عليه حديقته قالت نعم وان شاء زدت فرق بينهما،

(فتح الباری ص ۳۵۰ ج ۹)

تنبیہات؛

① حکم تفریق کے لئے بیوی کی طرف سے طلب یا رضا شرط نہیں، جس طرح رضائے زوج ضروری نہیں، اسی طرح رضائے زوجہ بھی ضروری نہیں، اگر حکمین کی نظر میں بدون تفریق رفع فساد کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ بدون رضائے زوجین تفریق کر سکتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ تفریق بیوی کا حق نہیں بلکہ رفع فتنہ و فساد کی ایک صورت ہے، لہذا مفتون نسواں کا اس کو حقوق نسواں میں داخل کرنا سراسر جہالت ہے،

② حاکم کو بذاتِ خود بلا نصب حکمین یہ اختیار نہیں، علامہ ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ومالك يشبه الحكيم بالسلطان والسلطان يطلق بالضرر عند ذلك اذ تبين، کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاکم کو بھی یہ اختیار ہے، مگر درحقیقت یہاں تفصیل حکم کا بیان نہیں بلکہ ماخذ حکم کا بیان ہے، جس کے لئے علت میں اشتراک کافی ہے، جو یہاں تبیین ضرر ہے، زوجہ مفقود و محسور وغیرہ کے ضرر کا تبیین حاکم کو بلا نصب حکمین بھی ہو سکتا ہے مگر ضرر نزاع و شقاق کا تبیین بدون نصب حکمین نہیں ہو سکتا، اگر دفع ضرر نزاع و شقاق کے لئے بلا نصب حکمین حاکم کو اختیار تفریق ہوتا تو نصب حکمین، پھر ان کی قیود و شرائط کے تکلفات و طولِ عمل کی کیا ضرورت تھی؟ ذرا ان تکلفات کی تفصیل پر نظر ڈالیں،

① نصب حکمین،

② عدد حکمین،

③ ان کا اقارب زوجین سے ہونا،

④ ایک کا اہل زوج سے ہونا اور دوسرے کا اہل زوجہ سے،

⑤ ان میں شرائطِ حاکم کا وجود،

⑥ حکم تفریق سے قبل دفع ضرر کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنا، حتیٰ کہ اس مقصد کے لئے زوجین کو

کسی نگران کے پاس رہنے کا حکم کرنا،

⑦ حکم تفریق پر حکمین کا اتفاق،

ظاہر ہے کہ ان سب تکلفات کا تحمل صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ بدون اس کے ضرر شقاق کا

تبیین و تحقق نہیں ہو سکتا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا شوہر کو تو کیل حکمین پر مجبور کرنا بھی اس پر

دلیل ہے، ورنہ وہ خود اپنی تو کیل کا حکم فرماتے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۱ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ

باب الظہار

تجھے طلاق، تو میری ماں بہن جیسی ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تجھے طلاق تو میرے لئے ماں بہن جیسی ہے“ اس عورت کو کتنی طلاقیں ہوتیں؟ لفظ ”مجھ پر“ اور ”میرے لئے“ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا فوجہا
الجواب : منہ الصدق والصواب

”تو میرے لئے ماں بہن جیسی ہے“ یہ جملہ ظہار کے لئے صریح نہیں، بلکہ کنایہ ہے، سو اس میں تین احتمال ہیں :

① کرامت ② ظہار ③ طلاق

قال فی شرح التنویر وان نوبی بانت علی مثل امی او کامی وکذا الوحذوف علی خانیة بتر او ظہار او طلاق اصحت نیتہ ووقع ما نواه لانه کنایة والا یزنی شیئا وحذوف الکاف لغاوتعین الادنی امی البریعین الکرامة (الی قولہ) وبانت علی حرام کظہرامی ثبت الظہار لا غیر لانه صریح، وفي النامية (رقولہ وان نوبی) بیان لکنایات الظہار و اشار الی ان صریحہ لا بد فیہ من ذکر العضو بحر (رقولہ لانه کنایة) ای من کنایات الظہار والطلاق قال فی البحر واذ انوی به الطلاق کان بائنا کلفظة الحرام، وایضا فیہا قبل ما مر بورقة (رقولہ کانت علی) قال فی البحر ومنی وعندی رمعی کعلی (رد المحتار ج ۲)

غرضیکہ اس جملہ میں فی نفسہ تین احتمال ہیں، مگر صورت سوال میں مذکور طلاق کی وجہ سے طلاق بائن متعین ہے، عورت اگر مدخول پہا ہے تو رد طلاق بائن ہوں گی، البتہ غیر مدخول پہا کو صرف پہلی طلاق، دگی، اور اس کے لئے یہی بات ہے،

لفظ ”میرے لئے“ اگرچہ بظاہر کرامت اور محبت پر دلالت کرتا ہے مگر مذکور طلاق کے وقت

اسے کرامت پر محمول نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں لفظ "عندی" عظمت کے لئے متبادر ہے، حرمت کے لئے مستعمل نہیں، ایسے ہی لفظ "مئی" اور "مئی" بھی اس کے باوجود شامیہ میں ان سب کو "علیٰ" جیسا اقرار دیا ہے، غرضیکہ مذکرہ طلاق کے وقت یہ الفاظ طلاق ہی کے لئے متعین ہیں، کوئی اور احتمال ان میں نہیں لیا جاسکتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ صفر ۱۳۴۲ھ

بیوی کو ماں بہن کہنا :

سوال : اگرچہ تمام مشرور و متون میں صراحتہً مذکور و مشرح ہو کہ اپنی بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے کسی قسم کی طلاق نہیں ہوتی اگرچہ ایسا کہنا مکروہ ہے، مگر یہ قاعدہ بھی مسلم ہے کہ طلاق کا مدار عرت پر ہو، ہمارے بلوچستان میں بالخصوص ہمارے اطراف میں طلاق کے لئے یہ الفاظ اس قدر استعمال کرتے ہیں کہ صریح الفاظ طلاق بھی اتنا استعمال نہیں کرتے، قاعدہ مسلمہ کی بنا پر شبہ ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں اس علاقہ میں ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتے گی؟ متون و مشرح میں مذکور حکم اس زمانہ اور ان دیار سے متعلق ہے جہاں یہ لفظ طلاق کیلئے معروف نہ ہو، اس بارہ میں اپنی رائے صائبہ ممنون فرمائیں؟ بینوا و تجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ الفاظ بحکم عرت صرف طلاق کے لئے متعین ہیں، اس لئے ان سے طلاق کی نیت نہ ہو جب بھی ایک طلاق صریح بائن واقع ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

(اس کی تفصیل کتاب الطلاق میں ہے، بعنوان "بیوی کو ماں کہنا" مرتبہ)

تمہیں لکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں، اس کا کیا حکم ہے؟ عالمگیر یہ میں ہے لو قال ان وطئتک وطئت اخی فلاشیء علیہ، اس سے معلوم ہوتا ہو کہ ان الفاظ سے طلاق یا ظہار کچھ بھی نہیں ہوتا، آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا و تجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عالمگیر یہ میں اس کو ظہار اس لئے نہیں قرار دیا کہ اس میں حرف تشبیہ صراحتہً نہیں، مگر اب

یہ الفاظ عرف عام میں صرف طلاق ہی کے لئے مستعمل ہیں، اس لئے ایک طلاق صریح بائن ہو گئی، اگرچہ طلاق

۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

کی نیت نہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

(اس کی تفصیل کتاب الطلاق میں ہے بعنوان "بیوی کو ماں کہنا" مرتبہ)

باب خيار الفسخ

خيار بلوغ کے مسائل ”باب دلایۃ النکاح و المال“ میں ہیں، اس ”باب خيار الفسخ“ میں وہ مسائل ہیں جن میں کسی عذر کی وجہ سے عورت کو قاضی سے نکاح فسخ کرا لے کا اختیار ہے، اس باب سے متعلق مسائل کی اہمیت کے پیش نظر ان کو مستقل رسالہ ”الانصاح عن خيار فسخ النکاح“ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، (مرتب)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
هُوَ أَحَبُّكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ وَالْقَدْرُ

الانصاح

عَنْ

خيار فسخ النکاح

اس رسالہ میں مفقود، مجنون، عینین، متعنت،
مُعسر، وغیرہ کی بیویوں کے لئے نکاح سے خلاصی
حاصل کرنے کی صورتیں تفصیل سے بیان
کی گئی ہیں،



الافصال عن خيار فسخ النكاح

اشارتہ :-

- حکم زوجہ عنین
- زوجہ عنین کے سکوت سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا
- حکم زوجہ محبوب
- حکم زوجہ متعنت
- حکم زوجہ معسر
- حکم غائب غیر مفقود
- سوال مشل بالا
- شوہر ایام انقلاب میں گم ہو گیا
- حکم زوجہ مفقود
- زوجہ مفقود سے متعلق ترمیم
- شوہر بحری سفر میں گم ہو گیا
- مجنون نفقہ پر قادر نہ ہو تو صورت تفریق
- حکم زوجہ مجنون



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حکم زوجہ عین:

سوال: زید نے ہندہ کے ساتھ شادی کی اور ہندہ نے شادی کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اظہار کیا کہ میرا شوہر نامرد ہے، اور اپنے باپ کے گھر چلی گئی، زید کے باپ نے ایک عالم کی طرف رجوع کیا، انھوں نے ہندہ کو شوہر کے سپرد کیا، اور زید کو علاج کے لئے ایک سال کی ہملت دی، سال گزر گیا مگر عورت کو وہی شکایت رہی، پھر اپنے باپ کے گھر چلی گئی، پھر دوسرے عالم کے پاس خود زید نے ہندہ کا مطالبہ کیا، اس پر انھوں نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ ہندہ کو فی الحال زید کے پاس واپس کرو، اور صبر کرو انشاء اللہ تعالیٰ چند ہی دنوں میں تسلی بخش تحریری صورت میں شرعی فیصلہ دینگا، اس پر انھوں نے اپنی بیٹی ہندہ کو زید کے سپرد کیا، لیکن چند دنوں کے بجائے چھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اب تک وہ عالم صاحب فیصلہ نہ دے سکے، اور ہندہ برابر چیختی اور پکارتی رہی ہے اور زید انکار کرتا رہا اور کہتا رہا کہ یہ بھوٹی ہے، میں مرد ہوں، باوجود اس عوامی کے وہ علاج بھی ظاہر ظہور کرتا رہا، لیکن ہندہ شکایت کرتی رہی، اور اس کا تارہا کہتا رہا کہ صبر کرو مولوی صاحب شرعی فیصلہ ملے گا تو پھر میں اپنے پاس لے جاؤں گا، آخر ہندہ تنگ ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی، ایک سال کا عرصہ اپنی باپ کے گھر رہ چکی ہے، مگر اس درمیان میں خود زید نے اپنی طرف سے ہندہ کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی، مگر لوگوں کے شرمانے پر ایک مرتبہ معمولی مطالبہ کیا تو اس کو کہا گیا کہ تو نامرد ہے، وہ تیرے پاس رہنا نہیں چاہتی، اور ہندہ کہتی ہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ خود بخود اپنی زندگی کو اس کے گھر میں ضائع کروں، چھ سال کا عرصہ تو اس کے گھر میں ضائع کر چکی ہوں، تمام زندگی تو اس کے گھر میں ضائع نہ کروں گی، زید کو بعض مخالف لوگ ابھار رہے ہیں کہ تو نکاح نہ چھوڑ، اس پر وہ اپنی نامردی کا اقرار بھی نہیں کرتا، اور ہندہ کی جان بھی نہیں چھوڑتی، وہ مرد رہی ہے، پیٹ رہی ہے، زید اور ہندہ دونوں کے رشتہ داروں کا اندازہ ہے کہ واقعی زید نامرد ہے، اب اس عورت کی گلو خلاصی کی شرع شریف میں کیا صورت ہے؟ بینوا تو جورا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عورت اپنا معاملہ حاکم کی عدالت میں پیش کرے، حاکم اول خاوند سے دریافت کرے اگر وہ اقرار کرے کہ وہ ایک دفعہ بھی ہمبستری پر قادر نہیں ہوا تو اسے حاکم علاج کے لئے ایک سال شمسی کی مہلت دے، اور اگر خاوند ہمبستری کا مدعی ہو تو دیکھا جائے گا کہ عورت بکارت کا دعویٰ کرتی ہو یا نہیں؟ اگر بکارت کا دعویٰ نہیں کرتی تو مرد سے حلف لیا جائے گا، اگر اس نے قسم اٹھائی تو عورت کو تفریق کا حق نہ رہے گا، اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کر دیا تو اسے بغرض علاج ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اور اگر عورت بکارت کی مدعیہ ہے تو حاکم تجربہ کار اور معتبر عورت سے اس کا معاینہ کرائے، حاکم کی بجائی پچایت فیصلہ کرے تو دو عورتوں کا معاینہ ضروری ہے، اگر معاینہ سے ثابت ہو کہ باکرہ نہیں تو شوہر سے جماع پر حلف لیا جائے، قسم اٹھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور عورت کو حق تفریق نہ ہوگا، اور اگر شوہر حلف سے انکار کرے تو ایک سال کی مہلت برائے علاج دی جائے گی، اور اگر معاینہ سے بکارت ثابت ہوئی تو قاضی بدون حلف لئے شوہر کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیگا اگر اس مدت میں ایک مرتبہ شوہر ہمبستری پر قادر ہو گیا تو عورت کو حق نسخ نہ رہے گا، اور اگر ایک مرتبہ بھی قادر نہ ہو سکا تو ایک سال کے بعد عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے اگر شوہر نے عدم قدرت کا اقرار کر لیا تو عورت کو قاضی اختیار دیدے، اس پر اگر عورت اسی مجلس میں علیحدگی کا مطالبہ کرے تو شوہر سے طلاق دلوا دی جائے، اگر وہ طلاق سے انکار کرے تو قاضی خود تفریق کر دے، اور خاوند مدعی جماع ہو تو اگر عورت کا بوقت مہلت ثبیہ ہونا ثابت ہو چکا تھا، یا اب زوال بکارت کا اقرار کر لے مگر ہمبستری کا انکار کرے تو خاوند سے حلف لیا جائے گا وہ حلف کرے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور تفریق نہ کی جائے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کر دیا تو عورت کو حق فرقت ہوگا،

اور اگر بوقت مہلت معاینہ سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور دوبارہ معاینہ میں بھی باکرہ ہی ثابت ہوئی تو بدون کسی حلف لئے عورت کو تفریق کا اختیار دیا جائے گا، پس اگر عورت نے اسی مجلس میں کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے الگ ہونا چاہتی ہوں، تو حاکم اس کے شوہر کو طلاق کا حکم دے، اگر وہ انکار کرے تو قاضی خود تفریق کر دے یہ تفریق شرعاً طلاق بائن کے حکم میں ہوگی،

شوہر پر پورا ہر واجب ہوگا، اور عورت پر عہدیت واجب ہوگی،

شرائط تفريق

- ① نکاح سے قبل عورت کو شوہر کے عنین ہونے کا علم نہ ہو،
 - ② نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی ہمبستری پر قدرت نہ ہوئی ہو،
 - ③ جب سے عورت کو عنین ہونے کا علم ہوا عورت نے اس وقت سے ایک مرتبہ بھی رضا کی تصریح نہ کی ہو، مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ میں بہر حال اس کے ساتھ رہوں گی، محض سکوت سے رضائے سمجھی جائے گی،
 - ④ سال گزرنے کے بعد جب قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے، اگر قاضی اٹھ گیا یا عورت اٹھ گئی یا اور کوئی بات کرنے لگی یا کسی اور کام میں مشغول ہو گئی تو اسے اختیار نہ رہے گا،
 - ⑤ شوہر کو ایک سال گزرنے کی مہلت دینا دیگر جملہ امور جن کی تفصیل اور پرگزری حکم حاکم کے محتاج ہیں، بدون حکم حاکم تفریق کا کوئی اختیار نہیں،
- تنبیہ: اگر خصی کا آلہ تناسل منتشر نہ ہوتا، تو وہ بحکم عنین ہے، البتہ آلہ تناسل قطع کر دیا گیا ہو، یا خلقہ بہت ہی چھوٹا یعنی کالعدم ہو تو یہ بمنزلہ محبوب ہے، لہذا حاکم فوراً نکاح فسخ کر دیگا، علاج کے لئے مہلت کی ضرورت نہیں،

قاعدہ: مفقود اور غائب کی بیوی کو ایک بار ہمبستری کے بعد بھی خشیت زنا کی بنا پر خیار تفریق ہی مگر عنین کی بیوی کو نہیں، وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنین کی بیوی پر اس کی نگرانی کی وجہ سے اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جس امر کی حقیقت میں خفا ہو اس کے اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیا جاتا ہے، لہذا عنین کا قیام مع الزوج ہی بمنزلہ وطء ہی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جاری الادنیٰ ۸۶ھ

زوجہ عنین کے سکوت سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا؛

سوال: زوجہ عنین نے اگر اس کے ساتھ رہنے پر رضا کا اظہار نہ کیا مگر کچھ مدت سکوت اختیار کیا تو اسے فسخ نکاح کے دعویٰ کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا وجرور،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت جب تک زبان سے صراحتہ رضا کا اظہار نہ کرے اس وقت تک وہ فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے، سکوت سے حق فسخ ساقط نہیں ہوتا، خواہ کتنی ہی طویل مدت تک شوہر کے پاس رہے، اور اس کے ساتھ بیوی کی طرح لیٹے اور بوس و کنار کا معاملہ رکھے، بلکہ اگر ایک بار فسخ نکاح کا دعویٰ

کرنے کے بعد چھوڑ دیا مگر زبان سے صراحۃً رضا ظاہر نہیں کی، تو بھی اس کا حق باطل نہیں ہوا، دوبارہ دعویٰ کر سکتی ہے، قال فی شرح التتویر دھوای ہذا الخیار علی التواخی لا الفور فلو وجد عیناً او مجبوراً ولم تغاصم زماناً لم یبطل حقها وکذا لو خاصمتہ ثم ترکت مدۃ فلها المطالبۃ ولو ضاجعتہ تلك الایام خانیۃ کما لو رفعتہ الی قاض فاجله سنة ومضت السنة ولم تغاصمہ زماناً یلغی وفي الثانیۃ قوله لم یبطل حقها ای ما لم تقل رضیت بالمقام معہ کذا قیدہ فی التتارخانیۃ عن المعیط ہنا وفي قوله الا تی کما لو رفعتہ الخ رد المحتار ص ۶۲، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ

حکم زوجہ محبوب :

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ ایک شخص اپنا آلہ تناسل قطع کر کے بیچڑوں کے ساتھ شامل ہو گیا، اب اس کی بیوی کے لئے اس نکاح سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ یہ شخص طلاق بھی نہیں دیتا، بینوا تو جبروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس کی بیوی حاکم مسلم کے پاس دعویٰ پیش کرے، اس پر حاکم مسلم اس شخص کو طلب کر کے اس کی تحقیق کر دے، اگر حاکم کے پاس شوہر خود اقرار کر لے کہ اس نے ایک دفعہ بھی اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کی اور آلہ تناسل قطع کرنے کا بھی اقرار کر لے تو حاکم اسی وقت اس کی بیوی کو طلاق کا اختیار دیدے گا، اگر عورت اُسی مجلس میں طلاق طلب کرے گی، تو حاکم شوہر کو طلاق کا حکم دے گا، اگر اس نے طلاق دیدی تو بائن طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر طلاق سے انکار کرے تو حاکم خود فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے گا، حاکم کا یہ فیصلہ بھی شرعاً طلاق بائن کے حکم میں ہے، اگر شوہر نے خلوتِ میحہ کی ہے تو اس پر کامل ہر اور بیوی پر عدت واجب ہے، ورنہ شوہر پر نصف ہر ہوگا اور بیوی پر عدت نہ ہوگی اگر شوہر ایک بار وطی کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، اور اس کی بیوی باکرہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی، تو حاکم شوہر کو قسم دے گا، اگر اس نے قسم اٹھالی تو عورت کو طلاق کا اختیار نہ رہے گا، اور اگر قسم سے انکار کیا تو عورت کو طلاق کا اختیار دیا جائے گا،

اور اگر بیوی باکرہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو حاکم کسی تجربہ کار معتبر عورت سے اس کا معاینہ کروائے گا، اگر حاکم کی بجائے کسی پچایت سے فیصلہ کر دیا جائے تو دو عورتوں کا معاینہ ضروری ہے، اگر معاینہ کرنے والی عورت نے باکرہ ہونے کی تصدیق کر دی تو شوہر کو قسم دینے بغیر ہی عورت

کو طلاق کا اختیار ہوگا،

اگر شوہر قطع آلہ تناسل کا اقرار نہیں کرتا تو ایک معتبر شخص اس کا معائنہ کرے گا، اور اس کی

خبر کے مطابق حاکم فیصلہ دے گا،

تنبیہات ضروریہ:

① اگر نکاح سے قبل ہی شوہر نے آلہ تناسل قطع کیا ہو تو یہ شرط ہے کہ بوقت نکاح عورت کو اس

قطع کا علم نہ ہو، ورنہ بعد میں اسے کوئی اختیار نہ ہوگا،

② اگر نکاح کے بعد قطع کیا ہو تو یہ شرط ہے کہ شوہر نے ایک بار بھی وطاء نہ کی ہو، اگر قطع سے قبل

ایک بار بھی ہمبستری ہو گئی تو بیوی کو اختیار نہ رہے گا،

③ جب سے عورت کو قطع کا علم ہوا اس وقت سے لے کر عورت نے کبھی بھی اس شوہر کے پاس رہنے

پر رضامندی کی صراحت نہ کی ہو، یعنی زبان سے صراحت کبھی یوں نہ کہا ہو کہ میں بہر حال اسی شوہر کے

پاس ہی رہوں گی، اگر زبان سے کوئی ایسی تصریح کر دی تو بعد میں اختیار نہ ہوگا،

④ حاکم نے جب عورت کو اختیار دیدیا تو اسی مجلس میں عورت طلاق کو اختیار کر لے، اگر عورت

کے طلاق اختیار کرنے سے قبل حاکم اٹھ گیا یا عورت خود اٹھ گئی یا کسی اور کام میں یا کسی دوسری

گفتگو میں مشغول ہو گئی تو اسے اختیار نہ رہے گا،

⑤ فسخ نکاح یا عورت کو اختیار دینا وغیرہ امور جن کی تفصیل اور گزری یہ سب امور حکم حاکم کے

محتاج ہیں، بدون حکم حاکم کچھ بھی نہ ہو سکے گا،

⑥ جس شخص کا آلہ تناسل خلقتاً اتنا چھوٹا ہو کہ مثل نہ ہونے کے ہودہ بھی بحکم محبوب ہی،

البتہ خصی محبوب کے حکم میں نہیں، اگر اسے انتشار نہ ہوتا ہو تو بحکم عین ہوگا، اور اس کے فسخ نکاح کے

احکام مثل عین کے ہوں گے، وهذا اخلص ما هو مشروح فی الحيلة الناجزة للعيلة

العاجزة، فقط والله تعالیٰ اعلم، غرة صفر ۱۳۴۳ھ

حکم زوجہ متعنت:

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو خرچ بالکل نہیں دیتا، نہ ہی اپنے پاس رکھتا ہے، اور طلاق

بھی نہیں دیتا، اس کے بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اولاً اس عورت پر لازم ہے کہ شوہر کو کسی نہ کسی طریق سے خلع پر راضی کرے، اگر وہ کسی

صورت میں یہی خلع پر راضی نہ ہو اور عورت کو سخت مجبوری بھی ہو، یعنی کوئی شخص اس کے مصارف کا کفیل نہیں بنتا، اور نہ خود یہ اپنی عزت کو محفوظ رکھ کر کوئی صورت، کسب معاش کی اختیار کر سکتی ہو تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق عورت حاکم مسلم کے پاس دعویٰ پیش کرے کہ اس کا شوہر سعت کے باوجود خرچ نہیں دیتا، حاکم شرعی شہادت سے پوری تحقیق کرے گا، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو گیا تو حاکم شوہر کو حکم دے گا کہ بیوی کے حقوق ادا کر دیا طلاق دیدر، ورنہ نکاح فسخ کر دے گا، اگر شوہر کوئی صورت قبول نہ کرے تو بلا انتظار مدت فوراً ہی حاکم نکاح فسخ کر دیگا، اس بارہ میں مذہب مالکی میں یہ صراحت نہیں کہ یہ طلاق بائن ہے یا رجعی؟ فتاویٰ مالکیہ میں رجعی ہونے کو ترجیح دی گئی ہے، لہذا فیصلہ کے بعد عدت گزرنے سے قبل اگر شوہر نفقہ دینے پر تیار ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے، البتہ تجدید نکاح بہتر ہے، اگر عورت جدید نکاح پر راضی نہ ہو تو بلا تجدید جبراً بھی اسے رکھ سکتا ہے، تفصیل فی العیلة الناجزة للعیلة العاجزة،

تنبیہات :

① العیلة الناجزة میں متعنت کی بیوی کو خشیت زنا کی صورت میں بھی حق تفریق دیا ہے، یہ جب ہے کہ متعنت غائب ہو، اگر متعنت بیوی کے پاس ہی رہتا ہو تو اس کی بیوی کو خشیت زنا کی بناء پر خیال نہیں، کالعین الذی قدر موطاً علی الوطء، درجہ یہ ہے کہ زوج موجود ہونے کی صورت میں بیوی پر اس کی نگرانی کی وجہ سے اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جب کسی امر کی حقیقت پر اطلاع مشکل ہو تو اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دیدیا جاتا ہے، لہذا قیام زوج ہی بمنزلہ وطاء سمجھا جائے گا،

② متعنت وہ ہے کہ قدرت کے باوجود نفقہ نہ دے، اگر نفقہ پر قدرت ہی نہیں تو وہ مُعسر کہ اس کا حکم الگ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹/ شوال ۱۴۳۷ھ

حکم زوجہ مُعسر:

سوال: ایک شخص ناداری کی وجہ سے بیوی کے مصارف پر قدرت نہیں رکھتا، اور طلاق بھی نہیں دیتا، بیوی بہت پریشان ہے، اس صورت میں شوہر سے نجات حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شوہر کو خلع پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ راضی نہ ہو اور عورت کو سخت

مجبوری ہو، یعنی عورت خود بھی کسب معاش کی کوئی صورت اختیار نہیں کر سکتی، اور کوئی دوسرا شخص بھی اس کے مصارف کا کفیل نہیں بنتا، تو اس قسم کی ضرورت شدیدہ میں مذہب مالکی کے مطابق تفریق کی گنجائش ہی، اس کی صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے، قاضی کے نزدیک شرعی شہادت کی بناء پر اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو گیا تو قاضی شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے، اگر اس مدت میں شوہر نفقہ پر قادر نہ ہوا تو عورت کے طلب کرنے پر قاضی تفریق کر دے، یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی، اگر عدت کے اندر شوہر نفقہ پر قادر ہو گیا تو وہ رجوع کر سکتا ہے،

فتاویٰ مالکیہ معلوم ہوتا ہے کہ مُعسر کو ایک ماہ کی مہلت دینا صحت قضاء کے لئے شرط نہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ بیوی کو بوقت عقد شوہر کے اعسار کا علم نہ ہو، یا بوقت عقد کسی کی کفالت نفقہ کی بناء پر نکاح کر لیا ہو، اور بعد میں وہ کفالت باقی نہ رہی ہو، اگر عورت کو بوقت عقد شوہر کی ناداری کا علم تھا اور کوئی نفقہ کا کفیل بھی نہ تھا تو اب اسے اختیار تفریق نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

حکم غائب غیر مفقود:

سوال: ایک عورت کا خاوند اسے خرچ وغیرہ نہیں دیتا، عورت نے حج کے پاس مقدمہ پیش کیا، حج نے وارنٹ جاری کئے، مگر یہ شخص باوجود کوشش کے حاضر نہیں ہوتا، اب اس سے رستگاری کی شرعاً کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر عورت کے لئے خرچ وغیرہ کی کفالت کوئی نہ کرتا ہو، یا معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور حاکم کی کوشش بلیغ کے باوجود شوہر کو حاضر کرنا معتذر ہو چکا ہو، تو ایسی شدید ضرورت میں قضاء علی الغائب درست ہے، بہت یہ ہے کہ حاکم غائب کی طرف سے دکیں قائم کر کے اس پر فیصلہ کرے مگر اولاً ضروری ہے کہ عورت حاکم مسلم کے پاس اس غائب کے ساتھ تاحال قیام نکاح شاہدوں سے ثابت کرے، پھر اس کا غائب ہونا ثابت کرے، اور یہ بھی ثابت کرے کہ وہ نفقہ دے کر نہیں گیا، اور نہ وہاں سے بھیجا ہے، اور نہ یہاں کوئی انتظام ہے، اور نہ ہی میں نے نفقہ معاف کیا ہے، اور اس پر حلف بھی کرے، اگر نفقہ کا انتظام تو ہے مگر عورت کو گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو وہ اس پر قسم کھائے، پھر حاکم اس غائب کے پاس حکم بھیجے کہ خود حاضر ہو کر بیوی کے حقوق

اس موقع پر حلیہ ناہیزہ کی عبارت سے متعلق بحث آئندہ سوال کے جواب میں ملاحظہ ہو ۱۲

ادارہ کر دیا اسے اپنے پاس بلا لیا وہیں سے کوئی انتظام کر دے ورنہ ہم تفریق کر دیں گے، اس پر بھی اگر شوہر کوئی صورت اختیار نہ کرے تو حاکم تفریق کر دے، اگر زوج کہیں دوردراز ایسی جگہ پر غائب ہو کہ وہاں حکم بھیجنا ممکن ہی نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر حکم بھیجے حاکم تحقیق حسب قاعدہ مذکورہ کر کے تفریق کر دے، مگر خشیتِ زنا کے دعویٰ میں یہ شرط ہے کہ ایک سال کی مدت گزر چکی ہو، یہ تفریق بحکم طلاق رجعی ہوگی، لہذا عدت کے اندر غائب اگر حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا تو اسے رجوع کا اختیار ہے اور اگر عدت گزرنے کے بعد آیا اور نفعِ نکاح کا فیصلہ عدمِ نفقہ کی بناء پر کیا گیا تھا مگر اس نے شہادت سے ثابت کر دیا کہ وہ نفقہ دیتا رہا ہے تو بھی یہ عورت اُسی کو ملے گی اگرچہ اس عورت نے دوسری جگہ نکاح بھی کر لیا اور اس سے بچے بھی پیدا ہو گئے، بول، البتہ یہ بچے دوسرے شوہر کے ہوں گے، اور عورت دوسرے شوہر سے الگ ہو کر پہلے شوہر کے پاس عدت گزارے گی، عدت گزرنے سے قبل پہلے شوہر کے لئے ہمبستری حلال نہیں، غرضیکہ اس کے وہی احکام ہیں جو مفقودہ کی واپسی کے ہیں، (تفصیل مفقودہ کے بیان میں ملاحظہ ہو، مرتب) کذا فی الحیلة الناجزة، وقال فی الشامیة تحت قوله لو قضی علی غائب الخ، وقال فی جامع الفصولین قد اضطرب أراؤهم وبیانهم فی مسائل الحکم للغائب وعلیہ ولم یصف ولم یقل عنهم اصل قوی ظاہر بینی علیہ الفرع بلا اضطراب ولا اشکال فان ظاہر عندی ان یتأمل فی الوقائع ویعناط ویلا مظار العرجم والضدورات ینفتی بحسبها جوازاً او فساداً مثلاً لو بطلت امرأته عند العدل فغاب عن البلد لا یعرف مکانہ او یعرف ولكن بعجز عن احضاره او عن ان تسافر الیه ہی اور کیلھا البعد او لما نفع اخر وکن المدیون لو غاب وله نقد فی البلد او نحو ذلك ففي مثل هذا لو برهن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی انه حق لا تزویر ولا حیلة فیه ینبغی ان ینص علیہ وله وکنه للمفق ان ینفتی بجوازہ دفعا للحرج والضدورات وصيانة للحقوق عن الضیاع مع انه مجتهد فیه ذهب الیه الاثمة الثلاثة وفيه روايتان عن اصحابنا ینبغی ان ینصب عن الغائب وکیل یعرف انه برأعی جانب الغائب ولا یفرط فی حقہ وام دأقره فی نور العین قلت ویؤیدہ ما یأتی تریباً فی المستور وکن اما فی الفتح من باب المفقور ولا یجوز القضاء علی الغائب الا اذا رأى القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیہ فحکم فانه ینفذ لانه مجتهد فیه ام قلت وظاہرہ ولو کان القاضی حنفیاً ولو فی زماننا ولا ینافی ما مر لان تجویز هذا للمداخلة والضدورة (ماہر المختار ج ۲ ص ۴۷)

تنبیہات:

① حیلہ ناجزہ میں عبارت یوں ہے: ”عورت ان سب باتوں پر حلف بھی کرے، اس سے مقصد یہ ہے کہ نفقہ سے متعلق جتنی باتیں ہیں ان سب پر حلف کرے، اثبات زوجیت و عیوبیت پر حلف نہیں، اولاً اس لئے کہ فتاویٰ مالکیہ میں کہیں اس کی تصریح نہیں بلکہ علامہ سعید بن صدیق الفلاقی کے جواب میں اس کے خلاف کی تصریح ہے ونصہ واما ان لم یکن له مال فلها التطلیق علیہ بالاعسار من غیر تأجیل لکن بعد اثبات ما تقدم وتزید اثبات العدم واستحقاقها للنفقة وتحلف مع البینة الشاهدة لها أنها لم تقبض منه نفقة هذه المدعى الی، ثانیاً اس لئے کہ مسئلہ مفقود میں وجود نفقہ کی صورت میں حلف کا کسی نے ذکر نہیں کیا، اور ماہ لہضرق کوئی امر نہیں، ثالثاً عدم نفقہ کے امر عدمی ہونے کی وجہ سے اس پر اطلاع شہود مشکل ہے، اس لئے اس کے ساتھ حلف کی شرط معقول ہے، اس کے برعکس زوجیت و عیوبیت پر حلف غیر معقول بلکہ خلاف اصول ہے،

② حیلہ ناجزہ میں غائب غیر مفقود کے بیان میں ثبوت دعویٰ کے بعد تا جیل شہر کا بھی ذکر ہے یہ اس صورت میں ہے کہ غائب محسوس ہو، اگر غائب قدرت کے باوجود نفقہ نہیں دیتا تو وہ متعنت ہے، جس میں تا جیل شہر کی کوئی حاجت نہیں، البتہ انقطاع نفقہ کے وقت سے ایک ماہ گزرنے کے بعد فیصلہ کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

سوال مثل بالا:

سوال: محمد شریف ولد خان محمد، تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمبل پور ایک قتل کے مقدمہ میں بیس سالہ قیدی ہو چکا ہے، مسماۃ غلام زہرہ اس کی زوجہ منکوحہ نے بوجہ خرچ نہ دینے کے مسٹی محمد شریف قیدی بیس سالہ کے خلاف دعویٰ تلخ نکاح بعدالت جناب سول جج صاحب تلہ گنگ دائر کر دیا، عدالت نے مدعی علیہ کو بذریعہ نوٹس رجسٹری مطلع کیا اور حاضر ہونے کا حکم صادر کیا، اور بذریعہ اخبارات روزنامہ مشرق لاہور، کوہستان راولپنڈی حاضر ہونے کا حکم صادر کیا گیا، لیکن مدعی علیہ عدالت میں نہ خود حاضر ہوا اور نہ کوئی اپنا مختار پیردی کے لئے بھیجا، عدالت نے مدعیہ کے حق میں ڈگری دیدی ہے، اندریں حالات علماء دین سے عرض کی جاتی ہیں کہ کیا محمد شریف بیس سالہ قیدی کی منکوحہ مسماۃ غلام زہرہ عدالت کے فیصلہ کے مطابق دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب (از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)

اصل بات یہ ہے کہ غائب غیر مفقود کے فریغ نکاح کا مسئلہ مذہب مالکیہ سے لا گیا ہے، مگر

بعض قیود و شرائط احتیاطاً پڑھائے گئے ہیں، اسی لئے ارسال الی الغائب کے لئے شہادت شرط ہو نا کتاب القاضی الی القاضی پر قیاس کر کے لکھا گیا ہے، حالانکہ یہاں کوئی فیصلہ قضاء ایک طرف سے دوسری طرف منتقل نہیں ہو رہا ہے بلکہ صرف اتنی بات کی تحقیق اور تثبت مطلوب ہے کہ قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر ہونے کی اطلاع اس کو ایسی صورت سے ہو جائے جس پر یقین یا ظن غالب ہو سکے، اسی لئے جس صورت میں ارسال الی الغائب متعذر اور دشوار ہو رہا ہو بغیر ارسال کے بھی فیصلہ تفریق کا صادر کر دینا مذہب مالکیہ میں مصرح ہے، اور حیلہ ناجزہ میں اس کو ضمن فائدہ لکھا گیا ہے، اس میں مفتی مالکیہ شیخ الفاہاشم کے فتویٰ کا حوالہ بھی درج ہے، شیخ الفاہاشم کے الفاظ یہ ہیں:

”طریق تظلیق زوجة المفقود أو الغائب الذی تعذر الارسال الیه اور
ارسال فتعاند الخ“

اگر ارسال الی الغائب اور پھر غائب کی طرف سے تعاند کا ثبوت شہادت شرعیہ پر موقوف ہوتا اور اس کے بغیر قضاء قاضی نافذ نہ ہوتی تو اس صورت تعذر میں بھی نفاذ قضاء کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاذ قضاء کا اس پر مدار نہیں ہے، اس کے علاوہ شہادت کی شرط جو کتاب القاضی الی القاضی پر قیاس کر کے لگائی گئی ہے خود کتاب القاضی الی القاضی میں شہادت کی شرط مختلف فیہ ہی، بہت سے علماء امت اور قضاة سلف کے نزدیک اس میں شہادت شرط نہیں، جیسا کہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ختم ثلاث فقہاء کی مفصل تحقیق موجود ہے، اس لئے شرط شہادت اول تو خود مقیس علیہ میں بھی مجتہد فیہ ہے جو قضاء قاضی کے نفاذ کے لئے مانع نہیں،

ثانیاً اس جگہ مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بین ہے، اگر کتاب القاضی الی القاضی میں شرط شہادت متفق علیہ بھی فرض کر لی جائے تو بھی اس سے لازم نہیں آتا کہ مدعی یا مدعی علیہ کے احضار کے لئے بینہ عادلہ بھیجا جائے بلکہ ایک آدمی کا بھیجا اور اس کے قول پر اعتماد کر کے قاضی کو فیصلہ کا حق ہونا خود کتب حنفیہ میں مصرح موجود ہے، معین الحکام کے الفاظ اس مسئلہ کے متعلق یہ ہیں: قال فی الايضاح المشتري بغير اراد الرد فاختفى البائع (الی قولہ) فیبعث مناد یا بنادی علی باب البائع ان القاضی يقول ان خصمک فلا یرید الرد علیک فان حضرت والا نقضت البیع فلا ینقضه القاضی بلا اعدار (معین الحکام ص ۱۰۰) فصل فی من نکل عن حشر مجلس الحاکم

اس عبارت میں مدعی علیہ پر اعذار یعنی حجت تمام کرنے کے لئے اتنا کافی سمجھا گیا کہ قاضی کی طرف سے کوئی منادی جا کر مدعی علیہ کے دروازہ پر نہاد دے اور اعلان کر دے، نہ اس میں شہادت ضروری ہو اور نہ شہادت کا نصاب، اس کے علاوہ جبکہ عدالتوں کے معاملات مدعی و مدعی علیہ کے اختیار میں نہیں اور موجودہ عدالتیں مدعی علیہ کے پاس بیتہ یا شہادت بھیجنے کی پابند نہیں تو اہل معاملہ کے لئے یہ صورت بھی ایک گونہ تعذر ارسال میں داخل ہو جاتی ہے، جس میں بغیر ارسال کے بھی تفریق قاضی کا نافذ ہونا مسلم ہے، بناءً علیہ خیال ہے کہ صورت مذکورہ میں فسخ نکاح شرعاً صحیح و درست اور نافذ ہو گیا، واللہ اعلم
بند محمد شفیع

دارالعلوم کراچی، ۹/۳/۳۵
بندہ کو اس تحریر سے اتفاق نہیں، اس لئے کہ اس میں جواز فسخ نکاح کی شرائط ذیل مفقود ہیں :

- ① زوج سے قیام نکاح اور اس کی غیبت پر شہادت -
 - ② عدم نفقہ اور اس سے متعلقہ امور پر حلف -
 - ③ عدالت کے حکم نامہ میں نہ تو تفصیل ہے اور نہ ہی اسکے شوہر تک پہنچنے کا یقین -
- بحث ارسال صحیح ہے، مگر معین الحکام میں فسخ بیع سے متعلق جو وسعت مذکور ہے اتنی وسعت فسخ نکاح میں درست معلوم نہیں ہوتی، نکاح کا معاملہ نسبت بیع کے زیادہ اہم ہے، لہذا فسخ نکاح کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ زوج نکاح قاضی کا حکم نامہ پہنچے اور پھر حاضری سے کوئی عذر نہ ہونے کا قاضی کو ظن غالب ہو جائے، الا ان تعذر ارسال الیہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

رشید احمد
الربيع الآخر ۱۳۹۷ھ

شوہر ایام انقلاب میں گم ہو گیا؛

سوال؛ ایک عورت کا خاوند لاپتہ ہے، خبر نہیں مر گیا یا زندہ ہے؟ اب یہ عورت جواں عمر ہو، اور کہاں تک انتظار کرے؟ یہ واقعہ بھی اس انقلاب کی صورت میں ہوا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا تو بھرو!

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شوہر کے لاپتہ ہونے میں دو احتمال ہیں؛

① پاکستان میں پہنچ کر لاپتہ ہوا ہو،

② ہندوستان ہی میں کسی ایسی جگہ پر لاپتہ ہو گیا ہو جہاں عام بد امنی اور فسادات پھیلے ہوئے تھے،

پہلی صورت چونکہ زیادہ تفصیل طلب ہے، نیز سوال سے بھی دوسری صورت ظاہر ہو رہی

ہے، اس لئے صرف اسی دوسری صورت کا حکم لکھا جاتا ہے، پس اگر ہندوستان ہی میں فسادات

کے مواقع پر کہیں لاپتہ ہوا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ عورت کسی مسلم حاکم (یا اگر حاکم شرعی فیصلہ نہ کرتا ہو)

تو کسی مجلس علماء میں دعویٰ پیش کرے اور شرعی شہادت سے ثابت کرے کہ یہ شخص اس کا شوہر

ہے، اور وہ لاپتہ ہے، حاکم اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، جب کسی صورت میں بھی اس

مرد کا پتہ نہ چل سکے اور حاکم کو یہ گمان غالب ہو جائے کہ یہ شخص فسادات میں مر گیا ہے اس وقت

فسخ نکاح کا حکم صادر کرے، اس کے بعد عورت عدت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسرا نکاح

کر سکتی ہے،

قال فی الشامیۃ (قولہ واختار الزلیعی تفویضہ الی الامام) قال فی الفتح فامتیقت

رأی المصلحة حکم بموته (الی ان قال) ومقتضاه انه یجتہد ویحکم الفترائن

الظاہرة الدالة علی موته وعلی هذا یستنبی ما فی جامع الفتاویٰ حیث قال واذا فقد

فی المہلکة فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقاة مع العد واطلاق الطریق

او سافر علی المرض الغالب ہلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبه ذلک حکم بموتہ

لانہ الغالب فی ہذہ الحالات وان کان بین احتمالین واحتمال فوقہ ناشی عن

دلیل لا احتمال حیاتیہ لان ہذا الاحتمال کا احتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش

علی حسب ما اختلفوا فی مقداره نقل من الغنیۃ اھ ما فی جامع الفتاویٰ وافتی بہ بعض

مشایخ مشایخنا وقال انه افتی بہ قاضی زادہ وصاحب بحر الفتاویٰ لکن لا یخفی انہ

لابد من مضي مدة طويلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقات

العد و اوسفر البحر ونحوہ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۷)

البتہ اگر جدید نکاح کرنے کے بعد پہلا شوہر واپس آگیا تو اس کے احکام یہ ہیں:

① یہ عورت پہلے شوہر کو ملے گی، اور اس کا پہلا نکاح ہی باقی ہے، جدید نکاح کی ضرورت

نہیں،

② اگر دوسرا شوہر نے خلوة صحیحہ کی ہو تو کل مہر دے گا اور عورت پر عدت طلاق واجب ہوگی،

اگر خلوة صحیح نہ ہوئی ہو تو نہ جہر واجب ہو گا نہ عدت،

- (۳) بصورت خلوة صحیح دوسرے شوہر سے علیحدہ ہو کر عدت گزار کر پہلے شوہر سے ہمبستر ہو سکے گی،
 (۴) عدت پہلے شوہر کے پاس گزارے، مگر عدت گزرنے تک اس کے لئے ہمبستری جائز نہیں،
 (۵) اگر دوسرے شوہر سے حالت نکاح میں یا فسخ نکاح کے بعد زمانہ عدت میں کوئی اولاد پیدا ہو گئی تو وہ دوسرے شوہر کی ہوگی،

قال فی المبسوط وقد صح رجوعه (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) الی قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانه (علیاً) کان یقول تزوّدت الی زوجہ الاول ویفترق بینہما و بین الآخر ولہا المهر بما استحل من فرجہا ولا یقر بہا الاول حتی تنقضي عدتہا من الآخر و بهذا کان یاخذ ابراہیم فیقول قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احب الی من قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و بہ نأخذ ایضاً (مبسوط ج ۱۱)

وایضاً فیہ نعرفنا ان الصحیح انہا زوجة الاول ولكن لا یقر بہا لكونہا معتدة الغیر كما لمنکوحة اذا وطئت بشبهة (مبسوط ج ۱۱)

اقول الموطوءة بالشبهة تعتد عند الزوج الاول فكذا هذه، قال فی الشامیة وللموطوءة بشبهة ان تقیم مع زوجہا الاول وتخرج باذنه فی العدة لقیام النکاح بینہما وانما حرم الوطء الخ (رد المحتار ج ۲)

ولفظ المبسوط بما استحل من فرجہا یشیر الی ان مجرد النکاح لا یوجب المهر وایضاً رفع النکاح الثانی کالفسخ و فی الفسخ قبل الخلوة لا یجب شیء من المهر لما فی البدائع وفسخ العقد رفعه من الاصل وجعله كأن لم یکن ولولم یکن حقیقة لم یکن لہا مهر فكذا انا التخی بالعدم من الاصل (الی ان قال) وان کان قد دخل بہا لا یسقط المهر لان المهر قد تأکد بالدخول فلا یحتمل السقوط بالفرقة (وبعد اسطر) ان المراد من المهر المهر المسمی (بدائع ج ۲ فصل فی بیان ما یرفع النکاح) و فی الشامیة عن ط ان زوجته له والا ولاد للثانی اھ تأمل (رد المحتار ج ۳)

تنبیہ :

اگر پنچایت سے فیصلہ کر لیا گیا تو یہ ضروری ہے کہ کم از کم یہ پنچایت تین ارکان پر شامل ہو، اور پنچایت کے سب ارکان نیک ہوں اور عالم ہوں یا عالم سے پوچھ کر فیصلہ کریں، عالم بھی ایسا ہو

جو شہادت و قضا کے احکام سے بخوبی واقف ہو اور فسخ نکاح کا فیصلہ سب کے اتفاق سے ہو، کوئی اختلاف نہ کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۶ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ

حکم زوجہ مفقودہ:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے؟ کہ ایک شخص مدت سے غائب اور لاپتہ ہو، اس کی موت یا زندگی کی کوئی خبر نہیں، ایسی حالت میں اس کی بیوی کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنہ الصدق والدواء

مفقود کی بیوی کے لئے بہتر ہے کہ شوہر کی عمر نوے برس ہونے تک صبر کرے، اگر صبر نہ کر سکے تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق یہ عورت کسی حاکم مسلم کے ہاں دعویٰ پیش کرے اور گواہوں سے مفقود کے ساتھ تاحال قیام نکاح حاکم کے پاس ثابت کرے، نکاح کے اصل شاہد ضروری نہیں بلکہ شہادت بالتسامع کافی ہے، یعنی نکاح کی عام شہرت سن کر نکاح پر شہادت دی جاسکتی ہے، اس کے بعد شوہر کے مفقود ہونے کی شہادت شرعیہ پیش کرے، پھر حاکم اس شخص کی بقدر ممکن تلاش کرے جہاں اس کے جانے کا ظن غالب ہو وہاں آدمی بھیجے، اور جہاں صرت احتمال ہو خط وغیرہ سے تحقیق کرے اخبار میں اشتہار دینا مفید معلوم ہو تو یہ بھی کرے، بہر کیفیت ہر ممکن صورت سے اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، حاکم کے پاس دعویٰ پیش ہونے سے قبل عورت کی طرف سے یا کسی دوسرے شخص کی طرف سے تلاش کی کوشش کافی نہیں، بلکہ دعویٰ پیش ہونے کے بعد ضروری ہے کہ حاکم خود پوری کوشش کرے، دوسروں کے کہنے پر ہرگز اعتبار نہ کرے، جب حاکم شوہر کے ملنے سے بالکل ناامید ہو جائے تو عورت کو چار سال کی ہملت دے، اگر ان چار سالوں میں بھی اس کی کوئی خبر نہ آئی تو عورت حاکم کے پاس دوبارہ درخواست پیش کر کے نکاح فسخ کر دے، اور شوہر کو مردہ تصور کر کے مدت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اگر کہیں حاکم مسلم موجود نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو جماعۃ المسلمین بطریق مذکور فسخ نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے، مگر اسکے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

① جماعت کے ارکان کم از کم تین ہوں،

② سب ارکان عادل یعنی پکے دیندار ہوں،

③ سب ارکان یا کم از کم ایک رکن ایسا عالم ہو جو شہادت و قضا کے احکام شرعیہ میں ماہر ہو،

④ فسخ نکاح کا فیصلہ سب ارکان انفاق رائے سے کریں
 ⑤ شوہر کی تلاش کے وقت مصارف عورت خود برداشت کرے، اگر وہ عاجز ہو تو حکومت برداشت کرے،

اگر دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد پہلا شوہر واپس آگیا تو اس کے احکام یہ ہیں:
 ① بعدت اسی پہلے شوہر کو ملے گی، جدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں، پہلا نکاح ہی کافی ہے،
 ② اگر دوسرے شوہر نے خلوت صحیح کی ہو تو گل مہر دے گا، اور عورت پر عدت طلاق واجب ہوگی، اگر خلوة صحیح نہ ہوئی ہو تو نہ مہر واجب ہوگا نہ عدت،
 ③ عدت پہلے شوہر کے پاس گزارے گی، مگر عدت گزارنے تک پہلے شوہر کے لئے جماع کرنا جائز نہیں،

④ اگر دوسرے شوہر سے حالت نکاح میں یا فسخ نکاح کے بعد عدت گزرنے سے قبل اولاد پیدا ہوگئی تو یہ دوسرے شوہر کی ہوگی، وعلیٰ ذلک اخلص ما هو مشاوح فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة،
 تنبیہ:

حیلة ناجزة میں جہاں پر شہادت کا ذکر ہے اس سے صرف انعقاد نکاح مراد نہیں بلکہ قیام نکاح پر شہادت ضروری ہے، لہٰذا الروایۃ الاولى من العلامة سعید بن صدیق الفلاتی، مانصہ بعد ان تثبت الزوجیۃ وغیبة الزوج والبقاء فی العمة الی الآن ام و فی اللاحاق من العلامة الفاہاشم فان الزوجۃ تثبت بشاہدین ان ذلکا زوجہا وغائب عنها ام و فی الروایۃ الثانیۃ والعشرین من العلامة الفلاتی کلفہا اثبات الزوجیۃ ام، فقط والله تعالیٰ اعلم،
 ۱۹ / محرم ۱۳۳۳ھ

زوجہ مفقود سے متعلق ترمیم جو مشورہ کے بعد طے ہوئی:
 ہم دستخط کنندگان ذیل کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ حیلة ناجزة ص ۶۱ میں بعنوان ”فائدہ“ جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تبدیل کر دیا جائے:
 فائدہ: زوجہ مفقود کے لئے قاضی کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کے بعد جو مزید چار سال کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے جب کہ عورت کے لئے نفقہ اور گزارہ کا بھی کچھ انتظام ہو اور عصمت و عفت کے ساتھ یہ مدت گزارنے پر قدرت بھی ہو، اور اگر اس کے

نفقہ اور گزارہ کا کوئی انتظام نہ ہو نہ شوہر کے مال سے نہ کسی عزیز و قریب یا حکومت کے تکفل سے اور خود بھی محنت و مزدوری پر وہ اور عفت کے ساتھ کر کے اپنا گزارہ نہیں کر سکتی، تو جب تک صبر کر سکے شوہر کا انتظار کرے جس کی مدت ایک ماہ سے کم نہ ہو اس کے بعد قاضی یا کسی مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے،

اور اگر نفقہ اور گزارہ کا تو انتظام ہو مگر بغیر شوہر کے رہنے میں اپنی عفت و عصمت کا اندیشہ قوی ہو، تو سال بھر صبر کرنے کے بعد قاضی کی طرف مراجعہ کرے اور دونوں صورتوں میں گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کرے کہ اس کا شوہر فلاں اتنی مدت سے غائب ہے اور اس نے اس کے لئے کوئی نان نفقہ نہیں چھوڑا، اور نہ کسی کو نفقہ کا ضامن بنایا اور اس نے اپنا نفقہ اس کو معاف بھی نہیں کیا، اور اس پر عورت حلف بھی کرے اور دوسری صورت یعنی عفت کے خطہ کی حالت میں قسم کھائے کہ میں بغیر شوہر کے اپنی عفت قائم نہیں رکھ سکتی، قاضی کے پاس جب یہ ثبوت مکمل ہو جائے تو قاضی اس کو کہہ دے کہ میں نے تمہارا نکاح فسخ کر دیا یا شوہر کی طرف سے طلاق دیدی یا خود عورت کو اختیار دیدے کہ وہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور اگر جب عورت طلاق اپنے نفس پر واقع کرے تو قاضی اس طلاق کو نافذ کر دے، (رکسانی فتویٰ العلما الفہاشم من الالعیاق حیلۃ ناجزہ ص ۱۱۰) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

شوہر بحری سفر میں گم ہو گیا:

سوال: ایک شخص بحری سفر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ لاپنج پر سوار ہو کر حج سے واپس

آئے۔ پیچھے علامہ الفہاشم کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدم نفقہ کی صورت میں ایک ماہ اور خستہ زنا کی صورت میں ایک سال کا انتظار حاکم کے فیصلہ سے پہلے کافی ہے، خواہ مرنادہ سے پہلے اتنی مدت گزری ہو یا نہیں، مگر مذہب مالکی کو اختیار کرنے کے لئے جس ضرورت کا تحقق شرط ہو اس کو متیقن کرنے کے لئے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس مدت میں کچھ اضافہ کر دینا قرین احتیاط ہے، چنانچہ یہاں یہ ایک ماہ یا ایک سال کی مدت قبل المرنادہ مقرر کی گئی ہو، تاکہ مقدمہ کی کارروائی کی مدت اس کے علاوہ ہو، البتہ اگر حاکم کے فیصلہ تک بھی اتنی مدت گزر گئی تو فتویٰ جواز کا دیا جائے گا،

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ رشید احمد محمد عاشق الہی عفا اللہ عنہ
خادم دارالعلوم کراچی ۱۴ محمد رفیع عثمانی محمد تقی عثمانی

۲۵ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

۱۵ یعنی اس کا شوہر ہونا بھی ثابت کرے اور غائب ہونا بھی ۱۲ سہ یعنی صورت اولیٰ میں ۱۲ سہ یہ طلاق رجعی ہوگی، اگر عدت کے اندر یا اس کے بعد مفقود آجائے تو اس کے احکام وہی ہوں گے جو غائب غیر مفقود کے ہیں ۱۲ رشید احمد

آ رہا تھا رات کو لایچ کے ایک طرف تختہ پر جو تقریباً ڈیڑھ فٹ چوڑا تھا اس پر سویا ہوا تھا، ساتھیوں نے اور ناخدا نے بھی منع کیا مگر باز آیا، صبح اٹھے تو یہ شخص مفقود تھا، اب اس کے مال اور بیوی کا شسر عا کیا حکم ہے؟ بیٹھا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قرائن سے اس کی موت متیقن ہے، لہذا اس کا ترک تقسیم کر دیا جائے، اور اس کی بیوی عدت موت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، قرائن مفیدہ یقین بحکم شہادت ہیں، کافی کتاب الذی عوی من شرح التنویر ونصہ والسابع قرینة قاطعة کان ظہر من دار خالیة انسان خائف بکین متلوث بدم قد خلوها فوراً فرأوا مذبحاً الحینہ اخذ به اذ لا یستری احد انه قاتله (رد المحتار ج ۴ ص ۵۸)، وفي الشامیة فی اول کتاب الفتناء فی بیان طریق القاضی الی الحكم او الفرائض الواضحة التي تصیر الامر فی حیز المقطوع به فقد قالوا لو ظہر انسان من دار بیدہ سکین وهو متلوث بالدم سریع الحركة علیه اثر الخوف قد خلوا الدار علی الفور فوجدوا فیها انساناً مذبحاً بذلک الوقت ولم یوجد احد غیر ذلک الخارج فانه یؤخذ به وهو ظاهر لا یستری احد فی انه قاتله وانقول بأنه ذبحه اخر ثم تسور الحائط او انه ذبح نفسه احتمال بعید لا یلتفت الیه اذ لم ینشأ عن دلیل، (رد المحتار ج ۴ ص ۲۳۱)

شامیہ کتاب المفقود میں جو مذکور ہے کہ "مسافر بحر میں گم ہونے والے کا مدت طویلہ تک انتظار کر کے حاکم اس کی موت کا حکم کرے"، اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے ساحل پر پہنچنے کا علم نہ ہو، صورت سوال میں تو وسط بحر ہی میں فقدان کا علم ہو گیا ہے جو موجب یقین ہی، اور احتمال بعید ناشی بلا دلیل کا اعتبار نہیں کما صرح بہ شارح التنویر وابن عابدین رحمہما اللہ تعالیٰ فیما ذکرنا من قصصہما، ایما بعید احتمال تو بالمشافہہ میت کے دیکھنے کے بعد بھی موجود ہوتا ہے کہ شاید موت نہ ہو سکتے ہو، لہذا اس صورت میں نہ مدت طویلہ تک انتظار کی ضرورت ہو اور نہ حکم حاکم کی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ صفر ۱۴۲۶ھ

مجنون نفقہ دینے پر قادر نہ ہو تو صورت تفریق :

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ ایک شخص کچھ مجنون اور دماغی خلل کی وجہ سے اپنی بیوی کو سنبھالنے اور خرچ وغیرہ برداشت کرنے پر قادر نہیں، اور نہ ہی بیوی کے مصارف کا اور کوئی انتظام ہو سکتا ہے، بیوی اس حالت میں اس کے نکاح میں رہنے پر راضی نہیں، اور یہ شخص جنون

کی وجہ سے طلاق دینے پر قادر نہیں کہ شرعاً اس کی طلاق غیر معتبر ہے، اور جنون بھی اس حد تک پہنچا ہوا نہیں کہ عورت کو خیار فسخ مل سکے، یعنی شوہر سے تکلیف پہنچنے یا قتل وغیرہ کا خوف نہیں تو اس صورت میں بیوی کی نجات کی شرعاً کیا صورت ہے؟ ۱۔ بتواؤ جرداً،

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایسے حالات میں مذہب حنفی میں کوئی صورت ممکن نہیں، لہذا بوقت اضطرار مذہب مالکی پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم کے پاس درخواست پیش کرے، اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے، اور وہ مجنون ہے، اور وہ نفقہ پر قادر نہیں، اور نہ ہی کوئی اس کے نفقہ کا کفیل ہے، اور اس نے نفقہ معات بھی نہیں کیا، اور نہ ہی اسے نکاح سے قبل اس کی ناداری کا علم تھا، یا ناداری کا علم تو تھا مگر کسی نے نفقہ کی کفالت قبول کی تھی اور اب اس نے انکار کر دیا۔ ہر نفقہ منعلق ان سب باتوں پر قسم بھی کھائے اس پر حاکم شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دے، اگر اس مدت میں بھی نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو حاکم تفریق کر دے، یہ فیصلہ طلاق رجعی کے حکم میں ہوگا، اگر عدت کے نفقہ پر قدرت ثابت ہو جائے تو مجنون کا ولی رجوع کر سکتا ہے، والتفصیل فی الحیلۃ الناجزة لحکیم الامۃ قدس سرہ،

تنبیہات:

① مجنون کے ساتھ زوجیت پر شہادت کا لزوم کہیں نظر سے نہیں گذرا، مگر چونکہ مجنون کا وجود کا عدم ہے اس لئے قیاساً علی الغائب یہ شرط ضروری معلوم ہوتی ہے دھوا الاحوط، ولی مجنون کا اقرار زوجیت اس لئے معتبر نہیں ہونا چاہئے کہ اس میں مجنون کا ضرر ہے،

② حبسہ ناجسزہ میں اس صورت میں شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دینے کی تصریح نہیں، مگر چونکہ یہ اعساو کی صورت ہے جس میں مالکیہ کے ہاں تاخیر شہر کی صراحت ہے اس لئے شوہر کو ایک ماہ کی مہلت دینا چاہئے، اگر اس میں بھی نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تو تفریق کی جائے، البتہ عبارات مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاخیر صحت قضا کے لئے شرط نہیں،

③ حاکم تاخیر شہر اور اس کے بعد فسخ نکاح کا حکم مجنون کے ولی کو سنائے اگر اس کا کوئی ولی نہ ہو تو حاکم مجنون کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کر کے اس کو حکم سنائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ارذی الحج ۱۳۲۳ھ

حکم زوجه مجنون:

سوال: آپ نے احسن الفتاویٰ میں ایسے مجنون کے فسخ نکاح کی صورت تحریر فرمائی ہے جو نفقہ پر قادر نہ ہو، اگر نفقہ کا انتظام تو ہو مگر بیوی کو مجنون سے سخت تکلیف پہنچتی ہو یا مجنون ہمبستری پر قادر نہ ہو یا ہمیشہ غائب رہتا ہو تو ان صورتوں میں اس سے نجات حاصل کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ بینوا تو جودا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بوقت نکاح جنون موجود تھا اور بے خبری میں نکاح ہو گیا، تو مالکیہ کے علاوہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی عورت کو خیارات فسخ ہے، خواہ جنون مستوعب ہو یا غیر مستوعب، یعنی کبھی کبھی دورہ پڑتا ہو، اور اگر نکاح کے بعد جنون مستوعب یا غیر مستوعب لاحق ہوا تو احنات کے ہاں فسخ نکاح کی کوئی صورت نہیں، بوقت مجبوری مالکیہ کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، دونوں صورتوں میں تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے، اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے اور وہ ایسا خطرناک مجنون ہے کہ اس سے سخت اندیشہ ہے اور ناقابل برائت ایزار پہنچتی ہے اس پر قاضی مجنون کے دلی کو اس کے علاج کے لئے ایک شمس سال کی مہلت کا حکم سنائے، اگر مجنون کا دلی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو اس کا وکیل مقرر کر کے اسے حکم سنائے، ایک سال گزرنے پر اگر شوہر کو افاقہ نہ ہو اور عورت پھر درخواست کرے تو قاضی عورت کو اختیار دیدے اگر عورت اسی مجلس میں تفریق طلب کرے تو قاضی تفریق کر دے، ایک سال کی مہلت کے حکم کی طرح تفریق کا حکم بھی قاضی مجنون کے دلی کو اور وہ نہ ہو تو مقرر کردہ وکیل کو سنائے، اگر یہ جنون بوقت عقد موجود تھا تو یہ تفریق فسخ ہے، اور اگر بعد میں لاحق ہوا تو اس بار میں کتب مالکیہ کی عبارات مختلف ہیں کہ یہ فسخ ہے یا کہ طلاق بائن؟ مالکیہ سے اس کی تحقیق کر لی جائے، اگر تحقیق نہ ہو سکے تو احتیاطاً اس میں ہے کہ اسے طلاق بائن قرار دیا جائے، لہذا اگر اس طلاق کی عدت کے اندر دو طلاقیں مزید دیدیں یا اسی عورت سے دوبارہ نکاح کر کے پھر دو طلاقیں دیدیں تو طلاق مغلط ہو جائے گی، اگر خلوت صحیح سے قبل نکاح فسخ ہو گیا تو مہر بالکل ساقط ہو جائے گا، اور عورت پر عدت بھی نہیں، اور اگر خلوت صحیح ہو چکی تھی تو مہر کامل بھی واجب ہو اور عدت بھی،

شرائط تفریق:

① جنون خطرناک حد تک ہو، شید یا ایزار کا باعث ہو، معمولی جنون میں خیارات تفریق نہیں،

② نکاح سے قبل جنون کا علم نہ ہو،

③ جنون کا علم ہونے کے بعد عورت نے اس کے نکاح میں رہنے پر کبھی اظہارِ رضا نہ کیا ہو، اگر ایک بار رضا ظاہر ہو چکی ہو تو خیار نہ رہے گا،

④ علم جنون کے بعد عورت نے بالاختیار جماع یا دواغی جماع کا موقع نہ دیا ہو، اگر مجنون نے جبراً ہمبستری کر لی تو اس سے خیار باطل نہ ہوگا، اسی طرح اگر معمولی جنون میں ہمبستری کا موقع دیا یا اس کے نکاح میں رہنے پر رضا کا اظہار کیا مگر بعد میں جنون خطرناک حد تک پہنچ گیا، تو خیار تفریق باطل نہ ہوگا،

⑤ مجنون سے تفریق کے لئے قصار قاضی شرط ہے،

⑥ ہملت کی میعاد ایک شمسی سال گزر جانے کے بعد عورت کی دوبارہ درخواست پر جب قاضی عورت کو اختیار دے تو اسی مجلس میں عورت فسخ نکاح کو قبول کرے، اگر مجلس درخواست ہو گئی یا عورت کسی دوسری گفتگو یا کسی کام میں مشغول ہو گئی تو اسے خیار نہ رہے گا،

اگر مجنون جماع پر قادر نہیں تو وہ عنین ہی، اور اگر ہمیشہ غائب رہتا ہے تو وہ غائب غیر مفقود ہے، عنین اور غائب غیر مفقود سے تفریق کی صورت احسن الفتاویٰ میں موجود ہے،

غور طلب :

غائب اور مفقود کی بیوی کو بحالتِ خشیت زنا خیار تفریق ہے، اگرچہ غائب ہونے سے قبل ہمبستری ہو چکی ہو، مگر عنین نے ایک دفعہ بھی ہمبستری کر لی تو اس کی بیوی کو خشیت زنا کے باوجود خیار نہیں، دونوں میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنین کی بیوی اسکی نگرانی میں ہے اس لئے اس پر معصیت میں ابتلا کا اتنا خطرہ نہیں جتنا غائب کی بیوی پر ہے، نیز جہاں کسی امر کی حقیقت میں خفا ہو وہاں اس کے اسباب ظاہرہ کو بمنزلہ حقیقت قرار دید جا تا ہے، لہذا عنین کا قیام مع الزوجہ ہی بمنزلہ دلی ہے، پس اگر مجنون کو ایک بار ہمبستری کے بعد قدرت نہ رہی اور جنون خطرناک بھی نہیں، نفقہ بھی موجود ہے تو اس کی بیوی کو محض خشیت زنا کی وجہ سے خیار تفریق ہے یا نہیں؟ غائب و عنین میں فرق مذکور کی بناء پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر مجنون بیوی کی نگرانی پر قادر نہیں اور اس کا وجود عدم برابر ہے تو اسے بحکم قاضی سمجھ کر اس کی بیوی کو خیار ہونا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

الربیع الآخر ۱۳۹۶ھ

بابُ العِدَّة

زنا سے حاملہ کو طلاق دی تو عدت واجب ہے؛
سوال؛ کسی شخص نے لاعلمی سے ایسی عورت سے نکاح کر لیا جس کو زنا سے حمل تھا
پھر علم ہونے پر وضع حمل سے قبل ہی اسے طلاق دیدی تو اس عورت پر عدت واجب ہو
یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس عورت سے اگر خلوة صحیحہ یا ہمبستری کی ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ نکاح
زانی سے ہو یا غیر زانی سے، بہر کیف عدت واجب ہے، قال فی شرح التنویر فی حق
الحامل مطلقاً ولو امة او کتابیة او من زنا بان تزوج حبلی من زنا ودخل بها
ثم مات او طلقها تعتد بالوضع، وفي الشامية (قوله بان تزوج حبلی من زنا الخ) افا
ان العدة ليست من اجل الزنا لما تقدم انه لا عدة على الحامل من الزنا اصلاً ونساء
العدة لمرت الزوج او طلاقه، قال الرحمتی وعلیم کون الحمل من زنا بولادتها
قبل ستة اشهر من حين العقد (قوله ودخل بها) هو قید لغير المتوفی عنها لما مر
ان عدة الوفاة لا يشترط لها الدخول ودخولها بالخلوة او بوطئها مع حرمتها
لانه وان جاز نکاح الحبلی من زنا لا یحل وطؤها رحمتی ونقل المسألة فی البحر
عن البدائع بدون قید الدخول (رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

غرة ذی الحج ۱۴۲۲ھ

مطلقة مغلظہ سے صحبت کی تو استیناف عدت نہیں:

سوال؛ ایک شخص نے مغلظ طلاق دے کر اپنی بیوی سے صحبت کی تو عدت وقت طلاق
سے شمار ہوگی، یا کہ صحبت کے بعد دوسری عدت ہوگی؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

وقت طلاق سے عدت کاملہ ضروری ہے، دوسری عدت واجب نہ ہوگی، قال فی الشامیة لو وطئها بعد الثلاث فی العدة بלא نکاح عالماً بحرمتها لا تجب عدة اخرى لانه زناؤ فی البزازیة طلقها ثلاثاً ووطئها فی العدة مع العلم بالحرمة لا تستأنف العدة بثلاث حیض ویرجمان اذا علمها بالحرمة ووجد شرائط الاحصان ولو كان منکراً طلقها لا تنقض العدة ولو ادعی الشبهة لتسقط الخ (رد المحتار ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۹ صفر ۱۴۵۵ھ

طلاق بالکناية بائن کے بعد صحبت سے عدت مستأنفہ واجب ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے کر اس سے ہمبستری کر لی تو عدت کس وقت سے شمار ہوگی ؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اگر طلاق بائن بلفظ کنایہ دی ہے تو ہمبستری کے وقت سے دوسری عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا، قال فی التنبیہ اذا وطئت المعتدة بشبهة وجبت عدة اخرى وقد اخلت: وفي الشامیة تحت (قوله بشبهة) وذلك كالموطوءة للزوج فی العدة بعد الثلاث بنکاح ورن ابد ومنه اذا قال ظننت انها تحل لی او بعد ما ابانها بالفاظ الکناية وتمامه فی الفتح (الی ان قال) والصد ر لم يجعل الطلاق علی مال والخلع کالثلاث و ذکر انه لو خالعهما ولو ببال ثم وطئها فی العدة عالماً بالحرمة تستأنف العدة لكل وطأة وتند اخل العدد الی ان تنقضي الاولى و بعده تكون الثانية والثالثة عدة الوطء لا الطلاق حتی لا یقع فیها طلاق اخر ولا تجب فیها نفقة ام وما قاله الصد رهو ظاهر ما قد مناه النعا عن الفتح حیث جعل الوطء بعد الابانة بالفاظ الکناية من الوطء بشبهة ای لقول بعض الرئیة بانه لا یقع بها الباش فادرت الخلاف فیہ شبهة (رد المحتار جلد ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۹ صفر ۱۴۵۵ھ

عدت حاملہ :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالت حمل میں طلاق دی، اب یہ عورت دوسرا نکاح کب کر سکے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اس کی عدت وضع حمل ہے، اس کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے، قال اللہ تعالیٰ
وَأَدْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، وفي شرح التثویر فی حق العامل
مطلقاً ولوامۃ او کتابیۃ او من زنا بان تزوج حبلی من زنا ودخل بها ثم مات او طلقها
تعد بالوضع جواهر الفتاویٰ وضع جمیع حملها الخ (رد المحتار باب العدة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۶ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ

بچہ پیٹ میں مر گیا تو حکیم عدت :

سوال : مطلقہ یا متوفی عنہا زوجه کے پیٹ میں اگر بچہ سوکھ گیا ہو تو عدم وضع حمل کی صورت میں اس کی عدت کتنی مدت ہوگی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دوا یا آپریشن کے ذریعہ رحم کی صفائی کرائی جائے، اگر حمل چار ماہ یا زیادہ مدت کا تھا تو بطریق
مذکور اسقاط سے عدت ختم ہو گئی، ورنہ تین حیض گزرنے پر عدت ختم ہوگی، قال ابن عابدین
رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وضع حملها) ای بلا تقدیر بمدة سواء ولدت بعد الطلاق
او الموت بیوم او اقل جوہرۃ والمراد به الحمل الذی استبان بعض خلقه او کله فان لم
یسببن بعضه لم تنقض العدة لان الحمل اسم لنطفۃ متغیرۃ فاذا کان مضغۃ
او علقۃ لم تتغیر فلا یعرف کونها متغیرۃ ببقین الا باستبانۃ بعض الخلق بحر
عن المحيط وفيه عنه ایضاً انه لا یتبیین الا فی مائۃ وعشیرین یوماً (رد المحتار ص ۶۵۶) اگر کسی طرح
بھی رحم کی صفائی ممکن نہ ہو تو دفع ضرر کیلئے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہو کہ اگر عدت چل دو سال پور کرنے کے بعد
تین ماہ عدت گزارے، قال فی العلائق ولومات فی بطنها ینبغی بقاء عدتها الی
ان ینزل او تبلغ حد الایاس نہر، وفي الشامیۃ (قوله او تبلغ حد الایاس) یعنی
فتعد بالاشهر بعد، وفيه انه منات لقوله تعالیٰ وادلات الاحمال الایۃ فتأمل
قلت وفي حاشیۃ البحر للشیخ خیر الدین لا معنی للقول بالا نقضاء مع وجوده

لاشتغال الرحم به كذا في كتب الشافعية، قال الرزلي في شرح المنهاج ولومات وسمير
 أكثر من أربع سنين لم تنقض إلا بوضعه لعموم الآية كما أفتى به الوالد لمبالاة
 بتضررها بذلك وقال ابن قاسم في حاشية شرح المنهاج، قال شيخنا الطبلاني
 أفتى جماعة عصرنا بالتوقف على خروجه والذي أقول، عدم التوقف إذا ليس من
 خروجه لتضررها بمنعها من التزوج أم ولا شيء من قواعد نايد فح ما قالوه فاعلم
 ذلك أم ملخصاً وبه ظهران المراد من قوله أو تبلغ حد الأياس هو الأياس من
 خروجه وهل المراد منه نهاية حد الحمل وهو أربع سنين عند الشافعية
 وسنتان عندنا أو أعم من ذلك محتمل والذي ينبغي العمل بما قاله
 الجماعة لموافقته صريح الآية (رد المحتار ص ۲۵۷ ج ۲) فقط والله تعالى أعلم،
 ۲ رجب ۱۲۸۶ هـ

معتدہ کرایہ مکان پر قادر نہ ہو تو اسے چھوڑ سکتی ہے :

سوال : زید اپنی زوجہ کو لے کر ایک دوسرے شہر میں بغرض روزگار کرایہ کے مکان
 میں قیام پذیر ہوا، کچھ عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، اب زید کی زوجہ اس کرایہ کے مکان میں
 عدت و فاقہ پوری کر رہی ہے، مگر اس میں اتنا کرایہ دینے کی استطاعت نہیں، تو کیا اس سے
 کم کرایہ کے مکان یا مفت کے مکان میں منتقل ہونا اور اس کرایہ کے مکان کو چھوڑ کر جانا جائز
 ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اتنے کرایہ کی استطاعت نہ ہو تو قریب تر مکان میں جاسکتی ہے، قال فی التنبیرو
 تعد ان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او یتهدم المنزل او تغات تلف مالها
 اولاً تجد کراء البیت، وفي العلائق فتخرج لاقرب موضع الیہ (رد المحتار ص ۲۵۷ ج ۲)
 فقط والله تعالى أعلم

۲۲ ذی قعدہ ۱۲۸۶ هـ

معتدہ میت شوہر کا منہ دیکھنے کے لئے گھر سے نہیں نکل سکتی :

سوال : بکر کا انتقال اس کے بھائی کے گھر دوسرے محلہ میں ہوا، تو زوجہ بکر شوہر
 متوفی کا منہ دیکھنے کے لئے دوسرے محلہ میں از روئے شرع جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ تجہیز و

تکفین کے بعد واپس شوہر کے مکان میں آکر عدتِ وفات پوری کرے، جبکہ زوجہ بکر کو بکر کے مکان پر وفات کی خبر ہو چکی ہو، تو کیا وفات کی خبر سنکر بھی نکلنا جائز ہو گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

معتدة موت کے پاس اگر نفقہ نہ ہو تو کسبِ معاش کی حاجت سے گھر سے نکل سکتی ہے، اسی طرح اس کے مال کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس کے لئے بقدر حاجت گھر سے نکل سکتی ہے، رات کا اکثر حصہ یہ کیفیت گھر میں گزارنا ضروری ہے، ضرورتِ مذکورہ کے سوا دن میں بھی گھر سے نہیں نکل سکتی، لہذا شوہر کا منہ دیکھنے کے لئے نکلنا جائز نہیں، قال فی شرح التنویر ومعتدة موت تخرج فی الجدیدین تبیت، اکثر اللیل فی منزلہا لان نفقۃہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لوکان عندہا کفایۃ ما صارت کاملۃ فلا یحل لہا الخروج فتح وجوز فی القنیۃ خروجہا لاصلاح مالہا لاید لہا منہ کزراعة ولا وکیل لہا، و التفصیل فی الشامیۃ (رد المحتار ص ۶۷۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رزی قعدہ ۱۲۸۶ھ

سفر میں وجوبِ عدت:

سوال: عمر اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر دوسرے شہر میں ہمشیرہ کے گھر بطور ہمان کے یا بغرض کاروبار کے آیا ہوا تھا، وہیں عمر کا انتقال ہو گیا، تو کیا عمر کی زوجہ عمر کی ہمشیرہ کے مکان پر عدتِ وفات پوری کرے یا تجہیز و تکفین کے بعد فوراً اس شہر میں چلی جائے جہاں پر خاوند کا مکان ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر کا گھر جائے اقامت سے مسافتِ سفر سے کم ہو تو بیوی وہاں آکر عدت گزارے، اور مسافتِ سفر سے زیادہ ہو تو جائے اقامت ہی میں عدت پوری کرے، قال فی شرح التنویر ایانہا اومات عنہا فی سفر ولو فی مصر ولیس بینہا و بین مصر ہا مدة سفر رجعت ولو بین مصر ہا مدة (الی قولہ) تعتد ثلثة ان لم تجز محرماً اتفاقاً و کذا ان وجد عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ، (رد المحتار ص ۶۷۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رزی قعدہ ۱۲۸۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک عورت ہندوستان گئی ہوئی ہے، بعد میں اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اب یہ عدت وہیں گزارے یا واپس آکر شوہر کے مکان پر؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر واپسی سفر میں اس کے ساتھ کوئی محرم نہیں تو وہیں عدت گزارے اور اگر محرم ہے تو قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق وہیں عدت گزارنا لازم ہے، مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس آکر شوہر کے مکان پر عدت گزارے، بوقت ضرورت شدیدہ اس قول پر عمل کی گنجائش ہے، یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ وہاں قیام ممکن ہو، اگر وہاں کی حکومت مدت عدت تک قیام کی اجازت نہ دے تو بہر حال واپس آجائے، قال فی شرح التتویرات مرت بہما یصلح للاقامة کما فی البحر وغیرہ زاد فی النہر و بینہ و بین مقصد ہا سفر او کانت فی مصر او قریۃ تصلح للاقامة تعد ثمة ان لم تجد محرماً اتفاقاً و کذا ان وجدت عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۶۷۶ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم غرة ربيع الآخر ۱۴۰۸ھ

اسقاط حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے:

سوال: عدت والی عورت اگر اپنا حمل بذریعہ دوا اسقاط کر دے تاکہ عدت جلدی ختم ہو جائے تو عدت ختم ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حمل چار ماہ یا اس سے زائد مدت کا ہو تو اس کے اسقاط سے عدت ختم ہو جائے گی، ورنہ اس کے بعد تین حیض گزرنے سے عدت ختم ہوگی، اس صورت میں اسقاط کے بعد اگر کم از کم تین روز خون آئے تو وہ بھی حیض شمار ہوگا، اس کے بعد مزید دو حیض پورے کرے، اور اگر تین روز سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں، لہذا اس کے بعد تین حیض گزرنے سے عدت پوری ہوگی، فی حیض العلائیۃ و سقط مثلث السین ای مسقوط ظہر بعض خلقہ کید اور جل او اصبع او ظفر او شعرو لا یستبین خلقہ الا بعد مائة و عشرين يوماً (الی قولہ) و تنقضي به العدة فان لم یظهر له شیء فلیس شیء و فی الشامیۃ (قولہ) مسقوط

الذی فی البحر التعلیل بالساقط وهو الحق لفظاً ومعنی اما لفظاً فلان سقط لازم لا یبنی منه اسم المفعول واما معنی فلان المقصود سقوط الولد سواء سقط بنفسه او اسقطه غیره ۳ (رد المحتار ص ۸، ۲، ج ۱) فقط وادّٰه تعالیٰ اعلم،

۲۲، رمضان ۱۲۸۷ھ

عدت ختم کرنے کے لئے اسقاطِ حمل :

سوال: جناب کا تحریر فرمودہ فتویٰ موصول ہوا، شکریہ! اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر دوا کے ذریعہ حمل ساقط کر دیا تو عدت تو ختم ہے، مگر اس حل کا ساقط کرنا تا کہ عدت ختم ہو جائے جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور کسی قسم کا گناہ بھی ہو گا یا نہیں؟ بینوا ووجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

حل پر چار ماہ گزرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز نہیں، اس سے قبل جواز میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ بدون سخت مجبوری کے یہ بھی جائز نہیں، ولادت تک عدت میں کوئی ضرر نہیں، اگر اس میں ضرر ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسا مشکل حکم کیوں نازل فرماتے؟ ان کا تو ارشاد ہے کہ انھوں نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس میں ضرر ہو، وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ، لہذا اس غرض سے اسقاط جائز نہیں، فی حیض الشامیة معزیا للعقد الفرائد قالوا یباح لها ان تعالج فی استئصال الدم مادام الحمل مضغة او علقة ولم یعلق له عضو وقد رآ تلك المدة بمائة وعشرين يوماً وانما ابا حوا ذلک لانه لیس بادی ام (رد المحتار ج ۱) وفی مہر العلامیة وقالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر ولو بلا اذن الزوج، وفی الشامیة قال فی النہر بقی ھل یباح الاسقاط بعد الحمل نعم یباح ما لم یتخلق منه شیء ولن یمکن ذلک الا بعد مائة وعشرين يوماً وھذا لیتقضى انھم ارادوا بالتخلیق نفخ الروح والا فهو غلط لان التخلیق یتحقق بالمشاہدۃ قبل ھذه المدة کذا فی الفتح واطلاقہم یفید عدم توقف جواز اسقاطہا قبل المدة المذكور علی اذن الزوج وفی کراہۃ الخانیة ولا اقول بالحل اذ المحرم لو کسر بیض الصید ضمنہ لانه اصل الصید فلما کان یؤخذ بالجزاء فلا اقل من ان یلحقھا اشم هنا اذا سقطت بغیر عن راہ قال ابن وہبان ومن الامن اراہ ینقطع لبنھا بعد ظہور الحمل ولیس لابی العصبی ما یتأجر بہ الظئر ویغان ہلاکہ ونقل عن الذخیرۃ

لو ارادت الالتقاء قبل مضي زمن ينفخ فيه الروح هل يباح لها ذلك ام لا اختلفوا فيه
 وكان الفقيه على بن موسى يقول انه يكره فان الماء بعد ما وقع في الرحم ماله الحياة
 فيكون له حكم الحياة كما في بيضة صيد الحرم ونحوه في الظهيرية قال ابن وهبان
 فاباحة الاستقاط محمولة على حالة العذر ولو انها لا تأثم اثم القتل ام وبما في الذخيرة
 تبين انهم ما ارادوا بالتخليق الانفخ الروح وان قاضى خان مسبوق بما مر من
 التفقه والله تعالى الموفق اه كلام التهرج (رد المحتار ص ۳۱۳ ج ۲) وفي الحظر
 منها قبيل باب الاستبراء وفي الذخيرة لو ارادت القاء الماء بعد وصوله الى
 الرحم قالوا ان مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبيل اختلف المشايخ فيه
 والنفخ مقدربمائة وعشرين يوما بالحدث اه قال في الخانية ولا اقول به
 لضمان الحرم بيض الصيد لانه اصل الصيد فلا اقل من ان يلحقها اثم وهذا
 لو بلا عذر اه ويأتي تمامه قبيل احياء الموات والله تعالى اعلم (رد المحتار ص ۲۶۳ ج ۵)
 وفي العلائقة قبيل احياء الموات ويكره ان تسقى لاستقاط حملها، وجاز لعذر حيث
 لا يتصور، وفي الشامية (قوله ويكره الخ) اي مطلقا قبل التصور وبعد على ما اختار
 في الخانية كما قد مناه قبيل الاستبراء وقال الا انها لا تأثم اثم القتل
 لقوله وجاز لعذر كالمرضعة اذ اظهر بها الحمل وانقطع لبنها وليس لابن الصبي
 ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح لها ان تعالج في استنزال
 الدم مادام الحمل مضغة او علقة ولم يخلق له عضو وقد رواتك المدة
 بمائة وعشرين يوما وجاز لانه ليس بأدمى وفيه صيانة الأدمى خانية
 لقوله حيث لا يتصور قيد لقوله وجاز لعذر والتصور كما في القنية ان يظهر
 له شعرا واصبع او رجل او نحو ذلك (رد المحتار ص ۳۰۵ ج ۵) فقط والله تعالى اعلم

۱۲ شوال ۱۲۸۸

عدت ممتدة الطهر:

سوال: اگر کسی جوان عورت کو ماہواری بالکل نہ آتی ہو یا بہت طویل عرصہ کے
 بعد آتی ہو اور اس کو طلاق ہو جائے تو وہ عدت کیسے گزارے؟ کیا تین مہینے پورے کرنے
 سے عدت ختم ہو جائے گی یا شرعاً کوئی دوسرا طریقہ ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جس عورت کو شروع ہی سے حیض بالکل نہ آیا ہو اس کی عمر تین سال ہو جانے پر وہ ایسے شمار ہوگی، اور اگر حیض آنے کے بعد بالکل بند ہو گیا یا بہت مدت کے بعد آتا ہو تو یہ بچپن سال کی عمر ہونے پر ایسے ہوگی، دونوں قسم کی ایسے کی عدت تین مہینے ہے، مگر صورت ثانیہ میں یہ شرط کہ کم از کم چھ ماہ سے حیض بند ہو، یہ چھ ماہ کی مدت بچپن سال کی عمر پوری ہونے سے قبل گزر چکی ہو تو وہ بھی معتبر ہے، یعنی اس صورت میں بچپن سال پورے ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی، دونوں قسم کے ایسا میں اگر عدت کے تین ماہ پورے ہونے سے قبل حیض جاری ہو گیا تو از سر نو عدت تین حیض پوری کرے، اگر سن ایسا سے قبل عدت کی نوبت آجائے تو بذریعہ علاج حیض جاری کر کے تین حیض عدت پوری کرے، اگر کسی علاج سے بھی حیض جاری نہ ہو تو بوقت ضرورت کسی مالکی قاضی سے ایک سال کی عدت کا فیصلہ کرایا جائے اگر مالکی قاضی میسر نہ ہو اور ضرورت شدید ہو تو بدوین قضاء بھی ایک سال کی عدت کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے، قال فی العلائق آیة اعتدت بالاشهر ثم عاد د مہا علی جاری عادتہا او حبلت من زوج آخر بطلت عادتہا وفسد نکاحہا واستأنفت بالحیض لان شرط الخلیفة تحقق الایاس عن الاصل وذلك بالعجز الدائم الى الموت وهو ظاهر الرواية کما فی الغایة واختاره فی الہدایة فتعین المصیر الیہ قال فی البحر بعد حکایة ستة اقوال مصححة واقرة المصنف لکن اختار الیہ منی ما اختارہ الشہید انہما ان رأته قبل تمام الاشهر استأنفت لا بعد ہا قلت وهو ما اختاره صدر الشریعة ومثلا خسر والبا قانی واقرة المصنف فی باب الحیض وعلیہ فالنکاح جائز وتعد فی المستقبل بالحیض کما صحح فی الخلاصة وغیرہا فی الجوہرۃ والمجتبیٰ انہ الصحیح المختار وعلیہ لفتاویٰ فی تصحیح القدوری وھذا التصحیح اولیٰ من تصحیح الہدایة و فی النہار نہ اعدل الروایات وتسامہ فیما علقہ علی الملتقى، والصغیرہ لو حاضت بعد تمام الاشهر لا تستأنف الا اذا حاضت فی اثنا عشر مہا فتستأنف بالحیض کما تستأنف العدة بالشہور من حاضت حیضہ او ثنتین ثم ایست تحرزا عن الجمع بین الاصل والبدل والایاس سنہ للرومیة وغیرہا خمس وخمسون عند الجمهور وعلیہ الفتویٰ وقیل الفتویٰ علی خمسين مہر و فی البحر عن الجامع صغیرہ بلغت ثلاثین سنہ ولم تحض حکم

بإياسها في الشامية ر قوله وفي البحر عن الجامع الخ يحتل ان يكون مبنيًا على القول
بتقديره بثلاثين لكن ظاهر قوله ولم تحض أنها لم يسبق لها حيض أصلاً وهي
الشابة التي بلغت بالسن ومرحكمها ويؤيد ما في التاترخانية عن الينا بيع
امراة ما رأته الدم وهي بنت ثلاثين سنة مثلاً رأيت يوماً ما لا غير ثم طلقها
زوجها قال ليست هي بآيسة وقال أبو جعفر تعد بالشهر ولا منها من اللاتي لم يحض
وبه نأخذ أه (رتبديه) هل يؤخذ بقولها أنها بلغت سن الإياس كما يقبل قولها
بالقبول بعد الصغرام لا بد من بينة لمرار من صرح به من علمائنا وينبغي الأول
على رواية التقدير بسنة، أما على رواية عدمه فالمعتبر اجتهاد الرأي كما مر تأمل
رتبته) وذكر في الحقائق شرح المنظومة النسفية في باب الامام مالك ما نصه
وعندنا ما لم تبلغ حد الإياس لا تعد بالشهر وحدة خمس وخمسون
سنة هو المختار لكنه يشترط للحكم بالإياس في هذه المدة ان ينقطع الدم
عنها مدة طويلة وهي ستة أشهر في الأصح ثم هل يشترط ان يكون انقطاع
سنة أشهر بعد مدة الإياس الأصح أنه ليس بشرط حتى لو كان منقطعاً قبل
مدة الإياس ثم تمت مدة الإياس وطلقها زوجها يحكم بإياسها وتعد بثلاثة
أشهر هذا هو المنصوص في الشفاء في الحيض وهذه دقيقة تحفظ اه ونقل هذه
العبارة وأقر الشهاب أحمد بن يونس الشلبى في شرحه على الكنز من خط العلامة
بأكبر شارح الكنز غير معزية لأحد ونقلها ط عن السيد الحموى (ر المختار ٦٥٩)
وقال في العلائقية والعدة في حق من لم تحض حرة أم أم ولد الصغر
بان لم تبلغ تسعاً أو عشرين بلغت سن الإياس أو بلغت بالسن وخرج بقوله
ولم تحض الشابة المستدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعد بالحيض
الى ان تبلغ سن الإياس جوهره وغيرها وما في شرح الوهبانية من انقضائها
بتسعة أشهر غريب مخالف لجميع الروايات فلا يفتى به كيف وفي كاح الخلاصة
لوقيل لعنفي ما من هب الامام الشافعي رحمه الله تعالى في كذا اوجب ان يقول
قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى كذا انعم لوقضى مالكى بذلك فخذ كما في البحر
والنهر وقد نظمه شيخنا الخير الرملى سالما من النقد فقال هـ

لمتدّة طهر ابتسعة اشهر ؛ وماعدة ان مالكي يقتدر
ومن بعده لا وجه للتقصّ هكذا ؛ يقال يلا تعد عليه ينظر
وفي السامية (قوله) او بلغت بالسن (اي خمس عشرة سنة طعن العناية
ومثلها) وبلغت بالانزال قبل هذه المدة وقوله ولم تحض شامل لما اذا لم تر
دما اصلا اورأت وانقطع قبل التمام قال في البحر عن التاترخانية بلغت فرأت
يومئذ ما ثم انقطع حتى مضت سنة ثم طلقها فعدتها بالاشهر ام وسيد كسر
الشارح عن البحر انها اذا بلغت ثلاثين سنة ولم تحض حكم بياسها وياتي
بيانه (قوله بان حاضت) اي ثلاثة ايام مثلاً (قوله ثم امتد طهرها) اي سنة
او اكثر بحر (قوله من انقضائها بتسعة اشهر) ستة منها مدة الاياس وثلاثة
منها للعدة ورأيت بخط شيخ مشايخنا الساعدي ان المعتمد عند المالكية انه
لا بد لوفاء العدة من سنة كاملة تسعة اشهر لمدة الاياس وثلاثة اشهر لا نقضاء
العدة قلت ولذا عبر في المجمع بالحول (قوله فلا يفتى به) اعترض بانه قول مالك
رحمه الله تعالى والتقليد جائز بشرط عدم التلقين كما ذكره الشيخ حسن الشربلاني
في رسالته بل ومع التلقين كما ذكره السلا ابن فروخ في رسالة قلت ما ذكره ابن
فروخ رده سيدى عبد الغنى في رسالة خاصة والتقليد وان جاز بشرطه فهو
للعامل لنفسه لا للمفتي لغيره فلا يفتى بغير الرجوع في مذهبه لما قدمه الشارح
في رسم المفتي بقوله وحاصل ما ذكره الشيخ قاسم في تصحيحه انه لا فرق بين
المفتي والقاضي الا ان المفتي مخبر عن الحكم والقاضي ملزم به وان الحكم
والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع وان الحكم الملق باطل بالاجماع
وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقا الخ وقد منا الكلام عليه هناك
فانهم (قوله) وجب ان يقول الخ (هنا مبني على قول بعض الاصوليين لا يجوز
تقليد المفضول مع وجود الفاضل وبني على ذلك وجوب اعتقاد ان مذهب سوا
يحتل الخطأ وان مذهب غيره خطأ) يشمل الصواب فاذا سئل عن حكم لا يجيب
الا بها هو صواب عنده فلا يجوز ان يجيب بمذهب الغير وقد مناني ديباجة
الكتاب تمام الكلام على ذلك (قوله نعم لو قضى مالكي بذلك نقذ) لانه مجتهد فيه

وهذا كله رد على ما في البرازية قال العلامة والفتاوى في زماننا على قول مالك رحمه الله تعالى وعلى ما في جامع الفصولين لو قضى قاض بانقضاء عدتها بعد مضي تسعة أشهر نفذ أمره لأن المعتمد أن القاضي لا يصح قضاؤه بغير من هبه خصوصاً قضاء زماننا (قوله لمستدة) بالتثمين ونصب طهر على التمييز (قوله وفاعدة) بقصر وفالضرورة وهو مبتدأ خبره قوله بتسعة أشهر الجملة دليل جواب الشرط الذي هو أن ما لكى يقدر يعني أن حكم القاضي المالكى يتقدر التسعة أشهر لمستدة الطهر كان هذا المقدار عدتها من عدة أى من بعد قضاء القاضي المالكى بهذا المقدار لوجه لنقض القاضي الحنفى حكمه لأنه نص مجتهد فيه فقضاؤه رفع الخلاف أمره وفي بعض النسخ أن ما لكى يقرر بالبراءة لكن قد علمت أن المعتمد عند المالكية تقدير المدة بحول ونقله أيضاً في البحر عن المجمع معزياً لما لك رحمه الله تعالى (قوله هكذا يقال) يعني ينبغي أن يقال مثل هذا القول الخالي من نقد واعتراض ينظر به عليه لا كما قال بعضهم من أنه يفتى به للضرورة أمره قلت لكن هذا ظاهر إذا أمكن قضاء ما لكى به ارتحيمه أما في بلاد لا يوجد فيها ما لكى يحكم به فالضرورة متحققة وكان هذا وجه ما مر عن البرازية والفصوليين فلا يرد قوله في النهر أنه لا داعي إلى الاقتداء بقول نعتقد أنه خطأ يحتمل الصواب مع إمكان التراجع إلى ما لكى يحكم به أمره تأمل ولهذا قال الزاهدى وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالك رحمه الله تعالى في هذه المسألة للضرورة أمره ثم رأيت ما بحثه بعينه ذكره محشى مسكين عن السيد الحموى وسيأتى لظير هذه المسألة في زوجه المفقود حيث قيل أنه يفتى بقول مالك رحمه الله تعالى أنها تعتد عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين (مراد المختار ص ۶۵۳ ج ۲) فقط والله تعالى أعلم

۲۵ / رجب ۱۲۸۵

نامرد سے خلوة صحیح کے بعد عدت اور مہر کامل واجب ہے :
سوال : شاکرہ کا نکاح زید سے ہوا، میاں بیوی دونوں ایک جگہ تنہائی میں جمع بھی ہوئے مگر زید کے نامرد ہونے کی وجہ سے مباشرت کی نوبت نہیں آئی، طلاق کے بعد شاکرہ پر عدت

ہو کہ نہیں؟ اور زید کے ذمہ مہر کی رقم کُل ہے یا کچھ کم؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید پر کُل مہر واجب ہے اور طلاق کے بعد شاکرہ پر عدت واجب ہوگی، قال فی التزویر والخلوة بلا مانع (الی قولہ) کالوطء ولو مجبوراً و عیننا و حسیاً فی ثبوت النسب و تأکد المهر و النفقة و السكنی و العدة الخ (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غزہ ذی الحجہ ۹۲ھ

عورت اپنے رہائشی مکان میں عدت گزارے:

سوال: زید اپنے گھر سے دوسرے شہر میں بغرض کاروبار مع اہل و عیال کے کرایہ کے عارضی مکان میں رہنے لگا، یہاں زید کا انتقال ہو گیا، تو عورت اپنے خاوند کے مکان پر دوسرے شہر میں جہاں سے زید آیا تھا وہاں جا کر عدت پوری کرے یا یہاں پر ہی خواہ اسی مکان میں یا یہاں سے دوسرے محلہ میں اپنے والدین یا رشتہ دار کے مکان میں عدت وفات پوری کرے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اسی عارضی مکان میں عدت گزارنا واجب ہے، قال فی العلائق و تعدد ان ای معتدة طلاق و موت فی بیت و جبت فیہ، و فی الثامیة هو ما یضات الیہما بالسکنی قبل الفرقة ولو غیر بیت الزوج (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۸ محرم ۹۳ھ

عدت میں سفر جائز نہیں:

سوال: ایک بزرگ جن کا حلقہ متوسلین و در دراز پھیلا ہوا ہے ان کے دو حرم سرگتھیں، ایک لاولد اور دوسری سے دو صاحبزادے ۹ اور ۵ سال کے، باقی صاحبزادیاں ہیں ہر دو اہلیہ مختلف شہروں میں سکونت پذیر ہیں، اب وہ بزرگ صاحب کی وفات کے بعد عدت اپنے اپنے گھروں میں بسر کر رہی ہیں، حضرت صاحب کے خدام نے مختلف امور، انتخاب جانشین، انتظام و انصرام جائداد، پسماندگان کے بارے میں معاش کا بندوبست، اور اس قسم کے دوسرے مسائل طے کرنے کے لئے ایک اجتماع مقرر کیا ہے، جس کی اطلاع حلقہ مریدین میں کر دی گئی ہے، یہ اجتماع اسی شہر میں رکھا گیا ہے جہاں حضرت صاحب کی اولاد

اہلیہ رہتی ہیں، اور حضرت صاحب کے مزار کے علاوہ ان کی زیر تعمیر مسجد اور جاری کردہ مدرسہ واقع ہیں، متوسلین کی خواہش ہے کہ بڑی اہلیہ صاحبہ بھی اس مقام پر تشریف لے آئیں، تاکہ زیر غور امور کے متعلق ان سے مشاورت کی جاسکے، ایسا نہ ہو کہ کسی امر کا ان کی مرضی کے خلاف فیصلہ ہو جائے جس سے ان کا نقصان ہو، یا بعد میں تنازعات کھڑے ہو جائیں، کیا ایسی صورت میں بڑی اہلیہ صاحبہ دورانِ عدت اس مقام پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟ جبکہ وہ مقام کم و بیش سو میل دور ہے، بینوا قوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

معتدۃ موت اپنے معاشی انتظام کے لئے دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں اپنے گھر سے نکل سکتی ہے، رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارنا واجب ہے، مگر اس کے لئے بقدر سفر شرعی = ۹۸،۷۵ کلومیٹر مسافت طے کرنا جائز نہیں، مسافت سفر شرعی کی تحقیق میرے رسالہ ”القول الاظهر فی تحقیق مسافة السفر“ میں ہے، یہ رسالہ الگ بھی شائع ہوا ہے اور احسن الفتاویٰ جلد ۴ میں بھی، صورتِ سوال میں مقام فیصلہ تک سفر شرعی ہے، اس لئے وہاں جانا جائز نہیں، سفر شرعی سے کم فاصلہ پر اجتماع رکھیں تو وہاں جاسکتی ہیں، وہ بھی اس شرط سے کہ نہ جانے کی صورت میں ان کو مالی نقصان کا خطرہ ہو، اور کوئی ایسا قابلِ اعتماد شخص بھی موجود نہ ہو جو اجتماع میں ان کی ناسندگی کر سکے، اس لئے خود جانے کی ضرورت ہو، اور دن میں جاتیں رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گذاریں، قال فی شرح التنبیہ ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وبتیت اکثر اللیل فی منزلہا لان نفقہا علیہا فتحتاج للخروج حتی لو کان عندہا کفایتہا صار کاملطقة فلا یحل لها الخروج فتح، وجوز فی القنیۃ خروجہا لاصلاح مالہا لہامنه کنزراۃ ولا وکیل لہا (رد المحتار ص ۶۷۲ ج ۲) وفيہ اوکانت فی مصر او قریۃ تصلہ لا قامة تعد ثمة ان لم تجد معرما اتفاقا وکن ان وجدت عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۶۷۶ ج ۲) وفي الخانیۃ المعتدۃ لا تسافر لحج ولا لغيرہ ولا یسافر بہا زوجہا عند تار الخانیۃ علی ما مش الہندیۃ ص ۵۵۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳۱ سوال سلسلہ

معتدۃ موت کو تنہائی سے سخت وحشت ہو تو مکان بدل سکتی ہے:

سوال، معتدۃ موت اپنے شوہر کے مکان میں عدت گزارنے سے معذور ہے، اکیل ہی اور کوئی اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا، آیا کسی اور مکان میں عدت گزار سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا قوجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر تنہائی کی وجہ سے جان یا عورت یا مال پر خطرہ ہو یا اکیلی ہونے کی وجہ سے سخت وحشت ہوتی ہو تو دوسرے کسی قریبی مکان میں عدت گزار سکتی ہے، قال فی شرح التتویر وتعد ان ای معتدة طلاق وموت فيه ولا يخرج ان منه الا ان تخرج او يتهدم المنزل او تغافا انهدامه او تلف مالها او لا تبعه كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات في خروج لا قرب موضع اليه وفي الطلاق الى حيث شاء الزوج، وفي الشامية (قوله ونحو ذلك) منه مافی الظهيرية لو خافت بالليل من امر الميت والموت ولا احد معها لها التحول والخوف شديد او الا فلا (رد المحتار ص ۶۷۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم، ۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ

معتدہ کا علاج کے لئے نکلنا؛

سوال؛ معتدہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جا کر دوا لانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ڈاکٹر کو گھر پر نہ بلایا جاسکتا ہو اور مرض شدید ہو تو ایسی مجبوری میں ڈاکٹر کے پاس جانا جائز ہے، قال فی شرح التتویر وتعد ان ای معتدة طلاق وموت في بيت وجيت فيه ولا يخرج ان منه الا ان تخرج او يتهدم المنزل او تغافا انهدامه او تلف مالها او لا تبعه كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات، وفي الشامية (قوله ونحو ذلك) منه مافی الظهيرية لو خافت بالليل من امر الميت والموت ولا احد معها لها التحول والخوف شديد او الا فلا (رد المحتار ص ۶۷۲ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۲۱/ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ

متعدہ مکانوں کے مشترک صحن میں جانا؛

سوال؛ ایک جگہ دس بارہ مکان ملے ہوئے ہیں، پھر ان سب کے لئے نکلنے کا ایک بڑا دروازہ ہے، یعنی مکانات سے الگ سب کا ایک دروازہ ہے، اس محلہ کی قلعہ نما شکل ہے، اگر ان میں سے کسی مکان میں موت ہو جائے تو کیا عدت والی عورت دوسرے مکان میں اور باہر مشترک صحن میں جاسکتی ہے؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

دوسرے مکان میں اور مشترک صحن میں جانا جائز نہیں، البتہ یہ سب مکان اسی عورت کے شوہر کی ملک ہوں تو ان میں سے جس مکان میں چاہے جاسکتی ہے، اور صحن میں جانا بھی جائز ہے، قال فی التنبیہ ولا تخرج معتدة رجعی وبائن لحرمة مکلفۃ من بیتہا اصلاً، وفي الشرح لالیل ولا نهاراً ولا الی صحن دار فیہا منازل لغيرہ ولو باذنه لانه حق الله تعالى، وفي الشامیة رقلہ وفيہا منازل لغيرہ، ای غیر الزوج بخلاف ما اذا كانت له فان لها ان تخرج الیہا وتبیت فی ائی منزل شاءت لانہما تنصت الیہا بالسکنی زیلعی (رد المحتار ص ۳، ۶، ۲۷) فقط والله تعالیٰ اعلم

۸/ جمادی الاولیٰ ۹۵ھ

عدت میں بضرورت کنگھی کرنا جائز ہے:

سوال: معتدہ کے سر میں جو تین پڑ جائیں تو بالوں میں تیل لگا کر باریک دندانوں کی کنگھی کے سوا جو تین نہیں نکلیں گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسی ضرورت کے موقع میں معتدہ کو بالوں میں تیل لگا کر باریک دندانے کی کنگھی استعمال کرنا جائز ہے، بلا ضرورت کشادہ دندانوں والی کنگھی بھی جائز نہیں، قال فی شرح التنبیہ وحد (الی قولہ) بتبرک الزینۃ بحلی او حریر او امتشاط بضیق الاسنان (الی قولہ) الا بعد ر راجع للجمیع اذا الضرورات تبیح المحظورات، وفي الشامیة (قوله ضیق الاسنان) فلها الامتشاط باسنان المشط الواسع ذکرة فی المبسوط وبحث فیہ فی الفتح لکن یأتی عن الجوهرۃ تقييداً بالعدر ثم قال تحت (قوله راجع للجمیع) او تشتکی رأسها فتدھن وتمشط بالاسنان الغلیظة المتباعدة من غیر ارادة الزینۃ لان هذا تد اولاً زینۃ (رد المحتار ص ۶۰، ۲۷) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۷/ رمضان ۹۵ھ

نکاح باطل میں عدت نہیں:

سوال: سماء حسنیٰ کی شادی نور بشر سے ہوئی، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، ایک سال کے بعد نور بشر معاشی ضرورت کے پیش نظر پردیس چلا گیا، اور گھر والوں کو خط و کتابت سے

سے محروم رکھا، حُسنی ساس مسسر کے پاس رہ کر زندگی کے دن کاٹ رہی تھی، کہ لڑکا مرض نہانا میں مبتلا ہو گیا، (نہانا بچوں کی مخصوص بیماری کا نام ہے) واضح ہو کہ حُسنی کے والدین، بہن بھائی یا دیگر خاص رشتہ دار کوئی بھی نہیں، صرف ایک پھوپھی ہے، لڑکے کے علاج کی غرض سے حُسنی پھوپھی کے پاس گئی، ہفتہ عشرہ رہی، پھوپھی نے دباؤ ڈالا کہ تمہارا خاوند سال بھر سے غائب ہو اور ساس مسسر کے پاس کب تک زندگی گنوا تی رہو گی؟ مناسب ہے کہ میرے لڑکے سے عقد کر لو، دباؤ سے جب کام نہیں چلا تو تشدد سے کام لیا، اور دیگر حربے استعمال کئے، بالآخر اپنے لڑکے سے حُسنی کا عقد کرادیا، چند روز بعد نور بشر کا خط آیا، پھر چند مہینے کے بعد وہ خود بھی آگیا، تو حُسنی اپنی مرضی سے بچہ کو لے کر نور بشر کے ہاں آگئی، پس از روئے شرع حُسنی نور بشر کی بیوی ٹھہرے گی یا نہیں؟ اور نور بشر کے لئے کیا لازم ہوگا؟ نور بشر کے سفر کی مدت تقریباً دو سال ہوگی، بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حُسنی کا نکاح نور بشر سے بدستور قائم ہے، دوسرا نکاح باطل ہے، لہذا حُسنی پر عدت واجب نہیں، اور اگر دوسرے نکاح سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ بھی پہلے شوہر کا شمار ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ صفر ۱۴۱۸ھ

بحالت عدت ہسپتال میں رہنا:

ہندہ نے ڈاکٹر سے پیٹ کا آپریشن کرایا، جبکہ آپریشن اشد ضروری تھا، اب ہندہ کا شوہر مر گیا، ہندہ ہسپتال میں زیر علاج ہے، تو وہ عدت وفات کس طرح پوری کرے؟ اور کہاں پوری کرے؟ اور اگر ہندہ گھر آجائے اور زخموں میں پیپ پڑ جائے تو ایسی حالت میں دوران عدت پھر ڈاکٹر کے پاس جا کر مرض بتانا اور دکھانا ہندہ کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جب تک ہسپتال میں رہنا اشد ضروری ہو وہاں رہے، اس کے بعد شوہر کے مکان میں آجائے، پھر ہسپتال میں جا کر ڈاکٹر کو دکھانے کی سخت ضرورت پیش آئے تو ایسی مجبوری میں ہسپتال جانا جائز ہے، قال فی العلائقہ وتعدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منه الا ان تخرج او یتھدم المنزل او تخاف انھما امه او تلف

مالها ولا تجد كراء البيت ونحو ذلك من الضرورات، وفي الشامية (قوله ونحو ذلك) منه ما في الظهيرية لو خافت بالليل من أمر الميت والموت ولا أحد معها التحول والخوف شديد أو الأفلار (رد المحتار ص ۲۶۷ ج ۲) فقط والله تعالى أعلم،

۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ

صغیرہ کو عدت میں حیض آگیا:

سوال: ایک نابالغہ مطلقہ لڑکی کی عدت بالا شہر شروع ہوئی، مگر تین ماہ مکمل ہونے سے قبل اسے حیض آنا شروع ہو گیا، کیا اب یہ عدت بالا شہر مکمل کرے یا نئے سرے سے تین حیض پورے ہونے تک عدت رہے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تیسرا حینہ پورا ہونے سے خواہ ایک ہی منٹ پہلے حیض آگیا تو نئے سرے سے حیض سے عدت شمار کرے اور تین حیض پورے کرے، قال فی العلائق والصغیرہ لو حاضت بعد تمام الاشهر لا تستأنف الا اذا حاضت فی اثنائھا فتستأنف بالحیض، وفي الشامية (قوله فی اثنائھا) ای قبل تمام مہا ولو بساعة طرر (المختار ص ۲۶۸ ج ۲) فقط والله تعالى أعلم، غرة ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

اثنا عشر عدت میں حیض بند ہو گیا:

سوال: ایک مطلقہ عورت کی عدت بالا حیض شروع ہوئی، مگر تین حیض مکمل ہونے سے پہلے اس کا دم حیض بند ہو گیا، اب یہ عورت عدت کیسے پوری کرے؟ اگر دو حیض آنے کے بعد حیض بند ہو گیا تو کیا اب صرف ایک ہینہ گزر جانے سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ عورت سن ایسا کو پہنچ چکی ہے تو نئے سرے سے عدت بالا شہر پوری کرے، مگر چونکہ انقطاع حیض کے بعد چھ ماہ گزرنے کے بعد حکم ایسا ہوتا ہے، اس لئے چھ ماہ کے بعد مزید تین ماہ عدت کے ہوں گے، اگر سن ایسا کو نہیں پہنچی تو تیسرے حیض کا انتظار کرے، سن ایسا بچپن سال ہے، بشرطیکہ انقطاع دم کے بعد چھ ماہ گزر جائیں، یعنی حکم ایسا کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک بچپن سال کی عمر ہونا، اور دوسری انقطاع حیض پر چھ ماہ گزرنا، یہ چھ ماہ بچپن سال

کے بعد گزرنا ضروری نہیں بلکہ اگر بچپن سال کی عمر سے قبل انقطاع حیض پر چھ ماہ گزر گئے تو بچپن سال کی عمر ہونے پر حکم ایسا لگایا جائے گا، قال فی شرح التنویر والصغیرة لو حاضت بعد تمام الاشهر لا تستأنف الا اذا حاضت فی اثنا عشر فاستأنف بالحیض کما تستأنف العا بالشهور من حاضت حیضة او ثنتين ثم ایست تحرراً عن الجعم بین الاصل والبدل والایاس سنة للرومية وغيرها خمس وخمسون عند الجمهور وعليه الفتاویٰ وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى (تتمة) ذکر فی الحقائق شرح المنظومة النسفية فی باب الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ما نصه وعندنا ما لم تبلغ حد الایاس لا تعتد بالاشهر وحده خمس وخمسون سنة هو المختار لكنه یشرط للحکم بالایاس فی هذه المدة ان ینقطع الدم عنها مدة طويلة وهی ستة اشهر فی الاصح ثم هل یشرط ان ینقطع انقطاع ستة اشهر بعد مدة الایاس الاصح انه لیس بشرط حتى لو کان منقطعاً قبل مدة الایاس ثم تمت مدة الایاس وطلقها زوجها حکم بالایاس بها وتعتد بثلاثة اشهر هذا هو المنصوص فی الشفاء فی الحیض وهذه دقیقة تحفظ اہم ونقل هذه العبارة واقربها الشهاب احمد بن یونس الشلبی فی شرحه علی الكنز من خط العلامة بأكبر شارح الكنز غیر معزیه لاحد ونقلها طعن السید الحموی (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

غرة ربيع الاخر ۹۸ھ

بعد البلوغ حیض نہ آئے تو عدت تین ماہ ہے؛

سوال؛ ایک عورت کو سن بلوغ سے لے کر تا وقت طلاق حیض نہیں آیا، بوقت طلاق تقریباً چالیس سال عمر ہے، اب یہ عورت عدت کیسے گزارے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کی عدت تین ماہ ہے، قال فی التنویر والعدة فی من لم تحض لصغیرا وكبارا بلغت بالنس ولم تحض ثلاثة اشهر، وفي الشامية ر قوله او بلغت بالنس، ای خمس عشرة سنة طعن العناية ومثلها ولو بلغت بالانزال قبل هذه المدة وقوله ولم تحض شامل لما اذا لم تر دماً اصلاً اورأت وانقطع قبل التمام، قال فی البحر عن التارخانية بلغت فرأت يوماً ما ثم انقطع حتى مضت سنة ثم طلقها

فعدتها بالاشهر اثم (رد المحتار ص ۶۵۳ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۳ ربیع الآخر ۹۸ھ

کسی سے ذہنی اذیت کی وجہ سے مکان بدلنا جائز نہیں:

سوال: شوہر کے مرجانے کے بعد بیوہ عورت جو کہ حاملہ ہے سسرال میں اپنے کو غیر محفوظ جانتی ہے اور اس کے ساتھ دشنام طرازی و ایذا رسانی ہوتی ہے، تو کیا وہ اپنے والدین کے ہاں جا کر عدت کے بقیہ دن پورے کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سسرال وغیرہ کی طرف سے اس قسم کی اذیت کی بنا پر عدت ختم ہونے سے قبل شوہر کے مکان سے نکلنا جائز نہیں، فقط والله تعالى اعلم،

۸ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

خلوت فاسدہ میں عدت واجب ہے:

سوال: اگر کسی نے خلوت فاسدہ کے بعد طلاق دیدی تو بیوی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عدت واجب ہے، کما فی عدۃ العلائیۃ ان وطئت ولو حکماً كالخلوة ولو فاسد (رد المحتار ص ۶۵۳ ج ۲) وفي المهر منها وتجب العدة في الكل ای كل انواع الخلوة ولو فاسدة، وفي الشامية هذا في النكاح الصحيح اما النكاح الفاسد لا تجب العدة في الخلوة فيه بل بحقیقة الدخول فتح (رد المحتار ص ۳۷۳ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۸ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

عدت میں پان کھانا:

سوال: عدت کے اندر عورت پان کھا سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ پان کھانے کی عادی ہو، بغیر کھاتے مشکل سے رہا جائے، خواہ عدت طلاق کی ہو یا موت کی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

طلاق رجعی کی عدت میں جائز ہے، طلاق بائن اور موت کی عدت میں جائز نہیں، البتہ

بدون کتھ والا پچی و لونگ وغیرہ کے کھا سکتی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ جمادی الآخرہ ۱۴۰۳ھ

بائنہ شوہر کے ساتھ عدت کیسے گزارے؟ :

سوال : اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ میں تین طلاق دیدیتا یا طلاق بائن دیتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اپنے خاوند کا مکان اُسی وقت چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلی جانا ضروری ہے یا اسی مکان میں رہ کر عدت کے دن گزارنا ضروری ہے؟

مُسنَب ہے کہ قرآن پاک کا حکم ہے کہ مطلقہ عورت کو اسی مکان میں عدت کے دن گزارنا ضروری ہو، مگر ایسی صورت میں جبکہ اس گھر میں مذکورہ دونوں میاں بیوی ہی رہتے تھے، اور بعد طلاق کے بھی یہ دونوں ہی مکان میں رہیں گے، تو کیا یہ دونوں اکیلے گھر میں رہ سکتے ہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت اسی مکان میں عدت گزارے مگر میاں بیوی کے درمیان کوئی حائل یعنی پردہ وغیرہ کرنا ضروری ہے، تاکہ خلوت میں دونوں کا اجتماع نہ ہو، اگر ایک مکان میں رہنے سے گناہ میں ابتلاء کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسی عورت ساتھ رہے جو دونوں کو الگ رکھنے پر قادر ہو اگر ایسا نہ ہو سکے تو شوہر پر واجب ہو کہ عدت ختم ہونے تک اُس مکان کو چھوڑ دے، کسی دوسرے مکان میں رہے اگر اس کو اس پر مجبور نہ کیا جاسکتا ہو تو بیوی یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں عدت گزارے، قال فی شرح التتویر ولا بد من سترة بینہما فی البائن لئلا یختلی بالاجنبیة ومفلاہ ان الحائل یمنع الخلوة المحرمة وان ضاق المنزل علیہما اذکان الزوج فاسقا فخرجہ اولی لان مکثہا واجب لامکثہ ومفادہ وجوب الحکم بہ ذکرة الکمال وحسن ان یجعل القاضی بینہما امرأة ثقة ترزق من بیت المال بحر عن تلخیص الجامع قادرة علی الحیلولة بینہما فی المجتبى الا فضل الحیلولة بستر ولو فاسقا فبأمرأة، وفی الشامیة (قولہ ومفادہ) ای مفاد التعلیل بوجوب مکثہا وجوب الحکم بہ ای بخروجہ عنہا وقولہم وخروجہ اولی لعل المراد انه ارجح کما یقال اذا تعارض محرم ومہیم فالمحرم اولی اوارجح فانه یؤاد الوجوب فتح (قولہ فی المجتبى الخ) حیث قال والا فضل ان یعال بینہما فی البیتونة بستر الا ان یکون فاسقا فیحال بأمرأة ثقة وان تعدر فلتخرج فی خروجہ اولی ام ملخصا وفیہ مخالفة لما مر فان السترة لابد منها کما

المصنف تبعاً للهداية وهو الظاهر لحرمة الخلوة بالاجنبية (رد المحتار ص ۲۶۳)
فقط والله تعالى اعلم

۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ

عدت میں مہینے شمار ہوں گے یا دن؟

سوال؛ عدة الموت دنوں سے شمار ہوگی یا مہینوں سے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شوہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ میں فوت ہوا ہے تو مہینوں سے شمار ہوگی ورنہ دنوں کے حساب سے ایک سو تیس دن شمار ہوگی، قال فی الهندیة ولو طلق امرأته وقت العصر من اول يوم من الشهر وهي من تعتد بالاشهر تعتد بعد تمام بالاهلة ومعنى بعض اليوم لا يوجب تكملة بالايام بخلاف اليوم الثاني والثالث كذا في الفتاوى الصغرى (عالمگیریہ ص ۱۷۵۲) وفي العلائیة (ثلاثة اشهر) بالاهلة لوفى الغرة والآ فبالايام بحر وغيره وفي الشامية (قوله والافبالايام) فی المحيط اذا اتفق عدة الطلاق والموت فی غرة الشهر اعتبرت الشهر بالاهلة وان نقصت عن العدد وان اتفق فی وسط الشهر فعند الامام يعتبر بالايام فتعتد فی الطلاق بتسعين يوما فی الوفاة بمائة وثلاثين وعندهما يكمل الاول من الاخير وما بينهما بالاهلة (رد المحتار ص ۵۹۹) فقط والله تعالى اعلم،

۱۳ صفر ۱۲۸۵ھ

بوجہ اختلاف بیوی میکہ چلی گئی تو عدت کہاں گزارے؟

سوال؛ زینب اپنے خاوند سے جھگڑا کر کے اپنے والد کے مکان پر چلی گئی، عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو گیا مگر زینب کا والد اپنے داماد کے ہمراہ زینب کو روانہ نہیں کرتا، اگر زینب کا شوہر طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے تو عدت خاوند کے مکان پر گزارنا واجب ہے یا اپنے والد کے مکان پر؟ اگر والد کے مکان پر عدت گزارنا واجب ہے تو طلاق کی عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں کوئی صریح حہزئیہ نظر سے نہیں گذرا، قاعدہ یہ ہے کہ بوقت موت یا طلاق

جس مکان میں بیوی کی مستقل سکونت ہو اسی میں عدت گزارنا واجب ہے، اگر میکہ وغیرہ میں کہیں ملنے گئی اور اس حال میں عدت واجب ہو گئی تو وہاں سے واپس آکر اپنے مکان میں عدت گزارے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیوی کا میکہ میں قیام عارضی تھا یعنی حالات درست ہونے پر شوہر کے پاس آنے کا ارادہ تھا تو عدت شوہر کے مکان میں گزارے، اور اگر اس شوہر کے پاس نہ جانے کا قطعی فیصلہ تھا تو میکہ ہی میں عدت گزارے، اس صورت میں عدت طلاق کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، اس لئے کہ بیوی نے طلاق سے پہلے نشوز کر کے خود ہی نفقہ ساقط کر دیا ہے اور طلاق کے بعد اس نشوز کو مرتفع کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ شوہر کے مکان کی طرف انتقال جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ محرم ۱۳۸۷ھ

رخصتی سے پہلے شوہر مر گیا تو عدت میکہ میں گزارے؟

سوال: بکر کا نکاح ہندہ سے ہوا، بکر نے عرصہ دس سال سے نہ جماع کیا نہ تنہائی ہوئی، یعنی خلوت صحیح نہیں ہوئی، اب بکر کی وفات کے بعد عدت پوری کرنا واجب ہی نہیں؟ عورت اپنے باپ کے گھر ہے، اگر عدت واجب ہو تو کہاں گزارے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عدت چار ماہ دس دن واجب ہے، چونکہ شوہر کی موت کے وقت بیوی کی سکونت اپنے والد کے پاس تھی اس لئے عدت وہیں گزارے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

عدت موت میں آخری دن کا حساب:

سوال: ہندہ کا خاوند دن کے دس بجے فوت ہوا، تو اب اس کی عدت جب چار ماہ دس دن پورے ہوں گے تو دن کے دس بجے عدت پوری ہوگی یا شام تک عدت پوری ہوگی؟ کیا آخری دن پورا لگے گا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دن کے دس بجے عدت پوری ہو جائے گی، اگر قمری ماہ کی پہلی تاریخ میں انتقال ہوا تو چار ماہ چاند کے حساب سے لئے جائیں گے ورنہ ایک سو تین دن کی تکمیل ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ شوال ۱۴۰۲ھ

مسخ شدہ کی بیوی کی عدت :

سوال : عابد اپنی بیوی رابعہ کے ہمراہ سفر کر رہا تھا یا گھر میں تھا کہ اچانک عابد کی شکل بدل گئی، یعنی مسخ ہو گئی، تو کیا اس کی بیوی رابعہ کو طلاق کی عدت پوری کرنا ہوگی یا وفات کی عدت پوری کرنا ہوگی؟ بیدوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی انسان کی صورت اس طرح مسخ ہو گئی کہ بالکل غیر جنس میں تبدیل ہو گئی تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا، اس لئے اس کی بیوی پر عدت طلاق واجب ہوگی، کما لو ارتد والعیاذ باللہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۱۴۰۳ھ

نکاح فاسد کے بعد شوہر مر گیا تو عدت تین حیض ہے :

سوال : بالغہ نے غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کر لیا تھا، جبکہ اس کے والدین اس نکاح سے سخت ناراض ہیں، اب ایک بچہ بھی ہندہ کے ہوا، اب ہندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، تو ہندہ کو عدت وفات پوری کرنا واجب یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتا ہے کہ جو لڑکی بالغہ بغیر والدین کی مرضی کے غیر کفو میں نکاح کرے وہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا، جب تک نکاح ہی نہیں ہوا تو عدت بھی واجب نہیں، اس عالم دین کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر عدت واجب ہو تو عدت ہیندہ کے اعتبار سے پوری ہوگی یا حیض کے؟ ایک حیض یا تین حیض؟ بیدوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح فاسد ہے، اس میں موت زوج کی صورت میں بھی طلاق والی عدت واجب ہے یعنی تین حیض، اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل، اگر کبریٰ کی وجہ سے حیض بند ہو گیا ہے تو تین مہینے، قال فی التنویر عدة المنکوحۃ نکاحاً فاسداً أو الموطوعة بشبهة وأم الولد غیر الایسة والحامل الحيض للموت وغیره، وفي الشرح غیر الایسة والحامل فان عدتها بالاشهر والوضع، للموت وغیره کفرقة او متاركة لان عدة هؤلاء تعرف براءة الرحم وهو بالحيض ولم يكتف بحیضة احتياطاً، (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ

عدت میں بلا ضرورت تیل لگانا جائز نہیں:

سوال: عدت والی عورت کو سر میں سرسوں کا تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت جائز نہیں، درود وغیرہ کی وجہ سے جائز ہے، قال فی التنبیہ تحدد

بترك الزينة والطيب والذهن (الی قولہ) الا بعدد، وفي الشرح راجع

للجميع اذ الضرورات تبیح المحظورات، وفي العاشية او تشكى رأسها

فتدھن (الی قولہ) من غير ارادة الزينة لان هذا تد اول الزينة جوہرۃ

(رح المحتار ص ۶۶) فقط والله تعالى اعلم

خلوة قبل البلوغ بھی موجبہ عدت ہے:

سوال: نابالغ لڑکے کا نکاح اس کے والد نے نابالغ لڑکی سے کیا، بلوغ سے پہلے

دونوں کی آپس میں ملاقات بھی ہوتی رہی، لڑکے نے بالغ ہونے کے بعد طلاق دیدی، اس

لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نکاح کے بعد کبھی ایسی خلوت میں ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہو جہاں کسی دوسرے

کے جلسے کا اندیشہ نہ ہو تو لڑکی پر عدت واجب ہے، اگرچہ ایسی ملاقات بلوغ سے پہلے ہوئی ہو،

لڑکی کو حیض آنا شروع ہو گیا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہو درتین ماہ،

فی مہر العلامیۃ وصغرو لو بزواج، وفي الشامیۃ الباء للمصاحبة ای ولو

كان الصغر مصاحب الزوج یعنی لا فرق بین ان يكون الزوج او الزوجة او كل

منہما صغیرا ۱۱۱۱ قال فی البحر فی خلوة الصغیر الذی لا یقتدر علی الجماع

قولان وجزم قاضی خان بعدم الصحة فكان هو المعتمد ولکن اقید

فی الذخیرۃ بالمراہن ۱۱۱۱ وتجب العدة بخلوته وان كانت فاسدة

لان تصریحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبی کذا

فی البحر من باب العدة (رسد المحتار ص ۳۶ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،

۲۲ محرم سنہ ۱۴۰۷ھ

فصل فی ثبوت النسب

صغیر سے ثبوت نسب کی تحقیق :

سوال : صغیر کی عورت کو حمل ہو کیا یہ ثابت النسب ہوگا ؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر صغیر کی عمر کم از کم بارہ برس کی ہے تو حمل ثابت النسب ہے ورنہ نہیں، قال فی شرح التنویر ولا نسب فی حالیه اذ لا ماء للصبی نعم ینبغی ثبوته من المراهق احتیاطاً، وفي الشامية (قوله اذ لا ماء للصبی) ای فلا یتصور منه العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیه اقامة للعقد مقام العلوق لتصوره حقيقة بخلاف الصبی کما فی البحر (قوله نعم ینبغی الخ) عبارة الفتح ثم یجب کون ذلك الصبی غیر مراهق اما المراهق فیجب ان یثبت النسب منه الا اذا لم یکن بان جاءت به لاقل من ستة أشهر من العقد اه وایده فی البحر بقوله ولهذا صور المسألة الحاكم الشهيد فی کافی بما اذا کان رضیعاً اه ولا یخفی ان مفهوم الروایة معتبر فانهم (رد المحتار باب العدة ج ۲ ص ۸۳۲)

وقال فی شرح التنویر وادتی مدته (ای البلوغ) له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین فان راهقاً بان یلغاهذا السن الخ (رد المحتار فصل فی بلوغ الغلام ج ۵ ص ۱۳۲) فقط والله تعالیٰ اعلم، ۱۵ / ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

ولد منکوحہ شوہر سے ثابت النسب ہے :

سوال : زید کا زینب نا بالغہ سے نکاح ہوا تھا، بالغ ہونے کے بعد زینب کے والد نے رخصتی کر دی، اور زید نے صحبت بھی کی ہے، زینب کا والد کچھ دن بعد زینب کو زید کے مکان سے پھر لے آیا، کچھ نا اتفاقی کی وجہ سے چار پانچ سال تک زینب کو اس کے والد نے زید کے مکان پر روانہ نہیں کیا، زینب نے کسی سے زنا کر لیا، جس سے زینب کو

پانچ چھ ماہ کا حمل ہے، باپ کو معلوم ہوتے ہی اس نے داماد سے صلح کر کے اس کے مکان پر روانہ کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ زید کو حالت حمل میں اپنی منکوحہ زینب سے وطء کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟ جبکہ حمل زید کا نہیں ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جرؤا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کے لئے حالت حمل میں ہمبستری جائز ہے، منکوحہ عورت کا حمل شرعاً بہر کیف شوہر ہی کا ہو گا، اگرچہ حقیقتہً زنا سے ہوا ہے، مگر شرعاً یہ بچہ شوہر ہی کا کہلائے گا، بشرطیکہ وقت نکاح سے کم از کم چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش وللعاہر الحجر، اس لئے یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ شوال ۱۲۸۶ھ

شوہر کا بچے کے نسب انکار:

سوال: ایک شخص ولد منکوحہ کے ثبوت نسب انکار کرتا ہے، یوں کہتا ہے کہ یہ لڑکا میرے نطفہ سے نہیں ہے، یا اس کی منکوحہ ناشزہ ہو کر دوسری جگہ میں رہتی ہے، شوہر کے گھر نہیں آتی، اور وہاں پر بچے بھی جنتی رہتی ہے، اور شوہر ساکت ہے نہ تو ثبوت نسب کا اقرار کرتا ہے اور نہ انکار، ان دونوں صورتوں میں نسب ثابت ہو گا یا نہیں؟ اور میراث ملے گی یا نہیں؟ بینوا تو جرؤا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بدون لعان ولد منکوحہ کے نسب انکار کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا سوال میں مذکورہ دونوں صورتوں میں اولاد شوہر سے ثابت النسب ہے، اس لئے وارث بھی ہوگی، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تشریح قول الشارح ان الفراش علی اربع مراتب ضعیف وهو فراش الامة لا ینتھب النسب فیہ الا بالعدوۃ، ومتوسط وهو فراش ام الولد فانہ یثبت فیہ بلا عدوۃ لکنہ ینتھب بالنفی، وقویٰ وهو فراش المتکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ لا ینتھب الا باللعان، واقویٰ کفراش معتدۃ البائن فان الولد لا ینتھب فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان وشرط اللعان الزوجیۃ (رد المحتار ص ۶۸۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵ صفر ۱۲۸۶ھ

نکاح فاسد سے ثبوت نسب :

سوال : زید کے کافی عرصہ تک ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات رہے، اور اسی عورت کی لڑکی سے زید نے شادی کر لی، جس سے تین بچے بھی پیدا ہوئے اور زندہ موجود ہیں، اب چند علماء سے یہ مسئلہ سنا کہ کسی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات ہوں تو اس عورت کی لڑکی زید کے عقد میں جائز نہیں، اب زید سخت پریشان ہے اور اقرار بھی کر چکا ہے کہ جس عورت کی لڑکی میرے نکاح میں ہے اس کے ساتھ میرے کافی عرصہ تک ناجائز تعلقات رہے اب شریعت کی رو سے میرا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ بیوقوف و بے

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نکاح فاسد ہے، زید پر فرض ہے کہ اس بیوی کو فوراً طلاق دیدے، اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے وہ زید سے ثابت النسب ہیں، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول الشارح (وعدة المتكوجة نکاحاً فاسداً) ہی المتكوجة بغير شهود و نکاح امرأة الغير بلا علم یا نہما متزوجة و نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عند خلا فالهما فتح (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۲) وفي نسب العلائقية عن القهستانی و فاسد النکاح في ذلك كصحيحه (رد المحتار ص ۶۷۷ ج ۲) وفي الشامية قبيل الحضانة (قولاً لانه نکاح باطل) ای فالوطء فيه زناً لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد قرأشاً لا بالبطل حتى والله سبحانه أعلم (رد المحتار ص ۶۸۷ ج ۲)، ومن شاء التفصيل فليراجع رسالتي "القول الفاصل بين النکاح الفاسد والبطل"، فقط والله تعالیٰ أعلم،

غرة جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

سوال مثل بالا :

سوال : دو بھائی ہیں رشید احمد و بشیر احمد، رشید احمد کی ایک بیوی ہے مسماة آمنہ بشیر احمد کی دو بیویاں ہیں، ایک مسماة زینب دوسری عائشہ، رشید احمد کو اپنی بیوی مسماة آمنہ سے ایک لڑکا ہے جس کو بشیر احمد کی بیوی مسماة زینب نے دودھ پلایا ہے، اب رشید احمد کے لڑکے کا عقد نکاح بشیر احمد کی دوسری بیوی مسماة عائشہ کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں اگر یہ عقد لاعلمی کی وجہ سے ہو گیا ہو تو اس جماع سے جو بچے

پیدا ہوئے، ان کا کیا حکم ہے؟ اور بیوی کو ویسے ہی الگ کر دے یا طلاق وغیرہ کی ضرورت ہوگی؟ بینوا تو جڑا

الجواب باسم ملہم الصواب

عائشہ کی لڑکی رشید احمد کے لڑکے کی رضاعی علی بہن ہونے کی وجہ سے اس پر حرام ہے، اور نکاح بالمحارم فاسد ہے، کما حررت فی رسالتی "القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" اس لئے شوہر سے بچوں کا نسب ثابت ہے، میاں بیوی پر فرض ہے کہ فوراً علیحدہ ہو جائیں، شوہر زبان سے بھی کہے کہ اس نے اس بیوی کو چھوڑ دیا، اس کے بعد یہ عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تشریح قول الشارح "عدة المنکوحۃ نکاحاً فاسداً" ہی المنکوحۃ بغیر شہود و نکاح امرأۃ الغیر بلا علم بانہا متزوجة و نکاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عندہ خلافاً لہما فتح (رد المحتار ص ۶۵۹ ج ۲) و فی نسب العلائقۃ معزیا للقبستانی و فاسد النکاح فی ذلک کصحیحہ (رد المحتار ص ۶۷۲ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۹۵ھ

نکاح سے چھ ماہ کے اندر ولادت سے نسب ثابت نہیں ہوتا:

سوال: ایک شخص نے ایک عورت سے ناجائز تعلقات کئے اور حمل کی علامت محسوس ہونے پر حسب دستور در وراج حکومت و شرع ان دونوں میں شادی ہوئی جس پر بعبارت عالمگیریہ و فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأة قد ذنی ہوہما و ظہر بہما حمل فان نکاح جائز عند الكل وله ان يطأها عند الكل وتستحق النفقة عند الكل کذا فی الذخیرۃ، مقامی علماء نے جواز نکاح اور جواز وطء کا حکم دیدیا، اب تقریباً پونے پانچ ماہ پر بچہ تولد ہوا، علماء کرام سے دریافت طلب ہے کہ یہ نکاح اور مقامی علماء کا حکم حسب شرع صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نکاح صحیح ہے، مگر یہ بچہ ثابت النسب نہیں ہے، ولذا الزنا شمار ہوگا، اس لئے وراثت کا حقدار نہ ہوگا، قال فی شرح التتویر اکثر مدة الحمل ثنتان لغیر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کما مر فی الرضاع وعند الائمة الثلاثة رحمہم اللہ تعالیٰ اربع سنین و اقلہا ستۃ اشہر

اجمعاً (رد المحتار ص ۶۷۶ ج ۲)، فقط والله تعالى أعلم،

۲۲ رجب ۱۲۹۳ھ

نکاح سے چھ ماہ بعد کا بچہ ثابت النسب ہے:

سوال: کوئی آدمی اپنی بیوی سے نکاح سے قبل ہی ملنا شروع کر دیتا ہے، اور اس بیوی کو پہلے ہی سے حمل ٹھہر جاتا ہے، پھر نکاح کے بعد نو مہینے پورے ہونے سے پہلے ہی بچی پیدا ہوتی، اس بچی کا کیا حکم ہے؟ حرام کی ہے یا حلال کی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر وقت نکاح سے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد بچی پیدا ہوتی تو یہ شوہر سے ثابت النسب ہے، اس کو حرامی کہنا جائز نہیں، البتہ نکاح پر چھ ماہ گزرنے سے پہلے پیدا ہوتی تو ولد الزنا ہوگی، شوہر سے نسب ثابت نہ ہوگا، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر مدۃ الحمل ثنتان لخبوعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کما مر فی الرضاع وعند الائمة الثلاثة رحمہم اللہ تعالیٰ اربع سنین و اقلہا ستۃ اشہر اجمعاً (رد المحتار ص ۶۷۶ ج ۲) فقط والله تعالى أعلم

۲۹ ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ



باب الحضانة

والدہ فاجرہ وابن العم کو حق حضانہ نہیں :

سوال : ایک لڑکی کی عمر نو برس سے کچھ زیادہ ہے، اس کی والدہ فاجرہ ہے، اس کے پاس لڑکی کے رہنے سے اس پر بھی فحور کا اندیشہ ہے، تو کیا لڑکی کا ابن العم اس امر کا شرعاً مختار ہے کہ اس کو اپنی تحویل میں رکھے؟ بینو ابحوالہ الكتاب، توجروا عند الله الوهاب،

الجواب ومنه الصدق والصواب

ابن العم کو لڑکی کی حضانہ کا حق نہیں، کما فی الشامیۃ تحت (قوله ثم العم ثم بنوه) واما اولادہ (ای العم) فیدفع الیہم الخلام لا الصغیرۃ لانہم غیر محارم وایضاً فیہا (قوله وابن عم لمستہاء الخ) اما اذا كانت لا تشہی کبنت سنة مثلاً فلا منع لانہ لا فتنة وکن اذا كانت تشہی وكان ما مونا بحرجنا وایدہ بسا فی التحفة وان لم یکن للجاریۃ غیر ابن العم فالاختیار للقاضی ان راہ اصلح ضمہا الیہ والا توضع علی ید امینۃ ام قلت ما فی التحفة عللہ فی شرحہا البدائع بقولہ لان الولاية فی هذه الحالة الیہ فیراعی الاصلح ام وهو ظاہر فی انہ لاحق لابن العم فی الجاریۃ مطلقاً وان للقاضی دفعہا لاجنبیۃ ولو ما مونا حیث رأى المصلحة فی ذلك ولو كان الحق له لم یکن للقاضی الاختیار وقد رد الرملی ما بحثہ فی البحر بنحو ما قلنا وبتعلیلہم بان ابن العم غیر محرم وانہ لاحق لغير المحرم قال ولعل وجهہ انہ لو ثبت له حضانۃ ما كانت عنده الى ان تشہی فتقع الفتنة فحسم من اصلہ (ثم المحتاج ۲) اور والدہ فاجرہ کو بھی حق حضانہ نہیں، قال فی التنبیر فی باب الحضانۃ ثبت للام ولو بعد الفرقۃ الا ان تكون مرتدة او فاجرۃ، و فی الشامیۃ (قوله ما لم یعقل ذلك) ای ما لم یعقل الولد حالہا حیث یجب تقييد الفجور بان لا یلزم منه ضیاع الولد

کما لا يخفى وفي النهر ما لم تفعل ذلك وفرة بقوله أي ما لم يثبت فعله عنها وهو صحيح أيضاً ۷، وفيه أن قول القنية معروفة بالفجور يقتضي فعلها له طافاً المناسب الأول وتكون الفاجرة بمنزلة الكتابة فان الولد يبقى عندها إلى أن يعقل الأدیان كما سيأتي خوفاً عليه من تعلمه منها ما تفعله فكذا الفاجرة وقد جزم الرملي بأن ما في النهر تصحيف والحاصل أن العاضنة أن كانت فاسقة فسقا يلزم منه ضياع الولد عندها سقط حقه وألغى الحق به إلى أن يعقل فينزع منها كالكتابة (رد المحتار) لڑکی کی عمر جب نو برس کی ہو چکی ہے تو اس وقت ویسے ہی اس کی مدت حضانت ختم ہو گئی، خواہ والدہ فاجرہ ہو یا نہ ہو، لہذا اہل صلاح جس شخص کو اصلاح سمجھیں اسی کی تحویل میں لڑکی دیدیں، قال فی شرح التئویر والاموال الجدة لام اولاب الحق بها حتی تعیض اسی تبلیغ فی ظاہر الروایة (الی قولہ) وغیرہما الحق بها حتی تشتہی وقد ریتسم وبہ یفتی و بنت احدی عشرة مشتهاة اتفاقاً زیلعی، وعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ان الحكم فی الاموال الجدة كذلك وبہ یفتی لکثرة الفساد زیلعی، وفي الشامية (قوله مشتهاة اتفاقاً) فی محرمات المنح بنت تسع فصاعداً مشتهاة اتفاقاً ساعی (قوله كذلك) ای فی كونها حق بها حتی تشتہی (قوله وبہ یفتی) قال فی البحر بعد نقل تصحیحه والحاصل ان الفتویٰ علی خلاف ظاہر الروایة (رد المحتار ج ۲) وایضاً فیہا تحت (قوله ولوجبراً) وفي الخلاصة وغیرہا واذ الاستغنی الغلام وبلغت الجارية فالعصبة اولی يقدم الاقرب فالاقرب ولا حق لابن العم فی حضانة الجارية اہم قلت بقی ما اذا انتهت الحضانة ولم یوجد له عصبة ولا وصی فالظاہر انه یتروک عند العاضنة الا ان یرى القاضی غیرہا اولیٰ له واللہ اعلم (رد المحتار ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ

تفصیل حق حضانت :

سوال : میاں بیوی میں جدائی ہو گئی اور ان کی دو چھوٹی بچیاں ہیں، مطلقہ نے غیر خاندان میں نکاح کر لیا، اس صورت میں ان دونوں بچیوں کی پرورش کا حق کس کو ہے، حق پرورش والے رشتوں کی تفصیل و ترتیب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں،
بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ماں نے دوسری جگہ اولاد کے کسی غیر ذی رحم محرم سے شادی کر لی تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے اور مندرجہ ذیل لوگوں کو بالترتیب حق پرورش ہوگا، نانی اگرچہ بہت بعید ہو، یعنی پر نانی وغیرہ، پھر دادی، پردادی وغیرہ، ادپر تک، پھر بہن عینی، پھر خینی، پھر علی، پھر عینی بھانجی، پھر خینی بھانجی، پھر خالہ عینی، پھر خینی، پھر نانا کی ماں، پھر علی بھانجی، پھر عینی بھتیجی، پھر خینی بھتیجی، پھر علی بھتیجی، پھر بھوپھی عینی، پھر خینی، پھر علی، پھر ماں کی خالہ، اسی ترتیب سے، یعنی پہلے عینی، پھر خینی، پھر علی، پھر باپ کی خالہ اسی ترتیب سے، پھر ماں کی بھوپھی اسی ترتیب سے، پھر باپ کی بھوپھی اسی ترتیب سے، یعنی باپ، پھر دادا، پردادا، ادپر تک، پھر بھائی عینی، پھر علی، پھر بھتیجہ عینی، پھر علی، پھر چچا عینی، پھر علی، پھر عینی چچا کا بیٹا، پھر علی چچا کا بیٹا، عینی دلی چچا کے بیٹے کو صرف لڑکے کی پرورش کا حق ہے، لڑکی کی پرورش کا حق نہیں، پھر ذمی الارحام محرم یعنی نانا، پر نانا، ادپر تک، پھر خینی بھائی، پھر اس کا بیٹا، پھر خینی، چچا، پھر عینی ماموں، پھر علی، پھر خینی،

عینی دلی چچا کی بیٹی اور بھوپھی، ماموں، خالہ، خینی چچا کی اولاد مذکور و مؤنث کو حق حضانت

نہیں ہے،

اگر مسادی درجہ کے کئی حقدار ہوں تو ان میں سے جس میں بچہ کی پرورش کی زیادہ صلاحیت ہو وہ مقدم ہے، پھر جو زیادہ متقی ہو، پھر جو عمر میں زیادہ ہو،

حق حضانت لڑکے کے لئے سات سال اور لڑکی کے لئے نو سال ہے،

وجہ ذیل سے حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے:-

- ① بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کر لے،
- ② بچہ کی پرورش پر اجرت طلب کرے، جبکہ بچہ کے ذی رحم محرم میں سے کوئی دوسری عورت بلا اجرت پرورش پر راضی ہو،
- ③ کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو، جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو،
- ④ ایسے فسق و فجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو،
- ⑤ اگر فاسقہ کے پاس بچہ کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو تو اس کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا جس میں برے اخلاق سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو،

① کافرہ کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا جس میں اس کے دین سے متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہو؛
 ② مرتدہ، یعنی خدا نخواستہ کوئی مسلمان عورت شیعہ یا قادیانی ہو جائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے یا کوئی ایسا کلام یا کام کرے جس سے اسلام ہاتا رہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک یہ دوبارہ اسلام قبول نہ کرے اس وقت تک حکومت اس کو قید میں رکھے اور قید میں اسکی پٹائی بھی ہوتی رہے، ظاہر ہے کہ اس حال میں یہ بچہ کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی، اس لئے بچہ اس سے لے لیا جائے گا، اگر دوبارہ اسلام قبول کر لے تو قید سے رہا کر دی جائے گی اور بچہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا، ہذا اخلص ماہو مشروۃ فی شرح التنویر وحاشیتہ للعلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار باب الحضانۃ ص ۶۸)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 غرہ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

والدہ علاج کا ضروری انتظام نہ کر سکے تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے؛
 سوال؛ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس کا تین سال کا بچہ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہے، اس کی والدہ اس کے علاج کا ضروری انتظام نہیں کر سکتی، اس لئے اس کے پاس بچہ چھوڑنے میں سخت خطرہ ہے، اس صورت میں زید بچہ کو اپنے پاس رکھنے کا حقدار ہو یا نہیں؛ بینوا توجزا۔
 الجواب باسم ملہم الصواب

اگر زید کے پاس بچہ نہ رہنے کی صورت میں بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو تو زید اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے، قال فی التنویر تثبت للام ولو بعد الفرقة الا ان تكون مرتدة او فاجرة او غیر مأمونة، وقال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح فتولہ (فاجرة) فجور ایضیہ الولد بہ، وفی شرح قولہ (غیر مأمونة) ذکرہ فی المجتبی بان تخرج کل وقت وتترك الولد ضائعاً، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ المراد كثرة الخروج لان المدار على ترك الولد ضائعاً والولد فی حکم الامانة عندہا ومضیع الامانة لا یستأمن الخ (رد المحتار ص ۶۸۸ ج ۲) قلت ہذہ العبارات صریحة فی ان مدار الحکم هو الضیاع، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ محرم ۱۴۰۴ھ

باب النفقة

بالغ طالب العلم کا نفقہ والد پر ہے :

سوال : طالب العلم اگر فقیر ہو تو اس کا نفقہ اس کے والد کے ذمہ ہو گا یا نہیں ؟
حالانکہ طالب العلم بالغ ہے، بینوا تو جردا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

طالب علم دین اگرچہ بالغ ہو اس کا نفقہ اس کے والد پر ہے، بشرطیکہ فقیر ہو، اور طلب علم میں کوتاہی نہ کرتا ہو، جیسا کہ عموماً آج کل طلبہ کی حالت ہے، تفسیح الوقت کے سوا کوئی کام نہیں، قال فی شرح التنویر وکذا تجب (النفقة) لولده الکبیر العاجز عن الکسب (الی ان قال) وطالب علم لا یتفرغ لذلك کذا فی الزیلعی والعینی وافتی ابو حامد بعد مہا الطلبة زماننا کما بسطہ فی القنیۃ ولذا قیدہ فی الخلاصۃ بذی رشد، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اقول الحق الذی تقبلہ الطباع المستقیمۃ ولا تنفر منه الاذواق السلیمة القول بوجوبہما الذی الرشد لا غیرہ الخ (رحمہما اللہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۹ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

ایام عدت کا نفقہ شوہر پر ہے :

سوال : ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور وہ حاملہ تھی، جب نو ماہ پوسے ہوئے تو بچہ پیدا ہو گیا، لہذا یہ بیان فرمائیں کہ باپ پر پورا خرچہ ماں کا واجب ہے یا نہیں ؟ اور بچہ کی ولادت کے مصارف باپ پر ضروری ہیں یا نہیں ؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے، اور معتدۃ طلاق کا نفقہ و سکنی شوہر پر واجب ہے، لہذا ان ایام کا نفقہ اور بیوی کی رہائش کے لئے مکان اور بچہ کی ولادت کے مصارف بھی شوہر

کے ذمہ ہیں، کسافی نفقہ شرح التنویر و تجب لمطلقة الرجعی والبائن (رد المحتار ص ۲۶۱، ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲، زیقہ ۸۳ھ

مطلقة کی اجرت ارضاع:

سوال؛ کیا مطلقہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت شوہر سے طلب کر سکتی ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایام عدت میں دودھ پلانے کی اجرت نہیں لے سکتی، البتہ بچہ مالدار ہو تو اس کے مال سے اجرت طلب کر سکتی ہے، اور عدت گزرنے کے بعد بہر حال اجرت لے سکتی ہے، مگر اجرت اجنبیہ سے زیادہ نہیں لے سکتی، اگر کوئی اجنبیہ بلا اجرت دودھ پلانے پر راضی ہو تو ماں اجرت نہیں لے سکتی، قال فی شرح التنویر لا یستأجر الاب امه لو منکوحہ ولو من مال الصغیر خلا فاللذ خیرۃ والمجتبیٰ او معتدۃ رجعی وجاز فی البائن فی الاصح جوہرۃ کاستجار منکوحہ لولدہ من غیرها ولی احق بارضاع ولدہا بعد العدۃ اذ لم تطلب زیادۃ علی ما تأخذہ الاجنبیۃ ولودون اجرا مثل بل الاجنبیۃ المتبرعۃ احق منها، زیلعی فی السامیۃ تحت (قولہ) خلا فاللذ خیرۃ والمجتبیٰ) قد نقل البرجندی عن الحموی معزیا للمنصور ان الفتویٰ علی الجواز امی الذی مشی علیہ فی الذخیرۃ والمجتبیٰ، (قولہ فی الاصح) و ذکر فی الفتح عن بعضهم انه ظاهر الروایۃ ولكن ذکر ایضا ان الاوجه عدم المنفرد بین عدۃ الرجعی والبائن وان فی کلام الہدایۃ ایما الی انه المختار عندہ اذ من عادۃ تأخیر وجہ القول المختار و کذا هو ظاهر اطلاق القدوری المعتدۃ فی النہی انه روایۃ الحسن عن الامام ولی الاولیٰ امہ فی حاشیۃ الرملی عن المنح عن التارخانیۃ و علیہ الفتویٰ (رد المحتار ص ۳۳۲، ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲، زیقہ ۸۳ھ

گزشتہ وقت کا نفقہ نہیں:

سوال؛ ایک شخص دس ہند رہ سال ہوئے اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں چلا گیا، اس کی بیوی کو اور سب لوگوں کو معلوم ہے کہ فلاں وطن میں ہے، اپنی بیوی

کے واسطے کچھ نفقہ نہ خود مقرر کیا نہ حکومت نے مقرر کیا، نہ قاضی نے مقرر کیا، دس پندرہ سال کے بعد واپس آیا، اب بیوی یا اس کے والدین شوہر سے دس پندرہ سال کا خرچہ شریعت کے حکم سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

گزشتہ وقت کا نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں، اس لئے کہ ایک ماہ یا زیادہ گزر جانے سے بیوی کا نفقہ اس گزشتہ مدت کا ساقط ہو جاتا ہے، البتہ حاکم نے نفقہ کی مقدار متعین کر دی یا زید نے بالاتفاق کوئی مقدار متعین کر لی ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا، قال فی العلائق والنفقة لا تكون ديناً الا بالقضاء او الرضا ای اصطلاحاً علی قدر معین اصنافاً اور راہم فقبل ذلك لا يلزمه شيء، وبعد ۴۵ ترجع بها نفقت ولو من مال نفسها لا امر قاض رر المختار ۴۵ وفيها واما ما دون شهر ونفقة الزوجة والصغير فتصير ديناً بالقضاء، وفي الشامية اما الصغير ففيه ما علمت واما الزوجة فانما تصير ديناً بالقضاء ولا تسقط ببعضی المدة لان نفقتها لم تشرع لحاجتها كالا قارب بل لاحتياستها، وقد علم من هذا انهما بعد القضاء لا تسقط ببعضی المدة سواء كانت شهراً او اكثر او اقل نعم تسقط نفقتها ببعضی المدة قبل القضاء ان كانت شهراً فاكثر كما قد مناه عند قول المصنف والنفقة لا تصير ديناً الا بالقضاء والحاصل ان نفقة الزوجة قبل القضاء كنفقة الاقارب بعد القضاء في انهما تسقط ببعضی المدة الطويلة رر المختار ۴۵ فقط والله تعالى اعلم ۸۳ ذیقعدہ ۸۳

بالغ اولاد کا نفقہ :

سوال : اولاد جب بالغ ہو جائے تو اس کا نفقہ اور اس کی شادی کے مصارف والد کے ذمہ ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لڑکی کا نفقہ شادی تک والد پر ہے، البتہ اگر لڑکی خود مالدار ہو یا کوئی ذریعہ معاش رکھتی ہو تو اس کا نفقہ والد پر نہیں، بالغ لڑکے کا نفقہ والد پر نہیں، البتہ اگر وہ کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے کسب پر قادر نہ ہو یا طالب علم دین ہو اور اس کا اپنا مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر ہے، اولاد کی شادی کے مصارف والد پر نہیں، لڑکی کی شادی پر تو کوئی خرچ ہے ہی نہیں

اس پر شادی کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کے اپنے مصارف بھی شوہر کے ذمہ ہو جاتے ہیں، لوگوں نے نام و نمود کے لئے لڑکیوں کے شادی کے مصارف کا غذاب اپنے سر لے رکھا ہے، البتہ لڑکے کی شادی کے مصارف ہیں، جن میں سے ہر اور بیوی کا نفقہ واجب ہے اور ولیمہ سنت ہے، ان میں سے کوئی خرچ بھی والد کے ذمہ نہیں، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وتجب النفقة بانواعها على الحر لطفه يحتم الا نثی والجمع الفقير الى ان قال، وكن اتجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كالثی مطلقاً ومن ومن يلحقه العار بالتكسب وطالب علم لا يتفرغ لذلك كن انی الزيلعي والعيني، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقوله ومن يلحقه العار بالتكسب كن انی البحر والزيلعي واعترضه الرحمتي بان الكسب لمؤنته ومؤنة عياله فرض فكيف يكون عاراً والاولی ما فی المنع عن الخلاصة اذا كان من ابناء الکرام ولا يستأجره الناس فهو عاجزاً ومثله فی الفتح وسيأتي تمامه (رحمہما اللہ تعالیٰ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۸ صفر ۱۳۸۵ھ

عدت شوہر کے مکان میں نہ گزارے تو نفقہ نہیں :

سوال : زید نے زینب کو طلاق دیدی، زینب اپنے والدین کے مکان پر تھی، تو کیا زینب کو عدت کا نان نفقہ و پوشاک و مکان کا خرچہ زید سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زینب اپنے والدین کے پاس رہے، نان نفقہ اور تمام خرچہ چاہے والدین ہی برداشت کریں، مگر کچھ بھی زینب کو زید سے خرچہ لینے کا حق ہو گا یا نہیں؟ اگر زید نے تو گنہگار ہو گا یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زینب پر واجب تھا کہ طلاق کے بعد فوراً زید کے مکان میں چلی جائے اور وہاں عدت گزارے، چونکہ وہ زوج کے مکان میں عدت نہیں گزار رہی، اس لئے اس کو نفقہ و سکنی کا حق نہیں رہا، نہ دینے سے زید گنہگار نہیں، قال فی شرح التنویر طلقت اومات وھی زائرة فی غیر مسکنها عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیہا (رحمہما اللہ تعالیٰ) وفيه لا نفقة لاحد عشی (الی قولہ) وخارجة من بیتہ بغیر حق وھی الناشرة حتی تعود (رحمہما اللہ تعالیٰ) رنی الشامية (قوله بخلاف حررة نشزت الخ) ای ان الحررة اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسكنی

اذا عادت الى بيت الزوج (رد المحتار ص ۱۹، ج ۲) فقط والله تعالى اعلم

۲۶ رذی الحج ۸۷ھ

خلع میں نفقہ عدت واجب ہے :

سوال : ایک عورت اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرتی رہی کہ وہ اس کو طلاق دیدے، جب شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہوا تو بالآخر عورت نے خلع لے لیا، اور شوہر کا ہر معاہدہ کر دیا، اب وہ عورت عدت کے زمانہ کا نفقہ مبلغ تین سو روپے ماہانہ کے حساب سے طلب کرتی ہے، کیا ان حالات میں عورت کے لئے زمانہ عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے ؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت پر واجب ہے کہ عدت شوہر کے مکان میں گزارے، اگر شوہر کے مکان میں عدت نہیں گزارتی تو اس کے لئے نفقہ نہیں، خلع میں عدت شوہر کے مکان میں گزارنے کی صورت میں شوہر پر نفقہ واجب ہے، البتہ اگر عقد خلع میں اسقاط نفقہ کی شرط لگائی گئی ہو تو ساقط ہو جائے گا، قال فی التنبیہ ویسقط الخلع والمباراة كل حق لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذلك النكاح الا نفقة العدة الا اذا نص عليها (رد المحتار ص ۶۱۳، ج ۲) فقط والله تعالى اعلم
۳۰ صفر ۸۹ھ

خلع میں سکنی سے ابرار :

سوال : خلع کے بعد عدت کا نفقہ و سکنی شوہر پر واجب ہے، لیکن عقد خلع میں ان کے ابرار کی تصریح ہو تو نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، سکنی ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ وہ حق شرع ہے، اس بارے میں درمختار میں ہے الا اذا ابرأتہ عن مؤنة السکنی فیصح فسخ، اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بان کانت ساکنۃ فی بیت نفسها او تعطی الاجرة من مالها فیصح التزامها ذلك فسخ، لکن مقتضی هذا انه لا بد من التصريح بمؤنة السکنی مع انه ذکر فی الفسخ وغیره فی فصل الاحداد لو اختلفت علی ان لا سکنی لہا فان مؤنة السکنی تسقط عن الزوج ویلزمها ان تکتری بیت الزوج ولا یحل لہا ان تخرج منه ام تامل (رد المحتار ص ۶۱۵، ج ۲) اس میں راجح کیا ہے ؟ کیا سقوط مؤنة سکنی کے لئے لفظ "مؤنة" کی تصریح شرط ہے یا کہ لفظ "مؤنة" کی تصریح کے بغیر بھی عدم سکنی پر خلع سے مؤنة سکنی ساقط ہو جاتی ہے ؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سقوط مؤنۃ سکنی کے لئے لفظ "مؤنۃ" کی تصریح شرط نہیں، اس کی تصریح کے بغیر بھی عدم سکنی پر خلع سے مؤنۃ سکنی ساقط ہو جاتی ہے، سوال میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو تحقیق نقل کی گئی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہے، اور مزید کتاب الحداد میں بھی ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی تائید فرمائی ہے، بلکہ خود شرح التئیر میں بھی اسی کے موافق ہے، ونصہ ولا تخرج معتدة رجعی وبائن باقی فرقة كانت علی مافی الظہیریۃ ولو مختلعة علی نفقة عد تہانی الاصح اختیار اوعلى السکنی، فیلزمہا ان تکتری بیت الزوج، معراج وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله اوعلى السکنی)، قال الزلیعی فکان کما اختلعت علی ان لا سکنی لها فان مؤنۃ السکنی تسقط عن الزوج ویلزمہا ان تکتری بیت الزوج ولا یحل لها ان تخرج منه ام ومثله فی الفتح ای لان سکنها فی بیتہ واجبة علیہا شاء فلا تملك اسقاطها بل تسقط مؤنۃہا وظاہرہ انه لا یلزم التصریح بمؤنۃ السکنی بل مجرد الخلع علی السکنی مسقط لمؤنۃہا کما ینہا علیہ فی باب الخلع قائل (رد المحتار ص ۶۰۳ ج ۲) علامہ حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح التئیر کے باب الخلع میں الا اذا ابرأتہ عن مؤنۃ السکنی فیصح فتح القدر سے نقل کیا ہے، اور خود امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الحداد میں بدون تصریح "مؤنۃ" سقوط مؤنۃ تحریر فرما رہے ہیں اسی طرح علامہ حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کتاب الحداد میں یہ شرط نہیں لگائی، اس سے ثابت ہوا کہ اس جملہ کے قائل اور ناقل دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں مفہوم مخالف مراد نہیں، بلکہ اس سے مراد زوجین کی تصریح مقصود ہے کہ بدون تصریح "مؤنۃ" بھی ان کا مقصد اسقاط مؤنۃ ہی ہے، لحمل عقد المسلم علی الجواز یا ادلی و افضل صورت کا بیان مقصود ہے، اس لئے کہ ترک تصریح میں یہ احتمال ہے کہ شاید زوجین یا ان میں سے کوئی ایک نفس سکنی ہی کو بدل حنل سمجھ لے، جو کہ ناجائز ہے، اس صورت میں ایک ضرر تو ارتکاب معصیت کا ہوا، دوسرا ضرر غسر زوجہ ہے، اس عقد سے اس کا مقصد یہ تھا کہ سکونت میں آزاد رہے، اس کا یہ مقصد پورا نہ ہوا، بلکہ مزید مضر یہ ہوا کہ مکان کا کرایہ دینا پڑا، اگر اس کو سکونت میں آزادی مل جاتی تو شاید والدین کے پاس یا کسی دوسری جگہ بلا کرایہ کے رہ سکتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ناشرہ کا نفقہ واجب نہیں:

سوال؛ کیا ایسی عورت کا نفقہ تعلق زوجیت کے زمانہ میں اور بزمانہ عدت مرد کے ذمہ واجب ہو جو کہ نافرمان ہو، اس کے کہنے اور ہدایت کرنے کے باوجود پردہ نہ کرے، نامحرم مردوں سے ربط ضبط اور اختلاط و ملاقات ترک نہ کرے، اس کے اصرار کے باوجود اس کے ساتھ رہنے کے لئے تیار نہ ہو، بلکہ والد کے مقام پر ہی رہے، وظیفہ زوجیت پورا کرنے کا موقع نہ دے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں، نہ حالت ازدواج کا اور نہ ایام عدت کا، قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ لا نفقة لاحد عشر (الی قولہ) وخارجة من بیتہ بغیر حق وہی الناشئة حتی تعود (رد المحتار ص ۲۷۰ ج ۲) وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ بخلاف حرة نشئت الخ) ای ان الحرة اذا نشئت فطلقتها زوجها فلها النفقة والسكنی اذا عادت الی بیت الزوج (رد المحتار ص ۱۹ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

غائب کے مال سے نفقہ:

سوال؛ ایک شخص اپنی بیوی کو کافی عرصہ سے کراچی چھوڑ کر باہر چلا گیا ہے، اس کے تین بچے بھی ہیں، اور وہ اُن کے اخراجات نہیں بھیجتا، اس صورت میں اس کی بیوی اسکی جائیداد وغیرہ بیچ کر اپنے بچوں کے مصارف پر خرچ کر سکتی ہے؟ اگر جائز ہے تو ماہانہ خرچ کتنا لے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر غائب شوہر کی ملکیت میں ایسی چیز موجود ہے جس کو فروخت کئے بغیر صرف کیا جاسکتا ہے جیسے نقد روپیہ اور اناج و کپڑا وغیرہ تو بیوی کو اس سے خرچ کرنے کی اجازت ہے، اور اگر ایسی چیزیں ہیں جن کو بدوں فروخت خرچ نہیں کیا جاسکتا، جیسے زمین، مکان یا دیگر سامان تو بیوی اپنے مصارف کے لئے اُن کو نہیں بیچ سکتی، اس صورت میں بیوی حاکم کے پاس درخواست پیش کرے، اور غائب کے ساتھ اپنا نکاح شہادت شرعیہ سے ثابت کرے، اور اس پر قسم اٹھائے کہ اس کے شوہر نے اس کے نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا، پھر حاکم اس سے ضمان لے

تاکہ اگر شوہر کا نفقہ دینا ثابت ہو گیا تو شوہر رضا من پر رجوع کر سکے، اس کے بعد حاکم بیوی کو حکم دے کہ قرض لے کر مصارف کا انتظام کرے، اس قرض کی واپسی شوہر کے ذمہ ہوگی، مصارف کی مقدار کی تعیین بھی حاکم کرے گا، روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی صحیحہ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان ہند ابنت عتبة قالت یا رسول اللہ ان اباسفیان رجل شحیح و لیس یعطینی ما یکفینی و ولدی الاما اخذت منه و هو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک و ولدک بالمعروف بخاری ص ۸۰۸ ج ۲) وقال فی التنبیر و تفرض لزوجہ الغائب و طفله و ابویہ فی مال له من جنس حقہم عند من یقر بہ و بالزوجیۃ و الولاد و کذا اذا علم قاض بذلک و کفلها و یحلفہا معہ ان الغائب لم یعطہا النفقة لباقامة بیئۃ علی النکاح و لان لم یخلف مالا و اقامت بیئۃ لیفرض علیہ و یا أمرہا بالاستدانۃ و لا یقضى بہ، وقال زفر رحمہ اللہ تعالیٰ یقضى بہا لایہ و عمل القضاۃ الیوم علی هذا الحاجة فیفتی بہ، وقال العلامة العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قولہ "فی مال له من جنس حقہم" کتبر او طعام اما خلا فہ فیفتقر للبیع و لا یباع مال الغائب اتفاقا، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ فلا تفرض لملوکہ و اخیه) المراد بہ کل ذی رحم محرم متساوی قرابۃ الولاد لان نفقتہم لا تجب قبل القضاء و لہذا الیس لہم ان یاخذوا من مالہ شیئا قبل القضاء اذا ظفروا بہ فکان القضاء فی حقہم ابتداء ایجاب و لا یجوز ذلک علی الغائب بخلاف الزوجۃ و قرابۃ الولاد لان لہم الاخذ قبل القضاء بلا رضاء فیکون القضاء فی حقہم اعانة و فتویٰ عن القاضی کما فی الدرر، وقال تحت (قولہ عند او علی الخ) و قید بکون المال عند شخص اذ لو کان فی بیئۃ و علم القاضی بالنکاح فرض لہا فیہ لانه ایفاء لحقہا لا قضاء علی الزوج بالنفقة کما لو اقربدین ثم غاب ولہ من جنسہ مال فی بیئۃ یقضى لصاحب الدین فیہ بحر (مراد المختار ص ۲۳، ۲۴ ج ۲)

اگر حاکم سے اجازت لینا مشکل ہو تو پینچایت حاکم کے قائم مقام ہو سکتی ہے، اگر کوئی صورت بھی نہ بن سکے مثلاً کوئی قرض دینے پر راضی نہ ہو تو کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے شوہر کا مال اور جائیداد فروخت کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، کما فی حضر شرح التنبیر لیس لذلک الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ و جوزہ الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ و هو الاوسع،

وفي الثامنة (قوله وجوز الشافعي) قد منافي كتاب العجران عدم الجواز كان في زمانهم اما اليوم فالفتوى على الجواز (رد المحتار ص ۳۰۰ ج ۵)، وفيها تحت قوله لو قضى على غائب الخ) وقال في جامع الفصولين قد اضطرب آراهم وبياناتهم في مسائل الحكم للغائب وعليه ولم يصف ولم ينقل عنهم اصل قوى ظاهر يبنى عليه الفروع بلا اضطراب ولا اشكال فالظاهر عندي ان يتأمل في الوقائع ويحيط ويلاحظ الحرج والضرورات فيفتي بحسبها جوازاً او فساداً مثلاً لو طلق امرأته عند العدل فغاب عن البلد ولا يعرف مكانه او يعرف ولكن يعجز عن احضاره او عن ان تسافر اليه هي او وكيلها البعده او لمانع آخر وكذا المديون لو غاب وله نقد في البلد او نحو ذلك ففي مثل هذا الوجهين على الغائب وغلب على ظن القاضي انه حق لا تزوير ولا حيلة فيه فينبغي ان يحكم عليه وله وكذا للمفتي ان يفتي بجوازها دفعاً للحرج والضرورات وصيانة للحقوق عن الضياع مع انه مجتهد فيه ذهب اليه الائمة الثلاثة رحمهم الله تعالى وفيه روايتان عن اصحابنا رحمهم الله تعالى وينبغي ان ينصب عن الغائب وكيل يعرف انه يراعى جانب الغائب ولا يفرط في حقه واقرة في نور العين قلت ويؤيد ما ياتي قريباً في المسخر وكذا ما في الفتح من باب المفقود لا يجوز القضاء على الغائب الا اذا رأى القاضي مصلحة في حكم له وعليه فحكم فانه ينفذ لانه مجتهد فيه أم، قلت وظاهرة ولو كان القاضي حقيقاً ولو في زماننا ولا ينافي ما مر لان تجويز هذا للمصلحة والضرورة (رد المحتار ص ۳۰۰ ج ۵) فقط والله تعالى اعلم
 ۴ محرم ۹۲ هـ

نکاح فاسد کی عدت میں نفقہ نہیں:

سوال: زید کے کافی عرصہ تک ایک عورت سے ناجائز تعلقات رہے، اس کے بعد اس عورت کی لڑکی سے زید کی شادی ہوئی، اور کئی بچے بھی پیدا ہوئے، اب مسئلہ دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کی تفریق کی صورت کیسے ہوگی؟ کیا عورت پر عدت واجب ہوگی؟ اور مرد پر عدت کا نفقہ واجب ہوگا؟

بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس عورت کی تفریق کے لئے صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ عورت پر شوہر کے مکان ہی میں عدت گزارنا واجب ہے، شوہر پر عدت کا نفقہ واجب نہیں، سکنی یعنی ایام عدت میں اپنے مکان میں رہائش کا انتظام واجب ہے، فی نفقة شرح التنویر فتجب للزوجة بنکاح صحیح، وفي الشامية فلا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وهو حق الحبس الثابت للزوج علیہا بالنکاح وکذا فی عدته لان حق الحبس وان ثبت لکنہ لم یثبت بالنکاح بل التحصین الماء ولان حال العدة لا یكون اقوی من حال النکاح بدائع (رد المحتار ص ۶۹۹ ج ۲) زید پر توبہ واستغفار لازم ہے، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۸ جمادی الآخرہ ۱۲۹۲ھ

کسب عاجز کا نفقہ :

سوال : جو لوگ کمانے کی قدرت نہیں رکھتے جیسے بیوہ عورتیں، یتیم بچے، آنکھوں یا ہاتھ پاؤں سے معذور یا کسی شدید مرض میں مبتلا لوگ، کیا ان کے مصارف حکومت کے ذمہ فرض ہیں؟ اگر نہیں تو اسلام میں ان کے معاش کا کیا انتظام ہے؟ بینوایا تفصیل توجروا عند الله الجلیل،

الجواب باسم ملہم الصواب

کسب عاجز لوگوں کا نفقہ ان کے ذی رحم محارم رشتہ داروں کے ذمہ ہے، وجوب نفقہ کے لحاظ سے ان کی سات قسمیں ہیں،

① فقط فردع، الاقرب فالاقرب، یعنی پہلے اولاد، وہ نہ ہو تو اولاد کی اولاد، مذکور و مؤنث پر برابر،

② فردع مع حواشی، اس میں نفقہ فقط فردع پر ہے اور اس کا ضابطہ قسم اول کی طرح ہی ہے،

③ فردع مع اصول، اس میں والدین پر ولد بلا واسطہ مقدم ہے، یعنی والدین کے ساتھ بیٹی یا بیٹا، ہو تو نفقہ والدین پر نہیں، بلکہ بیٹے یا بیٹی پر ہے، اس کے بعد الاقرب فالاقرب، اس لئے باپ کے ساتھ پوتا یا پوتی ہو تو نفقہ باپ پر ہے، قرب و بعد میں برابر ہوں تو ہر ایک پر بقدر ارث اس لئے دادا اور پوتا ہوں تو دادا پر ۱/۴ اور پوتے پر ۱/۴،

- ④ فروع مع اصول و حواشی، اس کا حکم قسم ثالث کی طرح ہے،
- ⑤ فقط اصول، باپ سب سے مقدم ہے، وہ نہ ہو تو یا بعض اصول وارث ہوں گے اور بعض غیر وارث اور یا سب وارث ہوں گے، نوع اول میں الاقرب فالاقرب، اس لئے ماں اور نانا ہوں تو نفقہ ماں پر ہے، قرب و بعد میں برابر ہوں تو ان میں سے جو وارث ہو اس پر نفقہ ہی اس لئے نانا و دادا ہوں تو نفقہ دادا پر ہے، اور نوع ثانی یعنی سب وارث ہوں تو بقدر ارث، اس لئے ماں اور دادا ہوں تو ماں پر $\frac{1}{2}$ اور دادا پر $\frac{1}{2}$ ،
- ⑥ اصول مع حواشی، اگر فریقین میں سے کوئی فریق غیر وارث ہو تو نفقہ اصول پر ہے، اس لئے دادا اور بھائی ہوں تو نفقہ دادا پر ہے، اور نانا اور چچا ہوں تو نانا پر ہے، اور اگر دونوں فریق وارث ہوں تو نفقہ بقدر ارث ہے، اس لئے ماں کے ساتھ عینی یا علی بھائی یا بھتیجا یا چچا وغیرہ کوئی عصبہ ہو تو ماں پر $\frac{1}{2}$ اور عصبہ پر $\frac{1}{2}$ ،

اس قسم میں اگر اصول متعدد ہوں تو ان میں قسم خامس والا ضابطہ جاری ہوگا، جب جد صاحب ہونے میں بمنزلہ اب ہو تو وجوب نفقہ میں بھی بمنزلہ اب شمار ہوگا مثلاً ماں، دادا اور بھائی ہوں تو چونکہ جد بھائی کے لئے صاحب ہو اس لئے بمنزلہ اب ہو جانے کی وجہ سے پورا نفقہ اسی پر ہوگا، ماں پر کچھ نہیں، اور اگر بھائی نہ ہو تا صرف ماں اور دادا ہوتے تو جد بمنزلہ اب نہ ہوتا، اس لئے نفقہ بقدر ارث ماں پر $\frac{1}{2}$ اور دادا پر $\frac{1}{2}$ ہوتا، جیسا کہ قسم ثالث میں گذرا،

- ⑦ فقط حواشی، اس میں نفقہ بقدر ارث ہے، بشرطیکہ ذی رحم محرم ہوں، غیر ذی رحم محرم جیسے چچا زاد وغیرہ پر نفقہ نہیں،

تفصیل مذکور اس وقت ہے جب کہ سب موجود رشتہ دار غنی ہوں، اگر ان میں سے کوئی مسکین ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ دوسرے وارثوں کو محروم کر رہا ہو تو اس کو بمنزلہ میت قرار دینے سے جو رشتہ دار وارث بنتے ہوں نفقہ اُن پر بقدر ارث ہوگا، اور اگر یہ دوسروں کو محروم نہیں کرتا تو اس کو زندہ شمار کرنے سے دوسرے وارثوں کو جس مناسبت سے حصہ وراثت ملتا ہے اس کے مطابق ان پر نفقہ ہوگا، مثلاً بیٹا مسکین، خیفی بھائی اور عینی بھائی ہوں تو چونکہ بیٹا ہر قسم کے بھائی کو محروم کر رہا ہے اس لئے اس کو مردہ تصور کریں گے، اس کے بعد حصہ وراثت خیفی بھائی کا $\frac{1}{4}$ اور عینی کا $\frac{1}{4}$ ہے، اس لئے ان پر نفقہ بھی اسی مناسبت سے

واجب ہوگا، اور اگر صورت مذکورہ میں مسکین بیٹے کی بجائے مسکین بیٹی ہو تو چونکہ وہ صرف خیفی بھائی کو محروم کرتی ہے عینی کو نہیں، اس لئے اس بیٹی کو زندہ شمار کریں گے تو خیفی بھائی کو ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اس لئے اس پر نفقہ بھی نہیں، کل نفقہ عینی بھائی پر واجب ہوگا، اگر مذکورہ رشتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو یا سب مسکین ہوں تو سرکاری بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا، اس میں بھی گنجائش نہ ہو تو عامۃ المسلمین پر فرض ہے، وھذا تلخیص تحریر العلامة ابن عابدین فی رد المحتار (ص ۲۰، ۲۱) رحمہ اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہ وجزاہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

مکان نہ ملنے کی وجہ سے بیوی چلی گئی :

سوال: زید اپنی زوجہ کو ایک شہر میں لے گیا، وہاں زید کی ماں تھی زید نے زوجہ کو کہا کہ یہاں میری ماں کے پاس رہو تو نفقہ پورا دیدوں گا، پھر زید سفر میں چلا گیا، جاتے وقت زوجہ کو بلا کر کہا کہ اور کسی جگہ نہیں جانا، مگر زید کے جانے کے بعد زوجہ اپنے میکہ میں چلی گئی، اس کے باپ نے قاضی کے پاس جا کر اس سے لڑکی کا نفقہ مقرر کروایا، ایک مہینہ میں ۲۰ بکلو آٹا اور ۴ بکلو گوشت، چار بکلو گھی، اتنی کھجور، اتنا مصالحہ وغیرہ، یعنی قاضی نے سب چیزوں کی تفصیل لکھ دی، دو سال کے بعد زید آگیا تو زوجہ نے اس پر نفقہ کا دعویٰ کیا، زید نے انکار کیا اور کہا کہ تم نے میرے حکم کے خلاف کیا، اس لئے گزشتہ نفقہ نہیں دوں گا، آیا اس صورت میں گزشتہ دو سال کا نفقہ زوجہ کو ملے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بیوی کی الگ رہائش کے لئے ایک ایسے کمرہ کا انتظام کرنا شوہر پر فرض ہے، جس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہ ہو، شوہر کی طرف سے ایسی رہائش کا انتظام ہونے کے باوجود بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے تو وہ ناشزہ ہے، اس کا نفقہ شوہر پر نہیں، اگر شوہر ایسی رہائش کا انتظام نہ کرے تو بیوی بلا اجازت دوسری جگہ جانے سے ناشزہ نہیں بنتی، اس لئے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، چونکہ زید نے بیوی کی الگ رہائش کا ایسا انتظام نہیں کیا اس لئے اس پر بیوی کا نفقہ واجب تھا، قاضی کے فیصلہ کے بعد جتنی مدت گزری اس کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے، اس سے پہلے جو ایام گزرے ان کا نفقہ نہیں لے سکتی، لان النفقة تسقط بمضي

المدة بدون القضاء أو الرضا أي تراخي الزوجين على قدر معين، فقط والله تعالى أعلم،
۱۳ رجب ۱۳۹۸ھ

معتدة موت کے لئے نفقہ دے سکتی نہیں:

سوال: زید کا انتقال ہو گیا، اس کی بیوی ہندہ عدت میں ہی، اس کے بارے میں مندرجہ ذیل

سوالات ہیں:-

- ① کیا ہندہ کے ایام عدت کا نفقہ مشترکہ ترکہ میں سے دیا جائے گا اس کے بعد باقی ترکہ داروں پر تقسیم ہوگا؟
 - ② اگر زید کا انتقال کرایہ کے مکان میں ہوا ہو اور ہندہ اسی کرایہ کے مکان میں عدت گزار رہی ہو تو کیا اس مکان کا کرایہ مشترکہ ترکہ سے نکالنے کے بعد باقی ترکہ داروں پر تقسیم کیا جائے گا؟
 - ③ اگر زید اپنے ذاتی مکان میں رہتا تھا تو کیا داروں پر فرض ہو کہ ہندہ کو اس مکان میں عدت گزارنے دیں؟
- بیننا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

معتدة موت کو چونکہ شوہر کے مال سے حصہ وراثت ملتا ہے اس لئے اس کو مشترکہ ترکہ سے لینے کا حق نہیں، بلکہ ترکہ سے اس کو جو حصہ ملے گا اس سے خرچ کرے،
اگر کرایہ مکان کی استطاعت نہ ہو تو یہ مکان چھوڑ کر حسب استطاعت کسی دوسرے قریب تر مکان میں جاسکتی ہے،

اگر زید کے ذاتی مکان سے جو حصہ اس کی بیوی کو ملا وہ اس کے لئے ناکافی ہو تو دوسرے داروں پر واجب نہیں کہ وہ ایام عدت اپنے حصہ میں گزارنے دیں، بلکہ بطیب خاطر اجازت دیں تو بہتر ورنہ دوسرے قریب تر مکان میں عدت گزارے، فقط والله تعالى أعلم،

۲ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

نابالغ کی بیوی کا نفقہ:

سوال: اگر والد نے اپنے نابالغ لڑکے کی شادی کر دی اور بہو کو اپنے گھر لے آیا، خواہ بہو بالغ ہو یا نابالغ، تو جس طرح نابالغ لڑکے کے مصارف والد پر ہیں کیا اسکی بیوی کے مصارف بھی والد پر واجب ہیں؟ بیننا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کی بیوی کا نفقہ نابالغ کے اپنے مال میں ہی، اس کے والد پر واجب نہیں، البتہ اگر والد رضا من ہو تو

۳ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ

اس پر واجب ہے، فقط والله تعالى أعلم،

مطلقة کی اجرت حضانتہ:

سوال: مطلقہ عورت دودھ پلانے کی اجرت کے علاوہ بچہ کو سنبھالنے کی اجرت الگ لے سکتی ہے یا نہیں؟ یعنی اجرت ارضاع و اجرت حضانتہ الگ الگ طلب کرے، اس طرح دو اجرتیں طلب کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جرؤا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنبھالنے کی اجرت الگ لے سکتی ہے، مگر یہ دونوں قسم کی اجرت عدت گزرنے کے بعد جائز ہے، ایام عدت کی اجرت جائز نہیں، البتہ بچہ کا اپنا مال ہو تو اس سے اجرت طلب کرنا جائز ہے، ان سب امور میں اجرت ارضاع و اجرت حضانتہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ کوئی دوسری عورت بلا اجرت ارضاع و حضانتہ پر راضی نہ ہو، اگر بلا اجرت کوئی دوسری عورت راضی ہے تو ماں اجرت ارضاع نہیں لے سکتی، اجرت حضانتہ لے سکتی ہے، بچہ ماں کے پاس رہے گا اور مرضعہ اس کے پاس آکر دودھ پلائے گی، البتہ اگر بچہ کے اقارب میں سے کوئی عورت بلا اجرت حضانتہ پر راضی ہو اور بچہ کا والد تنگ دست ہو تو ماں اجرت حضانتہ نہیں لے سکتی، فی حضانتہ شرح التنویر وہی غیر اجرة ارضاعہ و نفقته کما فی البحر عن السراجیہ، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی البحر فعلى هذا يجب على الاب ثلاثة اجرة الرضاع و اجرة الحضانة و نفقة الولد اھ ومثله فی الشربلالية ر قوله ثم حرر ای الخیر الرملی ان الحضانة كالرضاع ای فی انہا لا اجر للام فیہا لو منکوحہ او معتدۃ والا فلہا الاجرة من مال الصغیر ان کان لہ مال والا فسن مال ابیہ او من تلزمہ نفقته، ہذا خلاصۃ ما حط علیہ رأیہ بعد کلام طویل وقد علمت تأییدہ بما نقلناہ عن خط السائحانی قلت و ہذا اکلہ حیث لم یوجد متبرع بالحضانة فان وجد فاما ان یكون اجنبیاً عن الصغیر اولاً وعلى کل فاما ان یكون الاب معسر اولاً وعلى کل فاما ان یكون للصغیر مال اولاً فان کان اجنبیاً یدفع للاهل للحضانة باجرة المثل ولو من مال الصغیر وان کان المتبرع غیر اجنبی فان کان الاب معسر والصغیر لہ مال اولاً یقال للام اما ان تمسکیہ مجاناً او قد فعیہ للعمة مثلاً المتبرعة صونا لماله لو لہ مال وان کان الاب موسراً والصغیر لہ مال فکذلک لان الاجرة حینئذ علی الصغیر وان کان الاب موسراً

ولا مال للصغير فالام مقدمة وان طلبت الاجرة نظر الصغير بلا ضرر له في مال
 هذا حاصل ما تحرر للعبد الضعيف بناء على ان الحضانة كالرضاع وتماثل ذلك في
 رسالتنا الابانة عن اخذ الاجرة على الحضانة (رد المحتار ص ١٩٢ ج ٢) وفي نفقة
 العالقة لا يستأجر الاب امه لو منكوحة ولو من مال الصغير خلا فالذخيرة و
 المجتبى او معتدة رجعي وجاز في الباش في الاصح جوهرية كاستعجار منكوحته لو ولد
 من غيرها وهي احق بارضاع ولدها بعد العدة اذ لم تطلب زيادة على ما تأخذ
 الاجنبية ولودون اجر المثل بل الاجنبية المتبرعة احق منها زيلعي اى في الارض
 اما اجرة الحضانة فلام كسائر وفي الشامية تحت قوله خلا فالذخيرة و
 المجتبى) قد نقل الحموي عن البرجندى معزيا للمنصورية ان الفتوى على
 الجواز اى الذى مشى عليه في الذخيرة والمجتبى (قوله في الاصح) وذكر في الفتح
 عن بعضهم انه ظاهر الرواية ولكن ذكر ايضا ان الواجهة عدم الفرق بين عدة الرجعي
 والسائر وان في كلام الهداية ايما الى انه المختار عنده اذ من عادته تأخير
 وجه القول المختار وكذا هو ظاهر اطلاق القدرى المعتدة وفي النهر انه رواية
 الحسن عن الامام وهي الاولى اه وفي حاشية الرمل على المنع عن التتارخانية
 وعليه الفتوى (قوله اما اجرة الحضانة الخ) افاد ان الحضانة تبقى للام فترضعه
 الاجنبية المتبرعة بالارضاع عند الام كما صرح به في البدائع ونحوه ما مر في
 المتن وان للام اخذ اجرة المثل على الحضانة ولا تكون الاجنبية المتبرعة
 بها اولى نعم لو تبرعت العمة بحضانتها من غير ان تمنع الام عنه والاب معسر
 فالصحيح انه يقال للام اما ان تسكى الولد بلا اجر واما ان تدفعه اليها كما
 مر في الحضانة وبه ظهر الفرق بين الحضانة والارضاع هنا وهو ان انتقال
 الارضاع الى غير الام لا يفتقد بطلب الام اكثر من اجر المثل ولا باعسار الاب
 ولا يكون المتبرعة عمة او نحوها من الاقارب فافهم (رد المحتار ص ٣٢ ج ٢)
 فقط والله تعالى اعلم

بیوی کے لئے مکان کی تفصیل :

سوال : بیوی اگر شوہر کے والدین سے الگ مکان طلب کرے تو اسے بالکل الگ مکان میں رکھنا ضروری ہو یا کہ والدین کے مکان میں ایک مستقل کمرہ دیدینا بھی کافی ہے ؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں، قال فی التنبیہ وکذا تجب لہا السكنی فی بیت خال عن اہلہ و اہلہا بقدر حالہما و بیت منفرد من دار لہ غلق کفاہا، و فی الشرح زاد فی الاختیار والعینی ومرافق ومفادۃ لزوم کنیف ومطبخ، وینبغی الاقتاوبہ بحوالی قولہ، و فی البحر عن الخانیۃ یشترط ان لا یكون فی الدار احد من احماء الزوج یؤذیہا، ونقل المصنف عن الملتقط کفایتہ مع الاحماء لامع الضرائر، و فی الشامیۃ رقولہ و مفادۃ لزوم کنیف ومطبخ، ای بیت الخلاء وموضع الطبخ بان یكون داخل البیت او فی الدار لا یشارکھا فیہما احد من اهل الدار قلت وینبغی ان یكون ہذا فی غیر الفقراء الذین یسکنون فی الربوع والاحواش بحیث یكون لكل واحد بیت یخصہ وبعض المرافق مشترکۃ کالخلاء والتور و بئر الماء، ویأتی تسامہ قریباً، و فیہا تحت رقولہ، و فی البحر عن الخانیۃ الخ، و علی ما نقلنا عن ملتقط ابی القاسم وتجنیسیہ للاستروشنی ان ذلک یختلف باختلاف الناس فی الشرفیۃ ذات الیسار لا بد من افرادھا فی دار، ومتوسط الحال یکفیہا بیت واحد من دار ومفہومہ ان من كانت من ذوات الاعسار یکفیہا بیت ولو مع احماءھا وضررتها کاکثر الاعراب اهل القری و فقراء المدن الذین یسکنون فی الاحواش والربوع، و ہذا التفصیل هو الموافق لما مر من ان المسکن یعتبر بقدر حالہما ولقولہ تعالیٰ اسکنوہن من حیث سکنتن من وجد کمر، وینبغی اعتمادہ فی زماننا ہذا، فقد مر ان الطعام والكسوة یختلفان باختلاف الزمان والمکان (الی قولہ) و ہذا موافق لما قد مناه عن الملتقط من قولہ اعتباراً فی السكنی بالمعروف، اذ لا شک ان المعروف یختلف باختلاف الزمان والمکان، فعلى المفتی ان ینظر الی حال اهل زمانہ و بلدہ، اذ بدون ذلک لا تحصل المعاشرة بالمعروف، وقد قال تعالیٰ ولا تضاروہن لتقیقوا علیہن (۱۹۱/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

کتاب الایمان

دائمی روزہ کی نذر میں بوقتِ عجزِ فدیہ ہے :
سوال : ایک شخص نے نذر کی کہ میں مرتے دم تک ہمیشہ روزہ رکھوں گا، اب یہ شخص مرض
اور کبر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جرؤا،
الجواب ومنه الصدق والصواب

فدیہ دیتا رہے، فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو استغفار کرتا رہے، قال فی شرح التنویر
فی آخر کتاب الصوم نذر صوم رجب (الی قولہ) او صوم الابد فضعف لاشتغاله
بالمعيشة انظر وكفر كما مر، وفي الشامية (قولہ وكفر) ای فدی (قولہ كما مر) ای فی
الشیخ الفانی من انه يطعم كالفطرة (رد المحتار ج ۲) وفي آیمان شرح التنویر ولو نذر
صوم الابد فاكل لعن فدی، وفي الشامية (قولہ فاكل لعن) وكن الدونه (قولہ
فدی) ای لكل يوم نصف صاع من بر او صاعاً من شعير وان لم يقدر استغفر
الله تعالى كما مر (رد المحتار ج ۳)، فقط والله تعالى اعلم،
غرة جمادی الآخرة ۱۳۷۳ھ

بنائے مسجد کی نذر صحیح نہیں :
سوال : ایک شخص نے نذر کی کہ اگر میرا مریض تندرست ہو جائے تو میں مسجد تعمیر
کرواؤں گا، اب مریض تندرست ہو گیا ہے، تو اس پر مسجد تعمیر کرنا ہی لازم ہے یا کہ مساکین پر
بھی صرف کر سکتا ہے؟ بینوا تو جرؤا،
الجواب ومنه الصدق والصواب

نذر میں نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ مندرجہ عبادت مقصودہ ہو، اور اس کی جنس سے کوئی
فرد فرض یا واجب ہو، تعمیر مسجد اگرچہ واجب ہو مگر عبادت مقصودہ نہیں، لہذا یہ نذر واجب الاداء

نہیں، قال فی التذویر ومن نذر نذرًا مطلقاً او معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب وهو
عبادة مقصودة ووجد الشرط لزم الناذر، وفي الشامية (وقوله وهو عبادة مقصودة)
الضمير راجع للنذر بمعنى المنذر لا للواجب خلافاً لما فی البحر قال فی الفتح مباحو
طاعة مقصودة لنفسها ومن جنسها واجب الخ وفي البدائع ومن شروطه ان يكون
قربة مقصودة فلا يصح النذر لعبادة المريض وتشيع الجنازة والوضوء والغسل
ودخول المسجد ومسح المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وان
كانت قرباً الا انها غير مقصودة اه، فهذه اصریح فی ان الشرط كون المنذر ونفسه
عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه ولذا اصححو النذر بالوقف لان من جنسه
واجباً وهو بناء مسجد للمسلمين كما يأتي مع انك علمت ان بناء المساجد غير مقصود لذاته وفي شرح التذویر
ودقف مسجد للمسلمين واجب على الامام من بيت المال والا فعلى المسلمين وفي الشامية (وقوله وقف
مسجد) ای فی كل بلدة على الظاهر (رد المحتار ص ۳۶۶)، فقط والله تعالى اعلم،

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۴۸ھ

سوال متعلق بالالا:

سوال: آپ نے احسن الفتاویٰ میں فرمایا ہے کہ بناء مسجد کی نذر واجب الاداء نہیں
مگر احسن الفتاویٰ دیکھنے سے قبل میں نے مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ سے سوال کیا تھا کہ اگر کوئی
یہ نذر کرے کہ مسجد میں تیل دوں گا یا لوٹے یا جھاڑو یا صفت ڈالوں گا تو کام ہونے پر اس نذر کا
پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور نذر عبارت مقصودہ ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے جواب
دیا تھا کہ بعض فقہار نے بناء مساجد کو قربت مقصودہ میں داخل قرار دیا ہے، درختار میں قربت
مقصودہ کی مثالیں بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کصوم وصلوة وصدقة واعتكاف (الی قولہ)
وبناء مسجد للمسلمين واجب على الامام من بيت المال والا فعلى المسلمين (شامی ص ۶۹)
اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ بحر میں لکھا ہے وھذا يدل على ان المراد بالوجوب
حقيقته المصطنع عينا عندهم واما قول صاحب الدر المنذر واذ كان له اصل في الفروض
لزم الناذر في راديه ما يعم الواجب بان يراد بالقرض في كلامه اللزم وبه يندفع التنافي
الواقع في عباراتهم اه ص ۲۱۶، بندہ کو دونوں حضرات کی عبارت سے غلجائ ہو گیا، لہذا
مہربانی فرما کر بندہ کے غلجائ کو دور کیا جائے، عین کرم ہو گا، اور تیل، جھاڑو، صفت، لوٹے

وغیرہ، یہ بھی بنائیں داخل ہیں یا صرف تعمیر و مرمت ہی کو بنائے مسجد کہتے ہیں؟ بیذنا و توجروا،
الجواب باسم ملہم الصواب

در مختار کی پوری عبارت یوں ہے: من نذر نذراً مطلقاً او معلقاً بشئ و كان من جنس واجب وهو عبادة مقصودة خرج الوضوء وتكفين الميت ووجوب الشرط المعلق به لزوم النذر للحديث من نذر زعمي فعليه لوفاء بما عصى كصوم و صلوة و صدقة و رفق و اعتكاف و اعتاق رقبة و حج و لو ما شئاً فانها عبادات مقصودة و من جنسها واجب لوجوب العتق في الكفارة و المشي للحج على القادر من اهل مكة و الفعدة الاخير في السلوة و هي لبث كالاعتكاف و وقف مسجد للمسلمين واجب على الامام من بيت المال و لا فعلی المسلمین (در المختار ص ۲۶۸) اس میں قربت مقصودہ کی مثالیں صوم سے شروع ہو کر حج پر ختم ہو گئی ہیں، چنانچہ اس کے بعد فرمایا فانها عبادات مقصودة، اس کے بعد من جنسها واجب صحت نذر کی دوسری شرط کا بیان شروع ہوا ہے لوجوب العتق في الكفارة سے اس کی مثالیں بیان فرمائیں، جو وقف مسجد للمسلمين و لا حج پر ختم ہوئیں، غرضیکہ وقف مسجد قربت مقصودہ کی مثال نہیں بلکہ جنس منذور سے واجب کی مثال ہے، وقف مسجد واجب تو ہے مگر قربت مقصودہ نہیں، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وهو عبادة مقصودة) الضمیر راجع للنذر بمعنى المنذور و لا للواجب خلافا لما في البحر قال في الفتح مباهولة مقصودة لنفسها و من جنسها واجب الخ و في البدائع و من شرطه ان يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعبادة المريض و تشييع الجنائز و الوضوء و الاغتسال و دخول المسجد و مسح المصحف و الاذان و بناء الرباطات و المساحد و غير ذلك و ان كان قريبا الا انها غير مقصودة اه فلهذا اصرح في ان الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه و لن اصحوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وهو بناء مسجد للمسلمين كما يأتي مع انك علمت ان بناء المساجد غير مقصودة لذاته (رد المحتار ص ۲۶۸) وقال في منحة الخالق انهم صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وهو وقف مسجد للمسلمين وقد علمت ان بناء المسجد غير مقصود (البحر الرائق ص ۲۹۶) حاصل یہ کہ وقف للفقراء قربت مقصودہ ہے مگر واجب نہیں اور وقف مسجد واجب ہے، مگر قربت مقصودہ نہیں، اور صحت نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور خود عبادت مقصودہ ہو

اور اس کی مجلس سے کوئی فرد واجب ہو، یہ شرط وقف للفقراء میں موجود ہے، اس لئے کہ خود عباد مقصودہ ہے اور اس کی مجلس سے وقف مسجد واجب ہے، اس لئے اس وقف کی نذر صحیح ہے، مگر وقف مسجد میں یہ شرط مفقود ہے، اس لئے کہ اگرچہ یہ واجب ہے مگر عبادت مقصودہ نہیں لہذا اس کی نذر صحیح نہیں،

چٹائیاں، لوٹے اور جھاڑو وغیرہ بنا مسجد میں داخل نہیں، یہ اشیاء متعلقات مسجد ہیں جن کو آلات مسجد کہا جاتا ہے، ان کی نذر بھی صحیح نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غزوة ذی الحجہ ۸۶ھ

نذر میں زمان و مکان وغیرہ کی تعیین صحیح نہیں؛

سوال؛ اگر کسی نے نذر کی کہ فلاں چیز فقراء مکہ کو دے گا، پھر اس نے یہ چیز فقراء مدینہ یا دوسرے کسی شہر کے فقراء کو دیدی تو نذر ادا ہو گئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نذر میں کسی زمان یا مکان یا فقیر کی تعیین کی تو یہ تعیین ناذر پر لازم نہیں ہوتی، کسی دوسرے وقت میں یا دوسرے مکان میں یا دوسرے فقیر کو دینے سے بھی نذر ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر نذر میں کوئی چیز متعین کر دی کہ فلاں چیز دوں گا تو بعینہ یہی چیز دینا لازم نہیں بلکہ اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے، قال فی العلائق والنذر لا یختص بزمان و مکان و درہم و فقیر فلو نذر التصدق یوم الجمعة بمکة بهذا الدرہم علی فلان فخالف جاز (مراد المحتار ص ۱۳ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ جادی الاولیٰ ۸۶ھ

قرآن خوانی کرانے کی نذر جائز نہیں؛

سوال؛ زید نے نذر مانی کہ میرا قلال کام ہو گیا تو قرآن خوانی کراؤں گا، اب کام ہونے پر قرآن خوانی کرانا واجب ہو گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن خوانی کی مروج رسم بدعت اور ناجائز ہے، اس لئے اس کی نذر کرنا جائز نہیں، قال فی شرح التنبیرو فی البحر وشرائطہ خمس فزاد ان لا یكون معصیۃ لذاتہ فصح نذر یوم النحر لانه لغیرہ، وفی الشامیۃ قال فی الفتح واما كون النذر ومعصیۃ

يمنع انعقاد النذر فيجب أن يكون معناه إذا كان حراماً لعينه أو ليس فيه جهة قربة
فإن المذهب أن نذر صوم يوم العيد ينعقد ويجب الوفاء بصوم يوم غيره ولو
صامه خرج عن العهدة اه (القول) أن ما كان فيه جهة العبادة يصح النذر به
لما مر من أنه يلزم الوفاء بالنذر من حيث هو قربة لا بكل وصف التزمه به فصح
التزام الصوم من حيث هو صوم مع الغاء كونه في يوم العيد الخ (رد المحتار ج ۲)
تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حرام لغیرہ کی نذر منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا ایفاء بطریق مباح واجب
معبذ قرآن خوانی خواہ بطریق مباح ہی کیوں نہ ہو اس کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی، اس لئے کہ
اس کی جنس سے کوئی فرد فرض یا واجب نہیں، البتہ خود قراءۃ قرآن کی جنس سے نمازیں تلاوت
فرض ہے، مگر قراءۃ قرآن عبادۃ مقصودہ نہیں، قال فی العلائق ولو نذر التبیحات دبر
الصلاة لم يلزمه، وفي الثامية وكذا لو نذر قراءة القرآن وعمله القهستاني في
باب الاعتكاف بانها للصلاة وفي الخاتمة ولو قال على الطواف بالبيت والسعي بين
الصفا والمروة اذ على أن اقرأ القرآن ان فعلت كذا الا يلزمه شيء اه قلت وهو مشكل
فان القراءة عبادۃ مقصودة ومن جنبها واجب وكذا الطواف فانه عبادۃ مقصودة
ايضاً ثم رأيت في لباب المناسك قال في باب انواع الطرقة الخامس طواف النذر وهو واجب لا يخص
بوقت فهذا اصريح في صحة النذر به (رد المحتار ص ۷۰ ج ۲) فقط والله تعالى اعلم،
۲۳ شوال ۱۳۸۶ھ

نذر تبیحات بعد نماز صحیح ہے :

سوال : ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز کے بعد جو تبیحات پڑھی جاتی ہیں اگر کسی
تبیحات پڑھنے کی نذر کی تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں، اور اگر درود شریف کی نذر کی تو
واجب ہو جاتی ہے، حوالہ شامی کا دیتے ہیں، کیا ان کا یہ قول صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو تبیحات
اور درود شریف میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ بیاد تو جردا،

الجواب باسم ملهم الصواب

تبیحات اور درود شریف میں یہ فرق شامیہ میں نہیں، در مختار میں ہے، علامہ شامی
رحمہ اللہ تعالیٰ نے نذر تبیحات کو بھی واجب الاداء قرار دیا ہے، صحت نذر کے لئے مستزور کا
عبادۃ مقصودہ ہونا اور اس کی جنس سے کسی فرد کا فرض یا واجب ہونا شرط ہے، نماز کے بعد

والی تسبیحات عبارتہ مقصودہ ہیں، اور یہاں لفظ تسبیحات تغلیباً تحمید و تکبیر کو بھی شامل ہے، اور تحمید نماز میں سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں فرض ہے، اور تکبیر ابتداء نماز میں فرض ہے اور تکبیرات عیدین تکبیرات تشریق واجب ہیں، اس لئے ان تسبیحات کی نذر صحیح ہے، اسی طرح درود شریف عبارتہ مقصودہ ہے اور عمر بھر میں ایک بار فرض ہے، اس لئے اس کی نذر بھی صحیح ہے، البتہ نذر تسبیحات میں اگر نماز کے بعد کی قید نہیں لگائی تو یہ نذر واجب نہیں، اس لئے کہ اس موقع میں لفظ تسبیحات تحمید و تکبیر کو شامل نہیں بلکہ صرف تسبیح ہی مراد ہے اور جنس تسبیح میں کوئی فرد فرض یا واجب نہیں، نقل فی شرح التنویر عن القنیۃ لوند والتسبیحات دبر الصلوۃ لم یلزمہ ولو نذر ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم کذا الزمہ وقیل لا، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ولو نذر التسبیحات) لعل مرادہ التسبیح والتحمید والتکبیر ثلاثا والثلاثین فی کل واطلق علی الجمیع تسبیحاً تغلیباً لکونہ سابقاً و فیہ اشارۃ الی انہ لیس من جنسہا واجب ولا فرض و فیہ ان تکبیر التشریق واجب علی المفتی بہ و کذا تکبیرۃ الاحرام وتکبیرات العیدین فینبغی صحتہ النذر بہ بناء علی ان المراد من الواجب هو المصطلح طقلت لکن ما ذکرہ الشارح لیس عبارتہ القنیۃ وعبارتہا کما فی البحر ولو نذر ان یقول دعاء کذا فی دبر کل صلوۃ عشر مرات لم یصح (قوله لزمہ) لان من جنسہ فرضاً وهو الصلوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ واحدة فی العمر وتجب کما ذکرنا ما فی فرض علی قال ح ومنہ یعلم انہ لا یشتراط کون الفرض قطعاً (قوله وقیل لا) لعل وجه اشتراط کون الفرض قطعاً (مر المختار ص ۲۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال ۱۲۸۶ھ

نذر ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے:

سوال: بندہ نے نذر مانی کہ یہ بکرا جو گھر پرورش ہے اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو تقسیم کر دوں گا، اب کام ہونے پر بندہ نے اس کی قیمت فقراء کو تقسیم کر دی تو نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ یا بکرا ذبح کر کے گوشت ہی تقسیم کرنا واجب ہے؟ ایک عالم دین فرماتے ہیں کہ ذبح کرنا واجب ہے، قیمت دینے سے نذر ادا نہ ہوگی، اپنے دعویٰ میں شامی ص ۹۱ سے دلیل پیش کرتے ہیں، اُن کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اضحیہ کے سوا نذر ذبح سے نذر تصدق لحم مقصود ہے، ورنہ نفس ذبح کی نذر صحیح نہیں اس لئے کہ اضحیہ کے سوا ذبح حیوان عبارت مقصودہ نہیں، اس کی تفصیل کتاب الاضحیہ میں عنوان اضحیہ منذرہ سے جواز اکل کی تحقیق میں ہے، مرتب جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدق لحم مقصود ہو تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبح حیوان واجب نہیں، بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکر ذبح کر کے گوشت صدقہ کرے یا بکر زندہ صدقہ کر دے، یا اس کی قیمت صدقہ کرے، یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز، قال فی شرح التنویر نذر ان يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بخيرة جاز ان ساوى العشرة كتصدقہ بشمنہ (رد المحتار ص ۲۷۷، ۳۷۸)

سوال میں شامیہ کے جس جزئیہ کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی پوری عبارت تحریر کریں تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے،

فائدہ:۔ بنص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نذر میں زمان، مکان اور درہم و فقیر وغیرہ کی تعیین سے نذر ان قیود سے مختص نہیں ہوتی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو حکم نذر ہونے کی وجہ سے بعینہ اسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے، تبدیل کرنا جائز نہیں، اس صورت میں اختصا ص نذر کیوں ہوا؟

وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ نذر تضحیہ میں فعل منذور یعنی ذبح کا اثر حتی حیوان میں پایا جاتا ہے، اور نذر تصدق میں مسمیٰ میں فعل منذور یعنی تصدق کا کوئی اثر حتی نہیں پایا جاتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶، شوال ۱۲۸۶ھ

شیرینی تقسیم کرنے کی نذر؛

سوال؛ ہندہ نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو بچوں کو شیرینی تقسیم کروں گی تو کام ہونے پر ایسی نذر کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور یہ نذر صحیح ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ عبارت غیر مقصودہ سے ہے، اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں، آپ کی اس میں کیا رائے شریف ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

الفاظ نذر میں بچوں میں سے اغنیاء کی تخصیص نہیں، اس لئے یہ اغنیاء و فقراء

سب کو شامل ہے اور تصدق علی الفقیر عبارت مقصودہ ہے، لہذا یہ نذر صحیح ہے اور واجب الاداء ہے، اور الفاظ نذر میں نہ تو شیرینی کی کوئی مقدار یا قیمت متعین کی گئی ہے اور نہ ہی بچوں کی تعداد بیان کی گئی ہے، اس صورت میں اطعام عشرۃ مساکین واجب ہے، یعنی مقدار صدقۃ الفطرے دس گنا زیادہ گہیوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے، خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو بہر صورت نذر اداء ہو جائے گی، قال العلامة العصفی رحمہ اللہ تعالیٰ قال علی نذر ولم یزد علیہ ولانیۃ لہ فعلیہ کفارة یمین ولو نری صیامًا بلا عدد لزمہ ثلاثۃ ایام ولو صدقۃ فاطعام عشرۃ مساکین کالفطرۃ، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لزمہ ثلاثۃ ایام) لان ایجاب العبد معتبر بما یجاب اللہ تعالیٰ وادنی ذلک فی الصیام ثلاثۃ ایام فی کفارة الیمین بحر عن الولوالجیۃ (قوله ولو صدقۃ) ای بلا عدد (قوله کالفطرۃ) ای لكل مسکین نصف صاع بر وزن الو قال اللہ علی اطعام مسکین لزمہ نصف صاع براستحسانا وان قال اللہ علی ان اطعم المساکین علی عشرۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح (رد المحتار ص ۳، ج ۲) وفی شرح التنبیہ نذر لفقرۃ مکتہ جاز انصرف لفقرۃ غیرہا لما تقررنی کتاب الصوم ان النذر غیر المعلق لا یختص بشئ نذر ان یتصدق بعشرۃ دراهم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان سادی العشرۃ کتصدقہ بثمانہ، وفی الشامیۃ تحت (قوله لما تقررنی کتاب الصوم) قلت وما لا یتعین الفقیر لا یتعین عدده نفی الخانیۃ ان زوجت بنتی فالف درهم من مالی صدقۃ لكل مسکین درهم فزوج ودفع الالف الی مسکین جملۃ جاز (رد المحتار ص ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، غرۃ زی الحج ۸۶ھ

نذر معلق میں صیغۃ التزام ضروری نہیں:

سوال: زید کی بھینس کا پاؤں ٹرک میں پھنس گیا، نہ نکل سکا، زید نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری بھینس کا پاؤں صحیح سلامت نکل جائے تو دس روپے اللہ واسطے دوں گا، صرف اللہ واسطے کا لفظ کہا، منت یا نذر وغیرہ کچھ نہیں کہا تو یہ نذر کے حکم میں ہی یا نفلی صدقات کے حکم میں ہوگا؟ بینوا وجرؤا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے الفاظ عرفاً نذر کے لئے مستعمل ہیں، اس لئے یہ نذر لازم اور واجب المصدق ہے،

فان الایمان مبنیة على العرف، قال فی العلائقة فان الایمان مبنیة على العرف فما تورف
الحلف به فیمین وما لا فلا (رد المحتار ص ۳۵۲ ج ۳)

والنذر فی حکم الیمین کما فی الثامیة تحت (قوله ومن نذر نذرا مطلقاً) و
انما ذکر والنذر فی الایمان لما یأتی من انه لو قال علی نذر ولائیة له لزمه کفارة و
مرفی آخر کتاب الصیام انه لم نذر صوماً فان لم ینو شیئاً او نوى النذر فقط او نوى
النذر وان لا ینو شیئاً کان نذراً فقط وان نوى الیمین وان لا ینو شیئاً کان یمیناً
وعلیه کفارة ان افطروا نواهما او نوى الیمین کان نذراً یمیناً حتی لو افطر قضی وکفر
ومر هناك الکلام فیه (رد المحتار ص ۳۶۸ ج ۳) وایضاً فیه (قوله لان الذبح لیس من
جنسه فرض الخ) هذا التعلیل لصاحب البحر وینافیہ ما فی الخانیة قال ان برئت
من مرضی هذا اذ بعت شاة فبرئ لا یلزمه شیء الا ان یقول قلله علی ان اذبح شاة
وهی عبارة متن الدرر وعللها فی شرحه بقوله لان اللزوم لا ینو الا بالنذر والدل
علیه الثانی لا الاول ام فافاد ان عدم الصحة لكون الصیغة المذكورة لا تدل علی النذر
ای لان قوله ذبحت شاة وعد لا نذر ویؤیدہ ما فی البزازیة لو قال ان سلم ولدی
اصوم ما عشت فهذا وعد لکن فی البزازیة ایضاً ان عوفیت صمت کذا لم یجب
ما لم یقل الله تعالی علی وفی الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذا فانا احب
ففعل یجب علیہ الحجج ام فعلم ان تعلیل الدرر مبنی علی القیاس والاستحسان
خلافه وینافیہ ایضاً قول المصنف علی شاة اذبحها وعبارة الفتح فعلی بالفاء فی
جواب الشرط اذ لا شک ان هذا لیس وعد ولا یقال انما لم یلزمه لعدم
قوله لله علی لان المصرح به صحة النذر بقوله لله علی حجة او علی حجة (رد المحتار ص ۳۶۸ ج ۳)
فقط والله تعالی اعلم
۸ ربيع الاول ۱۲۸۷ھ

سوال مثل بالا:

یہاں دارالعلوم میں تدریس معلق کی ایک صورت کے بارے میں استفتار آیا تھا، میں نے
اس کا جواب لکھا ہے، مگر مولانا محمد تقی صاحب کو اس پر چند اشکالات ہیں، جواب مع اشکالات
پیش خدمت ہے، اگر جواب صحیح ہے تو اشکالات کا حل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں اور جواب میں

کوئی نقص ہے تو صحیح جواب کی ہدایت سے نوازیں، اٹال اللہ بقاءکم و نفعنا و جمیع
المسلمین بفیوضکم،

سوال: میں نے اللہ پاک سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اگر کراچی میں کامیاب تجارت ہاتھ
آگئی تو ہر سال نفلی حج کے لئے جاؤں گا، یہ وعدہ تھا، جذبہ تھا، خواہش تھی، نذر نہیں تھی،
اب بحمد اللہ مجھے اللہ پاک نے کراچی میں کامیاب دکان، تجارت عطاء فرمائی ہے، اب نفلی
حج پر تقریباً بیس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں، اگر میں اس رقم سے مفتیوں کے لئے اسلامی فتاویٰ
خرید لوں جن سے وہ مسلمانوں کو فتوے بتائیں گے، میرا صدقہ جاریہ ہوگا، شریعت کے لحاظ سے
میرے لئے اس میں ثواب زیادہ ہے یا نفلی حج میں؟ ان شاء اللہ آپ حضرات جو حکم مجھے کتب فقہ
سے بتائیں گے میں اسی پر عمل کروں گا، بینوا تو جروا،

الجواب من دارالعلوم کراچی

① فی الشامیۃ ناقلاً عن الخانیۃ قال ان برئت من مرضی هذا ذبعت شاة
فبرعی لا یلزمه شیء، الا ان یقول فلله علی ان اذبح شاة ام وہی عبارة متن الدرر
وعلمہا فی شرحہ بقولہ لان اللزوم لا یكون الا بالنذر والذال علیہ الثانی
لا الاول ام فافاد ان عدم الصحة لكون الصیغة المذكورة لا تدل علی النذری
لان قوله ذبعت شاة وعد لانذرو یؤیدہ ما فی البزازیۃ ایضاً لوقال ان سلم
ولدی اصوم ما عشت فهذا وعد لکن فی البزازیۃ ایضاً ان عوفیت صمت کذا
لم یجب ما لم یقل لله علی وفي الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذا انا احج
ففعل یجب علیہ الحج ام، فعلم ان تعلیل الدرر مبنی علی القیاس والاستحسان
خلا قد (شامیۃ ص ۲۰۰ ج ۳)

② وفي البزازیۃ علی الهندیۃ ان عوفیت صمت کذا لم یجب ما لم یقل لله علی وفي الاستحسان
یجب وان لم یکن تعلیقاً لا یجب قیاساً واستحساناً کما اذا قال لو فعلت کذا انا احج
ففعل یجب علیہ الحج (ص ۳۱۲ ج ۴)

③ وکذا فی البحر ناقلاً عن البزازیۃ (بحر ص ۳۲۱ ج ۴)

④ وفي آخر الاشباه والنظائر اما الصیغة فلله علی ونذرت لله وانا افعل ان
کان معلقاً کانا احج ان دخلت الدار بخلاف انا احج منجزاً،

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ سورت مستولہ میں سائل نے جو یہ کہا ہے کہ ”اگر کراچی میں کامیاب تجارت ہاتھ آگئی تو ہر سال نفلی حج کے لئے جادوں گا“ یہ صیغہ نذر ہے، یہ نذر معلق ہے، اور استحساناً صحیح ہے، سائل کا یہ کہنا کہ ”اس سے میری نیت نذر کی نہیں تھی صرف جذبہ اور وعدہ تھا“ معتبر نہ ہوگا، لہذا سائل پر ہر سال حج نفلی کرنا واجب ہے، حج نفلی کی بجائے اتنی رقم کسی دوسرے کار خیر میں لگانا جائز نہیں، فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،
عبداللہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی

اشکالات جو مولانا محمد تقی صاحب کو پیش آئے

- ① قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ حج واجب نہ ہو، استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ حج واجب ہے، تو اس قیاس اور استحسان کے درمیان ماہ الامتیاز کیا ہے؟ اگر ماہ الامتیاز یہی ہو کہ یہ نذر معلق ہے جو کہ بزازیہ کی تشریح کے مطابق ہے تو اس قسم کے کلمات عرف میں عام طور پر بولے جاتے ہیں، مثلاً اگر حکومت اجازت دیگی تو میں حج کو جادوں گا یا میرا سفر سے آگیا تو میں حج کو جادوں گا یا میری لڑکی کی شادی ہوگئی تو حج کو جادوں گا، وغیرہ،
- ② اور اگر نذر معلق کو الفاظ نذر میں داخل کر لیا جائے جیسے اشباہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو نذر کرنے والا جب اس بات کی تصریح کرے کہ میری نیت اس سے نذر کی نہیں تھی فقط ایک وعدہ تھا تو کیا اس کی نیت معتبر نہ ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب

العقار نذر کے لئے لفظ نذر یا کوئی دوسرا صیغہ التزام ضروری ہے، مگر نذر معلق میں استحساناً صیغہ التزام ضروری نہیں، کیونکہ عرف عام میں اسے بہر حال نذر ہی سمجھا جاتا ہے، اس عرف کی بناء پر یہ معلوم ہوتی ہے کہ تعلیق میں دلالت التزام موجود ہے،

جواب اشکالات: ① ”اگر حکومت اجازت دیگی تو حج کو جادوں گا“ اور اس کے ساتھ مذکورہ دوسری مثالوں میں نذر اس لئے نہیں ہوتی کہ عرفاً ہر تعلیق سے نذر مقصود نہیں ہوتی، بلکہ شفا، امراض و دفع بلیات و حصول مقاصد وغیرہ کیساتھ تعلیق ہوا اور شکرانہ کے طور پر کوئی عبادت متعلق کرے تو اس سے نذر مراد ہوتی ہے،

② نذر کی نیت نہ کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک عدم نیت نذر دوسری نیت عدم نذر، پہلی صورت میں نذر منعقد ہو جائیگی، اس لئے کہ الفاظ سے انکے عرفی معنی کا ثبوت نیت پر موقوف نہیں اسی لئے عبارت فقہ میں العقد نذر کے لئے نیت کی قید نہیں اور دوسری صورت یعنی نیت عدم نذر میں عدم العقد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، لہذا نوبی حقیقہ کلامہ و هو الوعد و محله کتب اصول الفقہ فلتراجع، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

حاشِیَہ سے قسم:

سوال: حاشِیَہ سے قسم ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حاشِیَہ سے قسم کا عرف ہو تو بلا نیت بھی قسم ہو جائے گی، قسم متعارف ہو تو بلا نیت قسم کہنے سے قسم ہوگی ورنہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا یہی حکم ہے، قال فی شرح التنویر ولا یقسم بصفة لم یعارف الحلف بہا من صفاته تعالیٰ کریمہ وعلہ (الی قولہ) وسبحان اللہ ونحو ذلک، وفي الشامية (قوله سبحان الله الخ) قال فی البحر ولو قال لا اله الا الله لا افعل كذا الا يكون يميننا الا ان ينوي وكن اقوله سبحان الله الله اكبر لا افعل كذا العدم العادة ام، قلت ولو قال الله الوكيل لا افعل كذا ينبغي ان يكون يمينًا في زماننا لانه مثل الله اكبر لكنه متعارف، (رد المحتار ص ۵۵)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ رمضان ۱۴۰۷ھ

گناہ پر قسم کا توڑنا اور کفارہ واجب ہے:

سوال: زید نے قسم کھائی کہ آج سینما دیکھے گا، اگر اس دن سینما نہ دیکھا تو قسم کا کفارہ واجب ہوا یا نہیں؟ اور ایسی قسم کا توڑنا واجب ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

گناہ پر قسم کو توڑ کر کفارہ دینا واجب ہے، قال فی التنویر ومن حلف علی معصیة كعدم الکلام مع ابويه او قتل فلان اليوم وجب العنت والتكفير (رد المحتار ص ۶۲ ج ۲)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال ۱۴۰۷ھ

قرآن کی قسم:

سوال: قرآن ہاتھ میں اٹھانے سے قسم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے توڑنے پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ قرآن ہاتھ میں اٹھانے کو بعض جگہ قسم ہی سمجھتے ہوں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قرآن مجید ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی لیکن قسم نہیں کھائی، یا یوں کہا "اس قرآن کی قسم" تو قسم نہیں ہوئی، البتہ اگر قرآن کی طرف اشارہ کئے بغیر کہا

”قرآن کی قسم“ یا ”کلام اللہ کی قسم“ یا قرآن کی طرف اشارہ کر کے کہا ”اس میں جو کلام اللہ ہے اس کی قسم“ تو قسم ہو جائے گی توڑنے پر کفارہ واجب ہوگا، قال فی شرح التنویر قال الکمال ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا واما الحلف بکلام الله فیدور مع العرف وقال العینی ان المصحف یمین لاسیما فی زماننا، وفي الشامية (قوله قال الکمال الخ) بنی علی ان القرآن بمعنی کلام الله فیکون من صفاته تعالیٰ کما یفیدہ کلام الهدایہ (الی قولہ) ونقل فی الہندیۃ عن المصنفات وقد قیل ہذا فی زمانہم واما فی زماننا فیمین وبہ نأخذ ونأمر ونعتقد وقال محمد بن مقاتل الرازی انه یمین وبہ أخذ جمہور مشایخنا، فہذا مؤید لکونه صفة تعرفت الحلف بہا کثرة الله وجلالہ وفيہا تحت (قوله وقال العینی الخ) واقترہ فی النہر وفيہ نظر ظاہر اذا المصحف لیس صفة لله تعالیٰ حتی یعتبر فیہ العرف (الی قولہ) نعم لو قال اقسم بمانی ہذا المصحف من کلام الله تعالیٰ ینبغی ان یکون یمینا (رد المحتار ج ۳)، فقط والله تعالیٰ اعلم ۱۶ شوال ۱۲۸۵ھ

طعام نذر سید پر حرام ہے:

سوال؛ نذر کا کھانا غریب سید کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، قال فی العلائق وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الدقائ لهم ای لبنی ہاشم، وفي الشامية (قوله وجازت التطوعات الخ) قید بہا لیخرج بقية الواجبات كالنذر والعشر والكفارات وجزاء الصيد الا خمس الركائز فانه يجوز صرفہ الیہم کما فی النہر عن الساج (رد المحتار ج ۳)، فقط والله تعالیٰ اعلم ۳۰ رزی الحج ۱۲۸۵ھ

نمازیوں کو کھلانے کی نذر:

سوال؛ زید نے منت مانی کہ فلاں کام ہو گیا تو بنیں مصلیٰ کو کھانا کھلاؤں گا، اب کا پہلے پر بنیں مصلیٰ کو کھانا خواہ مصلیٰ امیر ہو یا غریب درست ہے یا نہیں؟ اور نذر کا کھانا امیروں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ ص ۴۹۰ ج ۲ پر مرقوم ہے کہ نذر کا کھانا امیروں کو کھانا جائز ہے، اگرچہ جتنی مقدار امیروں نے کھائی ہے نذر صحیح نہ ہوگی، اور فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۰۲ پر مرقوم ہے کہ

نذر کا کھانا اغنیاء کو کھانا حرام ہے، دونوں فتوؤں کی عبارت میں اختلاف ہے، لہذا بندہ کا خلیفہ
رفع فرما کر ممنون فرمائیں، جبکہ ناذر نے امیر و غریب دونوں کو کھلانے کی نذر مانی ہو تو امیروں کو
کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو حرداء،

الجواب باسم ملہم الصواب

بقدر حصۃ اغنیاء نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اس لئے اس کا ایفاء واجب نہیں، اور اگر اغنیاء
کو کھلایا تو یہ اس لئے جائز ہے کہ ان کے حق میں یہ طعام نذر کا نہیں، قال فی شرح التنبیر نذر
التصدق علی الاغنیاء لم یصح ما لم یؤا بناء السبیل (رد المحتار ص ۳۰ ج ۳)، بقدر حصۃ
فقراء نذر صحیح ہے، اور اس کا ایفاء واجب ہے، اس سے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں، صورت
سوال میں اغنیاء و فقراء کا مجموعہ ہیں، ان میں سے عدد فقراء مجہول ہے، اور جہالت عدد کی
صورت میں دس فقراء کا طعام واجب ہوتا ہے، ایک فقیر کا طعام بقدر صدقۃ الفطر ہے، لہذا بقدر
صدقۃ الفطر دس گنا زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا
واجب ہے، خواہ ایک ہی مسکین کو سب دیدے یا متعدد مساکین میں تقسیم کرے، ہر طرح
اختیار ہے، قال فی شرح التنبیر قال علی نذر ولم یزد علیہ ولا نية له فعلیہ کفارة
یمین ولو نوى صیاماً بلا عدد لزمہ ثلاثة ايام ولو صدقة فاطعام عشرة مساکین
كالفطرة، وفي الشامية (قوله لزمہ ثلاثة ايام) لان ایجاب العبد معتبر بايجاب
الله تعالى وادنى ذلك في الصيام ثلاثة ايام في كفارة اليمين بحر عن الولوالجية (قوله
ولو صدقة) ای بلا عدد (قوله كالفطرة) ای لكل مسکین صاع برونذ الوقال لله علی
اطعام مسکین لزمہ نصف صاع براستحسانا وان قال الله علی ان اطعم المساکین علی
عشرة عند ابی حنیفة رحمہ الله تعالى فتح (رد المحتار ص ۳۰ ج ۳) وفي شرح التنبیر
نذر لفقراء مکتہ جاز الصرف لفقراء غیرها لما تقرری کتاب الصوم ان النذر غیر
المعلق لا یختص شیء نذر ان یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره
جاز ان ساوی العشرة کتصدقہ بشئ، وفي الشامية تحت (قوله لما تقرری کتاب
الصوم) قلت وکما لا یتعین الفقیر لا یتعین عدده ففي الخانية ان زوجت بنتی فالف
درهم من مالی صدقة لكل مسکین درهم فزوج ودفعت الالف الی مسکین جملة
جاز (رد المحتار ص ۳۰ ج ۳)

فتاویٰ رشیدیہ اور امداد الفتاویٰ کے جواب میں تعارض نہیں، اس لئے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں اُس نذر کا حکم ہے جو فقراء کے لئے مختص ہو، اس سے اغنیاء کو کھانا جائز نہیں، اور امداد الفتاویٰ میں ایسی نذر کا بیان ہے جس میں ناذر نے اغنیاء و فقراء دونوں کی نیت کی ہو، اس میں بقدر حصہ اغنیاء نذر منعقد ہی نہیں ہوتی، اس لئے اس کا ایفاء واجب نہیں، مجہذاً اگر اغنیاء کو کھلائے گا تو چونکہ یہ صدقہ واجبہ نہیں بلکہ تطوع ہے اس لئے اغنیاء کے لئے حلال ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

تبلیغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں :

سوال : زید نے نذر مانی کہ میرا ہاتھ صبح ہو گیا تو چالیس دن تبلیغ یعنی جماعت میں جاؤں گا، تو یہ نذر صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح نذر کے لئے یہ شرط ہے کہ منذور عبارت مقصودہ ہو، تبلیغ عبادت مقصودہ نہیں، اس لئے یہ نذر منعقد نہیں ہوتی، اس کا ایفاء واجب نہیں، جائز ہے، قال فی التنبیہ ومنذور نذر مطلقاً اور معلقاً بشط ذکان من جنسہ واجب وهو عبادۃ مقصودۃ ووجد الشرط لزم الناذر (رد المحتار ص ۶۸ ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ رجب ۱۳۸۸ھ

مندور لغير الله سے استفادہ حرام ہے :

سوال : اگر کسی نے قرآن کریم یا کوئی کتاب نذر لغير الله کے طور پر دی تو اس کی خرید و فروخت اور مطالعہ و درس وغیرہ کا استفادہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی کتاب سے کسی قسم کا استفادہ جائز نہیں، مندور لغير الله غیر حیوان بھی بعلت تقرب الی غیر الله ما اھل بہ لغير الله میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے، یعنی حرمت حیوان بلاداً مدلول نص ہے، اور حرمت غیر حیوان مدلول نص بواسطہ قیاس ہے، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل فرمایا ہے، ونصہ قبیل باب الاعتکاف فقال الشیخ قاسم فی شرح الدرر واما النذر الذی یندره اکثر العوام علی ما هو مشاہد کان یكون للانسان

غائب اور مریض اولیٰ حاجۃ ضروریۃ فیاتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ فیقول
یا سیدی فلان ان ارد غائبی اوعوفی مریضی او قضیت حاجتی فلك من الیٰ ذہب کذا
او من الفضة کذا او من الطعما کذا او من الماء کذا او من الشمع کذا او من الزيت
کذا فہذا النذر باطل بالاجماع لوجہ منها انه نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز
لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تكون للمخلوق ومنہا ان المندور لہ میت والمیت لا یملک ومنہا
انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامر دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر (الی قولہ)
للاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا یعتقد ولا یشغل الذمۃ بہ ولانہ حرام بل
سحت ولا يجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجہ الا
ان یكون فقیرا اولہ خیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون فیأخذونہ
علی سبیل الصدقة المبتدأۃ فاحذہ ایضا مکروہ ما لم یقصد بہ النادر والتقرب الی
اللہ تعالیٰ وصرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ فاذا علمت ہذا فلیأخذ
من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا ینقل الی ضرائج الاولیاء تقربا الیہم فحرام
باجماع المسلمین ما لم یقصد وایسر فی الفقراء الاحیاء قولاً واحداً (البحر الرائق ص ۲۹۸)
اگر نادر اس عقیدہ شریک سے تائب ہو جائے تو منذور بغیر اللہ حلال ہو جاتا ہے اور
اس سے استفادہ جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب سنہ ۱۲۹۸ھ

قسم میں اعتبار عرف کی تحقیق :

سوال : ہمارے ملک میں یہ عرف ہو کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ غیر کے گھر میں
نہیں جائے گا اور اس کے ہاں کھانا وغیرہ نہیں کھائے گا تو بطور قسم کہتا ہے کہ مجھ پر اس کے گھر
کا پانی حرام ہے، آیا یہ قسم صرف مسمیٰ یعنی پانی کے ساتھ مختص ہوگی یا کہ عرف کے مطابق ہر قسم
کے طعام وغیرہ کو شامل ہوگی؟ بندہ کے خیال ناقص میں یہ قسم صرف پانی کے ساتھ مختص ہوگی،
حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الایمان مبنیۃ علی الالفاظ، اور فرماتے ہیں الایمان
مبنیۃ علی العرف، نیز فرماتے ہیں بالعرف یخص ولا یزاد، ودلالة العرف لا تأثیر لہا فی
جعل غیر المملووظ مملووظاً، ولا یحنت بالغرض بلا مسمیٰ، لان الغرض یصلح مخصصاً لا
مزید (ارساد المحتار ص ۴۲، ج ۳)، صورت سوال میں جملہ ”مجھ پر اس کے گھر کا پانی حرام ہے“ میں

اگرچہ عرفاً پانی کا لفظ ہر قسم کے طعام کو عام ہے مگر چونکہ یہ لفظ معنیٰ معین و مخصوص ہے اور مستعمل ہے، مجبور نہیں، فقط اتنی بات کہ عرف میں ہر دو معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، ایک اصل پانی اور دوسرے معنیٰ مطلق طعام، معنیٰ ثانی میں مجاز و اور معنیٰ اول متردک نہیں، لہذا بندہ کے ناقص خیال میں یہ پانی کے معنیٰ میں از دیار ہے اس کی تخصیص نہیں، کیونکہ یہاں عموم نہیں، اور یہ غیر ملفوظ کو ملفوظ بنانا ہے، اگر مخالف کی غرض بھی عام ہوتا ہم غرض مخصوص ہوتی ہے نہ کہ مزید، یہاں چونکہ پانی کے لفظ میں عموم نہیں اس لئے تخصیص نہیں ہو سکتی، بلکہ مزید ہے اور وہ صحیح نہیں، ابتداء کے خیال ناقص میں اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے لا یشتری لانس شیئاً بفلس، براہ کرم اپنی رائے سامی سے تشفی فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ کی رائے صحیح ہے، جب حقیقت غیر مجبورہ اور مجاز متعارف جمع ہو جائیں تو عند اللہ ما رحمہ اللہ تعالیٰ حقیقت پر عمل کیا جائے گا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک عموم مجاز پر فتویٰ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نعم ما وقع مشترکاً بین اللغۃ والعرف تعتبر فیہ اللغۃ علی انہما العرف (رد المحتار ص ۲۷۷، ۲۷۸)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۶ رجب سنہ ۱۴۰۹ھ

ترتیب کلام کے لئے غیر اللہ کی قسم:

سوال: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حالت اعتکاف میں تھے کہ ایک شخص کو محزون مسجد میں بیٹھا دیکھا تو اعتکاف چھوڑ کر اس کے ساتھ اس کے کام کے لئے چل دیو، اس قصہ میں فرماتے ہیں کہ بعزۃ صاحب ہذا القلب، تو کیا یہ قسم جائز ہے؟ ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا ایک شخص نے بکری کاٹی تو گوشت نہیں نکلا، سوائے کھال اور ہڈی کے کچھ نہ تھا، تو اس نے بیاختہ کہا "وَامُحَمَّدًا" تو اس پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ یہ کہنا جائز نہیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نہیں، بلکہ اس شخص کا ہے جو محزون بیٹھا تھا، بسا اوقات الفاظ قسم صرف ترتیب کلام کے لئے لائے جاتے ہیں، حقیقت قسم مراد نہیں ہوتی اس صورت میں غیر اللہ کی قسم کے الفاظ کہنا جائز ہے، کما قالوا فی قولہم "ولعمری" یہ بھی کہا جاتا

ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے، ای ورت عزۃ صاحب هذا القبر،
 نذار غائب اگر بعقیدہ سماع نہ ہو اور اسماع مقصود نہ ہو بلکہ علی سبیل الاستلزام والاشتقاق
 اور التحتر والتحرین وغیرہ ہو تو جائز ہے، کما یخاطبون الادریۃ والانیار والجبالی والاشجار
 فقط والله تعالیٰ اعلم
 ۲۲ رجب ۱۲۹۵ھ

قرآن میں مخلوق کی قسم کیوں ہے؟
 سوال: مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ بار بار اپنی
 مخلوق کی قسم اٹھائی ہے، مثلاً والحدیث ضیحا لآیۃ، اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا تو جروا،
 الجواب باسم ملہم الصواب
 اس کی مختلف توجیہات ہیں:

- ① احکام شرع مکلفین کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ احکام کے مکلف نہیں، لایسئل عما
 یفعل وہم یسئلون،
- ② ایسے مواضع میں مضاف لفظ "رب" ہے، والحدیث اصل میں ورب الحدیث ہے،
- ③ کبھی قسم سے مقسم: کی تعظیم مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کی کسی عجیب حالت کا بیان اور
 اس سے استشہاد مقصود ہوتا ہے، مخلوق کی قسم اس صورت میں ناجائز ہے جبکہ اس کی تعظیم
 مقصود ہو،

④ کبھی قسم سے صریح تزمین کلام مقصود ہوتی ہے قسم مقصود نہیں ہوتی، کما قالوا فی قولہم
 "والعمری" فقط والله تعالیٰ اعلم،
 ۵ رجب ۱۲۹۵ھ
 عمرہ کی نذر صحیح ہے:

سوال: اگر کوئی عمرہ کرنے کی نذر مانے تو نذر منعقد ہو جاتی ہو یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عمرہ کی نذر منعقد ہو جاتی ہے، اور اس کا ایفاء واجب ہے، نقل فی الہندیۃ عن المبسوط
 ولو جعل علیہ حجة او عمرة او صوما او صلوة او صدقة او ما اشبه ذلك مما هو طاعة
 ان فعل كذا ففعل لزمه ذلك الذي جعله على نفسه الخ (عالمگیریہ ص ۶۵)، فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب ۱۲۹۳ھ

کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے:

سوال: ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میرا بھائی اپنی بیٹی کا رشتہ فلاں شخص کو دیدے تو میرا اس جگہ رہنا مجھ پر حرام ہے۔ اگر رشتہ ہو گیا اور وہ اسی جگہ رہتا ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ الفاظ قسم کے ہیں، اس لئے اس شخص پر قسم کا کفارہ واجب ہے، قال فی التنبیہ ومن حرم شیئاً ثم فعله کفر، وفي الشرح لما اقتدر ان تحریم الحلال بمن رد المحتار ص ۱۵۷، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۹ محرم ۱۴۰۶ھ

حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے:

سوال: ایک شخص نے یوں کہا کہ ”آئندہ مجھے سینما دیکھنا حرام ہے“ اگر اس نے آئندہ کبھی سینما دیکھا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے، خواہ وہ چیز پہلے ہی سے حرام ہو، جیسے شراب، خنزیر وغیرہ، اسی طرح سینما دیکھنا اگرچہ ویسے ہی حرام ہے معہذا اس کو اپنے اوپر حرام کرنے سے قسم ہو گئی، اگر خدا نخواستہ اس نے آئندہ کبھی سینما دیکھا تو سخت گناہ کے علاوہ قسم کا کفارہ بھی واجب ہوگا، قال فی التنبیہ ومن حرم شیئاً ثم فعله کفر، وفي الشرح ولو حراماً او ملک وغیرہ کقولہ الخمر او مال فلان علی حرام فیمین ما لم یرد الاخبار خانیۃ (رد المحتار ص ۱۲۷)، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۱۵ محرم ۱۴۰۶ھ

تعد الکفارة لتعد الیمین:

سوال: اگر کسی نے آئندہ کوئی کام کرنے یا نہ کرنے پر ایک ہی مجلس میں بلکہ ایک ہی کلام میں کئی بار قسم اٹھائی تو اس کو توڑنے پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا یا کہ جتنی بار قسم اٹھائی ہر ایک پر مستقل کفارہ واجب ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تعد یمین پر کفارہ کا تعدد تو عددوں قول ہیں، ثانی، اوسح وایسر اور اول ارجح و اشہر

ہونے کے علاوہ احوط بھی ہے، قال العلامة الحصفی رحمہ اللہ تعالیٰ وفي البحر عن الخلاصة والتجريد وتعدد الكفارة لتعدد اليمين والمجلس والمجالس سواء، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفي البغية كفارات الايمان اذا كثرت تدخلت ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع وقال شهاب الائمة هذا قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال صاحب الاصل هو المختار عندی ام مقدسی ومثله فی القمستانی عن المنية رد المحتار ص ۵۲ ج ۲، وقال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ر قوله قال صاحب الاصل هو المختار عندی الخ لا يخفى ان كلاما من البغية والمنية للزاهدی و معلوم ان ما انفرد به لا يعول عليه فلا يعتمد على القول بالتدخل بل يعتمد على ما ذكره غيره من عدم التدخل حتى يوجد تصحيح لخلافه ممن يعتمد عليه في نقله ومما يدل لتعدد ما ذكره في الفتح اول الحد ودان كفارة الافطار المذهب في مهاجمة العقوبة حتى تدخلت وان كفارة الايمان المذهب في مهاجمة العبادة ام وفي الهندية اذا قال الرجل والله والرحمن لا افعل كذا كانا يمينين حتى اذا حنت كان عليه كفارتان في ظاهر الرواية فعلم ان التعدد في ظاهر الرواية (التحرير المختار ص ۱۳ ج ۲)، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۹ محرم ۱۲۹۶ھ

صوم نذر معین سے عاجز برقصاء واجب ہے :

سوال : ایک عورت نے ایک معین مدت کے روزوں کی نذر کی، پھر اسی معین وقت میں بیمار ہو گئی، تو کیا ان فوت شدہ روزوں کی قضاء کرے گی یا فدیہ دے گی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

بعد میں قضاء کرے، خواہ مسلسل اتنے روزے رکھے یا متفرق، اختیار ہے، کمافی صوم العلائیة قبل باب الاعتكاف نذر صوم رجب فدخل وهو مريض افطر وقضى كرمضان، وفي الشامية ر قوله كرمضان، ای بوصول او فصل رد المحتار ص ۱۳ ج ۲، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۶ ربيع الاول ۱۲۹۶ھ

کفارہ میں ایک کھانا ایک دن اور دوسرا دوسرے دن کھلانا :

سوال : اگر کسی نے قسم کے کفارہ کی نیت سے دس مساکین کو ایک دن میں ایک وقت کھانا کھلایا، مثلاً صبح میں یا صرف شام میں کھلایا، پھر دوسرے دن میں بھی ایک وقت

کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا کہ دن مساکین کو ایک ہی دن میں صبح و شام کھلانا ضروری ہو؟ بینوا تجزأ

الجواب باسم ملهم الصواب

ایک روایت کے مطابق ایک ہی دن میں صبح و شام کھلانا شرط ہے، مگر رائج یہ ہے کہ یہ شرط نہیں، اگر ایک کھانا ایک دن اور دوسرا کھانا دوسرے دن کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو جائیگا، بشرطیکہ دوسرے دن انہی مساکین کو کھلائے جن کو پہلے دن کھلایا تھا، فی ظہار شرح التنویر وان اراد الاباحة فغدا هم وعشاء هم او غدا هم واعطاهم قيمة العشاء او عكسه او اطعمهم غداً او عشاءاً او عشاءاً وسحوراً او اشبعهم جازاً وفي الشامية ر قوله او اطعمهم غداً او عشاءاً او اشبعهم بطعام قبل نصف النهار مرتين وقوله او عشاءاً او اشبعهم بطعام بعد نصف النهار مرتين كذا في الدرر هذا ظاهر في ان ذلك في يوم واحد فلا تكفي في يوم اكله وفي آخر اخرى لكن صريح ما يأتي في الفروع آخر الباب يخالفهم (رد المحتار ص ۶۳۳ ج ۲) وقال الشارح رحمه الله تعالى في الفروع آخر الباب اطعم مائة وعشرين لم يجز الا عن نصف الاطعام فيعيد على ستين منهم غداً او عشاءاً ولو في يوم آخر للزوم العدد مع المقدار وفي الشامية وهو الستون مع المقدار وهو الاكلتان المشبعتان في الاباحة والصاع او نصفه في التمليك (رد المحتار ص ۶۳۵ ج ۲)

وقال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى (قوله كذا في الدرر) المتعين حصل ما في الدرر على ما اذا فعل ما ذكره في يومين لا في يوم واحد لعدم كفاية غداً او عشاءاً او اشبعهم في يوم واحد قبل نصف النهار او بعدة فلا يخالف ما يأتي في الفروع (التحرير المختار ص ۲۳۸ ج ۱) وفي ايمان الشامية معزياً الى الجوهرة واذا غدى مسكيناً وعشى غيره عشرة ايام لم يجز لانه فرق طعام العشرة على عشرين كما اذا فرق حصّة المسكين على مسكينين ولو غدى مسكيناً واعطاه قيمة العشاء اجزأه وكذا اذا فعل في عشرة مساكين ولو عشاءهم في رمضان عشرين ليلة اجزأه ام لكن في البزازية اذا غداهم في يوم وعشاءهم في يوم آخر فعن الثاني فيه روايتان في رواية شرط وجودهما في يوم واحد وفي رواية المعلق لم يشترط (رد المحتار ص ۶۲ ج ۳) وفي المجمع ولو غداهم يوماً وعشاءهم

یومًا جازر مجمع الانهر ص ۴۶۰ ج ۱، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۴، رجب ۹۸ھ

”تجھے قسم ہے“ سے قسم نہیں ہوتی:

سوال: اگر کسی نے دوسرے کو قسم دے کر کہا کہ فلاں کام کرو، یا قسم دے کر کہا کہ فلاں کام مت کرو، یا یوں کہا کہ ”واللہ: فلاں کام کرو، یا واللہ: فلاں کام نہ کرو، تو کیا اس شخص پر اس قسم کے مطابق عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے؟ اور کیا اس کے خلاف کرنے سے اس پر کفارہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ان صورتوں میں متکلم و مخاطب دونوں میں سے کسی پر قسم واقع نہیں ہوتی، مخاطب پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں، اور نہ ہی اس کے خلاف کرنے سے متکلم و مخاطب میں سے کسی پر کفارہ ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کے لئے مخاطب اس کی تعمیل کرے، قال فی شرح التتویر ولو قال علیک عہد اللہ ان فعلت کذا فقال نعم فالخالف المجیب (رد المحتار ص ۴۳ ج ۳) قلت فان لم یقل للمخاطب نعم فلا یکون احدهما حالاً، وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تعنت (قولہ فان لم یفعله المخاطب حنث) وروایت فی الصیرفیة مؤرخاً علی رجل فاراد ان یقوم فقال واللہ لا تقم فقام الا یلزم المارشیء لكن علیہ تعظیم اسم اللہ تعالیٰ ام (رد المحتار ص ۴۲ ج ۳)، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۳، رمضان ۹۸ھ

کلمہ پڑھکر اقرار کرنا قسم ہے:

سوال: ہمارے علاقہ میں عام دستور ہے کہ یقین دلانے کے لئے کلمہ پڑھکر بات کرتے ہیں اور اس کو قسم سمجھتے ہیں، آیا اس سے قسم ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قسم کی نیت سے کلمہ پڑھنے سے قسم ہو جاتی ہے، اور جہاں اس کا عرت ہو جیسا کہ آپ کے علاقہ میں ہے وہاں بدون نیت بھی قسم ہو جائے گی، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وسبحان اللہ الخ) قال فی البحر ولو قال لا اللہ الا اللہ لا افعل کذا لا یکون بیعتاً الا ان ینوی وکذا قولہ سبحان اللہ واللہ اکبر لا افعل کذا لعدم

العادة أم قلت ولو قال الله الوكيل لا افعل كذا ينبغي ان يكون يميناً في زماننا لانه مثل
الله أكبر لکنه متعارف (رد المحتار ص ۵۵ ج ۲)، فقط والله تعالى اعلم،
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۹۹ھ

خدا شاہد ہے کہنا قسم ہے :

سوال : اگر کسی نے کہا ”خدا گواہ ہے“ یا ”خدا شاہد ہے“ تو قسم ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ان الفاظ سے قسم متعارف ہے، اس لئے قسم ہو گئی، قال الله تعالى دین الناس من
يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ
الْخِصَامِ (۲-۲۰۴)، فقط والله تعالى اعلم،
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۹۹ھ

زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی :

سوال : اگر کسی نے دل ہی دل میں کوئی نذر مانی، زبان سے کچھ نہیں کہا تو یہ نذر واجب

ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

العقار نذر کے لئے زبان سے کہنا شرط ہے، صرف دل میں نیت کرنے سے نذر نہیں ہوتی،
فی اعتکاف العلائق واجب بالندربلسانہ، وفي الشامية فلا يكفي لا يجابه النية منح
عن شمس الائمة (رد المحتار ص ۱۴۱ ج ۲)، وفي صوم الشامية تحت (قوله) ولو نذر
قال في الملتقى والندر عمل اللسان (رد المحتار ص ۱۳۳ ج ۲)، فقط والله تعالى اعلم،
۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں :

سوال : ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں، پھر اس نے وہ

کام کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس کلام کے بعد فلاں کام کرنے سے واقعہ کافر ہو جائے گا اس
کے باوجود وہ کام کر لیا تو یہ شخص کافر ہو گیا، اور اگر یہ عقیدہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے قسم سمجھتا تھا تو
کافر نہیں ہوا، اس صورت میں اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے، قال في العلائق والقسم

ایضاً بقولہ ان فعل کذا فهو یهودی او نصرانی او فاشد و اعلى بالنصرانیة او شریک
للكفار او کافر فیکفر بعنثہ لوفی المستقبل اما الماضی عالما بخلافہ فغموس
واختلف فی کفرہ والاصح ان الحالف لم یکفر سواء علقہ بماض او آت ان
کان عندہ فی اعتقاده انه یمین وان کان جاهلاً وعندہ انه یکفر فی الحلف
بالغموس وبمباشرة الشرط فی المستقبل یکفر فیہما الرضاہ بالکفر (۵۶۱ المختار ص ۳۳)
فقط والله تعالی اعلم

۲۶ شوال ۱۴۰۲ھ

نذر تسبیحات، تلاوت، طواف؛

سوال؛ کسی شخص نے قرآن ختم کرنے کی منت مانی، ایک یا زائد یا پانچ چھ سورت یا
دس بیس آیتیں پڑھنے کی، بعد چندے وہ وفات پا گیا اور وفار نذر کی وصیت کر گیا، ثلث
مال میں وصیت کی گنجائش ہے، طحاوی علی مرقی القلاح میں بحوالہ تفسیر کشاف لکھا ہے کہ قرآن
شریف کی کُل آیات ۶۶۶۶ ہیں، تو کیا ہر آیت شریفہ کا کفارہ الگ واجب ہے؟ جیسا کہ سجدہ
تلاوت میں ہے، یا کہ کُل قرآن شریف کا ایک ہی کفارہ ہے؟ بیذوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تلاوت قرآن کی نذر صحیح نہیں، لہذا یہ وصیت واجب الاداء نہیں، قال فی شرح
التنویر معزیاً للقنیۃ ولونذر التسبیحات دبر الصلوۃ لم یلزمہ، وفی الشامیۃ
رقولہ نذر التسبیحات، لعل مرادہ التسلیم والتحصید والتکبیر ثلاثا وثلاثین
فی کل واطلق علی الجمیع تسبیحات تغلیباً لکونه سابقاً وفیہ اشارۃ الی انہ لیس من
جنسہا واجب ولا فرض وفیہ ان تکبیر التشریق واجب علی المفتی بہ وکذا تکبیرۃ
الاحرام وتکبیرات العیدین فینبغی صحۃ النذر بہ بناء علی ان المراد بالواجب
هو المصطلح ط قلت لکن ما ذکرہ الشارح لیس عبارة القنیۃ وعبارتها کما فی البحر
ولونذر ان یقول دعاء کذا فی دبر کل صلوۃ عشر مرات لم یصح رقولہ لم یلزمہ
وکن الوضوء وقراءة القرآن وعللہ القہستانی فی باب الاعتکاف بانہا للصلوۃ
وفی الخانیۃ ولوقال علی الطواف بال بیت والسعی بین الصفا والمروة او علی ان
اقرأ القرآن ان فعلت کذا الا یلزمہ شیء ام، قلت وهو مشکل فان القراءة

عبادۃ مقصودہ ومن جنسها واجب، وکن الطواف فانه عبادۃ مقصودۃ ایضاً ثم رأیت فی باب المناسک قال فی باب انواع الاطوفۃ الخامس طواف النذر وهو واجب ولا یختص بوقت فهذا اصریح فی صحة النذریہ (رد المحتار ص ۳۷۰) وقال العلامة الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رقبہ ارفع ان اقرأ القرآن ان فعلت کذا الا یلزم شیء، لعل وجهہ ان هذه الاشیاء وان كانت عبادۃ الا انها لیست مقصودۃ فان القصد بالطواف تعظیم الکعبۃ وبالقرآنۃ التذبر فی معانیہا لا مجرد اجراء الحروف علی اللسان وعلل فی شرح الاشباہ لعدم صحت نذر التبیحات وقراءة القرآن بانہا لیست بقربۃ مقصودۃ (التحریر المختار ص ۱۵۱) وفی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ولا قراءة القرآن) کذا فی کبیرہ وفیہ ان القراءة من جنسها فرض وواجب وتقصدها لذاتها لیست واجبة قبل وعلل عدم الوجوب فی القمستانی بان لزومها للصلوة لا لعینہا بطحاوی علی مراقی ۳ ان عبارات میں تین چیزوں کی نذر سے بحث ہے، تسبیحات، طواف، تلاوت، ان میں سے ہر ایک کی تفصیل الگ الگ لکھی جا رہی ہے؛

① تسبیحات؛ ان کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ جنس تسبیح سے کوئی واجب نہیں، علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الاشباہ سے جو یہ وجہ نقل فرمائی ہے کہ تسبیحات قربت مقصودہ نہیں، یہ وجہ غیر وجہیہ ہے،

تسبیحات دبر الصلوٰۃ کی نذر صحیح ہے، اس لئے کہ ان میں تحمید و تکبیر بھی ہے، اور تحمید نماز میں سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں ہے جو کہ واجب ہے اور تکبیر نماز کی ابتداء میں فرض ہے اور تکبیرات تشریق و تکبیرات عیدین واجب ہیں،

علامہ حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قنہ سے ان تسبیحات کی نذر کا عدم لزوم نقل فرمایا ہے، مگر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قنہ میں نذر دعاء بعد الصلوٰۃ کا عدم لزوم مذکور ہے نہ کہ نذر تسبیحات بعد الصلوٰۃ کا،

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے تسبیحات بعد الصلوٰۃ میں تحمید و تکبیر کو داخل فرما کر صحت نذر کا قول کیا ہے، اس لئے کہ جنس تکبیر میں واجب موجود ہے،

قال العبد الضعیف علامہ طحاوی و شامی رحمہما اللہ تعالیٰ میں سے کسی کی بھی نظر اس طرف نہیں گئی کہ جنس تحمید میں بھی واجب موجود ہے، حالانکہ نماز میں سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں تحمید واجب موجود ہے کما قد منا،
 (۲) طواف: اس کی نذر صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ عبادت مقصودہ ہے، اور اس کی جنس سے واجب موجود ہے،

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ سے اس کی نذر کا عدم لزوم نقل فرما کر اس پر اشکال وارد فرمایا کہ یہ عبادت مقصودہ ہے اور اس کی جنس سے واجب موجود ہے، اس لئے اس کی نذر صحیح ہونا چاہئے، اس کے بعد لباب المناسک سے لزوم نذر نقل فرمایا ہے، علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدم لزوم کی یہ توجیہ کی ہے کہ طواف خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ اس سے تعظیم کعبہ مقصود ہے، یہ توجیہ بھی غیر وجیہ ہے،
 (۳) تلاوت: اس کی جنس سے اگرچہ واجب موجود ہے مگر یہ عبادت غیر مقصودہ ہے، اس لئے اس کی نذر لازم نہیں،

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ سے اور علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مراقی الفلاح سے اس کا عدم لزوم نقل فرما کر اس پر اشکال وارد فرمایا کہ قرأت عبادت مقصودہ ہے اور اس کی جنس سے واجب موجود ہے، — ان دونوں حضرات نے قہستانی سے عدم لزوم کی یہ تعلیل نقل فرمائی ہے کہ قرأت کا وجوب لعینہ نہیں بلکہ محبت نماز کے لئے ہے، مگر یہ تعلیل بھی علیل ہے، اس لئے کہ وجوب لعینہ کی قید کہیں منقول نہیں، غالباً اسی لئے علامہ طحاوی و شامی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے اس تعلیل کو پسند نہیں فرمایا، اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو تکبیرہ احرام و تحمید الصلوٰۃ و تکبیرات العیدین کا وجوب بھی غیر معتبر ہونا چاہئے، علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الاشباہ سے عدم لزوم کی یہ تعلیل نقل فرمائی ہے کہ قرأت عبادت مقصودہ نہیں اور عبادت مقصودہ ہونے کی توجیہ خود یوں فرمائی ہے کہ قرأت تدبر فی المعانی مقصود ہے، بندہ کے خیال میں بھی یہی تعلیل شرح الاشباہ و توجیہ افعیٰ صحیح ہے، اس لئے کہ تنزیل قرآن سے مقصد تصحیح اعتقاد و اعمال ہے، قرآن کریم کے مضامین چار قسم کے ہیں، اعتقادات، دلائل، اعمال، فکر پیدا کرنے اور ہمت بلند کرنے کے نسخے، قرأت قرآن سے یہ چاروں مقاصد حاصل ہوتے ہیں، اور بار بار تکرار سے ان مقاصد میں مزید ترقی و رسوخ حاصل ہوتا ہے، رضی اللہ عنہما اللہ الجسیم بسنہ و کرمہ اللہ بر فی کلامہ الکریم و جعلہ لنا فورا و هدنی رحمة، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 ۲۳ شوال ۱۴۰۳ھ

کتاب الحدود والتعزیر

حیوان سے بد فعلی کی سزا :

سوال : اگر کسی نے بھینس سے بد فعلی کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی رائے پر ہے، اور بھینس کو ذبح کر کے دفن کر دینا یا جلادینا مندوب ہے، بد فعلی کرنے والا شخص بھینس کی قیمت کا مالک کے لئے ضامن ہوگا، ذبح کر کے دفن کرنا ضروری اور واجب نہیں، صرف اس لئے مندوب ہو کہ گناہ کی یادگار کو ختم کرنے سے بد فعلی کرنے والے سے عار زائل ہو جائے اس لئے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلاشبہ حلال ہے، اس زمانہ میں عوام ذبح کو ضروری اور واجب سمجھتے ہیں، اور ایسے جانور کے گوشت اور دودھ کو حرام تصور کرتے ہیں، لہذا اس زمانہ میں ذبح کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ مندوب کو ضروری سمجھنا یا حلال کو حرام قرار دینا سخت گناہ ہے، ایسے موقع پر مندوب پر عمل کرنا بھی ناجائز ہو جاتا ہے، والد لیل علی کل ما اذینا ما فی غسل الشامیۃ تحت (قوله ولا عند وطء بهیمة الخ) وفي الفتیۃ برمز اجناس الناطفی فرج البهیمۃ کفیہا لا غسل فیہ بغير انزال و یعزرو تذبح البهیمۃ وتحرق علی وجه الاستحباب ولا یحرم اکل لحمہا بہ ام و سیأتی فی الحدود (رحم المختار ج ۱) وقال فی الحدود (قوله وتذبح ثم تحرق) ای لقطع امتداد التعیش بہ کلمہ رؤیت و لیس بواجب کما فی الہدایۃ و غیرہا و ہذا اذا کانت مبالا یؤکل فان کانت تؤکل جازا کلہا عندہ و قال لا تحرق ایضا، (قوله الظاہر انہ یطالب ندباً الخ) ای قولہم یطالب صاحبہا ان یدفعہا الی الواطئ لیس علی طریق الحبر و عبارة النہر الظاہر انہ یطالب علی وجه الندب و لذا قال فی الخانیۃ کان لصاحبہا ان یدفعہا الیہ بالقیمۃ ام و عبارة البحر الظاہر انہ لا یجبر علی دفعہا (رحم المختار ج ۳)

وقال فی شرح التتویر وکل مباح یؤدی الیه (الی الوجوب) فمسکروه
(رد المحتار ج ۱، آخر باب سجود التلاوة) وقال الطیبی فی شرح مشکوٰۃ تحت حدیث
ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی التزام الانصراف عن الیمین بعد الصلوٰۃ
ان من اصر علی مندوب وجعل عزمًا ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه
الشیطان اھ، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۴ رذیقہ ۲۷

سوال مثل بالا :

سوال : آجکل عمر مارواج ہے کہ جس جانور سے کوئی شخص بد فعلی کرے اسے جلا دینا ضروری
اور فرض سمجھا جاتا ہے، اور اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ حرام تصور کیا جاتا ہے، کیا شریعت مطہرہ کے
اصول کے موجب یہ خیالات صحیح ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی البدائع وكذا اذ طء البهيمة وان كان حراماً لانعدام الوطء في قبْل المرأة
فلم يكن زنا ثم ان كانت البهيمة ملك الواطئ قيل انها تذبح ولا تؤكل ولا رواية فيه
عن اصحابنا لكن روى محمد رحمه الله تعالى عن سيدنا عمر رضي الله تعالى عنه
انه لم يجد واطئ البهيمة وامر بالبهيمة حتى احرقت بالنار ريدائع الصنائع
كتاب الحد ج ۷، ص ۲۴، وفي جواهر الفتاوى وما ذكر في بعض المواضع انها اذا
كانت للفاعل ذبحت فالوجه فيه ان البهيمة له وقد جنى فجاز اتلاف ماله بجنايته
انكاراً عليه وتقبيحاً لفعله وان كانت لغيره لا يجوز اتلاف ملك اللسان بجناية غيره
(جواهر الفتاوى للمخدوم محمد هاشم التتویر کتاب الجنایات باب نهم)

عبارت ادنیٰ سے معلوم ہوا کہ جلالت کی روایت ائمہ محنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں قبل
کے ساتھ بطریق مرجوح بیان کی جاتی ہے، اور عبارت ثانیہ میں اس کی تصریح ہے کہ جب بہیمہ
غیر جانی کا ہو تو احراق جائز نہیں، جن عبارات میں احراق کا حکم ہے ان میں یہ تصریح بھی ہے
کہ یہ حکم صرف استحبابی ہے، لقطع التحدیث بہ، بعض احادیث جو جلالت کے متعلق پیش
کی جاتی ہیں وہ ثابت نہیں، ان کی تفصیل فتح القدیر جلد خامس میں ہے، لہذا ایسے جانور کے احراق
کو واجب اور اس کے گوشت اور دودھ کو حرام سمجھنا محض جہالت ہے، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۸ رجب ۱۳۷۳ھ

مسلمان کو ابو جہل سے تشبیہ دینا:

سوال: ایک مولوی صاحب نے ایک صالح حافظ کو کہا کہ تجھ سے ابو جہل اچھا ہے، اس مولوی صاحب کے لئے شرعاً کیا سزا ہے؟ اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کا نکاح قائم ہے یا نہیں؟ بینوایا لبرہان اجرکم الرحمن،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان مولوی صاحب نے کسی خاص صفت میں ابو جہل کو اچھا کہا ہوگا اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ امر واقعی ہے کہ بعض اوصاف میں بعض کافر بعض مسلمانوں سے اچھے ہیں، اگر مولوی صاحب کا یہ مطلب نہیں بلکہ ہر حیثیت سے ابو جہل کو اچھا کہتا ہے تو اس میں دو احتمال ہیں،

- ① جس کو ابو جہل کہا اسے حقیقی کافر نہیں سمجھا صرف بُرا کہنا اور گالی دینا مقصود ہے،
- ② اسے واقعہ کافر اور ابو جہل کی طرح مخلد فی النار سمجھے، صورت اولیٰ میں یہ لفظ کہنے والا فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور حاکم اسے مناسب تعزیر دے گا، اور دوسری صورت میں یہ شخص کافر ہے، اس نے اس کا نکاح باطل ہو گیا، غرضیکہ کسی خاص صفت میں تشبیہ نہ فاسق اور نہ کافر، اور اگر گالی کی نیت سے کہا تو فاسق اور حقیقہ کافر سمجھا تو خود کافر ہو جائے گا، ان احتمالات ثلاثہ کے بارے میں خود مسئلہ سے تحقیق کی جائے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ جو مراد وہ خود بیان کرے گا اسی کے مطابق اس پر حکم لگایا جائے گا، عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر بخاری کتاب الآداب ج ۲ ص ۸۹۳، وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (حوالہ بالا)

وفی شرح الترمذی وعزیر الشانم بیا کافر وہل یکفر ان اعتقد المسلم کافر انعم والا لایہ یفتی شرح وہبانیة ولواجابہ لیس کفر خلاصہ، وفی الشامیة ای یکفر ان اعتقد کافر الا بسبب مکفر قال فی النہر فی الذخیرۃ المختار للفتاویٰ انه ان اراد الشتم ولا یعتقد کفر الا یکفر ان اعتقد کفر فخطب، ہذا ابتداء علی اعتقاده انه کافر یکفر لانه لما اعتقد المسلم کافر فقد اعتقد من الاسلام کفر اھ، (المختار فی التعزیر ص ۲۵۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ محرم ۱۴۲۶ھ

گالی پر تعزیر:

سوال: بلاوجہ کسی کو گالی دینے والے کو تعزیر دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا اس کے بدلہ میں اُس کو بھی گالی دینا جائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گالی میں ایسے فعل اختیاری کی طرف نسبت کی جو شرعاً حرام ہو اور عرفاً عار سمجھا جاتا ہو جیسے کافر، فاسق وغیرہ تو اس پر بالاتفاق تعزیر واجب ہے، اور اگر ایسا فعل نہیں، جیسے گدھا، کتا وغیرہ تو اس پر وجوب تعزیر میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ اگر مخاطب ایسا معزز ہو کہ اسکو ایسے الفاظ سے عار آتی ہو تو تعزیر واجب ہے، ورنہ نہیں، اگر موجب تعزیر الفاظ مزاحا کہے جب بھی تعزیر واجب ہے،

حقوق العباد میں تعزیر صرف حاکم یا حکم دے سکتا ہے، صاحب حق خود تعزیر نہیں دے سکتا، قال فی العلائق وعذر الشاتم بیا کافر (الی قولہ) لا یعزربیا حصار یا خنزیر یا کلب یا قیس یا قرد یا ثور یا بقر، یا حیة لظہور کذبہ واستحسن فی الهدایة التعزیر لوالمخاطب من الاشراف وتبعه الزیلعی وغیرہ (الی قولہ) والضابط انه متى نسبہ الی فعل اختیاری محرم شرعاً و بعد عاراً عرفاً یعزروا لا ابن کمال، وفی الشامیة (قولہ) واستحسن فی الهدایة، وکن فی الکافی کما فی التاترخانیة ونقل القہستانی تھیجہ عن الفتاویٰ وعبارة الهدایة وقیل فی عرفنا یعزروا لانه یعد شیئاً وقیل ان کانت المسبوب من الاشراف کالفقهاء والعلویة یعزروا لانہم یلحقہم الوحشة بذلك وان کان من العامة لا یعزروہذا احسن ام، والحاصل ان ظاہر الروایة انه لا یعزرو مطلقاً ومختاراً لہند والی انه یعزرو مطلقاً، والتفصیل المذکور کما فی الفتح وغیرہ، قال السید ابو السعود وقوی شیخنا ما اختاره لہند والی بانہ الموافق للضابط کل من ارتکب منکر اذی مسلماً بغير حق بقول او فعل او اشارۃ یلزمہ التعزیر، قلت ویؤیدہ ان ہذہ الالفاظ لا یقصد بہا حقیقۃ اللفظ حتی یقال بظہور الکذب ولولا النظر الی ما فیہا من الاذی لما قیل بالتعزیر بہا فی حق الاشراف والافظہور الکذب فیہا موجود فی حق الكل فینبغی ان یلحق بہم من کان فی معناہم ممن یحصل لہ بذلك الاذی والوحشة، بل کثیر من اصحاب الانفس الابیة یحصل لہم

الوحشة أكثر من الفقهاء والعلماء وقد يجاب بان المراد بالاشرف من كان كريم النفس حسن الطبع وذكر الفقهاء والعلماء لان الغالب فيهم ذلك فمن كان بهذه الصفة يلحقه الشين بهذه الالفاظ المراد لازمها من نحو البلادة وخبت الطباع والافلا، لانه هو الذي الحق الشين بنفسه فلا يعتبر لحوق الوحشة به كما لو قيل لغاسق يا فاسق فيرجع الى ما استحسنه في الهداية وغيرها ثم رأيت الشارح في شرح الملتقى قال ولعل المراد بالعلوى كل متق والافالتخصيص غير ظاهر بل قال الفقيه أبو جعفر انه في الاخسة واما في الاشرف فالتعزير اعم فافهم، (رتبيه) ذكر في شرحه على الملتقى ايضا انه لو على وجه المزاح يعززاله (قوله الضابط الخ) قلت وهذا الضابط مبني على ظاهر الرواية وقد علمت تفصيل الهداية (رد المحتار ص ۱۹۱ ج ۳)

قال في العلامة معزيا الى الفتح ما يجب حقاً للعبد لا يقيمه الا الامام لتوقفه على الدعوى الا ان يحكمافيه فليحفظ، وفي الشامية (قوله لا يقيمه الا الامام) وقيل لصاحب الحق كالقصاص وجه الاول ان صاحب الحق قد يسن فيه غلظا بخلاف القصاص لانه مقدركما في البحر عن المجتبى (رد المحتار ص ۱۸۷ ج ۳)

گالی کے بدلہ میں یعنی وہی گالی دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ گالی موجب حد نہ ہو جس گالی پر حد قذف واجب ہے، جیسے ”زانی“ وغیرہ، وہ جواباً دینا بھی جائز نہیں، قال في العلامة ضرب غیره بغير حق وضربه المضر وب ايضا يعززان كما لو تشاتهما بين يدي القاضي ولم يتكافئا كما مروى بأكامة التعزير بالبادئ لانه اظلم قنية، وفي مجمع الفتاوى جاز المجازاة بمثله في غير موجب حد للاذن به ولما انتصر بعد ظلمه فاولئك ما عليهم من سبيل والعفو افضل فمن عفا واصلح فاجره على الله، وفي الشامية (قوله ولم يتكافئا) عطف على يعززان وفيه اشارة الى الجواب عما يتوهم من اطلاق قول المجمع الا في جاز المجازاة بمثله الخ، والجواب ان ذلك فيما تبعض حقهما وامكن فيه التساوى كما لو قال له يا خبيث فقال بل انت بخلاف الضرب فانه يتفاوت وبخلاف التشاتم عند القاضي فان فيه هتك مجلس الشرع كما مر في الباب السابق وقد منا

تمامہ رد المحتار ص ۸۷ ج ۳) فی التذویر قال الآخر یا زانی فقال الآخر بل انت
 حدای بخلاف لو قال له مثلاً یا حیث فقال بل انت، و فی الشامیة (رقولہ
 مثلاً ای من کل لفظ غیر موجب لحد) (رد المحتار ص ۸۷ ج ۳) فقط والله تعالیٰ اعلم
 ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

بالغ اولاد کو تعزیر:

سوال: بالغ اولاد کو باپ تادیباً تعزیر دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،
 الجواب باسم ملہم الصواب

بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جا سکتی ہے، بلکہ والدین ہو تو دوسرے اقارب بھی تعزیر
 دے سکتے ہیں، قال العلامة الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الحضانتہ والخلام اذا
 عقل واستغنی برأیہ لیس للاب ضمه الی نفسه الا اذا لم یکن مأموئاً علی نفسه
 فله ضمه لدفع فتنۃ او عار وتادیبہ اذا وقع متہ شیء و فی الشامیة تحت (رقولہ
 والغلام اذا عقل الخ) المراد الغلام البالغ لان الکلام فیما بعد البلوغ وعباسرة
 الزلیعی ثم الغلام اذا بلغ رشیداً فله ان ینفرد الا ان یشکک ففسد اخوفا علیہ
 الخ (رقولہ فله ضمه) ای للاب ولایة ضمه الیہ والظاهر ان الجد كذلك بل
 غیرہ من العصبات کالآخ والعلم ولہم ار من صرح بذلک ولعلمہم اعتمدوا علی ان
 الحاکم لا یسکتہ من المعاصی وھذا فی زماننا غیر واقع فیتعین الافتاء بولایة
 ضمه لكل من یؤمن علیہ من اقاربہ ویقدر علی حفظہ فان دفع المنکر واجب
 علی کل من قدر علیہ لاسیما من یدحقہ عارہ وذلک ایضاً من اعظم صلیة الرحم
 والشرع امر بصلتہما و بدفع المتکر ما أمکن قال تعالیٰ ان الله یأمر بالعدل
 والاحسان وایساء ذی القربیٰ وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم
 تذکرون ۵ ثم رأیت فی حاشیة البحر للرملی ذکر ذلک بحثاً ایضاً الخ رد المحتار
 ص ۶۹ ج ۲، فقط والله تعالیٰ اعلم، ۲۳ رذی الحج ۱۲۸۹ھ

شاگرد کو تعزیر:

سوال: استاذ اپنے بالغ اور نابالغ شاگردوں کو تعزیر دے سکتا ہے یا نہیں؟
 بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اُستاذ اپنے شاگردوں کو تعزیر دے سکتا ہے، شاگرد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، نابالغ کو اس لئے کہ اس کے ولی نے اُستاذ کو تادیب کا مالک بنا دیا ہے، اور بالغ کو اس لئے کہ اس نے خود اُستاذ کو اس کا اختیار دیا ہے،

شیخ بھی اسی لئے مرید کو تعزیر دے سکتا ہے کہ مرید بیعت کے ضمن میں شیخ کو ہر قسم کا اختیار دیدیتا ہے، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی القنیۃ لہ اکراہ طفله علی تعلم قرآن وادب و علم لفرضتہ علی الوالدین ولہ ضرب الیتیم فیما یضرب ولدہ، وفی الشامیۃ (قولہ وفی القنیۃ الخ) وفیہا عن الروضۃ ولوا موعیہ یضرب عبداً حل للمأمور ضربه بخلان الحر قال فہذا تنصص علی عدم جواز ضرب ولد لا مریامہ بخلان المعلم لان المأمور یضربہ نیابۃ عن الاب لمصلحة والمعلم یضربہ بحکم المملک بتملیک ابیہ لمصلحة الولد اھ (رد المحتار ص ۱۹۵ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۳، ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

حکم اقرار زنا:

سوال: محسن اور محسنہ زنا کر کے بھری مجلس میں اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں پاک کر دیجئے، اب شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بیٹوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

شادی شدہ مرد یا عورت کی شرعی سزا رجم ہے، مگر حد لگانا حاکم مسلم کا کام ہے، اس وقت اسلامی حکومت نہیں اس لئے صرف توبہ کی تلقین کی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵، محرم ۱۴۱۰ھ

دُبر میں بد فعلی کی سزا:

سوال: اغلام بازی کی سزا شریعت میں کتنی متعین کی گئی ہے؟ بیٹوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ خبیث فعل زنا سے بھی بدتر ہے، شریعت کے علاوہ عقلاً اور طبعاً بھی یہ فعل بہت ہی خبیث ہے، اس خبیث فعل کی ابتداء حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کی تھی، اس لئے لوگ اس خباثت کو لواطت اور اس کے فاعل خبیث کو لوطی کہتے ہیں، ایسا نہیں کہنا چاہئے، ایسے خبیث فعل اور خبیث فاعل کو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کے نام کی

عرف منسوب کرنا خلافِ ادب ہے، اس کی خباثت ایسی فاحشہ ہے کہ دنیا میں کوئی خبیث سے خبیث جاندار بھی ایسی خباثت کی رغبت نہیں رکھتا، یہ ایسا گندہ اور گھناؤنا فعل ہے کہ گندے سے گندے جانوروں کو بھی اس سے نفرت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی خبیث قوم کو ایسا سخت عذاب دیا کہ ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر الٹی کر کے پھینک دیا، اور پھر اس پر پتھروں کی بارش برسائی اور ان کے قصہ کو قرآن کریم میں بیان فرما کر رہتی دنیا تک ان کو رسوا کیا، اور بتا دیا کہ ایسے خبیث لوگوں کی اصل سزا یہی ہے، مگر کوئی حکومت یہ سزا دینے پر قادر نہیں، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کے بعد بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے ملتی ہوئی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ ایسے خبیث کو کسی بلند مقام سے سر کے بل اٹا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس طرح ہلاک کر دیا جائے،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ، دوسری حد میں ہے فَارْجَمُوا الْاَعْلٰی وَالْاَسْفَلِ اَحْصِنَا اُولَہِمْ یَحْصِنَا،

پہلی حدیث حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، یہ حدیث مطلق ہے، یعنی اس میں قیدِ احصان مذکور نہیں،

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، علاوہ ازیں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً ایسے مجرم کے لئے حدِ زنا مروی ہے،

چونکہ یہ حکم غیر مدرک بالقیاس ہے، اس لئے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عدم رفع بھی بحکم رفع ہے،

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے خبیث شخص کا حال لکھ کر اس کی سزا دریافت کی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لیا، حضرت عمر، حضرت علی اور دوسرے سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بالاتفاق آگ میں جلادینے کا مشورہ دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی فیصلہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا، انھوں نے اس حکم کے مطابق اس کو جلادیا،

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ایسے شخص کو جلادیا،

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اور اس کی تائید میں حضرت ابوالیوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سُکر حدّ زنا کے تحت غیر محصن کو تنو کوڑے لگوائے،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کروایا،
حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے محصن کو رجم کروایا اور غیر محصن کو تنو کوڑے لگوائے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیثِ قتل کے راوی ہیں، مگر آپجے ہاں طریقِ قتل یہ ہے کہ کسی بہت بلند مقام سے سر کے بل اُلٹا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس کی وجہ اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط علیہ السلام کو جس عذاب سے ہلاک کیا اس کے ساتھ حتی الامکان مشابہت ہو جائے،

یہ سب تفصیل ہدایہ، درایہ، نصب الرأیہ اور محلی میں ہے،
اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر سخت عذاب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے ہلاک کرنے کے مختلف طریقوں کے بیان اور اُن کے مطابق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس خبیث فعل پر اسی قسم کی بہت ہی سخت سزائیں بیان فرمائی ہیں اُن سزاؤں میں سے جن میں جان سے مار دینے کا حکم ہے یہ شرط ہے کہ کم از کم دو بار یہ فعل کیا ہو البتہ صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر حدّ زنا کے قائل ہیں، اس لئے ان کے ہاں رجم کے لئے تکرارِ فعل شرط نہیں، ایک بار ارتکاب سے بھی رجم کیا جائے گا، اور حدّ زنا کے سوا موت کی دوسری سزاؤں میں شادی شدہ ہونا شرط نہیں، غیر شادی شدہ کے لئے بھی موت کی سزا ہے، اس لحاظ سے اور اس کے علاوہ سزاؤں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی اس فعلِ خبیث کی سزا زنا کی سزا سے بھی بہت سخت ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی بیان فرمودہ سزاؤں کی تفصیل یہ ہے:

① رجم، اگرچہ شادی شدہ نہ ہو،

② حدّ زنا لگائی جائے، یعنی شادی شدہ ہو تو بذریعہ رجم ہلاک کر دیا جائے ورنہ تنو کوڑے

لگائے جائیں،

۳) آگ میں جلادیا جائے

۴) اس پر دیوار وغیرہ گرا کر ہلاک کر دیا جائے،

۵) کسی بلند مقام سے الٹا سر کے بل گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائیں حتیٰ کہ مرجائے،

۶) قتل کیا جائے،

۷) سخت سزا دے کر قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ توبہ کرے یا قید ہی میں مرجائے،

۸) بہت بدبودار جگہ میں قید رکھا جائے،

قال في العلائقة ولا يحسن بوطء دبره قال ان فعل في الجانب حد و ن في عبده او امته
او زوجته فلاحدا جماعا بل يعزر قال في الله بنحو الاحراق بالنار وهذا الحد والتكيس من محل مرتفع
باتباع التجار في الحاوي والجلد اصح وفي الفتح يعزر وليس جن حتى يموت او يتوب
ولو اعتد اللواط قتلته الامام سياسة (الى قوله) وفي البه حرمتها اشد من الزنا
لحرمتها عقلا وشرا وطبعوا الزنا ليس بحرام طبعوا وتزول حرمتها بتزوج وشراء بنحلها
وعدم الحد عنده لا تخفها بل للتغليظ لانه مطهر على قول، وفي الشامية ر قوله
حد) فهو عندهما كالزنا في الحكم في حد جلد ان لم يكن احسن ورجما ان احسن
ر قوله بنحو الاحراق الخ) متعلق بقوله يعزر وعبارة الدرر فعند ابی حنيفة رحمه
الله تعالى يعزر يامثال هذه الامور واعترضه في النهريان الذي ذكره غيره تفيد
قتله بما اذا اعتاد ذلك ر الى قوله) قال البيهقي والظاهر انه يقتل في المرة الثانية
لصدق التكرار عليه ام، وقال تحت ر قوله وفي الحاوي وحسنه في انتن بقعة
(رد المحتار ج ۱۳) فقط والله تعالى اعلم
غرة جمادی الاولی ۹۲ھ

پنجائیت کی طرف سے تعزیر :

سوال : عرض ہے کہ برادری کی پنجائیت جس کا مقصد متعلقہ افراد برادری کے مابین
نزاعی امور کا تصفیہ، فیصلہ، معاشرتی اصلاح اور تحفظ اخلاق ہے، تعین سزا میں شرعاً
وقانوناً اس کا دائرہ اختیار محدود ہے، یعنی حدود و قصاص کا قیام اس کے اختیارات سے
بالا تر ہے، اور تعزیرات میں بھی زیادہ سے زیادہ معاشرتی مقاطعہ کی مجاز ہے، ایسی پنجائیت
کے سامنے اگر ضرر و زیان یا حرمت مصاہرت بالزنا یا بالمس بالشہوة کی درخواست پیش ہو

تواذروئے شرع پنچایت کو مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کوئی ساطریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

① آیا ایسی درخواست اپنے حدود اختیار سے بالاتر قرار دے کر ناقابل سماعت قرار دے اور واپس کر دے؟

② آیا مدعی سے تکمیل شہادت کا مطالبہ کرے اور تکمیل نہ ہو سکے تو قاذف کا معاشرتی مقاطعہ کرے؟

③ یا اس بناء پر کہ پنچایت کو حد شرعی کا اجراء نہ مطلوب ہے نہ اس کا اختیار، نہ تمام شہادت، قرائن و آثار، ملزم کا سابقہ ریکارڈ اور مدعی کے دلائل و حجت کی بناء پر اصلاح معاشرہ کے لئے ملزم کا معاشرتی بائیکاٹ کرے؟

الدر المختار باب التعزیر میں ہے للقاضی تعزیر المتهم وان لم یثبت علیہ، اس کا مفہوم کیا ہے؟ شریعت اسلامیہ کی ہدایت سے سرفراز فرمائیں نہایت کرم ہوگا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پنچایت کو صورت ۱ اختیار کرنا چاہئے، در مختار کی عبارت کا یہی مطلب ہے کہ اگر جرم پر شرعی شہادت نہ ہو تو قاضی متہم کو حسب صواب دید تعزیر دے سکتا ہے، پنچایت کے لئے ضابطہ کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں:

”اگرچہ پنچایت کسی جرم کی شرعی سزا دینے پر قادر نہیں معینا اس پر حسب قدرت تغیر المنکر فرض ہے، نیز تادیبی کارروائی کے لئے جرم پر شرعی نصاب شہادت ضروری نہیں، بلکہ قرائن قویہ کی بناء پر تادیب شرعاً جائز ہے، لہذا پنچایت تادیب و تنبیہ کے لئے نا تمام شہادت اور قرائن و آثار قویہ کی بناء پر بھی معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتی ہے، اگرچہ شرعی نصاب شہادت موجود نہ ہو“ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

حد قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں تو ان کو اسی کوڑے مارو، اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، کیا اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی؟

کیا اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ لانے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے، اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی، اور عدالت میں آئے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے نہ خود صاحب معاملہ، نہ کسی مالی تاوان پر معاملہ ختم ہو سکتا ہے، نہ توبہ کر کے اور نہ معافی مانگ کر سزا سے بچ سکتا ہے، بینوا تو جو وہاں

الجواب باسم ملہم الصواب

سوال میں مذکور تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حد قذف طلب کرنے کا حق ہے، اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی، عفو مقذوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلب حد کا اختیار ہے، قال فی التنویر ولا ارش ولا رجوع ولا امتیاض وفي الشرح ولا صلح ولا عفو نعم لو عفا المقذوف فلا حد ولا لصحة العفو بل لترك الطلب حتى لو عاد وطلب حد شمني، ولذا لا يتم الحد الا بحضوره (مر المحتار ص ۸، ج ۳) فقط والله تعالیٰ اعلم،
، رزی الحجہ ۹۴

تعزیر غیر حاکم کی تفصیل:

سوال: زید کی لڑکی کو تین ماہ کا حمل تھا کہ وہ رات کو عشاء کے وقت کسی اور گاؤں سے آنے والے غیر محرم مرد کے ساتھ اپنے گاؤں سے نکل کر اس غیر محرم کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں باہر چلی گئی، ان دونوں کو دیکھنے والی ایک عورت ہے جو زید کے سگے بھائی کی بیوی ہے، اور رشتہ میں بھی زید کی بھوپھی زاد بہن ہے، اس عورت نے صبح کو ان دونوں کے گاؤں سے باہر جانے کی اطلاع دی، اس وقت یہ غیر محرم اپنا اونٹ اس گاؤں میں چھوڑ کر فرار ہو گیا اس وجہ سے زید کی مذکورہ لڑکی کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، پھر اس مطلقہ عورت کے چچا نے اس سے دریافت کیا کہ تم ایسی حالت میں کیوں گئی تھیں؟ تو اس نے جواباً کہا کہ میں ویسے ہی چلی گئی تھی، اس کے بارے میں سوالات ذیل کا جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں:

① کیا یہ بھی قابل سزا جرم ہے یا نہیں؟

- ② کیا تعزیری سزا میں شادی شدہ وغیر شادی شدہ برابر ہیں یا نہیں؟
 ③ کیا حاکم وقاضی کے علاوہ باپ دادا بھی تعزیر دے سکتے ہیں یا نہیں؟
 ④ اگر باپ یا دادا کی تعزیری سزا سے مجرم مرجائے تو حاکم وقت اُن سے پوچھ سکتا ہے یا نہیں؟

⑤ کیا مجرم کو تعزیر کے بعد قید میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① اگر قرائن سے ظن غالب ہو کہ یہ عورت اس مرد کے ساتھ گئی تھی تو یہ جرم قابل تعزیر ہے
 ② تعزیر میں شادی شدہ اور غیر شادی برابر ہیں،
 ③ حالت معصیت میں ہر شخص تعزیر دے سکتا ہے، مگر معصیت کے بعد حاکم، والد اور شوہر کے سوا کسی کو تعزیر کا حق نہیں، البتہ اگر والد نہ ہو یا وہ بُرائی سے روکنے پر قادر نہ ہو یا عمدًا نہ روک رہا ہو اور حاکم بھی نہ ہو یا اس سے بُرائی سے روکنے کی توقع نہ ہو جیسا کہ اس نمانہ کے حکام ہیں تو بُرائی سے روکنے کے لئے ہر رشتہ دار کو تعزیر لگانے کا اختیار ہے، بلکہ اس پر فرض ہے، رشتہ داروں سے یہ کام نہ ہو سکے تو دوسرے مسلمانوں پر بُرائی سے روکنے کی کوشش کرنا فرض ہے، اگر بدون تعزیر مجرم کو راہِ راست پر لانے کی کوئی صورت نہ ہو تو عوام پر فرض ہے کہ بذریعہ تعزیر اس کو آئندہ ارتکابِ معصیت سے روکیں،
 ④ تعزیر سے مجرم مرجائے تو حاکم کے سوا دوسروں پر مؤاخذہ ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حاکم و زوج میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ حاکم پر تعزیر واجب ہے زوج پر واجب نہیں، مگر جب امام سے تعزیر کی کوئی توقع نہ ہو اور بدون تعزیر عورت کے سدھرنے کی بھی کوئی امید نہ ہو تو اصولِ شریعت کے مطابق زوج پر تعزیر واجب ہے جسکی تفصیل اوپر ۳ میں گزر چکی ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ ان حالات میں مناسب تعزیر سے عورت مرجائے تو شوہر پر مؤاخذہ نہیں ہونا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم،

⑤ قید میں رکھنا بھی تعزیر ہے، لہذا جائز ہے،

قال فی شرح التتویر و یقیمہ کل مسلم حال مباشر المعصیۃ قنیۃ، و اما بعد فلیس ذلک لغير
 الحاکم الزوج و المولیٰ کما سیجی (در المختار ص ۱۸۶) و فیہ یعزر المولیٰ عبداً و المزوج زوجتہ
 (الی قولہ) علی الخروج من المنزل بغیر حق (و بعد اسطر) اذ کلمۃ لیسعہا اجنبی

او كشفت وجهها الغير محرم او كلمته او شتمته او اعطت ما لم تجر العادة به بلا
 اذنه والضابط كل معصية لاحد فيها فللزواج والمولى التعزير رشم قال من حد
 او عزز فهلك قدمه هدر الا امرأة عزرها زوجها بمثل ما مرفعات لان تأديبه
 مباح فيتقيد بشرط السلامة، قال المصنف وبعد اظهر انه لا يجب على الزوج
 ضرب زوجته اصلا، وفي الشامية (قوله قدمه هدر) اى عندنا ومالك واحمد
 خلافا للشافعي لان الامام مأمور بالحد والتعزير وفعل المأمور لا يتقيد بشرط
 السلامة وتماه في الفتح والتبيين قلت ومقتضى التعليل بالامران ذلك
 غير خاص بالامام فقد مر ان لكل مسلم اقامة التعزير حال مباشرة المعصية
 لانه مأمور بازالة المنكر الا ان يفرق بانه يمكنه الرفع الى الامام فلم يتعين
 الاقامة عليه بخلاف الامام فتأمل (رد المحتار ص ١٩٥ ج ٣) وفي حضنة العلاءية
 والغلام اذا عقل واستغنى برأيه ليس للاب فيه الى نفسه الا اذا لم يكن مأمورا
 على نفسه فله ضمه لدفع فتنه او عار وتأديبه اذا وقع منه شيء وفي الشامية
 تحت (قوله والغلام اذا عقل الخ) المراد الغلام البالغ لان الكلام فيما بعد البلوغ
 وعبارة الزيلعي ثم الغلام اذا بلغ رشيد اقله ان ينفرد الا ان يكون مفسدا مخوفا
 عليه الخ (فله ضمه) اى للاب ولاية ضمه اليه والظاهر ان الجد كذلك بل غير
 من العصابات كالخ والعم ولم ار من صرح بذلك ولعلهم اعتمدوا على ان الحاكم
 لا يمكنه من المعاصي وهذا في زماننا غير واقع فيتعين الافتاء بولاية ضمه لكل
 من يؤتمن عليه من اقاربه ويقدر على حفظه فان دفع المنكر واجب على كل من
 قدر عليه لا سيما من يلحقه عار وذلك ايضا من اعظم صلة الرحم والشرع
 امر بصلتها وبنفع المنكر ما امكن قال تعالى ان الله يأمر بالعدل والاحسان و
 ايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم بعلمكم تنكرون ثم
 رأيت في حاشية البحر للمولى ذكر ذلك بحثا ايضا الخ، (رد المحتار ص ٢٩٦ ج ٢)

فقط والله تعالى اعلم

١٥ محرم ٩٥ هـ

سوال مثل بالا :

سوال : ایک شخص کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں فساد پیدا کرتا ہے، قتل بھی کر داتا ہے، اسی طرح بے حیائی اور منکرات اور ایذا کا مرتکب ہوتا ہے، اسے حکومت بھی منع کرنیکی کوشش نہیں کرتی، سب لوگ بہت پریشان ہیں، کیا اس صورت میں دوسرا کوئی شخص خفیۃً اس طرح سے کہ فساد کا اندیشہ نہ ہو اس کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟

اسی طرح ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ ذکیعتی اور چوری میں مشہور ہیں، اور حکومت سے فار ہیں۔ جب بھی ان کو موقع مل جاتا ہے تو بے گناہ لوگوں کو مارتے ہیں، کسی کی عورت اور آبرو کا خیال نہیں کرتے، یہ بھی یقین ہے کہ حکومت ان کو گرفتار کرنے سے عاجز آگئی ہے، اس حال میں اگر کوئی دوسرا شخص ان اشخاص ملزمان کو قتل کرے اور حکومت پناہ چاہے تو حکومت اُسے پناہ دے گی بلکہ خوش ہوگی،

البتہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ یہ شخص شاید خود ہی مارا جائے اور ڈاکو لوگ بچ نکلیں، تو کیا ایسی حالت میں کوئی شخص لوگوں کو ایذا سے بچانے کی غرض سے ان ڈاکوؤں کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مباشرت فعل کے بعد حاکم، زوج اور مولیٰ کے سوا کسی کو تعزیر لگانے کی اجازت نہیں، البتہ ایسے لوگ جو ظلم اور فساد میں مشہور ہوں اور حکومت سے چھپے ہوئے ہوں انھیں قتل کرنا جائز بلکہ ثواب ہے، قال فی الدر المختار و یقیمہ کل مسلم حال مباشرة المعصیۃ قنیۃ و اما بعدہ فلیس ذلک لغير الحاکم و الزوج و المولیٰ کما سیجیء (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۳) و فیہ و یكون التعزیر بالقتل کم و جد رجلا مع امرأۃ لا تحل لہ ولو اکرھھا فلھا قتله و دمہ ھدرو کذا الغلام و ھبانیۃ ان کان یعلم انه لا ینزجر بصیاح و ضرب بسادون السلاح و الا بان علم انه ینزجر بساد کلا ینزجر بالقتل و ان کانت المرأۃ مطاوعۃ قتلھا کذا عزاء الزیلعی للہند والی (رد المحتار ص ۱۸۳ ج ۳)

و فیہ معزیاً الی المجتبی الاصل کل شخص رأی مسلماً ینزنی ان یحل لہ قتله و انما یمتنع خوفاً من ان لا یصدق انه ذنی و علی ہذا القیاس المکاب

بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بادن في شيء له قسمة وجميع
الكبائر والاعونة والسعاية يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم انتهى، وافق الناصحي
بوجوب قتل كل مؤذ، وفي رد المحتار ر قوله وجميع الكبائر أي أهلها والظاهر أن
المراد بها المتعدى ضررها إلى الغير فيكون قوله والاعونة والسعاية عطف تفسير
أو عطف خاص على العام فيشمل كل من كان من أهل الفساد كالساحر وقاطع
الطريق واللص واللوطي والخناق ونحوهم ممن عم ضرره ولا ينزجر
بغير القتل، ر قوله والاعونة، كأنه جمع معين أو عوان ببعناه والمراد به
الساعي إلى الحكم بالافساد فعطف السعاية عليه عطف تفسيري وفي رسالة
احكام السياسة عن جمع النسفي، سئل شيخ الاسلام عن قتل الاعونة والظلمة
والسعاية في أيام الفتنة قال يباح قتلهم لأنهم ساعدون في الارض بالفساد
فقليل انهم يمتنعون عن ذلك في أيام الفتنة ويختفون قال ذلك امتناع
ضرورة ولوردوا العاد والمأمنوا عنه قال وسألنا الشيخ أبا شجاع عنه فقال
يباح قتله ويثاب قاتله أم ر قوله وافق الناصحي (الخ) لعل الموجوب بالنظر
للأمام ونوابه والاباحة بالنظر لغيرهم ط (رد المحتار ص ۱۸۶)، فقط والله تعالى أعلم
۱۳ جادی الآخرہ ۱۲۰۲ھ

حد مسقط توبہ اور توبہ مسقط حد ہے یا نہیں؟

سوال: مسائل ذیل میں شریعت مطہرہ کا حکم تحریر فرمائیں،

① کسی شخص نے چوری یا زنا کا ارتکاب کیا تو کیا اسے شرعی حد لگنے سے گناہ معاف ہو جائے گا؟

② اگر گناہ کے بعد توبہ کر لی تو کیا پھر بھی حد لگائی جائے گی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① بدون توبہ صرف حد لگنے سے گناہ معاف نہیں ہوتا،

② حاکم کے پاس جرم ثابت ہو جانے کے بعد حد ساقط نہیں ہوتی، اس سے پہلے توبہ کرے

تو حد ساقط ہو جائے گی، یعنی توبہ کے بعد اس پر یہ فرض نہیں کہ حاکم کے ہاں اپنے جرم کا اقرار
کر کے اپنے اوپر حد جاری کروائے، کذا فی الشامیۃ، فقط والله تعالى أعلم،

۱۰ صفر ۱۲۰۴ھ

مدعی علیہ نیت حفاظت اٹھانے کا قائل ہو تو اس پر حد نہیں:

سوال: زید بکر کی انگوٹھی سونے کی چھپا کر لے جاتا ہے، بکر کو جب زید پر شبہہ گذرتا ہے تو زید سے دریافت کئے بغیر قاضی کے پاس دعویٰ دائر کرتا ہے، زید قاضی کی عدالت میں بیان دیتا ہے کہ واقعی انگوٹھی میں نے لی ہے مگر میری نیت واپس کرنے کی ہے، اگر مجھ سے پہلے دریافت کرتا تو میں فوراً واپس کر دیتا ورنہ از خود اس کو دیتا، میں نے اس لئے لی ہے کہ وہ لاپرواہ آدمی ہے انگوٹھی کا خیال نہیں رکھتا، اس کو سبق دینے کے لئے لی ہے، الحداد تند رخی بالشبهات کی رو سے قاضی حد کو ساقط کرے یا اس عذر کو غیر معقول قرار دے کر قطع ید کی سزا نافذ کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید نے جو بکر کی انگوٹھی اٹھالی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محفوظ جگہ میں نہیں تھی، اس لئے قطع ید کی سزا جاری نہیں ہو سکتی، اگر محفوظ جگہ سے اٹھائی ہو تب بھی صورت مسئلہ میں الحدود تند رخی بالشبهات کی بنا پر سزا ساقط ہو جائیگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

چور نے بھینس کو گھاس دکھا کر بلا لیا تو اس پر حد نہیں:

سوال: بھینس گھر کے اندر ہو چور باہر سے اس کو گھاس دکھاتا ہے، اس لالچ میں وہ باہر آ جاتی ہے پھر وہ اس کو چیر لیتا ہے، کیا یہ جرم قطع ید کے قابل ہو سکتا ہے؟ اگر دروازہ کھولنے پر وہ خود نکلی ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بھینس اگر گھاس کو دیکھ کر آئی یا دروازہ کھلنے پر خود بخود باہر آ گئی تو ان دونوں صورتوں میں قطع ید نہ ہوگا، قال فی الشامیۃ (قولہ لان سیوۃ یضاف الیہ) اما لو خرج بلا سوق ولا زجر لم یقطع لان للدابۃ اختیاراً فما لم یفسد اختیارہا بالحمل والسوق لا ینقطع نسبة الفعل الیہا کما فی البحر (رد المحتار ص ۲۱۰ ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

گیس اور بجلی چرانے پر حد نہیں:

سوال: گیس اور برقی قوت کے سرقہ پر قطع ید کی سزا دی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قطعید کے لئے شرط ہے کہ چوری مکان محرز سے ہو، اگر مکان محرز نہ ہو تو کوئی محافظ موجود ہو، صورت سوال میں چونکہ دونوں شرطیں مفقود ہیں، اس لئے قطعید نہ ہوگا، قال فی شرح التنویر ویقطع لوسرق من السطح نصاً بالانہ حرز شرح دہبانیۃ او من المسجد اراد بہ کل مکان لیس بحرز نعم الطريق والصحراء ورب المتاع عندہ ای بحیث یراہ ولو الحافظنا ثمتا فی الاصح (رد المحتار ص ۲۰۹ ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۳ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

جادو کی سزا قتل ہے:

سوال: جادو اگر کوئی خود کرے یا دوسرے سے چلوائے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس کا نکاح باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے؟ نیز اس کی اقتدار جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جادو میں کفریہ الفاظ ہوں یا کفریہ عقیدہ ہو یا جادو میں تو کوئی بات کفریہ نہ ہو مگر جادوگر اس کو حلال سمجھتا ہو تو یہ شخص کافر ہے، اس لئے اس کا نکاح ٹوٹ گیا، اور حاکم اس کے قتل کا حکم دے گا، اور اگر جادو میں کوئی کفریہ بات نہیں اور جادوگر اس کو حلال بھی نہیں سمجھتا مگر جادو سے لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے تو کافر نہیں، فاسق ہے، مگر سزا اس کی بھی وہی قتل ہے، دوسرے جادو کروا کر لوگوں میں فساد پیدا کرنے والے اور نقصان پہنچانے والے کا بھی یہی حکم ہے کہ اس عمل کو حلال سمجھتا ہے تو کافر ہے ورنہ فاسق، دونوں صورتوں میں واجب القتل ہے، بلکہ کوئی عورت یہ کام کرے تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا، جب کہ مرتد ہونے والے عورت کی سزا قتل نہیں بلکہ قید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی سزا ارتداد سے بھی زیادہ سخت ہے، علاوہ ازین ارتداد سے جادو کی سزا اس لحاظ سے بھی زیادہ سخت ہے کہ مرتد کی توبہ قبول ہے مگر جادوگر کی توبہ بھی قبول نہیں، یعنی گرفتار ہونے کے بعد اس نے توبہ کر لی تب بھی قتل کیا جائے گا، البتہ گرفتاری سے پہلے تائب ہو گیا تو حکم قتل ساقط ہو جائے گا، یہ تفصیل حکم قتل کے بارے میں ہے، عذاب آخرت کے بارے میں بہر صورت توبہ قبول ہے، ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کافر ہے تو اس کی اقتدار میں نماز صحیح نہیں، اور فاسق کی اقتدار میں نماز ہو تو جاتی ہے مگر اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، بہر صورت اس کو امامت سے معزول کرنا فرض ہے، قال فی العلائقۃ والکافر بسبب

کے تحت میرے علم میں سقوط کے قابل نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں شبہہ سے مراد وہ شبہہ ہے جو مجرم میں پیدا ہو، اور زیر بحث صورت میں شبہہ جرم کے ثبوت میں نہیں ہے بلکہ مجرم کی اہلیت کے بارے میں ہے، چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اگر بلوغ میں شبہہ پیدا ہو تو حد کو مجرم کے ۵ برس کی عمر کو پہنچنے تک موقوف کیا جائے" (کتاب الخسراج ج ۲ ص ۸۹، ترجمہ اردو مکتبہ چراغ راہ، نمبر ۸۱)، آپ نے حد کو مجرم کے بلوغ میں شبہہ کی وجہ سے ساقط نہیں کیا بلکہ موقوف کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسقط حد وہ شبہہ ہے جو جرم کے اندر پیدا ہو، اس مسئلہ کے حل میں حضرت دالا اپنی تحقیق سے بہرہ ور فرمائیں، اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ بلوغ تک لڑکے کو قید رکھا جائے، یا ضمانت پر رہا کیا جائے؟ دوسری صورت صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ لا کفالت فی حد کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور اگر پہلی صورت ہو تو اس کا ثبوت ہونا چاہئے، بینوا تو حردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ پر حد نہیں، بلوغ کے بعد جرم کرے تو حد واجب ہوگی، اگر حالت جرم میں بلوغ مشتبہ ہو تب بھی حد نہیں لگائی جائے گی، بوقت جرم بلوغ کا یقین حد لگانے کے لئے شرط ہے، کتاب الخسراج میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کا یہی مطلب ہے، کتاب الخسراج کے اردو ترجمہ سے منقولہ عبارت کے نقل کرنے میں اگر کوئی فروگزاشت نہیں ہوئی تو ترجمہ کرنے میں مترجم سے غلطی ہوئی ہے، اصل عربی عبارت یوں ہے قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یقام الحد علی غلام لم یبلغ الحلم فان شک فیہ فلا یقام حد حتی یتبلغ خمس عشرة سنة وقد قالوا اکثر من ذلك، وكذلك الجارية لا یقام علیہا شیء من الحد ودر حتی تعین او یتبلغ خمس عشرة سنة، حد ثنا عبید اللہ بن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال عرضنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للقتال یوم احد فاستصغرنی فردنی وکنت ابن اربع عشرة سنة وعرضنی یوم الخندق وانا ابن خمس عشر سنة فاجازنی، قال نافع فحدث بهذا الحد ینح عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ وهو خلیفة فقال ان هذا الفرق بین الکبیر والصغیر، قال فکتب الی عماله من بلغ خمس عشرة سنة فافرضوا له فی المقاتلة ومن کان دون ذلك فافرضوا

لہ فی الذریۃ " فہذا احسن ما سمعناہ فی ذلک واللہ اعلم، حد ثنا ابان عن النس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتی بسلام قد سرق ولم یتبیتین احتلامہ فلم یقطعہ، قال وحدثنی بعض المشیخۃ عن مکحول قال " اذا بلغ الغلام خمس عشر سنۃ جازت شہادۃ وجبت علیہ الحدود " قال وحدثننا المغیرۃ عن ابراہیم فی الجاریۃ تزوج فیدخل بہا ثم تصیب فاحشۃ، قال لیس علیہا حد حتی تحبض کتاب الخراج ص ۵، ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

حالت مرض میں حد نہ لگائی جائے :

سوال : امر کلی کے طور پر واضح فرمائیں کہ جرم موجب حد کے ثبوت کے بعد اگر مجرم کو کوئی ایسا عارضہ لاحق ہو، مثلاً بیمار ہو جائے جس کی موجودگی میں اگر حد جاری کی جائے تو ہلاکت کا یقین ہو، تو کیا اس صورت میں سزا کو موقوف کیا جائے یا نافذ کیا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مجرم کو کوئی شدید عارضہ لاحق ہو جائے تو زوالِ عارض تک اُسے قید رکھا جائے، اس کے بعد حد جاری کی جائے، قال فی التنبیہ تقطع یمین السارق من زندۃ وتعسم الا فی حر وبرد شدیدین، وفی الشرح فلا تقطع لان الحد زاجر لا متلف ویجبس نیتوسط الامر، وفی الشامیۃ (قوله الا فی حر وبرد شدیدین) والا فی حال مرض مفتاح وقید فی البناۃ بالمرض الشدید افادہ ط عن الحموی رحمہ اللہ (۲۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

کوڑے کی تفصیل :

سوال : کوڑے کا طول، عرض (موٹائی و لمبائی) اور جنس کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی واضح اور معین صورت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کتب مذاہب اربعہ میں مذکور تفصیل سے یہ قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ کوڑا ایلام میں متوسط ہونا چاہئے خواہ وہ لکڑی کی نرم چھڑی ہو یا چمڑے کا ہو، یا کسی دوسرے چیز کا، ڈنڈے اور لاٹھی کا استعمال جائز نہیں، قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یضرب بسوطہ

ثمرة لان اتصال الثمرة بمنزلة من به اخرى فيصير كل ضربة ضربتين فيكون
 زيادة على القدر المشرع (البدائع ص ٦٠ ج ١)، وقال الامام المرغيناني رحمه الله تعالى
 يأمر الامام بضربه بسوط لا ثمرة له ضربا متوسطا لان عليا رضي الله تعالى عنه لما
 اراد ان يقيم الحد كسر ثمرة والمتوسط بين المبرح وغير المؤلم لا قضاء الاولي
 الى الهلاك وخلق الثاني عن المقصود وهو الانزجار (هداية مع الفتح ص ١٢٢ ج ٢)
 وقال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى (قوله بسوط لا ثمرة له ضربا متوسطا)
 قيل المراد بثمرته السوط عذوبته وذنبه مستعار من واحدة ثمر الشجرة وفي الصحاح
 وغيره عقد اطرافه ورجح المطرزي ارادة الاول هنا لما ذكر الطحاوي رحمه الله تعالى
 ان عليا رضي الله تعالى عنه جلد الوليد بسوط له طرفان اربعين جلدة فكانت
 الضربة ضربتين وفي الايضاح ما يوافقها قال ينبغي ان لا يضرب بسوط له
 ثمرة لان الثمرة اذا ضرب بها تصير كل ضربة ضربتين وفي الدراية لكن
 المشهور في الكتب لا ثمرة له اي لا عقدة عليه، وقول المصنف في الاستدلال
 عليه لان عليا رضي الله تعالى عنه لما اراد ان يقيم الحد كسر ثمرة لا يحتمل الوجه
 الاول اصلا بل احد الامرين اما العقدة واما تليين طرفه بالدق اذا كان يابسا
 وهو الظاهر وروى ابن ابي شيبه حد ثنا عيسى بن يونس عن حنظلة السدوسي
 عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال كان يؤمر بالسوط فتقطع ثمرة ثم يدق
 بين حجرين حتى يلين ثم يضرب به قلنا له في زمن من كان هذا قال في زمن عمر
 ابن الخطاب رضي الله تعالى عنه والحاصل ان المراد ان لا يضرب به وفي طرفه
 يسر لانه حينئذ يجرح او يبرح فكيف اذا كان فيه عقدة ويفيد ذلك ما روى
 عبد الرزاق عن يحيى بن ابي كثر ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال
 يا رسول الله اني اصببت حدا فاقمه علي فدعا عليه الصلوة والسلام بسوط فاتي
 بسوط شديد له ثمرة فقال سوط دون هذا فاتي بسوط مكسور لين فقال سوط
 فوق هذا فاتي بسوط بين سوطين فقال هذا امر به فجلد، رواه ابن ابي شيبه
 عن زيد بن اسلم ان النبي صلى الله عليه وسلم اتى بسوط فذكره وذكره مالك
 رحمه الله تعالى في الموطأ والحاصل ان يجنب كل من الثمرة بمعنى العقدة

ومعنى الفرع الذى يصير ذنبين تعسهما للمشارك فى النفى لانه عين العدد مائة
ولو تجوز بالشرة فيسأى شاكل العقدة ليعم المجاز ما هو باليس الطرف على ما ذكرنا
كان اولى فانه لا يضرب بمثله حتى يدق رأسه فيصير متوسطا رفته القدير ^{١٢٦} _{١٣٣}
رد المحتار ص ١٥١ ج ٣، حاشية الطحطاوى على الدرر ص ٢٦٣٩، البحر الرائق ج ٥،
تبيين الحقائق ص ١٦٩ ج ٣، حاشية الشلبى على التبيين ص ١٦٩ ج ٣، البناية
ص ٦٥٦ ج ٢، الاختيار لتعليل المختار ص ٨٥ ج ٢، الجوهرة ص ٢٢٠ ج ٢
وقال العلامة شيخ زادة رحمه الله تعالى ولو كان الرجل الذى وجب
عليه الحد ضعيف الخلقة فخير عليه الهلاك يجلد جلد اخفيا يحصل كما
فى الفتح لما روى ان رجلا ضعيفا زنى فامر رسول الله عليه الصلوة والسلام بان
ياخذ عثما لافيه مائة شمر اخ فيضرب به ضربة كفاى الساجية (مجمع الأنهر
ص ٥٩٦ ج ١، الدر المنقى على هامش المجمع ص ٥٩٦ ج ١، المئانة ص ٥٣٨ و ٥٣٦)
وقال العلامة خليل المالكى رحمه الله تعالى روا الحد وبسوط وضرب
معتدلين، وقال ابو عبد الله محمد المعروف بالخطاب المالكى رحمه الله تعالى
وقوله معتدلين قال فى الموطا انه عليه السلام اتى بسوط مكسور فقال فوق هذا
فاتى بسوط جديد فقال دون هذا فاتى بسوط قد ركب به ولان فامر به اى بالشخص
المجدود فحد، قال الباجى رحمه الله تعالى فى شرحه قال عيسى بن دينار الشمة
الطرف يريد ان طرفه محد ودلم تنكس حدته فقال دون هذا فاتى بسوط قد
ركب به ولا يريد انه قد انكسرت حدته ولم يخلق ولم يبلغ مبلغا لا يالم
من ضرب به فاقضى ذلك انه يحد بسوط بين سوطين والضرب فى الحد
كلها سواء انتهى وقال الجزولى وانما يضرب بالسوط وصفته ان يكون من جلد
واحد ولا يكون له رأسان وان يكون رأسه ليناد يقبض عليه بالخنصر البنصر
والوسطى ولا يقبض عليه بالسبابة والابهام ويعقد عليه عقدة التسعين و
يقدم رجله اليمنى ويؤخر اليسرى انتهى، (مواهب الجليل ص ٣١٨ ج ٦)
وقال العلامة الخرشى المالكى رحمه الله تعالى بعد نقل قول الجزولى و
صفة عقد التسعين ان يعطى السبابة حتى تلقى الكف ويضم الابهام

اليها (الخرشي ص ١٠٩ ج ٨)

وقال العلامة الشيخ محمد عlish رحمه الله تعالى واعتدال السوط كونه
ليس جديداً ولا بالياً، ونقل صفة السوط عن الجزولي ثم صفة عقد التسعين
عن الخرشي كما قد منار شرح منج الجليل ص ٥٥٣ ج ٢

وقال إمام البركات أحمد الدردير المالكي رحمه الله تعالى في شرحه
(والحدود) للزنا والقذف والشرب تكون (بسوط) جلد له رأس لين للأرباب
لا يقضيب وشراك ودررة ودررة عسرى الله تعالى عنه أنها كانت للتأديب
ويقضض الضارب به عليه بالخنصر والبنصر والوسطى دون السبابة والابهام
بل يقضضهما فوق السوط فارغين ويخرج السوط من بين السبابة والوسطى
(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ص ٣٥٢ ج ٢)، وقال ابن شهاب الدين
الرملي الشهير بالشافعي الصغير (وسوط الحدود) والتعازير يكون بين قضيب
أي خصن رقيق جداً (وعصا) غير معتدلة (و) بين رطب ويا بس) بان يعتدل
جرمه ورطوبته عرفاً ليحصل به الزجر مع أمن الهلاك فيمتنع بخلاف ذلك لما
يخشى من شدة ضرره أو عدم إيلا مة، وفي الموطأ مرسل أنه صلى الله عليه
وسلم أراد أن يجلد رجلاً فأتى بسوط خلق فقال فوق ذلك فأتى بسوط جديد فقال
بين هذين وهذا أن ورد في زان فهو حجة هنا بتقدير اعتضاده أو صحة وصله
إذا فارق بينهما، والسوط سيور تلف وتلوى قاله ابن الصلاح (نهایة المحتاج ص ١٥٨)
وقال شيخ الإسلام موسى الحجاوي المقدسي الحنبلي رحمه الله تعالى ويقضض
الرجل قائماً بسوط لا جديد فيجرح ولا خلق حجه بين القضيب والعصا، ولا يقضض
بعضاً ولا غيرها وأن كان السوط مغصوباً جزءاً (الاقتناع ص ٢٢٥ ج ٢)

وقال العلامة الآبي الأزهري المالكي رحمه الله تعالى (والحدود) التي بالجلد
كلها رطب، لا رمي ولا حدن (وسوط) لا عصا معتدلين، وصفته كونه من
جلد واحد وليس له رأسان وكون رأسه ليناً جواهاً (الأكلیل ص ٢٩٦ ج ٢)

وكذا قال العلامة أحمد الدردير المالكي رحمه الله تعالى (الشرح الصغير ص ٢٩٦)
وقال الإمام برهان الدين الحنبلي رحمه الله تعالى (بسوط) قال في شرح المذهب

للحنفية: السوط فوق القضيب ودون العصا، وفي المختار لهم: بسوط لا ثمرة له،
فتعين أن يكون من غير الجلد (لأن الجلد لا يخلق) نص عليه بفتح اللام وهو
البالي لخبر رواه مالك عن زيد بن أسلم مرسلًا وروى عن أبي هريرة رضي الله
تعالى عنه مسندًا وروى عن علي رضي الله تعالى عنه ولان الغرض الإيلاء دون
الجرح إذا جدد يجرح والبالي لا يؤلم (المبدع في شرح المقنع ص ۹۷ ج ۱)
قلت المراد من ثمرة السوط العقدة أو الذنب كما قد منا من كتب الحنفية
والاستدلال بهذه اللفظة على تعيين كون السوط من غير الجلد باطل،
وقال العلامة ابن قدامة الحنبلي رحمه الله تعالى وفي حديث جلد قدامه
حين شرب، أن عمر رضي الله تعالى عنه قال: أيتوني بسوط فجاءه أسلم مولاه بسوط
دقيق صغير فاخذه عمر رضي الله تعالى عنه فمسحه بيده ثم قال لا أسلم أنا أحدك
انت ذكرت قرابته لا هلك أيتني بسوط غيره هذا إفتاء به تأمنا فامر عمر رضي الله
تعالى عنه بقدمه فجلد إذا ثبت هذا فإن السوط يكون وسطًا لا جددًا فيجوز
ولا خلقًا فيقل المله لما روى أن رجلاً اعترف عند رسول الله صلى الله عليه وسلم
بالزنا فدعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه وسلم بسوط، فأتى بسوط مكسور فقال
فوق هذا فأتى بسوط جديد لم تكن ثمرة فقال بين هذين رواه مالك عن
زيد بن أسلم مرسلًا وروى عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه مسندًا، وقد روى عن
علي رضي الله تعالى عنه أنه قال ضرب بين ضربين وسوط بين سوطين
(المغني لابن قدامة ص ۱۶۸ ج ۱) فقط والله تعالى أعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

تہمت زنا پر حدّ قدرت ہے :

سوال: ایک بالغ لڑکی غیر شادی شدہ نے ایک مرد جو شادی شدہ ہے سے مطالبہ
کیا کہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو، مرد نے شادی کرنے سے انکار کر دیا، لڑکی نے دھمکی دی کہ
اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تم پر زنا کی تہمت لگا دوں گی، مرد نے کہا تو جو کچھ کر سکتی
ہے کر لے مگر میں تیرے ساتھ نکاح نہیں کرتا، چند ایام گزرنے کے بعد لڑکی نے تہمت
لگائی کہ اس مرد نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، حالانکہ کوئی گواہ بھی نہیں ہے، اور مرد بھی اس

فعل قبیح سے انکار کرتا ہے، اور حلف اٹھانے کے لئے بھی تیار ہے، تو کیا صرف عورت کے اقرار سے زنا ثابت ہو گیا یا نہیں؟ شریعت مقدسہ کا حکم اس مسئلہ میں صادر فرمائیں کہ اس لڑکی کے لئے شریعتِ مطہرہ میں کیا فیصلہ ہے؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے کہنے سے زنا ثابت نہیں ہوا، اس عورت پر لازم ہے کہ فعل زنا پر چار عینی شاہد پیش کرے، اگر چار عینی شاہد پیش نہیں کرتی تو اس پر حدِ قذف (انٹی کوڑے) واجب ہے جس مرد پر تہمت لگائی ہے وہ عدالت میں دعویٰ پیش کر کے اس عورت کو انٹی کوڑے لگوائے، اس زمانہ کی کسی عدالت سے اس کی توقع نہیں، اس لئے اس عورت کے والد پر اور وہ نہ ہو یا وہ غفلت کرے تو دوسرے رشتہ داروں پر واجب ہے کہ اس کو مناسب سزا دیں، تاکہ آئندہ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

بغرض تعزیر بمقاطعہ جائز ہے :

سوال؛ کسی جرم پر تعزیر کی نیت سے برادری کا مجرم سے مقاطعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جواب سے تشفی فرمائیں:

اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیہم الارض بعبادہا) سے جو مقاطعہ وقوع پذیر ہوا تھا وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداء الی دمی کی خصوصیت مبارکہ تھی یا ہنوز مشروع ہے؟ اسلامی عدالت یا شرعی پنچایت بطور تعزیر شرعی اس نوع کا مقاطعہ نافذ کر سکتی ہے جس میں حقوق واجبہ تک شامل تھیں؟ ملاحظہ فرمائیں، بخاری و مسلم و ریاض الصالحین باب التوبۃ، وقال الحنفی علاؤ الدین الطرابلسی الحنفی فی کتابہ معین الحکام ص ۲۳۱ والتعزیر لا یختص بفعل معین ولا قول معین فقد عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالہجر وذلک فی حق الثلاثۃ الذین ذکرہم اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم فہجروا خمسین یوما لا یکلمہم احد وقصتہم مشہورۃ فی الصحاح،

ہمارے سوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر یہ معاشرتی مقاطعہ مشروع ہے تو اس میں حقوق واجبہ مثلاً حقوق والدین، حقوق زوجین، جواب سلام اور کفن و دفن کہ فرض کفایہ ہیں اور

بچوں کے حقوق شرعاً شامل ہو سکتے ہیں یا کہ اس میں شرعاً کوئی استثناء ہے؟
 اگر عہد نبوی کا یہ مقاطعہ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ جائز ہے تو سوال یہ ہے کہ جہاد
 کی نفیر عام کے تحت یہ تعزیر روا ہے یا دیگر فرائض مثلاً حالت وجوب میں
 ارکان اسلام کو ادا نہ کرنا، یا سنگین شرعی و اخلاقی جرائم مثلاً قمار، سود خوری، ناحق طلاق،
 جھوٹی گواہی، نشہ بازی وغیرہ کے سلسلہ میں بھی اہل اسلام یا عدالت شرعیہ یا پنچایت کو
 بھی دائرہ شریعت میں رہ کر اس نوع کے مقاطعہ کے فیصلہ کا حق ہو گا یا شرعاً کوئی تحدید
 ہے؟ اور مقاطعہ کی مدت کی تعیین قاضی کی رائے پر موقوف ہوگی یا پنچائش دن کی تحدید
 ہوگی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تعزیر کے لئے مقاطعہ جائز ہے، اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں،
 مجرم کی نوعیت کی بھی کوئی تخصیص نہیں، اسی طرح ایام کی تحدید اور مقاطعہ میں کسی قسم
 کی تخصیص بھی نہیں، بلکہ حکم حسب صواب دید جس قسم کے مقاطعہ کا حکم جب تک چاہے
 سکتا ہے، حاکم سے ایسی توقع نہ ہو تو پنچایت بھی مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتی ہے، البتہ مقاطعہ کا
 فیصلہ خواہ حاکم کرے یا پنچایت دونوں صورتوں میں حقوق واجبہ سے متعلق حسب ذیل تفصیل

ہے:

① مجرم کے ذمہ جو حقوق واجب ہیں ان کو ادا کرنے سے اس کو روکنا جائز نہیں، مثلاً
 جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور نماز جنازہ وغیرہ، اسی طرح اس کی بیوی کو اس سے چار ماہ
 سے زیادہ مدت تک جدا رکھنا یا بیوی کو چار ماہ سے زیادہ مدت تک ہمبستری سے روکنے کا حکم
 کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ چار ماہ میں ایک بار صحبت کرنا بیوی کا حق واجب ہے،

② مجرم کے دوسروں کے ذمہ جو حقوق واجبہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

① ایسے حقوق جن کے وجوب میں مجرم کو کوئی اختیار نہیں جیسے اس کی نماز جنازہ اور
 کھنانے دفنانے وغیرہ، ان سے روکنا جائز نہیں،

② وہ حقوق جن میں خود مجرم کی طرف سے دوسروں پر ایجاب بالا اختیار ہے، جیسے
 مجرم کے سلام کا جواب اور بیوی سے طلب صحبت پر بیوی کی طرف سے اجازت، ان پر پابندی
 لگانا جائز ہے،

عقد الامام البخاری رحمه الله تعالى باب ما يجوز من الهجران لمن عصی، واستدل
 عليه بقصة كعب رضي الله تعالى عنه، وقال العاقظ رحمه الله تعالى اراد بهذه
 الترجمة بيان الهجران الجائر لان عموم النهی مخصوص بمن لم يكن لهجرة
 سبب مشرع فتبين هذا السبب المسوغ للهجرة هو لمن صدرت منه معصية
 فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجرة عليها ليكف عنها (فتح الباری ص ۱۵ ج ۱۰)
 وقال العلامة العيني رحمه الله تعالى وفيه جواز ترك السلام على من اذنب وجواز
 هجرة ثلاثة ايام، وفيه جواز ترك رد السلام على المهجور عن سلام عليه اذ لو
 كان واجبا لم يقل كعب هل حرك شفقيه برد السلام (عمدة القاری ص ۵۶ ج ۱۸)
 وقال ابوبكر بن العربي رحمه الله تعالى وفيه دليل على ان للامام ان يعاقب المذنب
 بتحريم كلامه على الناس اذ باله، وهكذا في الانبياء وهي المسألة الثالثة وعلى
 تحريم اهله عليه وهي المسألة الرابعة (احكام القرآن لابن العربي ص ۱۲ ج ۲)
 فقط والله تعالى اعلم،

۱۶ صفر ۱۲۰۱ هـ



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

الحکم الحماانی



قتل الزانی

— غیر حاکم کے لئے —

زانی کو کونہ حالات میں قتل کرنا جائز ہے؟

— اس بارے میں —

کتب فقہ میں بھت مختلف اقوال ملتے ہیں،

اس مسئلہ کی تحقیق میں یہ رسالہ مفرد ہے

الحكم الحَقَّاني في قتل الزَّاني

حكم من وجد شخصاً مع امرأة لا تحل له :

سؤال : ما قولكم رحمكم الله من وجد رجلاً مع امرأته في فراش واحد أو في بيت واحد أو وجد رجلاً يزني بامرأته أو جاريتها أو معرمتها هل يحل له أو لا خية أو غيره من الورثة أن يقتله أم لا ؟ وإن حل يسقط القصاص عنه أم لا ؟ وإن سقط فعليه الذية أم لا ؟ بينوا بياناً شافياً فوجروا اجروا وأفيا ،

الجواب ومنه الصدق والصواب

قد اختلفت في هذه المسألة عبارات الفقهاء الحنفية رحمهم الله تعالى فلتنظر العبارات المضطربة أولاً ، ولنسطر صورة الترجيح ثانياً ولنذكر وجه التوفيق ثالثاً ،
العبارات المضطربة :

- ① قال العلامة بدر الدين العيني رحمه الله تعالى في شرحه للجامع الصحيح للإمام البخاري رحمه الله تعالى اختلف العلماء فيمن قتل رجلاً وزعم أنه وجد في فراشه بامرأته فقال جمهورهم لا يقتل بل يلزمه القصاص إلا أن تقوم بذلك بينة أو تعترف به ورثة القتل والبيعة أربعة من عدول الرجال يشهدون على نفس الزنا ويكون القتل معصناً وأما فيما بينه وبين الله تعالى فإن كان صلاً قافلاً شيء عليه عن الفتاوى ص ١٩٤ ج ٥
- ② قال في الهندية سئل الهندواني عن رجل وجد مع امرأته رجلاً يحل له قتله قال إن كان يعلم أنه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بهادون السلاح لا يحل وإن علم أنه لا ينزجر إلا بالقتل حل له القتل وإن طأعت المرأة حل له قتلها

عنه هكذا في النسخة التي بين يدي والصواب لا يقبل قوله ثم رأيت كذلك في شرح صحيح مسلم للنووي ٣
عنه لعل الصواب امرأة بالتكثير كما سيظهر من البيان الآتي ١٢ منه

ايضا كذا في النهاية (عالمكبرية ص ١٠٤ ج ٢ فصل في التعزير)

٣ قال في منية المفتي ولو كان مع امرأته وهو يزني بها او مع محرمه وهما مطاوعان قتلها جميعا (الدر المختار باب التعزير)

٣ قال في البحر ومفاده الفرق بين الاجنبية والزوجة والمحرّم فمع الاجنبية لا يحل القتل الا بالشرط المذكور من عدم الانزجار المزبور وفي غيرها يحل (الدر المختار باب التعزير)

٥ قال في التنوير في باب التعزير ويكون بالقتل كمن وجد رجلاً مع امرأة لا تحل له ان كان يعلم انه لا ينزجو بصياح وضرب بسادون السلاح والا لا وان كانت المرأة مطاوعة قتلها ولو كان مع امرأته وهو يزني بها او مع محرمه وهما مطاوعان قتلها جميعا مطلقاً تنوير الابصار وجه التوفيق؛

اما قول صاحب البحر فيمنشأ حمل مطلق حل القتل المذكور في المنية على الحل المطلق وحمل مطلق المرأة المذكورة في عبارة الهند والى على الاجنبية وهو كما ترى، فان حمل مطلق الشيء على الشيء المطلق او المقيد بلا قرينة لا يصحى اليه لاسيما اذا قام الدليل على خلافه، ولذا اقال في شرح التنوير ورده في النهري بما في البرازية وغيرها من التسوية بين الاجنبية وغيرها ويدل عليه تنكير الهند وانى للمرأة نعم ما في المنية مطلق فيحمل على المقيد ليتفق كلامهم ولذا اجزم في الوهبانية بالشرط المذكور مطلقاً وهو الحق (الدر المختار)

واما عبارة التنوير فقد علمت حالها ايضاً ما ذكرنا ومنشأ اتباع شيخه صاحب البحر قال في الشاميه (قول مطلقاً) زاده المصنف على عبارة المنية متابعه لشيخه صاحب البحر (رد المختار ج ٣)

صورة الترجيح:

اما التوفيق بين عبارة منية المفتي وقول الهند وانى فظاهر مما مضى من تقرير شارح التنوير في رد صاحب البحر والتنوير
عنه اي الغانية كما في الشاميه ١٢ منه

وأما وجه التوفيق الذي اختاره العلامة ابن عابد بن رحمه الله تعالى حيث قال "وقد ظهر لي في التوفيق وجه آخر وهو أن الشرط المذكور أنها هو فيهما إذا وجد رجلاً مع امرأة لا تحل له قبل أن يزني بهما فهذا لا يحل قتله إذا علم أنه ينزجر بغير القتل سواء كانت أجنبية عن الراجد أو زوجة له أو محرماً منه أما إذا وجدته يزني بها فله قتله مطلقاً إلى أن قال، ثم رأيت في جنيات الحارثي الزاهدي ما يؤيد هذا أيضاً الخ" فقايد من رجحين:

① أن الاستدلال بعبرة الحارثي الزاهدي على التفرقة بين رؤية الزنا وعدم رؤيته يدل على أن رؤية الدواعي مثل رؤية نفس الزنا وهو مخالفت لما نقله عن معراج الدراية قبيل باب القود في سادون النفس حيث قال وكما لو دخل بيته و نظرفيه أو نال من امرأته ما دون الفرج لم يجز قلع عينه الخ ثم قال وقوله وكما لو دخل بيته الخ مخالفت لما ذكره الشارح إلا أن يعمل ما ذكره على ما إذا لم يمكن تنحيته بغير ذلك وما هنا على ما إذا أمكن فليتأمل والله أعلم (رد المحتار ج ٥) و مفادة الفرق بين نفس الزنا ودواعيه حيث يشترط في الدواعي عدم الانزجار بخلت نفس الزنا،

② قال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى في التحرير المختار لرد المحتار ر قوله ولذا قيد في المنية بقوله وهو يزني بها وأطلق قوله وقتلها الخ في الفتح سئل أبو جعفر الهندي والي عمان وجد رجلاً مع امرأة أيحل له قتله قال أن كان يعلم أنه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب يهادون السلاح لا يقتله وأن علم أنه لا ينزجر إلا بالقتل حل له قتله وأن طاعته المرأة حل قتلها أيضاً وذكروا هذه الحادثة كذلك العلامة المقدسي ونقلها في الفتاوى الهندية عن النهاية كما ذكرها في الفتح وبهذا تعلم أن موضوع مسألة الهند والي فمن رأى رجلاً مع امرأة يزني بها كما هو المتبادر أيضاً من قوله وأن طاعته فالمتعين ما سلك في النهر ولا يستقيم التوفيق الذي ذكره المحشي تأمل (التحرير المختار ج ٢)

أقول ولو سلمنا عدم دلالة على نفس الزنا فدلالة على الدواعي بيينة حيث لا بد من تسليمها وإنها في حكم نفس الزنا على تقرير العلامة ابن عابد بن رحمه الله

تعالیٰ كما عرفت فالحق ما نقله في الهندية عن الهند والى معزياً للنهاية وقرره صاحب
النهر اعتماداً على ما في البزازية والخانية والوهبانية وحققه شارح التنوير واختاره
الرافعي وعزاه الى الفتح والعلامة المقدسي ويحمل مطلق عبارة المنية والمجتمعي و
الحاوي الزاهدي عن خزنة الفتاوى على المقيّد ليحصل التوفيق بين العبارات
ولا تضاد،

واما عبارة عمدة القاري التي عزاه الحافظ العيني رحمه الله تعالى الى الجهر
نهي محمولة على ما اذا قتل مع عليه بانه ينزجر بدون القتل او قتل بعد الزنا
في وقت آخر وهو المتبادر من قوله انه وجد قد زنى بامرأته فهذا القتل ما كان
له حلالاً ولكن الزاني ان كان محصناً واتي القاتل باربعة شهداء من عدول لرجاء
على نفس الزنا فلا ضمان على القاتل لكون المقتول مباح الدم ويؤيده ما في التنوير
يجب القود بقتل كل محقون الدم وفي الشامية تحت (قوله محقون الدم) واحترق
عن مباح الدم كالزاني المحصن والعربي والمرتب (رد المحتار ج ۵) وايضاً ثبت في
موضعه ان من قتل مباح الدم لحق من حقوق الله تعالى كالزاني المحصن والقاتل
لا يحرم من الميراث وان لم يحكم القاضي بقتله بخلاف ما لو قتله قصاصاً غير الولي
بدون اذن القاضي فانه يحرم (رد المحتار ج ۵)

وما في حدود التنوير من قوله فلو قتله شخص او فاقأ عينه بعد القضاء به فهذا
وقبله يجب القصاص في العمد والدية في الخطأ لم يختص بغير الواجد لانه لم يثبت
الزنا عنده قبل القضاء،

واما ما قال الحافظ العيني رحمه الله تعالى من انه لا شيء عليه فيما بينه و
بين الله تعالى فالمراد منه انه ليس عليه اثم قتل النفس لكونها مباح الدم واما
مطلق الاثم فتايت لا قامتة الحد بدون اذن الامام وهذا اذا كان الزاني
محصناً واما ان كان غير محصن فعدم التأثم مقيد بالقتل في حالة الرجوع ان
وبعد! لا نزحار بدون القتل،

وبما القينا عليك من التفصيل المذكور حصل للقتل قسمان فنذكر حكم كل
قسم على حدة لتسهيل الامر،

① من وجد شخصاً مع امرأة لا تحل له سواء كانت زوجة للواجد أو محرماً له أو اجنبية وسواء رأى الزنا أو دواعيه أم لا بل وجد معها في خلوة بلا مباشرة فعل وسواء كان الزاني محصناً أو غير محصن ووطن الواجد أنه لا ينزجر بالصياح عليه والضرب بهادون السلاح فيحل له أن يقتله في هذه الحالة الراهنة لا بعد هذا القتل من قبيل تغيير المنكر باليد الثابت بالحديث المشهور، وأما عموم الوجدان وشموله للدواعي والخلوة المحضة فلما في الشامية ر قوله مع امرأة ظاهرة أن المراد الخلوة بها وإن لم ير منه فعلاً قبيحاً كما يدل عليه ما يأتي عن منية المفتي كما تعرفه فانهم (رد المحتار ج ۳) وإيضاً فيها معزيا إلى العاوي الزاهدي رجل رأى رجلاً مع امرأته يزني بها أو يقبلها أو يضمها إلى نفسه وهي مطاوعة فقتله أو قتلها لاضمان عليه ولا يحرم من ميراثها أن اثبتته بالبينة أو باقرار ولو رأى رجلاً مع امرأته في مفازة خالية أو رآه مع محارمه هكذا لم ير منه الزنا ودواعيه قال بعض المشايخ حل قتلها وقال بعضهم لا يحل حتى يرى منهما العمل أي الزنا ودواعيه ومثله في خزنة الفتاوى (رد المحتار ج ۳) والاطلاق من قيد الاحصان مصرح في شرح التنوير حيث قال بلا شرط احصان لأنه ليس من الحد بل من الأمر بالمعروف، وفي الشامية ر قوله بلا شرط الاحصان الخ رد على ما في الخانية من قوله وهو محصن كما قد مناه و جزم به الطرسوسي قال في النهر وردة ابن وهبان بأنه ليس من الحد بل من الأمر بالمعروف، وأنهى عن المنكر فهو حسن فان هذا المنكر حيث تعين القتل طريقاً في أزالتة فلا معنى لاشتراط الاحصان فيه ولذا أطلقه البنزازی اه قلت ويدل عليه أن الحد لا يليه إلا الامام (رد المحتار ج ۳)

وتقييد حل القتل بحالة الوجدان لا بعد ما يدل عليه قولهم "من وجد مع امرأته" وإيضاً هو من قبيل تغيير المنكر كما عرفت والتغيير لا يكون إلا حال المباشرة، وإيضاً هذا القتل من باب التعزير وقال في الشامية أن الحد مختص بالامام والتعزير يفعله الزوج والمولى وكل من رأى أحداً يباشر المعصية (رد المحتار ج ۳) وقال في البحر لكل مسلم أقامته حال مباشرة المعصية وأما

بعد الفراغ منها فليس ذلك لغير الحاكم (البحر الرائق ٥٦٠)

والطلاق المرأة وتقييد القتل بعدم الانزجار ثبت مما تقدم،

والحاصل انه لا جناح على القاتل في الصورة المفصلة،

واما سقوط الضمان فمفوض باتيان البينة رجلين او رجل وامرأتين على الوجدان مع المرأة على نفس الزنا او دواعيه او الخلوة الصرفة وعلى عدم الانزجار والقرائن الظاهرة المفيدة للعلم القطعي تقوم مقام البينة كما في كتاب الدعوى من شرح التنوير والسابع قرينة قاطعة كأن ظهر من دار خالية انسان عائف بكين متلوث بدم قد خلوه فوراً فراً وأما مدبراً لحيثنه اخذ به اذ لا يمتري احد انه قاتله (رد المحتار ص ٢٢٤ ج ٢) وفي اول كتاب القضاء من الشامية في بيان طريق القاضي الى الحكم او القرائن الواضحة التي تصير الامر في حيز المقطوع به فقد قالوا لو ظهر انسان من دار بيده سكين وهو متلوث بالدم سريع الحركة عليه اثر الخوف قد خلوا الدار على الفور فوجدوا فيها السنانا مدبراً بوحاً بذلك الوقت ولم يوجد احداً غير ذلك الخارج فانه يؤخذ به وهو ظاهر اذ لا يمتري احد في انه قاتله والقول بانه ذبحه اخرثم تسورا لحائط او انه ذبح نفسه احتمال بعيد لا يلتفت اليه اذ لم ينشأ من دليل (رد المحتار ص ٣٣١ ج ٢) ولكن وجود القرائن القاطعة على الزنا اي الايلاج كالميل في المكحلة مشكل جداً لانه ليس له اثر قاطع بخلاف القتل

فان اقام البينة او وجدت القرائن القاطعة فلا قصاص عليه ولا دية والا فيقتص منه، الا ان يكون الزاني متهماً بين الناس فيسقط القصاص وتؤخذ الدية، كما في شرح التنوير وفي المجتبى الاصل ان كل شخص رأى مسلماً يزني ان يجعل له قتله وانما يستنع خوفاً من ان لا يصدق انه زني، وفي الشامية رقبته وفي المجتبى (الم) عزاء بعضهم ايضا الى جامع الفتاوى وحدود البزازية وحاصله انه يحل ديانة لا قضاء فلا يصدق القاضي الا ببينة والظاهر انه يأتي هنا التفصيل المذكور في السرقة وهو ما في البزازية وغيرها ان لم يكن لصاحب الدار بينة فان لم يكن المقتول معروفاً بالشروا والسرقة قتل صاحب الدار قصاصاً وان كان متهماً به فكذلك قياساً وفي الاستحسان تجب الدية في ماله لو رثته المقتول لان دلالة الحال

أورثت شبهة في القصاص لاني المال (رد المحتار ج ٣)
 أقول وكن ينبغي ان يسقط القصاص وتؤخذ الدية ممن اتى بالبينة على لوطاً
 مطلقاً مع امرأة من محارمه أو على رؤية الزنا بامرأة اجنبية ولكنه لم يقدر
 على اثبات عدم الانزجار لشبهة وقعت لاختلاف الفقهاء رحمهم الله تعالى
 فان القتل في الصورة الثانية اُفتي بجلده العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى
 ويدل عليه ظاهر ما قدمنا من عبارة معراج الدراية التي أوردها العلامة ابن
 عابدين رحمه الله تعالى قبيل باب القود في مآدون النفس، وحل القتل في
 الصورة الأولى اختاره صاحب البحر وشارح التنوير رحمهما الله تعالى والله
 سبحانه وتعالى أعلم،

② وجد شخصاً مع امرأة فقتله مع علمه بانه ينزجر بدون القتل أو قتله
 في غير حالة الوجدان فيقتص منه إلا أن يأتي بأربعة شهداء من عدول
 الرجال على نفس الزنا ويكون الزاني محصناً فيسقط عنه الضمان أي لا قصاص
 عليه ولا دية وأما فيما بينه وبين الله تعالى فان تحقق نفس الزنا عنده و
 كان الزاني محصناً فليس عليه اثم قتل النفس بل يأنثم لا قامتة الحد بدون
 اذن الامام سواء اتى بالشهد أو أم لا، وان قتل بدون تحقق نفس الزنا عنده
 أو كان الزاني غير محصن فعليه اثم قتل النفس إلا ان يكون عالماً بعدم انزجار
 وقتله في حالة الوجدان فلا اثم عليه، فقط والله تعالى أعلم،

رشيد احمد عفا الله عنه

٢٢ ربيع الاول ١٣٤٣ هـ

الحاق:

قال العبد الضعيف قد يسألكان يختلج في قلبي كثيراً أن الحكومة اذا فعلت
 عما عليها من اقامة التعزير فالعامة تنوب عنها لكن لم أكن اُفتي به لعدم
 على بثبوتها في كلام الفقهاء رحمهم الله تعالى فلهذا الحمد والشكر كما ينبغي
 لجلال وجهه العظيم على اني بعد الفراغ من تحرير هذه الرسالة ببرهة
 من الزمان ظفرت بسا الهمني ربي في غرتي رعتقوان شباني، حيث أدركته

مصرحاً في كلام الفقهاء رحمهم الله تعالى،

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى والغلام اذا عقل واستغنى برأيه ليس للاب ضمه الى نفسه الا اذا لم يكن مأموماً على نفسه فله ضمه لدفع فتنة او عار وتأديبه اذا وقع منه شيء

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله فله ضمه) اي للاب ولأية ضمه اليه والظاهر ان الجد كذلك بل غيره من العصابات كالأخ والعم ولما ار من صرح بذلك ولعلمهم اعتمدوا على ان الحاكم لا يملك منه من المعاصي وهذا في زماننا غير واقع فيتحين الافتاء بولاية ضمه لكل من يؤتمن عليه من اقاربه ويقدر على حفظه فان دفع المنكر واجب على كل من قدر عليه لا سيما من يلحقه عاره وذلك ايضا من اعظم صلة الرحم والشرع امر بصلتها وابدفع المنكر ما أمكن قال تعالى ان الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاؤذي القربى وينهي عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تتقون (سرد المختار ص ٦٩٤ ج ٢)

وفي حدود العلانية معزياً الى المجتبى الاصل ان كل شخص رأى مسلماً يزني ان يحل له قتله وانما يستتم خوفاً من ان لا يصدق انه زنى وعلى هذا القياس المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بادنى شيء له قيمة وجميع الكبائر والاعونة والسعاة يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم انتهى وافق النجاشي رحمه الله تعالى بوجوب قتل كل مؤذ،

وفي الشامية بقوله وعلى هذا القياس (الخ) هو من تنمة عبارة المجتبى راقرة في البحر والنهر وكذا مشى عليه المصنف (قوله المكابر) اي الأخذ علانية بطريق الغلبة والقهر قال في المصباح كابرته مكابرة غالبته مغالبة (قوله وقطاع الطريق) اي اذا كان مسافراً ورأى قاطع طريق له قتله وان لم يقطع عليه بل على غيره لما فيه من تغليب الناس من شره واذا امكن ما يفيد ما بعده (قوله وجميع الكبائر) اي اهلها والظاهر ان المراد بها المتعدى ضررها الى الغير فيكون قوله والاعونة والسعاة عطف تفسير او عطف خاص على عام فيشمل كل من كان من اهل الفساد كالساحر وقاطع الطريق واللص واللوطي والخناق ونحوهم ممن عثم ضرره ولا ينزجر

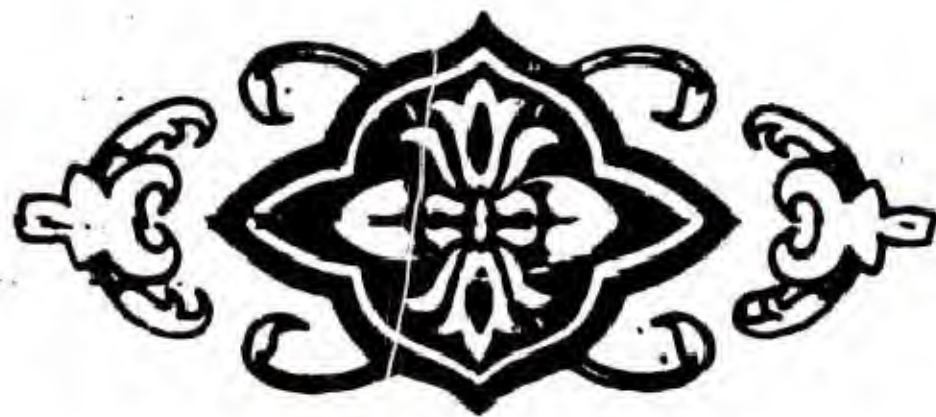
بغير القتل (قوله والاعونة) كأنه جمع معين أو عوان بمعناه والمراد به الساعي إلى
الحكام بالافتساد فعطفت السعاية عليه عطفت تفسيرا وفي رسالة أحكام السياسة
عن جمع النسخة سئل شيخ الإسلام رحمه الله تعالى عن قتل الاعونة والظلمة
والسعاية في أيام الفترة قال يباح قتلهم لأنهم ساعون في الأرض بالفساد قيل انهم
يستنبعون عن ذلك في أيام الفترة ويختفون قال ذلك امتناع ضرورة ولورد والعادة
لما نهوا عنه كما شاهد قال وسألنا الشيخ أبا شجاع رحمه الله تعالى عنه
فقال يباح قتله ويثاب قاتله أم (قوله وأفتى الناصحي الخ) لعل الجواب بالنظر
للأما ونوابه والاباحة بالنظر لغيرهم ط (رد المحتار ص ١٨٦ ج ٣)

فعلى هذا لا تتم هذه الرسالة إلا بضم هذين الأمرين:

- ① حل القتل غير مقيد بحالة المباشرة لأنه تعزير وهو لا يختص بها،
- ② وكذا عدم الانزجار بالصياح والضرب بمادون السلاح غير مشروط لأن
التعزير عقوبة تمنع عن ارتكاب المعصية وغير الحاكم لا يقدر عادة على
تعزير بمنع عن المعصية سوى القتل لأن التعزير ليسير لا يكفي لقطع مثل
هذه الفاحشة ولو عزربا لضرب الشديد دون القتل فربما لا يمكن له
أن يعصم نفسه من شر المجرم فأيضا يتعدى قطع جرثومة المعصية بدو
القتل يحل قتله، نعم لو لم يثبت المعصية عند الحاكم يقتصر من القاتل
فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

رشيد حسن

١٣ شوال ١٢٠٦ هـ





وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُصُونِ
تَأْكُلُوا ذُرِّيَّتَكُمْ مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ



تحرير المقال في التعزير بالمال

اس رسالہ میں قرآن و حدیث اور مذاہب اربعہ کے
نصوص سے ثابت کیا گیا ہے کہ مالی تعزیر جائز نہیں ہے۔
تنقید و تنقیح، تدقیق و تحقیق، بسط و تفصیل میں اس سے
پہلے اس موضوع پر علمی ذخائر میں ایسی کوئی
مثال نہیں ملتی۔

تَحْرِیرُ الْمَقَالِ فِي التَّعْزِيرِ بِالْمَالِ

تعزیر مالی جائز نہیں :

سوال : مالی جرمہ جائز ہے یا نہیں ؟ اس سے متعلق مکمل بحث مع مالہ وما علیہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں ، بینو اب التفصیل آجرکم اللہ العلیل ،

الجواب باسم ملہم الصواب

① وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا

مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۲-۱۸۸)

② فَمَنْ أَعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاغْتَدَىٰ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا أَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا

اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (۲-۱۹۳)

③ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ (۴-۲۹)

④ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ سَبَّوْكُمْ فَسَبِّحُوا

لِلضَّالِّينَ ۝ (۱۶-۱۲۶)

⑤ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَثْرِيبٍ الضَّمْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ خُطْبَةَ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى فَكَانَ فِيهَا خُطْبٌ بِهِ أَنْ قَالَ وَلَا يَجِلُّ

لَا مَرُءٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُهُ قَالَ فَلَمَّا سَمِعْتُ ذَلِكَ قُلْتُ

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ لَوْ لَقِيتُ غَنَمَ ابْنِ عَمِي فَأَخَذْتُ مِنْهَا شَاةً فَاجْتَزَرْتُهَا هَلْ

عَلَى فِي ذَلِكَ قَالَ أَنْ لَقِيتَهَا نَعِجَةً تَحْمِلُ شَفْرَةً وَزَنَادًا فَلَا تَسْهَأُ (رواه أحمد)

⑥ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ اقْتَطَعَ مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانِ (رواه أحمد)

⑦ عَنْ أَبِي حَمِيدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ لَا يَجِلُّ لَامَرُءٍ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَخِيهِ بِغَيْرِ حَقِّهِ وَذَلِكَ لِمَا حَرَّمَ اللَّهُ مَالَ الْمُسْلِمِ

على المسلم (رواه احمد)

- ⑧ وعنه رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يحل للرجل ان يأخذ عصا اخيه بغير طيب نفس وذلك لشدة ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مال المسلم على المسلم رواه احمد (الفتح الرباني ص ۱۲۰ ج ۱۵)
- ⑨ عن ابي حرة الرقاشي عن عمه رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه رواه البيهقي في شعب الايمان والدارقطني في المجتبى (مشکوٰۃ ص ۲۵۵)
- ⑩ روى الامام البخاري رحمه الله تعالى عن ابي هريرة رضى الله تعالى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال والذي نفسي بيده لقد هممت ان امر بخطب فيحطب ثم امر بالصلوة فيؤذن لها ثم امر رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الى رجلا فاحرق عليهم بيوتهم والذي نفسي بيده لو يعلم احد هم انه يجد عرقا سمينا او مائتين حسنتين لشهد العشاء (عمدة القاري ص ۱۵۹ ج ۵)
- ⑪ قال العلامة العيني رحمه الله تعالى وفيه جواز العقوبة بالمال بحسب الظاهر واستدل به قوم من القائلين بذلك من المالكية وعزى ذلك ايضا الى مالك رحمه الله تعالى واجاب الجمهور عنه بأنه كان ذلك في اول الاسلام ثم نسخ (عمدة القاري ص ۱۶۲ ج ۵)
- ⑫ وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى ومنها وهوتا سعيها ما ادعاه بعضهم ان فرضية الجماعة كانت في اول الاسلام لاجل سد باب التخلف عن الصلوة على المنافقين ثم نسخ حكاها عياض ويمكن ان يتقوى بثبوت نسخ الوعيد المذكور في حقهم وهو التحريق بالنار كما سيأتي واضحائي كتاب الجهاد وكذا اثبت نسخ ما يتضمنه التحريق من جواز العقوبة بالمال ويدل على النسخ الاحاديث الواردة في تفصيل صلوة الجماعة على صلوة الفذ كما سيأتي بيانه في الباب الذي بعد هذا، (فتح الباري ص ۱۰۶ ج ۲)
- ⑬ وقال ايضا وفيه جواز العقوبة بالمال كذا استدلل به كثير من القائلين بذلك من المالكية وغيرهم وفيه نظرا لسلفنا والاحتمال ان التحريق من

باب ما لا يتم الواجب الا به اذا الظاهر ان الباعث على ذلك انهم كانوا يفتقون في بيوتهم فلا يتوصل الى عقوبتهم الا بتحريقها عليهم رفتح الباري ص ١٠٩ ج ٢.

١٣) وقال العلامة الكرمانى رحمه الله تعالى قيل وفيه دليل على ان العقوبة كانت في اول الامر بالمال لان تحريق البيوت عقوبة مالية (شرح الكرمانى ص ٢٠٥ ج ٥)

١٤) وقال الامام النووي رحمه الله تعالى قال بعضهم في هذا الحديث دليل على ان العقوبة كانت في اول الامر بالمال لان تحريق البيوت عقوبة مالية وقال غيره اجمع العلماء على منع العقوبة بالتحريق في غير المتخلف عن الصلوة والغال من الغنمة واختلت السلف فيهما والجمهور على منع تحريق متاعهما (شرح صحيح مسلم للنووى ج ٢ ص ٢٣٢)

١٥) وروى ابوداود والترمذى رحمهما الله تعالى عن عمر رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا وجد ثمر الرجل قد غل في سبيل الله فاحرقوا متاعه واضربوه (مشكوة ص ٣١٤)

١٦) وروى ابوداود رحمه الله تعالى عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابا بكر وعمر رضى الله تعالى عنهم احرقوا متاع الغال وضربوه (سنن ابى داود ص ٢٦٩ ج ١)

١٧) وقال الامام البخارى رحمه الله تعالى ولم يذكر عبد الله بن عمر رضى الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم انه حرق متاعه وهذا الصم (بخارى ج ٢ ص ٤٣٢)

١٨) قال العلامة العيني رحمه الله تعالى واختلفوا في عقوبة الغال فقال الجمهور يعزربعد رجالة على ما يراه الامام ولا يحرق متاعه وهذا قول ابى حنيفة والشافعى ومالك وجماعة كثيرة من الصعابة والتابعين فمن بعدهم وقال الحسن واحمد واسحق ومكحول والاوزاعى يحرق رجلاه ومتاعه كله قال الاوزاعى الاسلحة وثيابه التي عليه قال الحسن الا الحيوان والمصحف وقال واما حديث ابن عمر عن عمر رضى الله تعالى عنهما مرفوعا في تحريق رجل الغال فهو حديث تفرد به صالح بن محمد وهو ضعيف عن سالم ولان النبي صلى الله عليه وسلم لم يحرق رجل الذى وجد عنده الخنزير والعباءة قيل انما لم يحرق رجل الرجل المذكور لانه كان ميتا فخرج ماله الى ورثته (قلت) قال الطحاوى

رحمه الله تعالى ولو صح حمل على أنه كان إذا كانت العقوبات في الأموال كأخذ شرط المال من مانع الزكوة وضالة الأبل وسارق التمر وكراه منسوخ، رعدة القاري ج ١٥١) (٢٠) وقال أيضاً قال البخاري رحمه الله تعالى يحتجون بهذا الحديث في أحراق رجل الغال وهو باطل ليس له أصل ورواؤه لا يعتمد عليهم وإن الصحيح هو الذي ليس فيه ذكر التحريق أشار إليه بقوله وهذا أصح رعدة القاري ص ١٥٨،

(٢١) وكذا قال العافظ العسقلاني رحمه الله تعالى (فتح الباري ص ١٣٠ ج ١) (٢٢) وقال العلامة على القاري رحمه الله تعالى قال التوريشي رحمه الله تعالى أحراق المتاع كان في أول الأمر مأمونة ثم نسخ قال الخطابي أما تأديبه عقوبة في نفسه على سوء فعله فلا أعلم من أهل العلم فيه خلافاً وأما عقوبته في ماله فقد اختلف العلماء فيه فقال الحسن البصري رحمه الله تعالى يحرق ماله إلا أن يكون مصحفاً أو حيواناً وبه قال جماعة من العلماء إلا أنه لا يحرق ما قد غل لأن حق الغانمين يرد عليهم وقال الشافعي رحمه الله تعالى يعاقب الرجل في بدنه دون متاعه (مرقاة ص ١٨٤ ج ٤)

(٢٣) وقال العلامة الكشميري رحمه الله تعالى (قوله فاحرق متاعه الخ) يدل على حد الباب على أحراق المال تعزيراً وفي عامة كتبنا نقي التعزير بالمال وأنه منسوخ وجد في الحاوي القدسي جواز التعزير بالمال عن أبي يوسف رحمه الله تعالى، (العرف الشدي ص ٢٢٤)

(٢٤) قال النبي صلى الله عليه وسلم في كل أبل سائمة في كل أربعين ابنة لبون لا يفرق أبل عن حسابها من أعطاهام مؤتجراً فله أجرها ومن أتى فانا أخذوها وشرأبله غرمة من غرما ت رينا رسن النسائي ص ٢٢٣ ج ١)

(٢٥) قال الإمام ابن الأثير رحمه الله تعالى قال العربي غلط "بهمز" الراوي في لفظ الرواية وإنما هو "وشر مال" أي يجعل ماله شطرين ويتخير عليه المصدق في أخذ الصدقة من خير النصفين عقوبة لمنعه الزكوة فاما ما لا تلزمه فلا، وقال الخطابي في قول العربي لا أعرف هذا الوجه وقيل معناه أن الحق مستوفى منه غير متروك عليه وإن تلف شرط ماله كرجل كان له الف شاة مثلاً فتلفت حتى

لم یبق له الا عشرون فانه یؤخذ منه عشر شیاة لصدقة الالف وهو شرط ماله
الباقی وهذا ایضاً بعيد لانه قال انا اخذوها و شرط ماله ولم یقل انا اخذ و شرط ماله
وقیل انه كان فی صدر الاسلام یقع بعض العقوبات فی الاموال ثم نسخ كقولہ فی
الشہر المعلق من خرج بشیء منہ فعليه غرامة مثليه والعقوبة، وكقولہ فی ضاقت
الابل المكتومة غرامتها ومثلها معها وكان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحكم به،
فغرم حاطباً ضعف ثمن ناقته المزنی لما سرقها رقیقہ ونحوها اولیٰ فی الحدیث
نظائر وقد اخذ احمد بن حنبل رحمه اللہ تعالیٰ بشیء من ہذا وعمل به، وقال
الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ فی القديم من منع زکوة ماله اخذت منه واخذ شرط
ماله عقوبة علی منعه واستدل بهذا الحدیث وقال فی الجدید لا یؤخذ منه
الا الزکوة لا غیر وجعل ہذا الحدیث منسوخاً، وقال كان ذلک حیث كانت
العقوبات فی المال ثم نسخت، ومن ھب عامة الفقهاء ان لا واجب علی متلف
الشیء اکثر من مثله او قیمته، (النهاية ص ۳، ۴، ۵ ج ۲)

②۶) وكذا نقل عن النهاية العلامة السيوطی رحمه اللہ تعالیٰ،

(زهر الربی بہامش سنن النسائی ص ۲۳۳ ج ۱)

②۷) وقال العلامة السہارنفوری رحمه اللہ تعالیٰ بعد نقل ما فی النهاية وقال
الحافظ فی تلخیص رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والحاكم وابن ہقی من
طریق بہز بن حکیم عن ابيه عن جده وقد قال یحییٰ بن معین اسناد صحیح
اذا كان دون بہز ثقة وقال ابو حاتم هو شیخ یکتب حدیثہ ولا یحتج به وقال
الشافعی رحمه اللہ تعالیٰ لیس بحجة وھذا الحدیث لا یثبتہ اھل العلم
بالحدیث ولو ثبت لقلنا به وكان قال به فی القديم وسئل عنہ احمد رحمه
اللہ تعالیٰ فقال ما ادري ما وجهه فسئل عن اسناده فقال صالح الاسناد
وقال ابن حبان كان یخطئ كثيراً ولولا ہذا الحدیث لا دخلتہ فی الثقات
وهو من استخیر اللہ فیہ وقال ابن عدی لما رآہ حدیثاً متکراً وقال ابن
الطلاع فی اوائل الاحکام بہز مجهول وقال ابن حزم غیر مشہور بالعدالة و
هو خطأ منہما فقد وثقہ خلق من الائمة، وقد استوفیت ذلک فی تلخیص

المقذوب، وقال البيهقي وغيره حديث، بهذا منسوخ وتعقبه النووي بان الذي ادعوه من كون العقوبة كانت بالاموال في اول الاسلام ليس بثابت ولا معروف ودعوى النسخ غير مقبولة مع الجهل بالتاريخ والجواب عن ذلك ما اجاب به ابراهيم الحربي ونقله ابن الجوزي في جامع المسانيد عن الحربي انتهى،

ربذل المجهود ص ١٩ ج ٣

②٨ وقال العلامة السدي رحمه الله تعالى والجمهور على انه حين كان التعزير بالاموال جائز في اول الاسلام ثم نسخ فلا يجوز الآن اخذ الزائد على قدر الزكاة، (حاشية السدي على سنن النسائي)

②٩ قال ابن حزم رحمه الله تعالى لان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قد حكم بها بحضرة الصحابة رضي الله تعالى عنهم لا يعرف منهم له مخالف ولا يدري منهم عليه منكر فاضعت قيمة الناقة المنتحرة للزني على رقيق حاطب التي سرقوها وانتحروها وقد روينا من طرق منها ما ناه احمد بن محمد بن الجسورنا قاسم بن اصبح نامطرون بن قيس نا يحيى بن بكير نا مالك بن انس عن هشام بن عروة بن الزبير عن ابيه عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب ان رقيقا لحاطب سرقوا ناقة للزني رجل من مزينة فانتحروها فرفع ذلك الى عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فامر عمر رضي الله تعالى عنه لكثير بن الصلت ان يقطع ايد يهم قال عمر رضي الله تعالى عنه اني اراك تجيعهم والله لا غرمناك غرما يشق عليك ثم قال للزني كم ثمن ناقتك قال اربعمائة درهم قال عمر رضي الله تعالى عنه فاعطه ثمان مائة درهم (وبعد سطرين) وقد روى عن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه وغيره نحو هذا في اتلاف الاموال كما روينا من طريق عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن ابيان بن عثمان ان ابا عثمان رضي الله تعالى عنه اغرم في ناقة محرم اهلكها رجل فاغرمه الثلث زيادة على ثمنها قال الزهري ما اصاب من اموال الناس ومواشيهم في الشهر الحرام فانه يزداد الثلث لهذا في العمد فهذا اشر في غاية الصحة عن عثمان رضي الله تعالى عنه ولا يعرف له في ذلك مخالف من الصحابة

رضي الله تعالى عنهم وقال به الزهري بعد ذلك (المحلى ص ٣٢٢ ج ١١)

(٣٠) قال العلامة العثماني رحمه الله تعالى اخرج ابن حزم من طريق يحيى بن بكير
 نامالك بن انس من هشام بن عروة عن ابيه عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب
 ان رقيقا لحاطب سرقوا ناقة للمزني رجل من مزينة فانتحروها فرفع ذلك الى
 عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه فامر عمر رضي الله تعالى عنه لكثير بن الصلت
 ان يقطع ايديهم قال عمر رضي الله تعالى عنه اني اراك تجيعهم والله لا غرم لك
 غرما يشق عليك ثم قال للمزني كم ثمن ناقةك قال اربع مائة درهم قال عمر
 رضي الله تعالى عنه فاعطه ثمان مائة درهم (المحلى) وليس فيه اجمع بين
 القطع والغرامة فانه لم يغرم السارق بل اغرم المولى وعزرة بالمال والتعزير
 بالمال جائز عند ابى يوسف رحمه الله تعالى وعندهما وعند الاثمة الثلاثة
 رحمهم الله تعالى لا يجوز رفع القدر يرم وتركه الجمهور للقرآن والسنة
 اما القرآن فقولنا تعالى فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم وان عاقبتم
 فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به، واما السنة فانه عليه الصلوة والسلام قضى
 بالضمان بالمثل ولانه خبرين فعه الاصول فقد اجمع العلماء على ان من استهلك
 شيئا لا يغرم الا بمثله او قيمته وانه لا يعطى احد بدعواه وفي هذا الحديث
 تصديق النبي صلى الله عليه وسلم من ثمن ناقة وفيه ايضا انه غرمه باعتراف عبدة
 وقد اجمعوا على ان اقرار العبد على سيده في ماله لا يلزمه وايضا فان يحيى
 ابن عبد الرحمن لم يلق عمر رضي الله تعالى عنه ولا سمع عنه، وذكر ابن وهب
 في موطاه من رواية يحيى بن عبد الرحمن عن ابيه وابوه سمع عمر رضي الله
 تعالى عنه وروى عنه وليس عند جمهور رواة الموطاه عن ابيه، قال ابو عمر
 اظن ابن وهب وهم فيه وذكر ايضا ان القصة كانت بعد موت حاطب
 وهو غلط فان حاطب مات سنة ثلاثين في خلافة عثمان رضي الله تعالى عنه
 فهذه اوجه عديدة على بها هذا الحديث كذا في الجوهر النقي واما حديث
 بهز عن ابيه عن جده في مانع الزكوة من قوله صلى الله عليه وسلم فانا اخذوا
 وشرط ماله رواه احمد وابوداود والنسائي والحاكم فقال ابراهيم الحربي في

سياق المتن لفظة وهم فيها الراوى وانما هو فانا اخذوه وشطرا ما له اى نجعل ما له شطرين فتخير عليه المصدق وياخذ من خير الشطرين فاما ما لا يلزمه فلا نقله ابن الجوزى في جامع المسانيد عن الحربى والله الموفق كذا فى تلخيص الجبير ومن طريق عبد الرزاق عن معمر عن الزهرى عن ايان بن عثمة عن ابيه عثمان رضى الله تعالى عنه اغرم فى ناقة رجل اهلكها رجل فاغرمه الثلث زيادة على ثمنها (المحلى) وقال فهذا الثرى غاية الصحة عن عثمان رضى الله تعالى عنه ولا يعرف له مخالف من الصحابة رضى الله تعالى عنهم وقال به الزهرى بعد ذلك اهل قلت محمول على انه كان قد اهلك الناقة مع متاع عليها يساوى ثلث قيمتها (اعلاء السنن ج ٥ ص ١١٩)

الفقر الحنفى

① قال العلامة العلائى رحمه الله تعالى (لا يأخذ مال فى المذهب) بحدود فيه عن البرازية وقيل يجوز ومعناه ان يسكه مدة لينزجر ثم يعيده اليه فان ايسر من توبته صرفه الى ما يرى وفى المجتبى انه كان فى ابتداء الاسلام ثم نسخ (رد المختار ص ١٨٢ ج ٣)

② وقال العلامة ابن عابد بن رحمه الله تعالى (قوله لا يأخذ مال فى المذهب) قال فى الفتح وعن ابى يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعند ما وباقى الاثمة لا يجوز ادم ومثله فى المعراج وظاهرا ان ذلك رواية ضعيفة عن ابى يوسف رحمه الله تعالى قال فى الشرب لالية ولا يفنى بهن المأففة من تسلط الظلمة على اخذ مال الناس فيما يكونه ادم ومثله فى شرح الوهبانية عن ابن وهبان (قوله وفيه الخ) اى فى البحر حيث قال وافاد فى البرازية ان معنى التعزير يأخذ المال على القول به امساك شئ من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه لا ان يأخذ الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعى وفى المجتبى لم يذكر كيفية الاخذ وارى ان يأخذها فيسكها فان ايسر من توبته يصرفها الى ما يرى وفى شرح الآثار التعزير بالمال كان فى ابتداء

الاسلام ثم نسخ اهو والحاصل ان المذهب عدم التعزير ياخذ المال وسين كسر الشارح في الكفالة عن الطرطوسي ان مصادرة السلطان لارباب الاموال لا تجوز الا لعمال بيت المال اى اذا كان يرد هالبيت المال (رد المحتار ص ١٨٢ ج ٣)

③ وقال الشارح العلاني رحمه الله تعالى في الكفالة (فائدة) ذكر الطرطوسي في مؤلف له ان مصادرة السلطان لارباب الاموال لا تجوز الا لعمال بيت المال مستند لابن عمر رضي الله تعالى عنه صادر ابا هريرة رضي الله تعالى عنه اهو وذلك حين استعمله على البحرين ثم عزله واخذ منه اثني عشر الفاشم دعاه للعمل فابى رواه الحاكم وغيره، واراد بعمال بيت المال خد متهم الذين يجبون امواله ومن ذلك كتبت اذ اتوسعوا في الاموال لان ذلك دليل على خيانتهم ويلحق بهم كسبة الاوقاف وتظارها اذ اتوسعوا وتعاطوا انواع الله وبناء الاماكن فللحاكم اخذ الاموال منهم وعزلهم فان عرف خيانتهم في وقف معين رد المال اليه والا وضعه في بيت المال نهروبحر (رد المحتار ص ٢٣١ ج ٣)

④ وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله رواه الحاكم وغيره) اخرج في الدر المنثور في سورة يوسف في قوله تعالى اجعلني على خزائن الارض، قال اخرج ابن ابي حاتم والحاكم عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه قال استعملني عمر رضي الله تعالى عنه على البحرين ثم نزعني وغرمني اثني عشر الفاشم دعاني بعد الى العمل فابيت فقال لم وقد سأل يوسف عليه الصلوة والسلام العمل وكان خيرا منك فقلت ان يوسف عليه الصلوة والسلام نبى ابن نبى ابن نبى وانا ابن امية واخاف ان اقول بغير علم وافق بغير علم وان يضرب ظهري ويشتم عرضي ويؤخذ مالي اهو بحر، قلت ولعل مذهبه ان هدية العمال جائزة بخلاف مذهب عمر رضي الله تعالى عنه فلذا اغرّمه (قوله ويلحق بهم) قال السيد الحموي هذا مما يعلم ويكنتم ولا تجوز الفتاوى به لانه يكون ذريعة الى ما لا يجوز، وذلك لان احكام زماننا لا وافقوا هذه اوصادروا من ذكر لا يردون الاموال الى الاوقاف وان علمت اعيانها ولا لبيت المال بل يصرفونها فيما لا يليق ذكره فليكن هذا على ذكر منك اهو قلت والفاعل لهذا عمرو ابن عمرو (رد المحتار ص ٢٣١ ج ٣)

- ⑤ قال العلامة الطحطاوى رحمه الله تعالى في حاشيته على الدرر (ص ١٦٢ ج ٣)
- ⑥ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد رحمه الله تعالى قال المصنف وسمعت من ثقة ان التعزير يأخذ المال ان رأى القاضى او الوالى جازو من جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال (خلاصة الفتاوى ص ٢٢٢ ج ٢)
- ⑦ قال الامام ابن الهيثم رحمه الله تعالى وعن ابى يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الائمة الثلاثة رحمهم الله تعالى لا يجوز، وما فى الخلاصة سمعت من ثقة ان التعزير يأخذ المال ان رأى القاضى ذلك او الوالى جازو من جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبنى على اختيار من قال بذلك من المشايخ كقول ابى يوسف رحمه الله تعالى (فتح القدير ص ٢١٢ ج ٢)
- ⑧ وقال الامام الباقى رحمه الله تعالى وقد قيل روى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى ان التعزير من السلطان بأخذ المال جائز،
(عناية بهامش الفتح ص ٢١٢ ج ٢)
- ⑨ وقال العلامة الجلبى رحمه الله تعالى اقول قال الزاهدى فى شرح القدورى فى بحث التعزير بالمال ولم يذكر كيفية الاخذ وارى ان يأخذها ويسلمها فان ايس عن توبتهم يصر فيها الى ما يري، شط، التعزير بأخذ المال كان فى ابتداء الاسلام ثم نسخ أم والمراد من قوله "شط" شرح الطحاوى (حاشية جلبى على العناية بهامش الفتح ص ٢١٢ ج ٢)
- ⑩ ونقل العلامة جلال الدين الخوارزمى رحمه الله تعالى ايضا جواز التعزير بالمال عن ابى يوسف رحمه الله تعالى (الكفاية بهامش الفتح ص ١١٣ ج ٥)
- ⑪ وقال العلامة بدر الدين العيني رحمه الله تعالى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما والشافعى ومالك رحمهم الله تعالى لا يجوز بأخذ المال (البنية ص ٢٨ ج ٣)
- ⑫ وقال العلامة ابن النجيم رحمه الله تعالى ولم يذكر محمد رحمه الله تعالى التعزير بأخذ المال وقد قيل روى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى ان التعزير

من السلطان بأخذ المال جائز كذا في الظهيرية، وفي الخلاصة سمعت من ثقة
أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز ومن جملة ذلك رجل
لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال أم، وأفاد في البرازية أن معنى التعزير
بأخذ المال على القول به أمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيد الحاكم
إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز
لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي وفي المجتبى لم يذكر كيفية
الأخذ وأرى أن يأخذها فيسكنها فإن أيسر من توبته يصر فيها إلى ما يرضى و
في شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ أم والحاصل
أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال (المحصر ٥٦٣)

(١٣) وقال الإمام الزليعي رحمه الله تعالى وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أن
التعزير بأخذ الأموال جائز للامام، (تبیین الحقائق ص ٢٠٨ ج ٣)

(١٤) وقال العلامة الشلبي رحمه الله تعالى (قوله وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى
أن التعزير بأخذ الأموال جائز للامام) وعندهما والشافعي ومالك وأحمد لا يجوز
بأخذ المال أم كما في وفتح، ثم نقل ما مر من كلام ابن الهمام رحمه الله تعالى،
(حاشية الشلبي بهامش التبیین ج ٣)

(١٥) وقال الامام الكردي رحمه الله تعالى والتعزير بأخذ المال أن المصلحة
فيه جائزة، قال مولانا خاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين ابويحیی الخوارزمي
رحمه الله تعالى معناه أن نأخذ ماله ونودعه فاذا تاب نرده عليه كما عرف في
خيول البغاة وسلاحهم وصوبه الامام ظهير الدين التمرقاشي الخوارزمي
قالوا ومن جملة من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال،

(البرازية بهامش الهندية ص ١٢٢)،

(١٦) وفي الهندية وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان
بأخذ المال وعندهما وباقي الاثنية الثلاثة رحمهم الله تعالى لا يجوز كذا في
فتح القدير، ثم نقل عن البحر معزياً إلى البرازية معنى التعزير بأخذ المال
كما مر نصها (هندية ص ١٦٠ ج ٢)

⑭ وافق العلامة المفتي عبد القادر الأفندي رحمه الله تعالى بمافي البزارية (روايات المفتين ص ٥٩)

⑮ ونقل العلامة عبد الرحمن الشهير بشيخ زاده رحمه الله تعالى عن البحر ما قد منا من ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال، ثم قال، لكن في الخلاصة سمعت عن ثقة ان التعزير بأخذ المال ان رأى القاضى ذلك او الوالى جاز من جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال ولم يذكر كيفية الاخذ وارى ان يأخذه فيسكه مائة للزجر ثم يعيده لا ان يأخذ لنفسه اول بيت المال فان ايس من توبته يصرفه الى ما يرى (مجمع الانهر ص ١٦١ ج ١)

⑯ وقال العلامة على القارى رحمه الله تعالى وعن ابى يوسف رحمه الله تعالى يجوز للسلطان ان يعزربا المال وقال ابو حنيفة ومالك والشافعى واحمد رحمهم الله تعالى لا يجوز (شرح التقاية ص ٢٦٣٩٤)

⑰ وقال العلامة المحدث محمد جعفر السندى رحمه الله تعالى ولم يذكر محمد رحمه الله تعالى التعزير بأخذ المال وقد قيل روى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى ان التعزير من السلطان بأخذ المال جائز، فى المحيط وقد روى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى الزجر والتعزير من السلطان بأخذ المال جائز ان رأى المصلحة وكذا اجاز للقاضى لانه كالوالى وفى معنى اولى الامر الامام والقاضى والمحتسب وقيل لا يجوز الا للسلطان، فى الخلاصة والخانية التعزير بأخذ المال ان رأى القاضى او الوالى جاز من جملة ذلك من لا يحضر الجماعة يجوز التعزير بأخذ المال انتهى الا ان رواية جواز التعزير بأخذ المال ينبغي ان لا يطلع عليها اهل زماننا لانهم بعد الاطلاع قد يجاوزون حد الاخذ بالحقوق الى التعدى بالمباطل فى الانوار فى مذهب الشافعى رحمه الله تعالى يجوز التعزير بالصلب (الى فتوله) لا يجوز بأخذ اللحية ولا بأخذ المال (المثانة ص ٥٣٥)

⑱ وقال صاحب معين الحكام يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب ابى يوسف رحمه الله تعالى وبه قال مالك رحمه الله تعالى ومن قال ان العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على من اذهب الائمة رحمهم الله تعالى نفلاً

وأستدل لا ولا ليس بسهل دعوى نسخها وفعل الخلفاء الراشدین واکابر الصحابة رضی الله تعالى عنهم لها بعد موتهم صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا اجماع يصح دعواهم الا ان يقول احد هم مذهب اصحابنا لا يجوز فمذهب اصحابه عنده عياء على القبول والرد (معین الحکام ص ٢٣١)

② ونقل ابن الشحنة رحمه الله تعالى عن الخلاصة ما قد مننا من نصرها (لسان الحکام بما مش معین الحکام ص ١٩٠)

الفقه المالکی:

① قال امام المالكية الشهير بالحطاب رحمه الله تعالى ومن يحمي قاطع الطريق او سارقا ونحو ذلك فان من يحميه ويمنعه عاص لله تعالى وتجب عقوبته حتى يحضره ان كان عنده ويتزجر عن ذلك الا ان يكون احضاره الى من يظلمه ويأخذ ماله او يتجاوز فيه ما امر به شرعاً فهذا الا يحضره ولكن يتغلى عنه ويرتدع عن حمايته والدفع عنه (مواهب الجليل ص ١٦٣٢)

② وكذا نقل الامام العلامة الهمام، شيخ الشيوخ محمد بن أحمد الرهوني المالكي رحمه الله تعالى عن المسائل الملقوطة (حاشية الرهوني على شرح الزرقاني لستن خليل ص ٨٦١٦٢)

③ وقال العلامة الدسوقي المالكي رحمه الله تعالى ولا يجوز التعزير بأخذ المال اجماعاً وماروى عن الامام ابى يوسف صاحب ابى حنيفة رحمه الله تعالى من انه جوز للسلطان التعزير بأخذ المال فمعناه كما قال البزازى من ائمة الحنفية ان يسلك المال عنده مدة لينزجر ثم يعيده اليه لا انه يأخذ لنفسه اول بيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز اخذ مال مسلم بغير سبب شرعى اى كسر او هبة (حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ص ٣٥٥)

④ وقال العلامة احمد بن محمد الصاوى المالكي رحمه الله تعالى اما التعزير بأخذ المال فلا يجوز اجماعاً وماروى عن الامام ابى يوسف صاحب ابى حنيفة رحمه الله تعالى من جواز التعزير للسلطان بأخذ المال فمعناه كما قال البزازى

من ائمة الحنفية ان يسلك المال عنده مدة لينزجر ثم يعيده اليه الى اخر
ما في حاشية الدسوقي، ثم قال وفي نظم العمليات ٥

لم تجز عقوبة بالمال ٢ اوفيه عن قول من الاقوال
(حاشية الصاوي على الشرح الصغير ص ٥٢٢)

الفقهاء الشافعي:

① قال العلامة النووي الشافعي رحمه الله تعالى ويحرم حلق لحيته و
واخذ ماله (تكملة المجموع ص ١٢٥ ج ٢)

② وقال العارف بالله الامام الشرواني الشافعي رحمه الله تعالى ولا يجوز
على الجديد، بأخذ المال (حواشي الشرواني ص ١٤٩ ج ٩)

③ وقال ابو الضياء علي بن علي القاهري الشافعي رحمه الله تعالى قال سم
علي منهج ولا يجوز على الجديد بأخذ المال براه،
(حاشية ابى الضياء على نهاية المحتاج ص ١٩ ج ٨)

الفقهاء الحنبلي:

① قال العلامة ابن قدامة الحنبلي رحمه الله تعالى والتعزير يكون بالضرب
والحبس والتوبيخ ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه ولا اخذ ماله لان
الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن احد يقتدى به ولان الواجب ادب و
التأديب لا يكون بالاتلاف (المغني لابن قدامة ص ١٤٨ ج ٩)

② وقال الامام برهان الدين ابراهيم بن محمد الحنبلي رحمه الله تعالى
تنبيه: التعزير يكون بضرب وحبس وتوبيخ وقيل في حق الله تعالى وحد
ولا يقطع عضو ولا يجرحه ولا يأخذ ماله الخ (المبدع شرح المقنع ص ١١٣ ج ٩)

③ وقال شيخ الاسلام موسى الحجاوي المقدسي الحنبلي رحمه الله تعالى ولا يجوز
قطع شيء منه ولا جرحه ولا اخذ شيء من ماله، قال الشيخ وقد يكون التعزير بالنيل
من عرضه مثل ان يقال له يا ظالم يا معتدي وباقامته من المجلس وقال التعزير
بالمال سائح اتلاف واخذ اقول ابى محمد المقدسي لا يجوز اخذ ماله منه الى ما
يفعله الحكام الظلمة (الاقناع ص ٢٠٠ ج ١٢)

④ وقال فقيه الحنابلة الشيخ منصور البهوتي رحمه الله تعالى (ولا يجوز قطع شيء منه) أي ممن وجب عليه التعزير (ولا جرحه ولا أخذ شيء من ماله) لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به ولأن الواجب أدب والأدب لا يكون بالاتلاف وقال الشيخ وقد يكون التعزير بالنيل من عرضه مثل أن يقال له يا فلان المير يا معتدى وقد يكون التعزير بإقامته من المجلس وقال التعزير بالمال سائغ اتلافاً واخذاً وقول المرفوع (أبى محمد المقدسي لا يجوز أخذ ماله منه إلى ما يفعل الحكام الظلمة) (كشف القناع عن متن القناع ص ۱۲۲ ج ۶) مذكوره بالا روايات وعبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :-

① تعزیر باخذ المال نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ و صحیحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے،

② اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے،

③ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے منسوخ قرار دیا ہے،

④ صحیح بخاری کی حدیث متعلق احراق بیوت کے جوابات:

① منسوخ ہے،

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسخ کے علاوہ یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہاں تغیر منکر احراق بیوت پر موقوف تھی، بندہ کے نزدیک یہی جواب صحیح ہے، اس کی تفصیل آگے عنوان "تعزیر فی المال" کے تحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ،

⑤ حدیث احراق متاع الغال کے جوابات:

① منسوخ ہے،

② ضعیف و غیر ثابت ہے،

③ نصوص شرعیہ، احادیث صحیحہ و اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے معطل ہے،

④ مانع زکوٰۃ کا نصف مال لینے کی حدیث کے جوابات:

① منسوخ ہے،

① رادی سے غلطی ہوئی ہے،

② مؤول ہے،

③ نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ و اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے،

④ ابن حزم قائل جواز ہیں، ان کا استدلال متعدد احادیث اور حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فعل سے ہے،

جہور کے نزدیک یہ احادیث منسوخ ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت منقطع ہونے کے علاوہ کسی وجہ سے معلول ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبرمانہ نہیں دلایا تھا، بلکہ ضائع کردہ اونٹ کی قیمت سے زائد فدان اس سامان کے بدلہ میں دلایا تھا جو اونٹ پر لاد رکھا تھا (اعلاء السنن) حسب تصریح ابن حزم یہ اونٹ محرم کا تھا، اس زمانہ میں حجاج عموماً اپنا سامان اونٹ پر ہی رکھتے تھے، اس لئے یہ اس توجیہ کا قرینہ قویٰ ہے، اس پر محمول کرنا اس لئے بھی لازم ہے کہ بدون اس کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کی تصحیح ناممکن ہے، اس لئے کہ یہ تضمین کے اصول شرعیہ کے خلاف ہے، اسی لئے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم کسی نے بھی اس کے ظاہر کے مطابق قول نہیں کیا،

⑤ تفصیل مذاہب اربعہ

حنفیہ:

① ظاہر مذہب عدم جواز ہے، اور یہی مفتی بہ ہے، (علانیہ، شامیہ، طحاوی، بحر، مجمع وغیرہ)

② حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت جواز منقول ہے، اس کے جوابات

یہ ہیں:-

① علامہ شامی و دیگر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت ضعیفہ قرار دیا ہے،

اکثر کتب میں یہ روایت صیغہ تمریض قیل سے مروی ہے،

② اس روایت ضعیفہ کا مطلب یہ ہے یہ سکہا مدۃ لینزجرثم یعیدہ الحاکم

الیہ الخ (بزازیہ، بحر، شامیہ، مجمع وغیرہ)

بعض کتب میں فان ایس من توبتہ یصرفہ الی مایری تحریر ہے، یہ کئی وجہ

سے باطل ہے :-

(۱) یہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں بلکہ صاحب مجتبیٰ کی ذاتی رائے ہے، کما یتضح من قوله واری ان یاخذ الخ، حاشیہ چلی میں اس موقع پر زاہدی سے یہی صاحب مجتبیٰ ہی مراد ہیں، علانیہ میں اس عبارت کی نسبت بحوالہ بحر زازیہ کی طرف کی گئی ہے یہ تسامح ہی، کیونکہ بحر میں بھی اسے مجتبیٰ ہی سے نقل کیا ہے، بزازیہ کی عبارت ثم یعیدہ لہ پر ختم ہو جاتی ہے، غرضیکہ یہ زاہدی کی اپنی ذاتی رائے ہی، زاہدی معتزلی ہے، اور نقل مذہب میں اس کا تفرد مردود ہے، کما صرح ابن وہبان وغیرہ ان الزاہدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع وتصانیفہ غیر معتبرۃ مالم یوجد مطابقتها لغيرها (الفوائد البہیۃ ص ۲۱۳) جب نقل مذہب میں زاہدی کا تفرد مردود ہے تو ذاتی رائے میں تفرد بطریق اولیٰ مردود ہوگا،

(۲) اگر زاہدی کو کسی دوسرے فقیہ کی حمایت حاصل ہو جائے تو بھی یہ اصول شرعیہ کے خلاف ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه،

(۳) مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریح لا ان یاخذہ لنفسہ ولا لبيت المال کے خلاف ہے، جب سب سے بہتر مصرف "بيت المال" کی نفی اہل مذہب نے صراحتاً فرمادی ہے تو یصرفہ الی مایزی کیسے درست ہو سکتا؟

اصول شرعیہ کے مطابق صحیح صورت یہ ہے کہ یہ مال حاکم کے پاس بطور امانت رہے، اگر مجرم نے موت تک توبہ نہ کی تو اسے اس کے ترکہ میں شامل کر دیا جائے، ⑤ اوپر ⑤ میں اس روایت ضعیفہ کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے اس پر بھی فتویٰ دینا ظلم کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، (مططاویٰ، حموی، شامیہ، شرنبلالیہ، شرح الوہبانیۃ، متانہ)۔

④ صرف خلاصۃ الفتاویٰ میں جواز بلا تفصیل منقول ہے، اس کے جوابات یہ ہیں :-

① اس میں ہے سمعت من ثقة، قائل مجہول ہے،

② اس کی بناء وہی روایت ضعیفہ ہے جس کا مطلب اوپر ۲ میں گزر چکا ہے،
(فتح القدر، حاشیہ الشلبی)

③ متانہ میں جواز بلا تفصیل کی نسبت خانہ کی طرف بھی کی ہے، اس کے جوابات یہ ہیں:
① یہاں دارالافتاء کے عمل نے خانہ میں بہت تلاش کیا مگر انھیں اس میں یہ جزئیہ
نہیں ملا،

② دوسری کتب فقہ میں سے کسی میں بھی خانہ سے نقل نہیں کیا گیا،
③ اگر خانہ میں نہیں اس کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو فتح القدر و حاشیہ الشلبی کی تحریر
مذکور کے مطابق یہ بھی اسی روایت ضعیفہ پر مبنی ہوگا،

⑤ بزاز یہ کی تحریر بھی اسی روایت ضعیفہ پر مبنی ہے (فتح القدر، حاشیہ الشلبی)
مزید بریں اس میں امام بزاز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت ضعیفہ کے مطلب کی بھی وضاحت
فرمادی ہے، بقولہ یسکھامدۃ لیزجرثم یعیدہ العاکم الیہ،
⑥ علانیہ و شامیہ میں عمال بیت المال کے لئے مصادرة السلطان کی بحث میں حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت تعزیر عمال کے جوابات یہ ہیں:

① یہ تعزیر نہیں تضمین ہے،
② اگر اسے مجازاً تعزیر کہا بھی جائے تو تعزیر بالمال نہیں بلکہ تعزیر فی المال ہے، جسکی
تفصیل آئندہ عنوان ”تعزیر فی المال“ کے تحت آرہی ہے،
③ یہ تضمین ہونے کی وجہ سے فی نفسہ جائز ہے، مع ہذا فساد حکام کی وجہ سے اس پر

فتویٰ دینا جائز نہیں، (شامیہ، حموی، طحاوی)
④ صاحب معین الحکام کا خیال باطل نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ و اصول شرعیہ کے خلاف
ہونے کے علاوہ خروج عن المذہب بھی ہے جو کہ حرام ہے، علاوہ ازیں جمہور محدثین و فقہاء
وائتمہ مذہب رحمہم اللہ تعالیٰ پر ایسی شدید تنقید بالخصوص مقلد ہو کر اپنے ہی امام کے بارے
میں ایسی زبان درازی ناقابل تاویل تعنت اور ناقابل معذرت گستاخی ہے،
ان کے دلائل مع جواب آگے عنوان ”تعزیر فی المال“ کے تحت آرہے ہیں،

مالکیہ:

① عام محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے معتدین

سے بلا تردد عدم جواز نقل فرمایا ہے،

② عسقلانی و عینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جواز کی نسبت مالکیہ کی ایک جماعت کی طرف کی ہے، (فتح و عمدة) عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بصیغہ تملیض خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت کی ہے، (عمدة) مگر کتب مالکیہ میں سے مدونہ، بدایۃ المجتہد، المنتقى، مواہب الجلیل، شرح منہج الجلیل میں قول جواز نہیں مل سکا، بلکہ تعزیر باخذ المال کو مواہب الجلیل اور حاشیۃ الامام الرہونی میں ظلم قرار دیا ہے، اور حاشیۃ الدسوقی و حاشیۃ الصاوی میں عدم جواز پر اجماع کی صراحت موجود ہے، لہذا اشارہ میں حدیث کی اس نقل کے بارے میں امور ذیل پیش کئے جاسکتے ہیں:

① یہ نسبت ہی صحیح نہیں،

② نسبت تو صحیح ہے مگر اہل مذہب کے نزدیک یہ قول مبرج ہے،

③ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کو اعتراف ہے کہ الفقہاء الطہاء و فحن صیادۃ اس لئے نقل مذاہب و استنباط مسائل میں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ہی کی تحقیق معتبر ہوگی، فان لكل فن رجالا،

④ ممکن ہے کہ یہ نسبت تعزیر فی المال سے متعلق ہو، بظاہر اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شارحین حدیث نے اسکا ذکر حدیث ثم احرق علیہم بیوتہم کی شرح میں فرمایا ہے اور اس حدیث کا تعلق تعزیر باخذ المال سے نہیں بلکہ تعزیر فی المال سے ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے،

⑤ کتب مالکیہ میں سے ”حاشیۃ العدوی علی الخرشی“ کی عبارت و يكون التعزیر بالنفی فیمن یزور الوثائق و بالمال کا أخذ اجرة العون من المطلوب الظالم سے مذہب مالکیہ میں شبہ نہ ہو، کیونکہ یہ درحقیقت تضمین ہے، اسے مجازاً تعزیر کہا گیا ہے، و لفظ ”اجرة“ فی التمثیل یدل علی کونہ تضمیناً لا تعزیراً فانہم لم یقدروا فی التعزیر شیئاً نعم لو اخذ مع الاجرة شیء، لکان تعزیراً، و ہذا التضمین لوجود التسبیب کافی کتب الحنفیۃ من وجوب الضمان علی الساعی الی السلطان بمن یکن ذی عادة السلطان الا غرام البتۃ (رد المحتار، المجمع، الدر المنقہ) ولم یستدل فقیہ علی جواز التعزیر بالمال بمسألة وجوب الضمان،

شافعیہ :

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بعض احادیث کی بناء پر قائل جواز تھے، مگر جب ان احادیث کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا تو جواز سے رجوع فرمایا، وھذا فی کتبہم مزبور و فی مذہبہم مشہور،

حنابلہ :

① عام محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مذہب حنابلہ عدم جواز نقل فرماتے ہیں، کتب حنابلہ میں سے بھی ”المغنی لابن قدامة“ اور ”المبدع“ میں عدم جواز مصرح ہے،
② ”الاقناع“ میں اصل مذہب ”عدم جواز“ کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول جواز تحریر ہے، جو کئی وجوہ سے ناقابل قبول ہے،

① عدم جواز بطور مذہب نقل کیا گیا ہے، اصل مذہب کے مخالف اقوال بتصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مرجوح بلکہ معدوم شمار ہوتے ہیں،

② عدم جواز کو بدون نسبت اور قول جواز کو قائل کی طرف منسوب کرنا نیز عدم جواز کو پہلے ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ قول جواز قابل قبول نہیں، مقدمۃ اقناع میں ماتن کی یہ تصریح ربما عزوت حکماء الی قائلہ خروجاً من تبعہ اس کی واضح دلیل ہے،
فذكره الماتن تضعیفاً له لئلا یختربہ احد،

③ بالفرض دونوں قول متن کے اعتبار سے مساوی تسلیم کر لے جائیں تو بھی قول عدم جواز شرح اقناع کشاف القناع و دیگر کتب حنابلہ میں مدلل ہے، اور شارح اقناع کے ہاں بلکہ اصول حنابلہ کے مطابق قول مدلل راجح ہوتا ہے،

(مقدمہ کشاف القناع عن متن الاقناع ص ۲۱)

④ اقناع میں حسب تصریح ماتن الشیخ سے ابن تیمیہ مراد ہیں، جن کی تقلید پر اجتہاد غالب ہے، لہذا ان کے قول کو مذہب قرار دینا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں،

⑤ یہ قول امام حنابلہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی صراحت کے خلاف ہے، مذہب حنبلی میں ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر فوقیت مسلم ہے،

⑥ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول لایجوز کی تاویل الی ما یفعله الحکام الظلمۃ خود ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیل لان

الشرع لم یرد بشیء من ذلك عن أحد یقتدی به کے خلاف ہے، فہو توجیہ
القول بما لا یرضی بہ قائلہ،

④ اگر اس توجیہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی عدم جواز ہی کو ترجیح ہوگی، کیونکہ ظلم حکام میں
روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے،

③ تعزیر بالمال کی بحث میں متعدد شارحین حدیث نے یہ جملہ بھی تحریر فرما دیا ہے وقد اخذ
احمد بشیء من ذلك وعمل به، مگر کسی نے بشیء کی تعین نہیں فرمائی، چونکہ کتب
خاتلہ میں عدم جواز مصرح ہے، اور عام فقہاء خاتلہ رحمہم اللہ تعالیٰ عدم جواز ہی کے قائل ہیں اس لئے
یہاں بھی وہی امور پیش کئے جاسکتے ہیں جو مالکیہ کی طرف نسبت جواز میں پیش کئے گئے ہیں،
علاوہ ازیں اقرب الی القیاس یہی ہے کہ یہ جملہ تعزیر فی المال سے متعلق ہے، اور ان
حضرات کو تعزیر بالمال و فی المال میں، التباس ہوا ہے، حالانکہ دونوں میں بہت فرق ہے،
كما سنحققہ ان شاء اللہ تعالیٰ،

غرضیکہ تعزیر بالمال، باتفاق ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ ناجائز ہے،

تعزیر فی المال:

اب ایسی روایات و عبارات درج کی جاتی ہیں جن سے جواز کا شبہ ہو سکتا ہے، بلکہ بعض
اشتباہ کی وجہ سے ان سے استدلال بھی کیا ہے، حالانکہ ان عبارات کا تعزیر یا غنم المال سے کوئی تعلق نہیں
① حدیث صحیح بخاری متعلق احراق بیوت اور اس کی شرح میں شارحین حدیث کی وہ
عبارات جو آغاز بحث میں گزر چکی ہیں،

شارحین حدیث نے اسے تعزیر بالمال میں داخل کر کے منسوخ قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر
رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسخ کے علاوہ یہ جواب بھی دیا ہے کہ تغیر منکر اس پر موقوف تھی، یعنی یہ تعزیر
بالمال نہیں بلکہ تعزیر فی المال ہے، وسیاتی توضیحہ،

② قال العلامة العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وفی شرح الوہانیة ویكون بالنفی
عن البلد وبالہجوم علی بیت المفسدین وبالایخراج من الدار وہدم مہاوکس
دنک الخمر وان ملحوھا ولم یقل احراق بیتہ،

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وبالہجوم الخ) وفی المنتقى
واذا سمع فی داره صوت المزمار فادخل علیہ لانه لما سمع الصوت فقد

اسقط حرمة داره، وفي حدود البرازية وغصب النهاية وجناية الدراية ذكر الصدق
الشهيد رحمه الله تعالى عن اصحابنا انه يهدم البيت على من اعتاد الفسق
وانواع الفساد في داره حتى لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين وهجوم عمر رضي الله
تعالى عنه على نائحة في منزلها وضربها بالدرة حتى سقط خمارها فقبل له فيه فقال
لا حرمة لها بعد اشتغالها بالمحرم والتحقت بالاماء، وروى ان الفقيه ابا بكر
البلخي خرج الى الرستاق وكانت النساء على شط النهر كاشفات الرؤوس والذراع
فقبل له كيف فعلت هذا؟ فقال لا حرمة لهن انما الشك في ايمانهن كأنهن
حريبات وهكذا في جنایات مجرم الفتاوى، وذكر في كراهية البرازية عن الواقعات
الحسامية ويقدم ايلاء العذر عن مظهر الفسق بداره فان كفت فيها والاحبسه الامام
اوارده اسواط او ازعجه من داره اذ الكل يصلح تعزيرا وعن عمر رضي الله تعالى عنه
انه احرق بيت الخمار وعن الصفار الزاهدي الامر بتخريب دار الفاسق (قوله
وان ملحوها) اي تكسر وان قال اصحابها تلقى فيها ملحاحا لاجل تغليلها، وفي كراهية
البرازية قال في العيون وفتاوى النسفي انه يكسر دنان الخمر ولا يضمن الكاسر
لا يكتفى بالقاء الملح وكذا من اراق خمر اهل الذمة وكسر دنانها وشق زقاقها
ان كانوا اظهروها بلين المسلمين لا يضمن لانهم لما اظهروها بيننا فقد اسقطوا
حرمتها، وفي سير العيون يضمن الا اذا كان اما ما يرمى ذلك لانه مختلف فيه
وفي المسلم يضمن الزق، مسلم في منزله دن من خمر يريد اتخاذها خلا يضمن
الدين عند الثاني وان لم يرد الاتخاذ لا يضمن عند الثاني، وذكر الخصاف ان الكسر
لربا ذن الامام لا يضمن والا يضمن واصله فيمن كسر بربطا مسلم وفتاوى على
قولهما في عدم الضمان ام (قوله ولم ينقل احراق بيته) تقدم نقله عن عمر
رضي الله تعالى عنه في بيت الخمار فالمراد انه لم ينقل عن علمائنا لكن ما مر عن
الصفاريفيد (رد المحتار ص ١٨٦ ج ٣)

- (٣) وكذا قال الامام الكردي رحمه الله تعالى (برازية بهامش الهنديه ص ٢٣)
(٤) وقال العلامة العلائي رحمه الله تعالى وقال لا يضمن ولا يصح بيعها
(اي المعازف) وعليه الفتاوى، وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى

رقولہ وقال الخ) ہذا الاختلاف فی الضمان دون اباحة اتلاون المعازف رآی
یباح اتلاف المعازف من غیر خلاف) وفيما يصلح لعمل آخر والا لم يضمن
شيئاً اتفاقاً وفيما اذا فعل بلا اذن الامام والا لم يضمن اتفاقاً وفي غير عود
المغنى وخابية الخمار والا لم يضمن اتفاقاً لانه لو لم يكسر هاء عاد لفعل البقيع
(رد المحتار ص ۱۴۹ ج ۵)

⑤ وكذا قال الامام العلائی رحمه الله تعالى (الد المنتقى بهامش المجمع ص ۴۶۹)
⑥ وقال العلامة عبد الرحمن المعروف بشيخ زاده رحمه الله تعالى حتى ذكر
الصدر الشهيد ان البيت يهدم على من اعتاد الفسق وانواع الفساد وانه لا
بأس بالهجوم على بيت المفسدين باراقة العصير قبل ان يشتد على من اعتاد
الفسق (مجمع الانهر ص ۲۷۰ ج ۲)

⑦ وقال العلامة الطحطاوى رحمه الله تعالى قال فى المنح من اعتاد الفسق
بانواع الفساد يهدم عليه بيته كذا فى الفتاوى السراجية عن اصحابنا و بعد
سطين) ونقل الحموى عن البرجندى انه يكون باحراق بيت الخمار والقتل
سياسة فى حق الامام للمبتدعة ام ابوالسعود رطحاوى على الدرر ص ۲۱۱ ج ۲
⑧ وكذا قال العلامة ابن النجيم رحمه الله تعالى فى الاشباه والنظائر ص ۸۶
⑨ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد رحمه الله تعالى بعد ذكر جواز احراق
ست الخمار وتخریب دار الفاسق وكسر دنان الخمر وشق زقاقها واتلاف المعازف
وفى فتاوى النسفى المحتسب اذا نهى القطان عن وضع القطن على طريق العامة
فلم يمتنع فاو قد المحتسب النار على قطنه واحرقه يضمن الا اذا علم فسادا فى
ذلك ورأى المصلحة فى احراقه (خلاصة الفتاوى ص ۳۳۷ ج ۲)

⑩ وكذا قال العلامة المنجد ومحمد حفص السندى رحمه الله تعالى،
(المتانة ص ۵۵۰ و ۵۵۳)

⑪ علائیه و شامیه میں عمال بیت المال کے لئے مصادرة السلطان کی بحث میں حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعزیر عمال کی روایت (رد المحتار ص ۳۱۷ ج ۴) یہ پوری عبارت تعزیر
بالمال کی بحث میں عنوان الفقہ الحنفی کے تحت ۳ اور ۴ میں گزر چکی ہے،

⑫ وقال صاحب معين الحكم ومنها امره عليه الصلاة والسلام بكسر نان الخمر وشق ظروفها ومنها امر رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر بكسر القدور التي طبخ فيها لحم الحمر الأهلية ثم استأذنه في غسلها فاذن لهم فدل على جواز الكسر لأن العقوبة بالكسر لم تكن واجبة ومنها تحريق عمر رضي الله تعالى عنه المكان الذي يباع فيه الخمر ومنها تحريق عمر رضي الله تعالى عنه قصر سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه لما احتجب فيه عن الرعية وصار يحكم في دأره، ومنها مصادرة عمر رضي الله تعالى عنه عماله بأخذ شطرا موالهم فقسرها بينهم وبين المسلمين ومنها أن عمر رضي الله تعالى عنه لما وجد مع السائل من الطعام فوق كفايته وهو يسأل اخذ ما معه وأطعمه ابل الصدقة وغير ذلك مما يكثر تعداده وهذه قضايا صحيحة معروفة قال ابن القيم الجوزية وأكثر هذه المسائل سائغة في مذهب أحمد رحمه الله تعالى (معين الحكم ط ۲)

ان عبارات میں غور کرنے سے امور ذیل سامنے آتے ہیں:

- ① ان روایات و عبارات سے تعزیر بصورت اتلاف مال یا سلب مالِ خبیث ثابت ہوتی ہے، ان کا تعزیر یا ختم المال سے دور کا بھی تعلق نہیں،
- ② تعزیر کی یہ صورت درحقیقت "تغییر منکر" کے قبیل سے ہے،
- ③ تعزیر فی المال صرف ایسے مواقع میں جائز ہے جہاں معصیت کا تعلق مال سے ہو اور ایسا تعلق کہ اس سے حرمت مال ساقط ہو جائے یا معصیت کا مٹانا اس پر موقوف ہو،
- ④ عمال بیت کے لئے مصادرة سلطان کی بحث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت تعزیر عمال کے جوابات مذہب حنفی کی تفصیل کے تحت لکھے جا چکے ہیں کہ یہ تعزیر نہیں بلکہ تفسین ہے، جو فی نفسہ جائز ہے، مع ہذا فساد حکام کی وجہ سے امام حموی، علامہ طحاوی اور علامہ شامی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر فقہاء نے اس پر فتویٰ دینے کو ناجائز قرار دیا ہے، اسے مجازاً تعزیر فی المال بھی کہا جاسکتا ہے، اس میں اتلاف مال کی بجائے مالِ خبیث کو مستحق پر رد کیا گیا ہے،

- ⑤ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سائل سے مال لینا بھی مالِ خبیث کو مستحق پر رد کرنا ہے،

⑥ جن صورتوں میں عقوبت فی المال جائز ہے ان میں یہ عقوبت صرف حاکم ہی دے سکتا ہے، کسی دوسرے کو اختیار نہیں،

اشکال:

مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کا پورا مال جلانا حدیث سے ثابت ہے، حالانکہ یہ معصیت ایسی نہیں کہ جس سے اس کے پورے مال کی حرمت ساقط ہو جائے، یا معصیت کا مٹانا اسی پر موقوف ہو،

اس کے مختلف جوابات ہیں:

① یہ روایت محققین کے نزدیک ضعیف و نا قابل احتجاج ہے، اسی لئے امام حمید رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اُسے نہیں لیا،

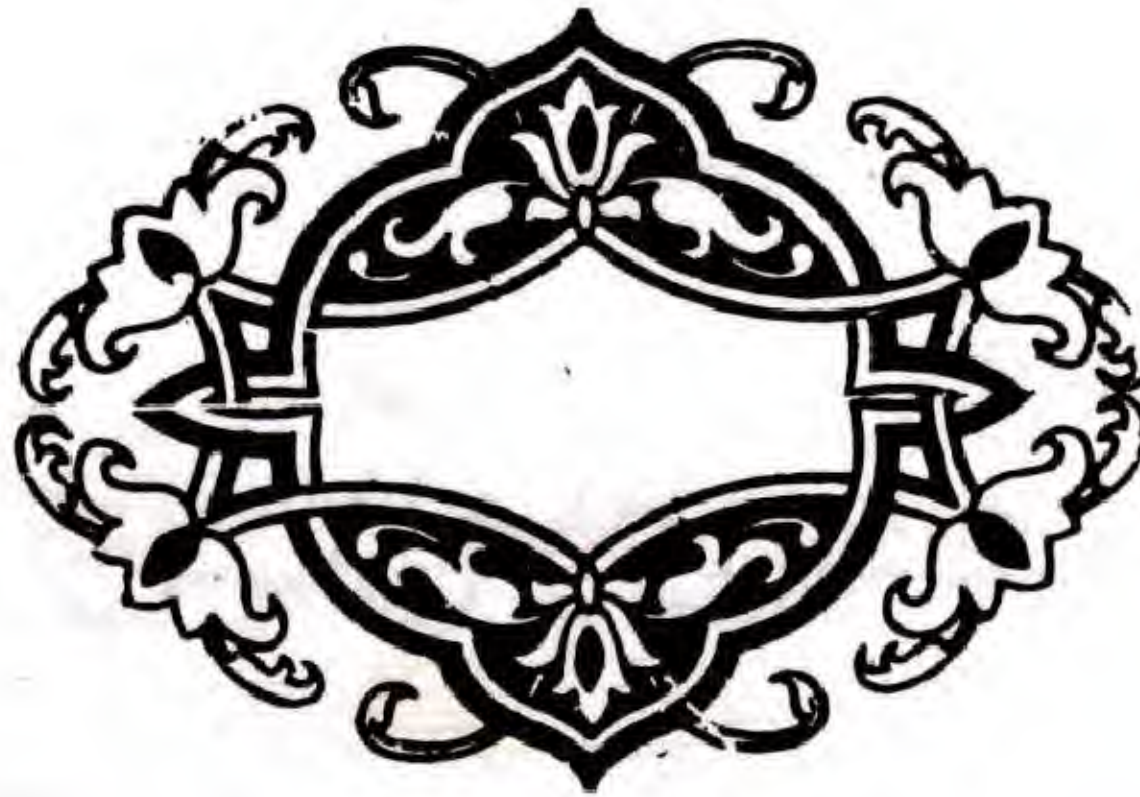
قال الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یحتجون بهذا الحديث في احراق رجل الغال وهو باطل ورواه لا يعتمد عليهم (عسقلانی و عینی و کرمانی)
وقال العلامة السہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ ولكن الفقهاء رحمہم اللہ تعالیٰ لم يصحوا هذا الحديث لانه شاذ يرويه مجهول لا يعرف ثم هو مخاف للآثار المشهورة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم الحق الوعيد بكل من ظهر منه غلول ولم يشتغل باحراق رجل احد فمن ذلك حديث منعم وحديث آخر الى قوله، فهذا كله دليل على عظم الوزر في الغلول وانه ليس فيه احراق الرجل لان تأخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز، وقال جابر رضي الله تعالى عنه ليس في الغلول قطع ولا نكال وهذا تصريح بنفي احراق الرجل (الى ان قال)
والدليل على ضعف هذا الحديث المروى فيه ان الغلول فيما نرى ما كان في زمن من الازمنة اكثر منه في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم لكثرة المنافقين والاعراب الذين يغزون معهم وهم كانوا اصحاب غلول واهل المنازي لم يدعوا شيئا مما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم في مغازيه الا روده فلو كان احرق رجل احد لتقلوا ذلك مستفيضا وحيث لم يوجد ذلك عرفنا ان الحديث لا اصل له (بذل المجهود ص ۳۲ ج ۵)

② شرعاً تہذیب کی کوئی حد نہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ خاتن کا پورا مال جلانا

یہ نہیں، بلکہ حد ہے، اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جاتی تو یہ بھی کتاب الحدود کا اہم باب ہوتا،
واذلیس فلیس، قال العلامة السہارنفوری قدس سرہ: ثم فیہ اثبات حد بحد^ث
شاذ واثبات ما یخالف الاصول ما یشبت مع الشبهات بمثل حد یت الشاذ
لا یجوز فکیف یشبت به ما یندری بالشبهات ربذل المجہود ص ۲۴ ج ۵
(۳) خابہ اس حدیث کے مطابق احراق مال کے قائل ہیں، اُن کے ہاں اس کی توجیہ یہ
ہے کہ خیانت کا سبب معصیت باطنی "حب مال" ہے، مال جلانا اس کے ازالہ کی صورت ہے،
قال العلامة ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ وانما القصد الاضرار به فی شئ من
دنیاہ (المغنی ص ۳۰، ۹۷)

تنبیہ:

تعزیر فی المال کا جواز حدیث لا یجوز مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ کے
منافی نہیں، کیونکہ یہ حدیث اخذ مال سے متعلق ہے وھذا الظہر جہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۸ جمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ



ارشاد القاری المصباح البخاری

تألیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی
 یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف
 موصوف نے کئی سال مسلسل دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا
 زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی
 حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیتِ حایت پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے
 اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک
 منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر
 مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا
 جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار
 کے ساتھ سمودیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک
 دیکھی جاسکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور
 بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح و امالی میں
 نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۸۹ء صفحہ ۲۱) قیمت

سید کمپنی ادب منزل کراچی
 پاکستان چوک